إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

کتاب مستطاب

سِیرۃ النبی ﷺ

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حصہ اوّل

از ولادت تا ختم سلسلۂ غزوات، مع مقدمہ مشتمل بر نقد فن سیر و تاریخ عرب قبل ظہور بعثت

تالیف

شمس العلماء محی الملۃ والدین علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۲۸ ذیحجہ ۱۳۳۲ھ

باہتمام:۔ مولوی مسعود علی ندوی

در مطبع معارف شہر اعظم گڈھ مطبوع گردید

طبع چہارم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع چہارم سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد اول

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت بخشی وہ مصنف اور جامع دونوں کے لئے بڑی نعمت ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے،

نومبر ۱۹۱۴ء میں مصنف کی وفات کے بعد جب سیرۃ کا مسودہ مصنف کی وصیت کے مطابق اس ہیچمدان کے ہاتھ آیا تو اس عقیدت کی بنا پر جو ایک شاگرد کو اپنے استاد سے ہونی چاہیئے، استاد کے مسودہ پر انگلی رکھتے ہوئے بھی ڈر معلوم ہوتا تھا، اگر کبھی بہ ضرورت ایسی گستاخی کرنی پڑتی تھی تو خواب میں بھی ڈر جاتا تھا، مسودہ کا مبیضہ مصنف کے سامنے ہو چکا تھا، اس لئے اس مبیضہ کا مقابلہ مسودہ سے اور نہ مسودہ کا مقابلہ اصل ماخذوں سے میں نے کیا، بلکہ مصنف کی امانت جوں کی توں ناظرین کے سپرد کر دی، بجز اس کے کہ بعض مقامات پر مصنف کے اشاروں کے مطابق بعض چیزوں کا اضافہ ہلالین میں کر دیا جس کی تصریح دیباچہ میں موجود ہے،

اس کے بعد اس نسخہ کی نقل در نقل چھپتی رہی، اور مقابلہ اور تصحیح ماخذ کی ضرورت نہیں سمجھی،

لیکن اس اثنا مین کبھی کبھی مراجعت کے وقت بعض مقامون پر تصحیح اور اضافہ کی نئی ضرورت
محسوس ہوتی رہی اور اس کے مطابق ایک نسخہ پر یہ تصحیحات اور اضافے وقتاً فوقتاً کرتا رہا،
اس دفعہ جب نئے نسخہ کے چھاپنے کی ضرورت ہوئی تو خیال آیا کہ اس کتاب کے مسودہ
کو اصل ماخذون سے ملا کر دیکھا جائے اور مقابلہ اور مطابقت کی جائے، یہ بڑا مشکل کام تھا
بیسیون کتابون کو پھر سے دیکھنا، اور ہزارون صفحون کو الٹنا، متعدد و مختلف روایتون کو پڑھنا
اور ضرورت کے مقام پر حاشیے لکھنا، خود ایک مستقل تصنیف کے برابر محنت تھی، مجھے یہ
لکھنے مین بڑی خوشی ہے کہ لائق عزیز مولانا محمد اویس صاحب نگرامی ندوی اس کام مین
میرے دست و بازو ثابت ہوئے، واقعات کی تلاش اور جانچ، روایتون کی چھان بین،
اصل عبارتون سے مسودہ کی تطبیق اور حدیث اور سیرت کی کتابون کی طرف از سرِ نو
مراجعت مین اُن سے بڑی مدد ملی،

کچھ مقام ایسے بھی تھے جہان اس ہیچمدان جامع کو مصنف کے نظریہ سے اختلاف
تھا، اس دفعہ وہان حاشیے بڑھا کر اختلاف کو ظاہر کر دیا، کہین کسی واقعہ کے اجمال کی تفصیل
یا دفعِ شبہہ کی ضرورت تھی، وہان اس ضرورت کو پورا کیا گیا، بعض مسامحات پر تنبیہ
مناسب تھی وہ کی گئی، کہین فروتر ماخذ کا حوالہ تھا اور اثنائے مطالعہ مین اس سے بالاتر
ماخذ ملا تو اس کا حوالہ دیدیا گیا،

یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ دو چار مقام مین عدد کی غلطی جو اردو ہندسون مین اکثر ہو جاتی
ہے اصل مبیضہ مین بھی موجود تھی، مراجعت کے وقت اُن کی غلطی معلوم ہوئی، اور اب

ان کی تصحیح کردی گئی، مثلاً حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے سلسلہ مین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ کی قیمت سوا روپیے چھپ گئی تھی، حالانکہ وہ سوا سو ہے، اسی طرح غزوۂ احزاب مین کفار کے لشکر کی تعداد ۲۴ ہزار چھپ گئی تھی، حالانکہ وہ بعض روایت مین ۱۲ ہزار لیکن صحیح روایات مین دس ہزار ہے،

مولانا کی زندگی مین اس کی تصنیف کے وقت ان کو بعض کتابین قلمی ملی تھین، جیسے روض الانف جس سے پورا استفادہ دقّت طلب تھا اب وہ چھپ گئی ہے، بعض کتابون کی اُن کو تلاش ہی رہی مگر ان کو مل نہ سکی، جیسے کتاب البدایہ والنہایہ ابن کثیر مصنف رح سے اکثر حسرت کے ساتھ سنا کہ افسوس تاریخ ابن کثیر نہین ملتی، وہ مل جاتی تو ساری مشکلین حل ہوجاتین، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب وہ چھپ کر عام ہوگئی ہستدرک حاکم اُس وقت تک ناپید تھی، اب طبع ہو کر گھر گھر پھیل گئی، غرض ان کتابون کے ہاتھ آجانے سے بہت سے نئے معلومات بڑھ گئے، چنانچہ اس نسخہ کی تصحیح و اضافہ مین ان سے کام لیا گیا،

اس نسخہ کی تیاری مین جن خاص باتون کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ یہ ہین ؛-

۱- پوری کتاب کے واقعات کو ازسرِنو حدیث و سیر کی کتابون سے ملا کر دیکھا گیا ہے اور اس مین جہان نقص نظر آیا دور کیا گیا ہے،

۲- تصحیح بیان، دفعِ شبہہ، رفعِ ابہام اور تشریح کے لئے بہت سے توضیحی حواشی بڑھائے گئے ہین،

۳- مصنف کا کوئی بیان اگر نقد اور تنبیہ کے قابل معلوم ہوا تو اس پر نقد اور تنبیہ کیگئی ہے،

۴- کہین کہین حوالے چھوٹ گئے تھے، اس نسخہ مین ان کو بڑھا دیا گیا ہے، کہین

صرف کتابون کے نام تھے، اس دفعہ ان کے صفحے یا باب بھی لکھ دیئے گئے،

۵- جہان صرف صفحون کے حوالے تھے، ابواب اور فصول کے حوالے بھی دیدیئے گئے تاکہ جس کے پاس ماخذ کی کتاب کا جو اڈیشن ہو اس مین نکال کر دیکھ لیا جا سکے،

۶- طبع اوّل کے بعد سے سیرت یا حدیث کی جو نئی کتابین چھپی تھین اُن سے استفادہ کرکے اگر کوئی نئی بات ان مین ملی ہے تو اس کا اضافہ کیا گیا،

۷- اگر کوئی حوالہ پہلے کسی نیچے درجہ کا تھا، اور بعد کو اُس سے اعلیٰ درجہ کا حوالہ ملا تو اس کو بڑھایا گیا،

۸- حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ صلعم کے اختصار کے بجائے پورا صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کا اہتمام کیا گیا تاکہ اس تساہل سے درود پڑھنے کی برکت سے ناظرین کو محرومی نہ ہو،

غزوۂ بدر کی روایتون کی تنقید کے سلسلہ مین ایک مقام پر اس نافہم ہیچمدان کے خطاکار قلم سے حضرت کعبؓ بن مالک صحابی کی روایت پر نامناسب تنقید نکل گئی تھی جس سے ایک گونہ ایک جلیل القدر صحابی کی شان مین سوء ظن کا پہلو پیدا ہوتا تھا' جس پر مجھے شرمندگی ہے، اور اب مین اپنی اس غلطی و نادانی کو مان کر اس عبارت کو قلمزد کرکے صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برأت کرتا ہون، اور اللہ تعالیٰ سے عفو کا خواستگار ہون

بندہ ہمان بہ کہ ز تقصیر خویش

عذر بہ درگاہِ خدا آورد

جن لوگون کے پاس اس سے پہلے کے نسخے ہون وہ اپنے نسخہ[1] سے ان سطرون کو کاٹ دین تو بڑی مہربانی ہو گی، اب یہ موجودہ نسخہ طبع اوّل سے بہت سی باتون مین بہتر ہو گیا ہے، اس موجودہ نسخہ مین انسانی استطاعت کے مطابق پوری طرح تصحیح کی بھی کوشش کیگئی ہے، تاہم انسان انسان ہے، خطا و نسیان اس کا خمیر ہے، کسی ناظرِ کتاب کو اب بھی کوئی غلطی معلوم ہو تو وہ ضرور مطلع فرما کر ممنون کرم کرین،

آخر مین پاک پروردگار کی بارگاہ عالی مین دعا ہے کہ وہ میری خطا و نسیان سے درگذر فرما کر اس خدمت کو قبول کا شرف بخشے، اور مسلمانون کو اس سے بیش از بیش مستفید فرما کر اس گنہگار کے لئے بخشایش کا ذریعہ بنائے، و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ہیچمدان

سید سلیمان ندوی

یکم جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۶۴ھ

---

[1] یہ عبارت سیرۃ النبی جلد اوّل طبع اوّل کے صفحہ ۲۵۵ کی سطر ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲، اور طبع مابعد کے صفحہ ۳۲۳ کی سطر ۱۴-۱۵-۱۶-۱۷ مین ہے،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع دوم

سیرۃ نبوی جلد اول طبع اول کو شائع ہوئے آج چار برس ہوئے، اس اثنا میں خداوند تبارک وتعالیٰ نے اس کو جو مقبولیت عطا فرمائی وہ ہم خاکساران دار المصنفین کے لئے فخر ونازش کا سرمایہ ہے، نہ صرف یہ کہ عام قدردانوں نے اس کو جان ودل سے خریدا، اور امراء اور والیان ممالک نے اس کی خدمت کو سعادت دارین سمجھا بلکہ خواص اور علماء کے طبقہ نے بھی اس کی قدرشناسی کی،

ہندوستان میں اہل علم کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جس نے اپنے اپنے فن کی میزان نقد میں سیرت کے مضامین وتحقیقات کو نہ تولا، حفاظ نے اس کی آیات قرآنی کو پڑھا، محدثین نے اس کی حدیثیں جانچیں، ادیبوں نے اس کے عربی اشعار اور ترجموں پر نقد کیا، علمائے انساب نے اسماء کی تنقیح کی، منجموں اور حساب دانوں نے اس کے زائچوں اور تاریخوں پر نظر ثانی کی، اہل تاریخ وسیر نے واقعات کی جانچ پڑتال کی، اور ہم ممنون ہیں کہ نہایت خلوص ومحبت سے انھوں نے اپنے نتائج افکار سے ہم کو مطلع کیا اور ہم نے

اُن سے فائدہ اٹھایا،

طبع اوّل میں جیسا کہ خاتمہ میں ہم نے اقرار کیا تھا چھاپہ کے اغلاط اور سہو کے چند مسامحات رہ گئے تھے اس طبع میں جہاں تک امکانِ انسانی ہے تصحیح کی انتہائی کوشش کی گئی ہے، اور یقین ہے کہ انشاء اللہ یہ اغلاط اور مسامحات سے پاک ہوگا، جو لوگ سیرۃ پر نقد کرنا چاہتے ہوں اُن کو یہی نسخہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے،

طبع اوّل بڑی تقطیع پر شائع ہوئی تھی، لوگوں کا اصرار تھا کہ طبع ثانی کتابی تقطیع پر شائع ہو، تاکہ وہ بہ آسانی ہر وقت استعمال میں آسکے، یہ اُن کی تعمیل ہے، انشاء اللہ ہر جلد کے طبع اوّل کی بڑی تقطیع کے بعد طبع ثانی چھوٹی تقطیع پر شائع ہوتی رہے گی،

سید سلیمان ندوی

۲۸- ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچۂ طبع اوّل

سیرۃ نبوی جس کے غلغلہ سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ گونج رہا ہے، آج ۷ سال کے بعد اُس کی پہلی جلد شائقین کے ہاتھ مین جاتی ہے، مین اپنا دل اس وقت مسرت آمیز اطمینان سے لبریز پاتا ہون، کہ استاد مرحوم نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ مین جو فرض میرے سپرد کیا تھا، الحمدللہ کہ اُس کے ایک حصہ سے آج سبکدوش ہوتا ہون، ع

شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

لیکن اس مسرت اور اطمینان کے ساتھ یہ حسرتناک منظر بھی سامنے ہو کہ مصنف اپنی چار سال کی جانکاہ محنت کا ثمر خود اپنے ہاتھ سے قوم کی نذر نہ کرسکا، اور حسن عقیدت کے جو پھول سیکڑون چمن کدون سے چن کر اُس کے ہاتھ آئے تھے، اُن کو آستانۂ نبوت پر وہ خود نہ چڑھا سکا،

مصنف مرحوم کو سیرۃ نبوی کے لکھنے کا خیال الفاروق کے بعد ہی پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ ۱۳۲۳ھ مین اس کا ایک مختصر سا حصہ یعنی غزوۂ اُحد تک وہ لکھ بھی چکے تھے، کہ بعض مشکلات کی بنا پر رُک گئے، لیکن ملک کا تقاضائے شوق برابر جاری رہا، بالآخر

انھون نے ۱۳۳۲ھ مین اس بار امانت کے اٹھانے کا آخری فیصلہ کرلیا، چنانچہ پچاس ہزار روپیے کے سرمایہ کے لئے انھون نے قوم مین مرافعہ پیش کیا، سیکڑون مسلمان اس خدمت کے لئے آگے بڑھے، ان مین فقراے امت بھی تھے اور امراے ملت بھی لیکن یہ سعادت اخروی ازل ہی سے خادمۃ الملۃ النبویۃ مخدومۃ الامۃ المحمدیۃ نواب سلطان جہان بیگم تاج الہند فرمانفرماے بھوپال متع اللہ المسلمین بطول بقائہا و دوام ملکہا کیلئے مقدر تھی، اس لئے وہ سب کے آگے بڑھین اور سوانح نگار نبوت کو دوسرے آستانون سے بے نیاز کرکے اس سرمایۂ سعادت کو اپنے خزانۂ عامرہ مین شامل کرلیا، فرمانروا خواتین اسلام نے جو مذہبی کارنامے اب تک انجام دیئے ہین آیندہ مورخ غالباً اس کارنامہ کو ان مین سب سے بڑا قرار دیگا، کہ اس کا تعلق اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی، جو اسلام کی تاریخ مین کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہے،

مصنف مرحوم کی وفات کے بعد شاید دوبارہ اس خدمت گذاری کے لئے مسلمانون مین قرعہ اندازی ہوتی لیکن فرمان فرماے بھوپال نے مصنف کے جانشینون کے لئے بھی سلسلۂ فیض کو برابر جاری رکھا، مصنف مرحوم کے منشا کے مطابق اس موقع پر منشی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ بھوپال کا نام لینا بھی ضروری ہی جن کی مروجہ جنبانی سے نسیم سعادت کے یہ جھونکے اس باغ قدس مین دوبارہ آئے،

مصنف مرحوم نے جو مسودہ چھوڑا تھا اس مین اس حصہ تک مبیضہ صاف تھا، البتہ جن جن مقامات پر اضافہ کی علامت بنی تھی اور مطالب کا اشارہ تھا، ان کو بڑھا دیا گیا معلوم ہوتا ہی،

کہ اس حصہ کی تکمیل کے بعد ان کو خیال آیا کہ قدیم مورخین کی طرح سنہ وار واقعات کی ترتیب رکھ کر ہر سنہ کے آخر میں جزئی حالات "واقعاتِ متفرقہ" کے عنوان سے لکھدیئے جائیں، چنانچہ مبیضہ یہ سلسلہ تک اپنے قلم سے وہ لکھ سکے، یہ امانت جب میرے سپرد ہوئی تو مین نے بقیہ سنین کے آخر میں اسی قسم کے جزئیاتِ متفرقہ کا اضافہ کردیا حواشی یا حوالے کہیں کہیں چھوٹ گئے تھے، وہ ڈھونڈھ کر لکھے لیکن اس کی کامل احتیاط کی گئی کہ جامع کا کوئی لفظ بلکہ کوئی حرف مصنف کی عبارت مین نہ ملنے پائے، چنانچہ ان تمام جزئی اضافون کو قوسین کے اندر جگہ دی گئی ہو، اس بنا پر لفظ "صلعم" یا جملہ ہاے معترضہ کے سوا جو چند فقرے اور عبارتین قوسین مین ہین وہ اضافہ ہین،

یہ پہلے خیال تھا کہ جلد اوّل کو وفات تک وسعت دی جائے، لیکن جب کتابت شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ ضخامت ۸۰۰ صفحہ کو پہنچ جائے گی، اور اس سے جلد کی نفاست کو صدمہ پہنچے گا، سامانِ طبع کی گرانی سے جو تعویق پیدا ہو رہی تھی، اُس نے مجبور کیا کہ اس کو دو جلدون مین تقسیم کر دیا جائے، چنانچہ پہلی جلد سلسلۂ جنگ و غزوات پر ختم کر دی گئی، اور دوسری جلد اسلام کی امن کی زندگی، تنظیم و تنسیق، اشاعتِ اسلام، وفات اور اخلاق کی الگ کر دی گئی، خداوند تعالےٰ سے دعا ہو کہ اس کی طبع و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل،

مصنف مرحوم کتاب کا سرنامہ لکھنے نہ پائے تھے اُن کے مسودات مین اتفاقاً یہ تحریر قلمزدہ مل گئی، اس کو غنیمت سمجھ کر تبرکاً داخلِ کتاب کیا جاتا ہے،

جامع
سید سلیمان، ندوی
دار المصنفین اعظم گڈھ - ۲۰ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۶ھ

فہرست مضامین

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حصہ اول

آفتاب رسالت کا طلوع

۱۹۹ — ۲۶۷

سنہ ۳ھ
غزوۂ اُحُد
۳۶۹ - ۳۸۷

سنہ ۴ھ
سلسلۂ غزوات وسرایا
۳۸۸ - ۳۹۴

سنہ ۲ھ وسنہ ۳ھ وسنہ ۴ھ
یہودیوں سے معاہدہ اور جنگ
۳۹۵ - ۴۱۲

سنہ ۵ھ
غزوۂ مریسیع، واقعۂ افک وغزوۂ احزاب،
۴۱۳ - ۴۴۶

سنہ ۶ھ
صلح حدیبیہ، بیعت رضوان
۴۴۷ - ۴۶۱

سنہ ۷ھ
(آخر)
سلاطین کو دعوت اسلام
۴۶۳ - ۴۷۴

سنہ ۹ ھ
ایلاء اور تخییر، غزوۂ تبوک، مسجد ضرار، حج الاسلام
۵۴۷ - ۵۷۲

غزوات پر دوبارہ نظر
۵۷۳ - ۶۲۲

سفرنامہ

ایک گدائے بینوا شہنشاہِ کونین کے دربار
میں اخلاص و عقیدت کی نذر لے کر آیا ہے،
زچشم آستین بردار و گوہر را تماشا کن

"شبلی"

شوال سنہ ۱۳۳۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

عالم کائنات کا سب سے بڑا مقدم فرض، اور سب سے زیادہ مقدس خدمت یہ ہو کہ نفوس انسانی کے اخلاق وتربیت کی اصلاح وتکمیل کیجائے، یعنی پہلے ہر قسم کے فضائل اخلاق، زہد وتقویٰ، عصمت وعفاف، احسان وکرم، حلم وعفو، عزم وثبات، ایثار ولطف، غیرت استغنا کے اصول وفروع نہایت صحیح طریقہ سے قائم کئے جائیں، اور پھر تمام عالم میں اُن کی عملی تعلیم رائج کی جائے،

اس مقصد کے حصول کا عام طریقہ وعظ وپند ہے، اس سے زیادہ متمدن طریقہ یہ ہو کہ فنِ اخلاق میں اعلیٰ درجہ کی کتابیں لکھی جاکر تمام ملک میں پھیلائی جائیں، اور لوگوں کو اُن کی تعلیم دلائی جائے، ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگوں سے بہ جبر محاسنِ اخلاق کی تعمیل کرائی جائے اور رذائل سے روکے جائیں،

یہی طریقے ہیں جو ابتدا سے آج تک تمام دنیا میں جاری ہیں، اور آج اس انتہائی ترقی یافتہ دور میں بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا جاسکتا، لیکن سب سے زیادہ صحیح، سب سے زیادہ کامل، سب سے زیادہ عملی طریقہ یہ ہے کہ نہ زبان سے کچھ کہا جائے، نہ تحریری نقوش پیش کئے جائیں

نہ جبر و زور سے کام لیا جائے، بلکہ فضائلِ اخلاق کا ایک پیکرِ مجسم سامنے آجائے جو خود ہمہ تن
آئینۂ عمل ہو، جس کی ہر جنبشِ لب ہزاروں تصنیفات کا کام دے، اور جس کا ایک ایک
اشارہ، اوامرِ سلطانی بن جائے، دنیا میں آج اخلاق کا جو سرمایہ ہے، سب انہی نفوسِ قدسیہ
کا پرتو ہے، دیگر اور اسباب صرف ایوانِ تمدن کے نقش و نگار ہیں،

لیکن اس وقت تک دنیا کی جس قدر تاریخ معلوم ہے، اس نے اس قسم کے نفوسِ
قدسیہ جو پیش کئے ہیں، وہ فضائلِ اخلاق کی کسی خاص صنف کے نمونے تھے، مثلاً جناب
مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکتب درس میں صرف حلم و تحمل، صلح و عفو، قناعت و تواضع
کی تعلیم ہوتی تھی، حکومت و فرمانروائی کے لیے جو فضائلِ اخلاق درکار ہیں مسیحی تعلیم کی بیاض
میں ان سطروں کی جگہ سادی ہے، حضرت موسیٰ اور نوح علیہما السلام کے اوراقِ
تعلیم میں عفوِ عام کے صفحے خالی ہیں، اس بنا پر ہر ہر قدم پر نئے نئے رہنما کی ضرورت پیش آئی
اور اس لئے عالمِ انسانی اپنی تکمیل کے لئے ہمیشہ ایسے جامعِ[1] کامل کا محتاج رہا جو صاحبِ
شمشیر و نگین بھی ہو اور گوشہ نشین بھی، بادشاہِ کشورکشا بھی ہو اور گدا بھی، فرمانروائے جہاں
بھی ہو اور سبحہ گرداں بھی، مفلسِ قانع بھی ہو اور غنیِ دریا دل بھی، یہ برزخِ کامل یہ ہستی جامع

---

[1] یہاں پر کتاب کی اس عبارتِ بالا کے مخاطب اہلِ کتاب ہیں جن کے موجودہ صحیفوں میں ان انبیاء کے
جو احوال مذکور ہیں وہ اسی صورت میں ہیں، اس لئے مصنف نے ان کے بیان کردہ تمام احوال کو مان کر ایک
باکمال اور ہمہ کمال ہستی کی ضرورت پر ان کے سامنے حجت قائم کی ہے،

لیکن چونکہ از روئے اسلام ایک طرف تمام انبیاء علیہم السلام کی صداقت پر یکساں ایمان لانا اور
ان کو تمام پیغمبرانہ کمالات سے متصف جاننا ضروری ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے،

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ، (بقرہ-۴۰) ہم اسکے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے،

یہ صحیفۂ یزدانی عالم کون کی آخری معراج ہے، اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ،

عالم فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں، اس لئے یہ ہستیِ جامع، دنیا میں اگر ہمیشہ نہیں رہ سکتی، اس لئے ضرور ہے کہ اس کی زبان کا ایک ایک حرف، اس کی حرکات وسکنات کی ایک ایک ادا، اس کے حلیۂ وجود کے ایک ایک خط وخال کا عکس لے لیا جائے کہ مراحلِ زندگی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲) اس لیے یہ ضروری ہے کہ تمام انبیا علیہم السّلام کو یکساں صادق اور کمالاتِ نبوت سے متصف مانا جائے، دوسری طرف ارشاد ہے،

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۔ (بقرہ ۔ ۳۳)

یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے مثلاً بعضے ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے ہیں (یعنی موسیٰ علیہ السّلام) اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں پر سرفراز کیا اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السّلام کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید کی

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیا علیہم السّلام کے مراتبِ کمالیہ میں جزئی تفاوت بھی ہے، ان دونوں صداقتوں کے درمیان تطبیق کے لئے تھوڑی تشریح کی ضرورت ہے،

حضرات انبیاے کرام علیہم السّلام تمام کمالات نبوت وفضائل اخلاق سے یکساں سرفراز تھے مگر زمانہ اور ماحول کے ضروریات اور مصالح الٰہی کی بنا پر ان تمام کمالات کا عملی ظہور، تمام انبیاءؑ میں یکساں نہیں ہوا، بلکہ بعض کے بعض کمالات اور دوسروں کے دوسرے کمالات زیادہ نمایاں ہوئے یعنی جس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے جس کمال کے اظہار کی ضرورت ہوئی وہ پوری شدت سے ظاہر ہوا اور دوسرے کمال کا جس کی اس وقت ضرورت پیش نہیں آئی بمصلحت یہ کمال ظہور نہیں ہوا،

حاصل یہ ہے کہ ہر کمال کے ظہور کے لئے مناسب موقع ومحل کی ضرورت ہوتی ہے، اگر کسی عارض کی وجہ سے کسی کمال کا ظہور نہ ہو تو اس سے نفس کمال کے وجود کی نفی نہیں ہوتی ہے، اس لئے اگر بوجہ عدم ضرورتِ حال ان انبیاے کرامؑ کے بعض کمالات کا عملی ظہور کسی وقت میں نہیں ہوا، تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ یہ حضرات (نعوذ باللہ) ان کمالات وفضائل سے متصف نہ تھے۔

غزوۂ بدر کے قیدیوں کے باب میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے جب فدیہ لے کر ان کے چھوڑ دینے کا اور حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شدت ورحمت میں لوگوں کے قلوب مختلف بنائے ہیں، اے ابوبکر تمہاری مثال ابراہیمؑ و

میں جہاں ضرورت پیش آئے رہنمائی کے کام آئے لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح دیگر تمام داعیانِ مذہب جامعیتِ کبریٰ کے وصف سے خالی تھے، ان کے کارنامۂ زندگی کی تصویریں بھی ناتمام لی گئیں، جناب مسیح کی ۳۳ سالہ زندگی میں سے صرف ۳ برس کے حالات معلوم ہیں، فارس کے مصلحانِ دین صرف شاہنامہ کے ذریعہ سے روشناس ہیں ہندوستان کے پیغمبر افسانوں کے حجاب میں گم ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت آج جو کچھ معلوم ہے اس کا ذریعہ صرف موجودہ توراۃ ہے، جو حضرت موسیٰؑ کے ۸۰۰ برس بعد عالمِ وجود میں آئی، یہ قدرت کی طرف سے اشارہ تھا کہ ان کے کارنامے، اور اصولِ تعلیم ابدی نہ تھے، اس لئے نقل و روایت کے آئینہ میں جس قدر ان کا ناتمام عکس اترا اس سے زیادہ ضروری بھی نہ تھا، قدرت خود ضرورت کی اندازہ داں ہے، اور جب جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ خود مہیا کر دیتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳) عیسیٰؑ کی، اور اے عمر تمہاری مثال نوحؑ اور موسیٰؑ کی ہے، یعنی ایک فریق سے رحم و کرم کا اور دوسرے سے شدت کا اظہار ہوا، (دیکھئے مستدرک حاکم غزوۂ بدر)

اس حدیث میں اسی نقطۂ اختلاف کی طرف اشارہ ہے، جو انبیاء علیہم السلام کے مختلف احوال مبارکہ میں رونما رہا ہے، لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت چونکہ آخری اور عمومی تھی اس لئے بضرورت احوال آپؐ کے تمام کمالات نبوت آپؐ کی زندگی میں عملاً پوری طرح جلوہ گر ہوئے، اور آپؐ کی نبوت کے آفتاب عالمتاب کی ہر کرن دنیا کے لئے مشعل ہدایت بنی اور ظلمت کدۂ عالم کا ہر گوشہ آپؐ کے ہر قسم کے کمالات کے ظہور سے پُر نور ہوا صلی اللہ علیہ وسلم، اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان جزئی کمالات کے اظہار میں ایسا پہلو نعوذ باللہ پیدا نہ ہونے پائے، جس سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی توہین یا کسرِ شان پیدا ہو، کہ اس سے ایمان کے ضائع جانے کا خطرہ ہے،

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے معارف محرم و صفر ۱۳۵۶ھ میں مضمون "خلیل کی بشریت"۔ "س"

تمام اربابِ مذاہب میں سے ہر ایک کو اپنا مذہب اُسی قدر عزیز ہے جس قدر دوسرے کو ہے، اس لئے اگر بے پردہ یہ سوال کیا جائے کہ دنیا میں کون ہستی تھی جس میں جامعیتِ کبریٰ کا وصف نمایاں تھا؟ تو ہر طرف سے مختلف صدائیں آئیں گی لیکن اگر یہی سوال اس پیرایہ میں بدل دیا جائے، کہ دنیا میں وہ کون شخص گذرا ہے جس کا کارنامۂ زندگی اس طرح قلمبند ہوا کہ ایک طرف توصحت کا یہ انتظام تھا کہ کسی صحیفۂ آسمانی کے لئے بھی نہ ہوسکا، اور دوسری طرف وسعت اور تفصیل کے لحاظ سے یہ حالت ہو کہ اقوال وافعال، وضع وقطع، شکل وشباہت، رفتار وگفتار، مذاقِ طبیعت، اندازِ گفتگو، طرزِ زندگی طریقِ معاشرت، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اُٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی، تو اس سوال کے جواب میں صرف ایک صدا بلند ہوسکتی ہے

(محمد عربی فداہ ابی وامی)

یہ جو کچھ کہا گیا، مقصدِ تصنیف کا مذہبی پہلو تھا، اسی مسئلہ کو علمی حیثیت سے دیکھو، علوم وفنون کی صف میں سیرت (بیاگرفی) کا ایک خاص درجہ ہے، ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے حالاتِ زندگی بھی حقیقت شناسی اور عبرت پذیری کے لئے دلیلِ راہ ہیں چھوٹے سے چھوٹا انسان بھی کیسی عجیب خواہشیں رکھتا ہے، کیا کیا منصوبے باندھتا ہے، اپنے چھوٹے سے دائرۂ عمل میں کس طرح آگے بڑھتا ہے، کیونکر ترقی کے زینوں پر چڑھتا ہے، کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتا ہے، کیا کیا مزاحمتیں اٹھاتا ہے، تھک کر بیٹھ جاتا ہے، سستاتا ہے، اور پھر آگے بڑھتا ہے، غرض سعی وعمل، جدوجہد، ہمت وغیرت

کی جو عجیب و غریب نیرنگیاں سکندرِ اعظم کے کارنامۂ زندگی میں موجود ہیں، بعینہٖ یہی منظر ایک غریب مزدور کے عرصۂ حیات میں بھی نظر آتا ہے،

اس بنا پر اگر سیرت اور سوانح کا فن عبرت پذیری اور نتیجہ رسی کی غرض سے درکار ہے تو "شخص" کا سوال نظر انداز ہو جاتا ہے، صرف یہ دیکھنا رہ جاتا ہے کہ حالات اور واقعات جو ہاتھ آتے ہیں، وہ کس وسعت اور استقصا و تفصیل کے ساتھ ہاتھ آتے ہیں، تاکہ مراحلِ زندگی کی تمام راہیں اور اُن کے پیچ و خم ایک ایک کر کے نظر کے سامنے آجائیں، لیکن اگر خوش قسمتی سے فردِ کامل، اور استقصاے واقعات دونوں باتیں جمع ہو جائیں، تو اس سے بڑھ کر اس فن کی کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے،

وجوہِ مذکورۂ بالا کی بنا پر کون شخص انکار کر سکتا ہے، کہ صرف ہم مسلمانوں کو نہیں، بلکہ تمام عالم کو اس وجودِ مقدس کی سوانحعمری کی ضرورت ہے جس کا نامِ مبارک "محمد" (رسول اللہ) ہے، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً کَثِیْرًا کَثِیْرًا، یہ ضرورت، صرف اسلامی یا مذہبی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ایک علمی ضرورت ہے، ایک اخلاقی ضرورت ہے، ایک تمدنی ضرورت ہے، ایک ادبی ضرورت ہے، اور مختصر یہ ہے کہ مجموعۂ ضروریاتِ دینی و دنیوی ہے،

میں اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ اسلام کی حیثیت سے میرا فرضِ اوّلیں یہی تھا، کہ تمام تصنیفات سے پہلے میں سیرۃ نبویؐ کی خدمت انجام دیتا، لیکن یہ ایک ایسا اہم اور نازک فرض تھا کہ میں مدت تک اس کے ادا کرنے کی جرأت نہ کر سکا، تاہم میں دیکھ رہا تھا کہ اس فرض کے ادا کرنے کی ضرورتیں بڑھتی جاتی ہیں،

اگلے زمانہ میں سیرۃ کی ضرورت، صرف تاریخ اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے تھی، علم کلام سے اس کو واسطہ نہ تھا، لیکن معترضین حال کہتے ہیں کہ اگر مذہب صرف خدا کے اعتراف کا نام ہے تو بحث یہیں تک رہ جاتی ہے، لیکن جب اقرار نبوّت بھی جزوِ مذہب ہو تو یہ بحث پیش آتی ہے کہ جو شخص حاملِ وحی اور سفیرِ الٰہی تھا، اس کے حالات، اخلاق اور عادات کیا تھے؟

یورپ کے مورخین، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو اخلاقی تصویر کھینچتے ہیں، وہ (نعوذ باللہ) ہر قسم کے معائب کا مرقع ہوتی ہے، آج کل مسلمانوں کو جدید ضرورتوں نے عربی علوم سے بالکل محروم کر دیا ہے، اس لئے اس گروہ کو اگر کبھی پیغمبرِ اسلام ؐ کے حالات اور سوانح کے دریافت کرنے کا شوق ہوتا ہے تو انہی یورپ کی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، اس طرح یہ زہر آلود معلومات آہستہ آہستہ اثر کرتی جاتی ہیں، اور لوگوں کو خبر تک نہیں ہوتی، یہاں تک کہ ملک میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو پیغمبر ؐ کو محض ایک مُصلح سمجھتا ہے جس نے اگر مجمعِ انسانی میں کوئی اصلاح کر دی تو اس کا فرض ادا ہو گیا، اس بات سے اُس کے منصبِ نبوّت میں فرق نہیں آتا کہ اُس کے دامنِ اخلاق پر معصیت کے دھبے بھی ہیں،

یہ واقعات تھے جنھوں نے مجکو بالآخر مجبور کیا، اور میں نے سیرۃ نبویؐ پر ایک مبسوط کتاب لکھنے کا ارادہ کر لیا، یہ کام بظاہر نہایت آسان تھا، عربی زبان میں سینکڑوں کتابیں موجود ہیں، ان کو سامنے رکھ کر ایک ضخیم اور دلچسپ کتاب لکھدینا زیادہ سے زیادہ چند

بہتوں کا کام تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ کوئی تصنیف اس تصنیف سے زیادہ دیرطلب اور جامع مشکلات نہیں ہوسکتی،

آگے چل کر ہم تفصیل سے بیان کریں گے کہ خاص سیرت پر آج تک کوئی ایسی کتاب

لہ اس موقع پر ایک نہایت ضروری بحث طے کر دینے کے قابل ہے، جو آجکل کی قلت علم اور ناآشنائی فن نے پیدا کر دی ہے، بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ سیرت فن حدیث ہی کی ایک خاص قسم کا نام ہے، یعنی احادیث میں سے وہ واقعات الگ لکھدیئے گئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات سے متعلق ہیں، تو یہ سیرت بن گئی، اور چونکہ حدیث میں متعدد کتابیں ایسی موجود ہیں جن میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں، مثلاً صحیح بخاری اسلم، تو یہ کہنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ سیرت میں کوئی کتاب آج تک صحت کے التزام کیساتھ نہیں لکھی گئی؛ اس بحث کے ذہن نشین کرنے کے لئے امور ذیل پیش نظر رکھنے چاہئیں،

(۱) پہلی بحث یہ ہے کہ سیرت کا اطلاق کس چیز پر ہوتا ہے، محدثین اور ارباب رجال کی اصطلاح قدیم یہ ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاص غزوات کو مغازی اور سیرت کہتے تھے، چنانچہ ابن اسحاق کی کتاب کو مغازی بھی کہتے ہیں، اور سیرت بھی، حافظ ابن حجر فتح الباری کتاب المغازی میں یہ دونوں نام ایک ہی کتاب کے لئے استعمال کرتے ہیں، فقہ کی بھی یہی اصطلاح ہے، فقہ میں جو باب کتاب الجہاد والسیر باندھتے ہیں اس میں سیرت کے لفظ سے غزوات اور جہاد کے احکام مراد ہوتے ہیں،

کئی صدی تک یہی طریقہ رہا، چنانچہ تیسری صدی تک جو کتابیں سیرت کے نام سے مشہور ہیں، مثلاً سیرت ابن ہشام، سیرت ابن عائذ، سیرت اُموی وغیرہ، ان میں زیادہ تر غزوات ہی کے حالات ہیں، البتہ زمانۂ مابعد میں، مغازی کے سوا، اور اور چیزیں بھی داخل کر لی گئیں، مثلاً مواہب لدنیہ میں غزوات کے علاوہ بہت کچھ

اس بنا پر محدثین کی اصطلاح میں مغازی اور سیرت عام فن حدیث سے ایک الگ چیز ہے، یہاں تک کہ بعض موقعوں پر ارباب سیر اور محدثین، دو مقابل کے گروہ سمجھے جاتے ہیں، بعض واقعات کے متعلق یہ صورت پیدا ہوتی ہے کہ تمام ارباب سیر ایک طرف ہوتے ہیں اور امام بخاری و مسلم ایک طرف، ایسے موقع پر بعض لوگ امام بخاری کی روایت کو اس بنا پر تسلیم نہیں کرتے کہ تمام ارباب سیر کے خلاف ہے، لیکن محققین کہتے ہیں کہ حدیث صحیح تمام ارباب سیر کی متفقہ روایت کے مقابلہ میں بھی قابل ترجیح ہے، ہم

نہیں لکھی گئی جس میں صرف صحیح روایتوں کا التزام کیا جاتا، حافظ زین الدین عراقی جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے، سیرۃ نبوی میں لکھتے ہیں،

ولیعلم الطالب اَنّ السِّیَرَا ۔ تَجْمَعُ ماصحّ و مَا قد اُنکرا

یعنی طالبِ فن کو جاننا چاہئے کہ سیرۃ میں ہر قسم کی روایتیں نقل کیجاتی ہیں، صحیح بھی اور قابلِ انکار بھی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸) اس موقع پر ایک دو واقعہ مثال کے طور پر لکھتے ہیں،

غزوات میں ایک غزوہ ذو قرد کے نام سے مشہور ہے، اس کی نسبت ارباب سیر متفق ہیں کہ صلح حدیبیہ سے قبل واقع ہوا تھا، لیکن صحیح مسلم میں سلمہ بن الاکوع سے جو روایت ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اور خیبر سے تین دن قبل کا واقعہ ہے، اس حدیث کی شرح میں علامہ قرطبی نے لکھا ہے،

لا یختلف اھل السیران غزوۃ ذی قرد کانت قبل الحدیبیۃ فیکون ماوقع فی حدیث سلمۃ من وھم بعض الرواۃ ، — اہل سیر میں سے کسی کو اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ غزوۂ ذی قرد، حدیبیہ سے پہلے واقع ہوا تھا تو سلمہ کی حدیث میں جو مذکور ہے، وہ کسی راوی کا وہم ہوگا،

حافظ ابن حجر فتح الباری (ذکر غزوہ ذی قرد) میں قرطبی کے اس قول پر بحث کر کے لکھتے ہیں،

فعلیٰ ھٰذا ما فی الصحیح من التاریخ لغزوۃ ذی قرد اصح مما ذکرہ اھل السیر، — تو اس بنا پر صحیح (مسلم) میں غزوۂ ذی قرد کی جو تاریخ مذکور ہے وہ اس سے زیادہ صحیح ہے جو مصنفین سیرت نے بیان کی ہے،

دمیاطی ایک مشہور محدث ہیں، انھوں نے سیرت میں ایک کتاب لکھی ہے، جو آج بھی موجود ہے، اس میں انھوں نے اکثر موقعوں پر ارباب سیر کی روایت کو ترجیح دی تھی لیکن جب زیادہ تتبع کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ احادیث صحیحہ کو سیرت کی روایتوں پر ترجیح ہے، چنانچہ اپنی کتاب میں ترمیم کرنی چاہی لیکن اس کے نسخے کثرت سے شائع ہو گئے تھے اس لئے نہ کر سکے،

حافظ ابن حجر خود دمیاطی کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں:-

ودل ھٰذا علیٰ انہ کان یعتقد الرجوع عن کثیر مما وافق فیہ اھل السیر وخالف الاحادیث الصحیحۃ وان ذٰلک کان بہ — اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ (یعنی دمیاطی) قصد کر چکے تھے کہ جن موقعوں پر انھوں نے ارباب سیر سے اتفاق کر کے احادیث صحیحہ کی مخالفت کی ہے، ان سے رجوع کر لینگے

یہی سبب ہے کہ مستند اور مسلم الثبوت تصنیفات میں بھی بہت سی ضعیف روایتیں شامل ہو گئیں اس بنا پر ضرور تھا کہ نہایت کثرت سے حدیث و رجال کی کتابیں بہم پہنچائی جائیں، اور پھر نہایت تحقیق اور تنقید سے ایک مستند تصنیف تیار کی جائے لیکن سینکڑوں کتابوں کا استقصا کے ساتھ دیکھنا اور اُن سے معلومات کا اقتباس کرنا، ایک شخص کا کام نہ تھا اس کے ساتھ ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹) قبل تضلعہ منہا و لخروج نسخ کتابہ وانتشارہ لم یتمکن من تغییرہ،

اور یہ کہ یہ امر اُن سے مہارت فن کے قبل صادر ہوا لیکن چونکہ کتاب کے نسخے شائع ہو چکے تھے اس لئے وہ اپنی کتاب کی اصلاح نہ کر سکے،

(زرقانی بر مواہب جلد ۳ صفحہ ۱۱)

۲۔ ایک غزوہ ذات الرقاع کے نام سے مشہور ہے، اس کی نسبت اکثر ارباب سیر کا اتفاق ہے کہ جنگ خیبر کے قبل واقع ہوا تھا، لیکن امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ خیبر کے بعد واقع ہوا، اس پر علامہ دمیاطی نے بخاری کی روایت سے اختلاف کیا، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں،

واما شیخہ الدمیاطی فادعی غلط الحدیث الصحیح وان جمیع اہل السیر علی خلافہ،

باقی اُن کے شیخ دمیاطی تو انھوں نے حدیث صحیح کی نسبت غلطی کا دعویٰ کیا ہے اور یہ کہ تمام اہل سیر بالاتفاق اس کے خلاف ہیں،

(فتح الباری جزء ہفتم صفحہ ۳۲۲)

حافظ ابن حجر نے اس قول کو نقل کر کے اس کا رد بھی کیا ہے،

اس تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ سیرت ایک جداگانہ فن ہے اور بعینہٖ فن حدیث نہیں ہے اور اس بنا پر اس کی روایتوں میں اس درجہ کی شدت احتیاط ملحوظ نہیں رکھی جاتی جو فن صحاح ستہ کے ساتھ مخصوص ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ فقہ کا فن قرآن اور حدیث ہی سے ماخوذ ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بعینہٖ قرآن یا حدیث ہے، یا ان دونوں کے ہم پلہ ہے،

۳۔ مغازی اور سیرت میں جس قسم کی جزئی تفصیلیں مقصود ہوتی ہیں، وہ فن حدیث کے اصلی بلند معیار کے موافق نہیں مل سکتیں، اس لئے ارباب سیر کو تنقید اور تحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے، اس بنا پر سیرت و مغازی کا رتبہ فن حدیث سے کم رہا،

۴۔ جس طرح امام بخاری و مسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کرینگے، اس طرح سیرۃ کی تصنیفات میں کسی نے یہ التزام نہیں کیا، آج بیسیوں کتابیں قدماء سے لے کر متاخرین تک کی موجود ہیں، مثلاً سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، سیرت ابن سید الناس، سیرت دمیاطی حلبی مواہب لدنیہ، کسی میں یہ التزام نہیں،

ضرورت یہ بھی تھی کہ یورپ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے واقفیت حاصل کی جائے ہیں بدقسمتی سے یورپ کی کوئی زبان نہیں جانتا، اس لیے ایک محکمۂ تصنیف کی ضرورت تھی، جس میں قابل عربی دان اور مغربی زبانوں کے جاننے والے شامل ہوں، خدا نے جب یہ سامان پیدا کر دیئے تو اب مجھ کو کیا عذر ہو سکتا تھا، اب بھی اگر اس فرض کے ادا کرنے سے قاصر رہتا تو اس سے بڑھ کر کیا بدقسمتی ہو سکتی تھی،

مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے اپنے پیغمبرؐ کے حالات اور واقعات کا ایک ایک حرف اس استقصا کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلمبند نہیں ہو سکے، اور نہ آیندہ توقع کی جا سکتی ہے، اس سے زیادہ کیا عجیب بات ہو سکتی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے افعال اور اقوال کی تحقیق کی غرض سے آپؐ کے دیکھنے والوں اور ملنے والوں میں سے تقریباً تیرہ ہزار شخصوں کے نام اور حالات قلمبند کیے گئے اور اس زمانہ میں کیے گئے جب تصنیف و تالیف کا آغاز تھا، طبقاتِ ابن سعد، کتاب الصحابہ لابن السکن، کتاب لعبداللہ بن علی بن جارود، کتاب العقیلی فی الصحابہ، کتاب ابن ابی حاتم الرازی، کتاب الازرق، کتاب الدولابی، کتاب البغویؒ، طبقاتِ ابن ماکولا[1] اسد الغابۃ، استیعاب، اصابہ فی احوال الصحابۃ، صرف انہی بزرگوں کے حالات میں ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱) تفصیل مذکورۂ بالا سے ظاہر ہوا ہوگا کہ ہماری اس عبارت کا کہ "سیرت میں آج تک کوئی کتاب صحت کے التزام کے ساتھ نہیں لکھی گئی" اس کا کیا مطلب ہے؟ اور کہاں تک صحیح ہے،

[1] ان کتابوں کا ذکر، استیعاب کے دیباچہ میں ہے،

کیا دنیا میں کسی شخص کے رفقا میں سے اتنے لوگوں کے نام اور حالات درج تحریر ہو سکے ہیں؟

سیرۃ نبوی کے متعلق قدما نے جو ذخیرہ[1] مہیا کیا، اس کی مختصر تاریخ اور کیفیت ہم اس غرض سے اس موقع پر درج کر دیتے ہیں کہ ایک کامل اور مستند کتاب کے مرتب کرنے کے لئے اس ذخیرہ سے کیونکر کام لیا جا سکتا ہے، اور کہاں تک تحقیق و تنقید کی ضرورت ہے،

فن سیرت کی ابتدا اور تحریری سرمایہ عام طور پر یہ خیال ہے کہ چونکہ عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا، اور اسلام میں تدوین و تالیف کا آغاز خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ سے (تقریباً ۱۴۳ھ میں) ہوا، اس لئے اس زمانہ تک سیرت اور روایات کا جو کچھ ذخیرہ تھا، زبانی تھا، تحریری نہ تھا، لیکن یہ خیال صحیح نہیں، عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج (گو کم سہی) مدت سے چلا آتا ہے، بہت قدیم زمانہ میں حمیری اور نباتی خط تھا، جس کے کتبے آج نہایت کثرت سے یورپ کی بدولت مہیا ہو گئے ہیں، اسلام سے کچھ پہلے وہ خط ایجاد ہوا جو عربی خط کہلاتا ہے، اور جس نے بہت سی صورتیں بدل کر آج یہ صورت اختیار کر لی ہے،

اس خط کی تاریخ اور اس کی ابتدا کے متعلق جو قدیم روایتیں کتابوں میں مذکور ہیں، اکثر افسانہ ہیں، مثلاً ابن الندیم نے کلبی سے نقل کیا ہے کہ اول اول جن لوگوں نے عربی خط ایجاد کیا، ان کے یہ نام تھے، ابوجاد، ہواز، حطی، کلمون، سعفص، قرشیات (یہی نام ہیں

---

[1] یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ حدیث کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات، اور اخلاق و عادات کے متعلق نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہیں جو سیرت میں کافی مدد دے سکتے ہیں، تاہم تنہا ان سے ایک تاریخی تصنیف تیار نہیں ہو سکتی، اس کے علاوہ ان میں تاریخی ترتیب نہیں ہے، یہاں ہم نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے، حدیث کی کتابیں اُن کے علاوہ ہیں،

جن کو ہم آج ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت کہتے ہیں) اسی طرح کعب کا یہ قول کہ تمام خطوط حضرت آدمؑ نے ایجاد کئے تھے، ابن الندیم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ سب سے پہلے جس نے عربی خط لکھا وہ تین شخص قبیلۂ بولان (قبیلۂ طے کی ایک شاخ) کے تھے، جو انبار میں آباد تھے، ان کے نام مرامر بن مرۃ، اسلم بن سدرۃ، عامر بن جدرۃ تھے

ان تمام روایتوں میں جو قرین قیاس ہے، وہ روایت ہے جو ابن الندیم نے عمر بن شبہ کی کتاب مکہ سے نقل کی ہے یعنی سب سے پہلے عربی خط ایک شخص نے ایجاد کیا جو بنو مخلد بن نضر بن کنانہ کے خاندان سے تھا، اور غالباً یہ وہ زمانہ ہے جب قریش نے عروج حاصل کر لیا تھا اور تجارت کے ذریعہ سے بیرونی ممالک میں آمد و رفت رکھتے تھے، ابن الندیم نے لکھا ہے کہ میں نے مامون الرشید کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی جو عبدالمطلب ابن ہاشم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد) کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی، اس کے یہ الفاظ تھے،

حق عبد المطلب بن ہاشم من اھل مکۃ	یہ عبدالمطلب بن ہاشم (جو مکہ کا باشندہ ہے) کا قرضہ
علی فلان ابن فلان الحمیری من اھل وزل	فلان شخص پر ہے، جو صنعا کا رہنے والا ہے، یہ چاندی
صنعا علیہ الف درہم فضۃ کیلًا بالحدیدۃ	کے ہزار درہم ہیں، جب طلب کیا جائے گا وہ ادا
ومتی دعاہ بھا اجابہ شھد اللہ والملکان	کریگا، خدا، اور دو فرشتے اس کے گواہ ہیں،

اس دستاویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالمطلب نے کسی حمیری شخص کو ہزار درہم قرض دیئے تھے، خاتمہ میں دو فرشتوں کی گواہی لکھی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں فرشتوں کا (اور شاید کرام کاتبین کا) اعتقاد موجود تھا،

ابن الندیم نے لکھا ہے کہ اس دستاویز کا خط ایسا تھا جیسا عورتوں کا خط ہوتا ہے،

علامہ بلاذری نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جب بعثت

ہوئی تو قریش میں ۱۷ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے یعنی حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت

عثمانؓ حضرت ابوعبیدہؓ، طلحہؓ، زیدؓ، ابوحذیفہؓ، ابوسفیانؓ، شفاؓ بنت عبداللہ وغیرہ [۱]

بدر کی لڑائی جو ۲ھ میں ہوئی، اس میں قریش کے جو لوگ گرفتار ہوئے اُن

سے فدیہ لیا گیا، لیکن بعض ایسے بھی تھے جو ناداری کی وجہ سے فدیہ نہیں ادا کر سکے آنحضرت

(صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن کو حکم دیا کہ ہر شخص دس دس بچوں کو اپنے ذمہ لے کر اُن کو لکھنا سکھا دے

چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ نے جو کاتب وحی ہیں، اسی طرح لکھنا سیکھا تھا، [۲]

ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ عرب اور خصوصاً مکہ و مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانہ ہی میں لکھنے پڑھنے کا کافی رواج ہو چکا تھا، البتہ یہ تحقیق طلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانہ میں روایتیں اور حدیثیں بھی قلمبند ہوئی تھیں یا نہیں، اور اس بنا پر سیرت کا کوئی

تحریری سرمایہ بھی موجود تھا یا نہیں، بعض حدیثوں میں جن میں سے بعض صحیح مسلم میں مذکور

ہیں، تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثوں کے قلمبند کرنے سے منع فرمایا تھا، مسلم

کے یہ الفاظ ہیں،

لاتکتبوا عنّی ومَن کتبَ عنّی غیر القرآنِ فلیمحُہ،	مجھ سے جو سنو اس کو قلمبند نہ کرو (بجز قرآن کے) اور کسی نے قلمبند کیا ہو تو اسکو مٹا ڈالنا چاہیئے،

[۱] فتوح البلدان ذکر خط صفحہ ۴۷۱ مطبوعہ یورپ [۲] طبقات ابن سعد غزوۂ بدر صفحہ ۱۴

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کا ارشاد ہے، کیونکہ متعدد صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں بعض صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپؐ کے ارشادات قلمبند کر لیا کرتے تھے، صحیح بخاری (باب العلم) میں حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے کہ "صحابہؓ میں مجھ سے زیادہ کسی کو حدیثیں محفوظ نہیں، البتہ عبداللہ بن عمروؓ مستثنٰے ہیں، کیونکہ وہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے، اور میں لکھتا نہ تھا"

ایک اور روایت میں ہے کہ "حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی عادت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنتے تھے، لکھ لیا کرتے تھے، قریش نے ان کو منع کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غیظ کی حالت میں ہوتے ہیں، کبھی خوشی میں، اور تم سب کچھ لکھتے جاتے ہو، عبداللہ ابن عمرو نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ واقعہ بیان کیا، آپؐ نے دہان مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ "تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ نکلتا ہے حق نکلتا ہے"[1] خطیب بغدادی نے اپنے رسالہ تقیید العلم میں روایت کی ہے کہ اس بیاض کا نام جس میں عبداللہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیثیں قلمبند کر لیا کرتے تھے، صادقہ[2] تھا

ایک دفعہ آپؐ نے حکم دیا کہ جو لوگ اس وقت تک اسلام لاچکے ہیں، ان کے نام قلمبند کئے جائیں، چنانچہ پندرہ سو صحابہؓ کے نام دفتر میں درج کئے گئے[3]

خطیب بغدادی نے تقیید العلم میں روایت کی ہے کہ "جب لوگ کثرت سے حضرت انسؓ کے پاس حدیثوں کے سننے کے لئے جمع ہو جاتے تھے، تو وہ ایک جنگ نکال لاتے

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ، [2] جامع بیان العلم للقاضی ابن عبدالبر مطبوعہ مصر صفحہ ، میں صادقہ کا ذکر ہے [3] صحیح بخاری باب الجہاد

تھیں کہ یہ وہ حدیثیں ہیں جو میں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سُن کر لکھ لی تھیں۔
متعدد قبائل کو آپؐ نے جو صدقات اور زکوٰۃ وغیرہ کے احکام بھیجے وہ تحریری تھے[1]
اور کتب احادیث میں بعینہا منقول ہیں، اسی طرح سلاطین کو دعوتِ اسلام کے جو پیغام
بھیجے گئے، وہ بھی تحریری تھے،
صحیح بخاری (باب کتابۃ العلم) میں ہے کہ فتح مکہ کے سال جب ایک خزاعی نے
حرم میں ایک شخص کو قتل کر دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقہ پر سوار ہو کر خطبہ دیا، یمن کے
ایک شخص نے آکر درخواست کی کہ یہ خطبہ مجھکو تحریر کرا دیا جائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے حکم دیا کہ اس شخص کے لیے وہ خطبہ قلمبند کرا دیا جائے،
غرض اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک حسب ذیل تحریری سرمایہ مہیا ہو گیا تھا
(۱) جو حدیثیں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ یا حضرت علیؓ و حضرت انسؓ وغیرہ[2] نے قلمبند کیں
(۲) تحریری احکام اور معاہدات (حدیبیہ وغیرہ) اور فرامین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل کے نام بھیجے[3]
(۳) خطوط جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطینؓ اور امراء[4] کے نام ارسال فرمائے،
(۴) پندرہ سو صحابہؓ کے نام،
آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد اس تحریری ذخیرہ کو اس قدر ترقی ہوتی گئی کہ
(بنو العباس سے پہلے) ولید بن یزید کے قتل کے بعد جب احادیث و روایت کا دفتر ولید کے

---

[1] بخاری جلد (۱) صفحہ ۲۱ و ۲۲ صحیفہ علی و کتابۃ رجل من الیمن [2] سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۳۰ و ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۵۵ و ۱۵۶ [3] بخاری جلد (۱) صفحہ ۵ و ایضاً ص ۱۵ [4] بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵،

کتب خانہ سے منتقل ہوا تو صرف امام زہری کی مرویات اور تالیفات گھوڑوں اور گدھوں پر لاد کر لائی گئیں[1]۔

مغازی | عرب میں علوم و فنون نہ تھے، صرف خاندانی معرکے اور لڑائیوں کے واقعات محفوظ رکھتے تھے، اس لحاظ سے قیاس یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات اور افعال و اقوال میں سب سے پہلے مغازی کی روایتیں پھیلتیں، اور سب سے پہلے اسی فن کی بنیاد پڑتی لیکن روایات کے تمام انواع میں مغازی کا درجہ سب سے متاخر رہا، خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ نے زیادہ تر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن اقوال و افعال پر توجہ کی، جن کو شریعت سے تعلق تھا، اور جن سے فقہی احکام مستنبط ہوتے تھے،

امام بخاری نے غزوۂ اُحد کے ذکر میں سائب بن یزید سے یہ روایت نقل کی ہے،

صحبت عبد الرحمٰن بن عوف وطلحۃ بن عبید اللہ والمقداد وسعدًا فما سمعت احدًا منھم یحدث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا انی سمعت طلحۃ یحدث عن یوم احد،	میں عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور طلحہ بن عبید اللہ اور مقدادؓ اور سعدؓ کی صحبت میں رہا لیکن میں نے اُن کو کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حدیث بیان کرتے نہیں سنا، بجز اس کے کہ طلحہؓ غزوۂ اُحد کا واقعہ بیان کرتے تھے،

حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ، اور طلحہؓ و مقدادؓ و سعدؓ وقاص، اکابر صحابہؓ میں ہیں، اور ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں، اس لئے اس عبارت کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ غزوات کے واقعات نہیں بیان کرتے تھے، بجز اس کے کہ طلحہؓ جنگِ اُحد کے واقعات

[1] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی، تذکرۂ امام زہری،

بیان کیا کرتے تھے،

یہی وجہ تھی کہ علما میں جن لوگوں نے مغازی کو اپنا فن بنا لیا تھا وہ عوام میں جس قدر مقبول ہوتے تھے خواص میں اُس قدر مستند نہیں خیال کئے جاتے تھے، اس فن کے اساطین اور ارکان ابن اسحاق اور واقدی ہیں، واقدی کو تو محدثین علانیہ کذّاب کہتے ہیں، ابن اسحاق کو ایک گروہ ثقہ کہتا ہے، لیکن اسی درجہ کا دوسرا گروہ ان کو بے اعتبار سمجھتا ہے، تفصیل آگے آئے گی،

امام احمد بن حنبل کا قول ہے،

ثلاثة كتب ليس لها اصول المغازی والملاحم والتفسير	تین قسم کی کتابیں ہیں، جن کی کوئی اصل نہیں، مغازی اور ملاحم اور تفسیر،

خطیب بغدادی نے اس قول کو نقل کرکے لکھا ہے کہ امام ابن حنبل کی مراد اُن خاص کتابوں سے ہوگی جو بے اصل ہیں، پھر لکھا ہے،

اما كتب التفسير فمن اشهرها كتابا الكلبی و مقاتل بن سليمان وقد قال احمد فی تفسير الكلبی من اوله الى آخره كذب	باقی تفسیر کی کتابیں، تو ان میں سے کلبی اور مقاتل کی کتابیں بہت مشہور ہیں، امام احمد بن حنبل نے کہا ہو کہ کلبی کی تفسیر اوّل سے اخیر تک جھوٹ ہے،

پھر لکھتے ہیں،

واما المغازی فمن اشهرها كتاب محمد بن اسحاق وكان ياخذ من اهل الكتاب	باقی مغازی تو اس فن کی مشہور کتاب محمد بن اسحاق کی کتاب ہے اور وہ عیسائیوں اور یہودیوں سے روایت

وقد قال الشافعی کتب الواقدی کذب[1] کرتے تھے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ واقدی کی کتابیں جھوٹ ہیں،

باوجود ان باتوں کے یہ ناممکن تھا کہ یہ حصہ نظر انداز کر دیا جاتا، اس لئے اکابر صحابہؓ اور محدثین نہایت احتیاط کے ساتھ جو واقعات جہاں تک خوب محفوظ ہوتے تھے روایت کرتے تھے

تصنیف و تالیف کی ابتدا سلطنت کی وجہ سے ہوئی

صحابہؓ اور خلفاے راشدینؓ کے زمانہ میں اگرچہ فقہ و حدیث کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی، بہت سے درس کے حلقے قائم ہوئے لیکن جو کچھ تھا زیادہ تر زبانی تھا، لیکن بنو امیہ نے حکماً علماء سے تصنیفیں لکھوائیں، قاضی ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے،

کنا نکرہ کتاب العلم حتی اکرھنا علیہ هولاء الامراء[2] ہم لوگ علم کا قلمبند کرنا پسند نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ امراء نے ہم کو مجبور کیا،

سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے عبید بن شریہ کو یمن سے بلا کر قدما کی تاریخ مرتب کرائی جس کا نام اخبار الماضیین ہے[3]،

امیر معاویہؓ کے بعد عبد الملک بن مروان نے جو ۶۵ھ میں تخت نشین ہوا، ہر فن میں علما سے تصنیفیں لکھوائیں، سعید بن جبیر جو اعلم العلماء تھے ان کو حکم بھیجا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھیں، چنانچہ امام موصوف نے تفسیر لکھ کر بھیجی جو کتب خانہ شاہی میں رکھی گئی، عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے اُن ہی کی تفسیر ہے، عطاء کو خزانۂ شاہی سے یہ نسخہ ہاتھ آگیا تھا[4]،

---

[1] مطبوعۂ مصر صفحہ ۱۳۷ [2] فہرست ابن الندیم صفحہ ۲۲۴ [3] میزان الاعتدال ترجمۂ عطاء بن دینار

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کا زمانہ آیا تو انھوں نے تصنیف و تالیف کو زیادہ ترقی دی، تمام ممالک میں حکم بھیجدیا کہ احادیث نبویؐ مدوّن اور قلمبند کی جائیں، سعد بن ابراہیم جو بہت بڑے محدّث اور مدینہ منوّرہ کے قاضی تھے، اُن سے دفتر کے دفتر حدیثوں کے قلمبند کرائے، اور تمام ممالک مقبوضہ میں بھیجے، علّامہ ابن عبدالبر جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں:

عن سعد بن ابراهیم قال امرنا عمر بن عبد العزیز بجمع السنن فکتبناها دفترًا دفترًا فبعث الی کلّ ارضٍ له علیها سلطان دفترًا،[1]

سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ عمرؓ بن عبدالعزیز نے ہم کو احادیث کے جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے دفتر کے دفتر لکھے، عمرؓ نے جہاں جہاں اُن کی حکومت تھی، ایک دفتر بھیج دیا،

ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری جو اس زمانہ کے بہت بڑے محدّث، اور امام زہری کے استاد اور مدینہ کے قاضی تھے، ان کو بھی خاص طور پر احادیث کے جمع کرنے کا حکم بھیجا، حدیث میں حضرت عائشہؓ کی مرویات کی ایک خاص حیثیت ہے، یعنی اُن سے اکثر وہ حدیثیں مروی ہیں جو عقائد یا فقہ کے مُہمّات مسائل ہیں، اس لئے عمرؓ بن عبدالعزیز نے انکی روایتوں کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا، عمرۃ بنت عبدالرحمٰن ایک خاتون تھیں، ان کو حضرت عائشہؓ نے خاص اپنے آغوشِ تربیت میں پالا تھا، وہ بہت بڑی محدثہ اور عالمہ تھیں، تمام علما کا اتفاق ہے کہ حضرت عائشہؓ کی مرویات کا اُن سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا، عمرؓ بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن محمد کو خط لکھا کہ عمرۃ کے مسائل اور روایات قلمبند کرکے بھیجدیں،[3]

---

[1] مطبوعہ مصر صفحہ ۷۶ [2] طبقات ابن سعد جزو ثانی قسم ثانی صفحہ ۱۳۴ [3] تہذیب التہذیب، ترجمہ ابوبکر بن محمد و عمرۃ بنت عبدالرحمٰن و طبقات ابن سعد جزو دوم حصہ دوم صفحہ ۱۳۴،

مغازی پر خاص توجہ | اب تک مغازی و سیر کے ساتھ اعتنا نہیں کیا گیا تھا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس فن کی طرف خاص توجہ کی، اور حکم دیا کہ غزوات نبویؐ کا خاص حلقۂ درس قائم کیا جائے، عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری المتوفی سنہ ۱۲۱ھ اس فن میں خاص کمال رکھتے تھے، ان کو حکم دیا کہ جامع مسجد دمشق میں بیٹھ کر لوگوں کو مغازی اور مناقب کا درس دیں۔[1]

اسی زمانہ میں امام زہری نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی، اور جیسا کہ امام سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے، یہ اس فن کی پہلی تصنیف تھی، امام زہری اس زمانہ کے اعلم العلما تھے، فقہ اور حدیث میں اُن کا کوئی ہمسر نہ تھا، امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں، انہوں نے حدیث و روایت کے حاصل کرنے میں یہ محنتیں اٹھائیں کہ مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر پر جاتے، جوان، بڈھے، عورت، مرد، جو مل جاتا، یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے جا کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلمبند کرتے، وہ نسباً قریشی تھے، سنہ [illegible]ھ میں پیدا ہوئے، بہت سے صحابہؓ کو دیکھا تھا سنہ [illegible]ھ میں عبدالملک بن مروان کے دربار میں گئے، اُس نے بہت قدر و منزلت کی، کتاب المغازی غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی ہدایت کے موافق لکھی، یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ امام موصوف سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے، اور مقربین خاص میں داخل تھے، ہشام بن عبدالملک نے اپنے بچوں کی تعلیم انکے سپرد کی تھی سنہ ۱۲۴ھ میں وفات پائی،[2] امام زہری کی وجہ سے مغازی و سیرت کا عام مذاق پیدا ہو گیا، ان کے حلقۂ درس سے

---

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ عاصم بن عمر بن قتادہ [2] تہذیب التہذیب ترجمہ امام زہری (محمد بن مسلم)

اکثر ایسے لوگ نکلے جو خاص اس فن میں کمال رکھتے تھے، ان میں سے یعقوب بن ابراہیم محمد ابن صالح تمار، عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز، فنِ مغازی میں خاص شہرت رکھتے تھے، چنانچہ تہذیب التہذیب وغیرہ میں ان لوگوں کا امتیازی وصف "صاحب المغازی" لکھا جاتا ہے،

زہری کے تلامذہ میں سے دو شخصوں نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی اور یہی دو شخص ہیں جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، **موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق**

موسیٰ بن عقبہ خاندانِ زبیر کے غلام تھے، حضرت عبداللہ بن عمر کو دیکھا تھا، فنِ حدیث میں امام مالک ان کے شاگرد ہیں، امام مالک اُن کے نہایت مداح تھے، اور لوگوں کو ترغیب دیتے تھے، کہ فنِ مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ سے سیکھو، ان کے مغازی کے جو خصوصیات ہیں، یہ ہیں :-

(۱) مصنفین اب تک روایات میں صحت کا التزام نہیں کرتے تھے، انھوں نے زیادہ تر اس کا التزام کیا،

(۲) عام مصنفین کا یہ مذاق تھا کہ کثرت سے واقعات نقل کئے جائیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہر قسم کی رطب ویابس روایتیں آجاتی تھیں، موسیٰ نے احتیاط کی، اور صرف وہی روایتیں لیں جو اُن کے نزدیک صحیح ثابت ہوئیں، یہی وجہ ہے کہ اُن کی کتاب بہ نسبت اور کتبِ مغازی کے مختصر ہے،

(۳) چونکہ روایتِ حدیث کے لئے کسی عمر کی قید نہ تھی، اس لئے اکثر لوگ بچپن اور آغازِ شباب ہی سے حلقۂ درس میں شامل ہو جاتے تھے اور حدیثیں سنکر لوگوں سے روایت

کرتے تھے، لیکن چونکہ اس عمر تک واقعات کا صحیح طور سے سمجھنا اور محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا، اس لئے اکثر روایتوں میں تغیر اور اختلاط ہو جاتا تھا، موسیٰ نے بخلاف اور لوگوں کے کبر سن میں اس فن کو سیکھا تھا، سنہ ۱۴۱ھ میں وفات پائی،

موسیٰ کی کتاب آج موجود نہیں لیکن ایک مدت تک شائع و ذائع رہی، اور سیرت کی تمام قدیم کتابوں میں کثرت سے اس کے حوالے آتے ہیں،

محمد بن اسحاق نے فن مغازی میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی، وہ امام فن مغازی کے نام سے مشہور ہیں، شہرت عام میں اگرچہ **واقدی** اُن سے کم نہیں لیکن واقدی کی لغو بیانی مسلّمہ عام ہے اور اس لئے ان کی شہرت، بدنامی کی شہرت ہے، محمد بن اسحاق تابعی ہیں، ایک صحابی (حضرت انسؓ) کو دیکھا تھا، علم حدیث میں کمال تھا، امام زہری کے دروازہ پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے، لیکن محمد بن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں، اُن کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین میں اختلاف ہے، امام مالک اُن کے سخت مخالف ہیں، لیکن محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ **مغازی** اور سیر میں ان کی روایتیں استناد کے قابل ہیں، امام بخاری نے صحیح بخاری میں اُن کی روایت نہیں لی لیکن جزء القرأۃ میں اُن سے روایت کی ہے، **تاریخ** میں تو اکثر واقعات ان ہی سے لیتے ہیں،

فن مغازی کو انھوں نے اس قدر ترقی دی، اور اس قدر دلچسپ بنا دیا کہ خلفائے عباسیہ جو زیادہ تر اور قسم کی تصنیفات کا مذاق رکھتے تھے، ان میں مغازی کا مذاق پیدا ہو گیا

چنانچہ ابن عدی نے اس احسان کا خاص طرح پر ذکر کیا ہے، ابن عدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس فن میں کوئی تصنیف اُن کی تصنیف کے رتبہ کو نہیں پہنچی[1]

ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ محدثین کو محمد بن اسحاق کی کتاب پر اعتراض تھا تو یہ تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات وہ اُن یہودیوں سے دریافت کرکے داخل کتاب کرتے تھے، جو مسلمان ہو گئے تھے، اور چونکہ یہ واقعات انھوں نے یہودیوں سے سُنے ہوں گے، اس لئے اُن پر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا، علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن اسحاق، یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے، اور اُن کو ثقہ سمجھتے تھے ۱۵۱ھ میں وفات پائی۔

محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی کا ترجمہ شیخ سعدی کے زمانہ میں ابوبکر سعد زنگی کے حکم سے فارسی میں ہوا، اس کا قلمی نسخہ الٰہ آباد میں ہماری نظر سے گذرا ہے،

محمد بن اسحاق کی کتاب کثرت سے پھیلی اور بڑے بڑے مشہور محدثوں نے اس کے نسخے مرتب کئے، اسی کتاب کو ابن ہشام نے زیادہ منقح اور اضافہ کرکے مرتب کیا جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے، چونکہ اصل کتاب آج کم ملتی ہے، اس لئے آج اس کی جو یادگار موجود ہے، وہ یہی ابن ہشام کی کتاب ہے۔

ابن ہشام کا نام عبدالملک ہے، وہ نہایت ثقہ اور نامور محدث اور مؤرخ تھے، حمیر کے قبیلہ سے تھے، اور غالباً اسی تعلق سے سلاطین حمیر کی تاریخ لکھی، جو آج بھی موجود ہے، انھوں نے سیرت میں یہ اضافہ کیا کہ سیرت میں جو مشکل الفاظ آتے ہیں، اُن کی تفسیر بھی لکھی۔

۳۱۲ یا ۳۱۳ھ میں وفات پائی،

سیرت ابن اسحاق کی مقبولیت کی بنا پر لوگوں نے اس کو نظم کیا، چنانچہ ابونصر فتح بن موسیٰ خضراوی المتوفی ۶۶۳ھ و عبدالعزیز بن احمد المعروف بہ سعد دیری المتوفی فی حدود ۶۰۷ھ و ابواسحاق انصاری تلمسانی، و فتح الدین محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن الشہید المتوفی ۷۹۳ھ نے منظوم کیا، اخیر کتاب میں قریباً دس ہزار شعر ہیں، اور اس کا نام فتح الغریب فی سیرۃ الحبیب ہے،

واقدی خود تو قابلِ ذکر نہیں، لیکن اُن کے تلامذۂ خاص میں سے **ابن سعد** نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابہؓ کے حالات میں ایسی جامع اور مفصل کتاب لکھی کہ آج تک اس کا جواب نہ ہو سکا،

ابن سعد مشہور محدث ہیں، محدثین نے عموماً لکھا ہے کہ گو اُن کے اُستاد (واقدی) قابل اعتبار نہیں لیکن وہ خود قابلِ سند ہیں خطیب بغدادی نے ان کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں:

کان من اہل العلم والفضل والفہم والعدالۃ صنف کتابا کبیرًا

فی طبقات الصحابۃ والتابعین الی وقتہ فاجاد فیہ واحسن،

یہ موالی بنی ہاشم سے تھے، بصرہ میں پیدا ہوئے لیکن بغداد میں سکونت اختیار کرلی تھی، بلاذری جو مشہور مورخ ہیں، انہی کے شاگرد ہیں ۲۳۰ھ میں ۶۲ برس کی عمر میں وفات پائی،

ان کی کتاب کا نام طبقات ہے، ۱۲ جلدوں میں ہے، دو جلدیں خاص **آنحضرت** (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات میں ہیں، اور یہ حصہ دراصل سیرۃ نبوی ہے، باقی جلدیں صحابہؓ

(وتابعینؓ) کے حالات میں ہیں اور چونکہ صحابہؓ کے حالات میں ہر جگہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)
کا ذکر آتا ہے، اس لئے ان حصوں میں بھی سیرت کا بڑا سرمایہ موجود ہے،

یہ کتاب قریبًا ناپید ہو چکی تھی، یعنی دنیا کے کسی کتب خانہ میں اس کا پورا نسخہ موجود نہ
تھا شہنشاہ جرمن کو اس کی طبع و اشاعت کا خیال ہوا چنانچہ لاکھ روپیے جیب خاص سے
دیئے، اور پروفیسر ساخو کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اس کے اجزا فراہم کرکے لائیں
پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ، مصر اور یورپ جاکر جا بجا سے تمام جلدیں بہم پہنچائیں، یورپ
کے بارہ پروفیسروں نے الگ الگ جلدوں کی تصحیح اپنے ذمہ لی، چنانچہ نہایت اہتمام
اور صحت کے ساتھ یہ نسخہ لیڈن (ہالینڈ) میں چھپکر شائع ہوا،

اس کتاب کا بڑا حصہ واقدی سے ماخوذ ہے، لیکن چونکہ تمام روایتیں بہ سند مذکور
ہیں، اس لئے واقدی کی روایتیں بہ آسانی الگ کرلی جاسکتی ہیں،

اس زمانہ میں سیرت پر اور بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں، چنانچہ کشف الظنون وغیرہ
میں ان کے نام مذکور ہیں، لیکن چونکہ نام کے سوا اُن کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں، نہ اُن کا
آج وجود ہے، اس لئے ہم اُن کے نام نظر انداز کرتے ہیں،

سیرت کے سلسلے سے الگ، تاریخی تصنیفات ہیں، ان میں سے جو محدثانہ طریقہ
پر لکھی گئیں، یعنی جن میں روایتیں بہ سند مذکور ہیں، اُن میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات
اور واقعات کا جو حصہ ہے وہ بھی دراصل سیرت نبویؐ ہے، ان میں سب سے مقدم اور قابل
استناد امام بخاری کی دو نوں تاریخیں ہیں، لیکن دونوں نہایت مختصر ہیں، تاریخ صغیر

چھپ گئی ہے، اس میں سیرت نبویؐ کا حصہ کتاب کا دسواں حصہ بھی نہیں یعنی صرف ۱۵ صفحے ہیں، اور اُن میں بھی کوئی ترتیب نہیں، کبیر البتہ بڑی ہے، میں نے اس کا نسخہ جامع ایا صوفیہ میں دیکھا تھا، لیکن سوانح نبویؐ اس میں بہت کم ہیں اور جستہ جستہ واقعات بلا ترتیب مذکور ہیں،

تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے، طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین اُن کے فضل و کمال، وثوق اور وسعت علم کے معترف ہیں، اُن کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے، محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں میں کسی کو اُن سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا، سنہ ۳۱۰ھ میں وفات پائی،

بعض محدثین (سلیمانی) نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ شیعوں کے لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے"، لیکن علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے،

هذا رجم بالظن الكاذب بل ابن جرير من كبار ائمة الاسلام المعتمدين،	یہ جھوٹی بدگمانی ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر اسلام کے معتمد اماموں میں سے ایک بڑے امام ہیں،

علامہ ذہبی نے اسی موقع پر لکھا ہے کہ "ان میں فی الجملہ تشیع تھا، لیکن مضر نہیں"

تمام مستند اور مفصل تاریخیں مثلاً تاریخ کامل ابن الاثیر، ابن خلدون، ابوالفداء وغیرہ انہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہیں یہ کتاب بھی ناپید تھی اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی،

جو لوگ خاص فن سیرت کے ارکان اور معتمد ہیں، ان کا اور ان کی تصنیفات کا ایک مختصر نقشہ ہم اس مقام پر درج کرتے ہیں،

نام مصنف	سنہ وفات	حالات
عروہ بن زبیر	۹۴ھ	حضرت زبیرؓ کے بیٹے، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نواسے تھے حضرت عائشہؓ کے آغوشِ تربیت میں پلے تھے، سیرت و مغازی میں کثرت سے اُن کی روایتیں ہیں، ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اُن کے متعلق لکھا ہے کان عالما بالسیرۃ، صاحب کشف الظنون نے مغازی کے بیان میں لکھا ہے کہ بعضوں کی رائے ہے کہ فنِ مغازی کی سب سے پہلی کتاب ان ہی نے تدوین کی،
شعبی	۱۰۹ھ	مشہور محدث ہیں، اکثر فنون میں کمال رکھتے تھے، خلافت دمشق کی طرف سے سفیر بنکر قسطنطنیہ گئے تھے، فنِ مغازی و سیر میں ان کو اس درجہ واقفیت تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ "گو میں اُن غزوات میں بذاتِ خود شریک تھا، مگر یہ مجھ سے زیادہ ان حالات کو جانتے ہیں"
وہب بن منبہ	۱۱۴ھ	یمن کے عجمی خاندان سے تھے، حضرت ابوہریرہؓ سے کچھ حدیثیں سُنی تھیں، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کتبِ عہد قدیم کی بشارت اور پیشین گوئیاں کثرت سے انہی سے مروی ہیں،
عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری	۱۲۱ھ	مشہور تابعی ہیں، حضرت انسؓ اور اپنے باپ اور اپنی دادی رمیثہ سے روایت کرتے ہیں، مغازی اور سیر میں نہایت وسیع المعلومات

		تھے، خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے حکم سے مسجدِ دمشق میں بیٹھ کر اس فن کی تعلیم دیتے تھے،
محمد بن مسلم بن شہاب زہری	سنہ ۱۲۴ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے،
یعقوب بن عتبہ	سنہ ۱۲۸ھ	نہایت ثقہ تھے، عمّال اور گورنر انتظام ملکی میں ان سے مدد لیتے تھے،
مغیرہ بن عبد الرحمن بن الاخنس بن شریق الثقفی		فقہائے مدینہ میں ان کا شمار تھا، سیرتِ نبوی کے عالم تھے، ان کا دادا اخنس بن شریق وہی شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن تھا،
موسیٰ بن عقبہ الاسدی	سنہ ۱۴۱ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے،
ہشام بن عروۃ ابن زبیر	سنہ ۱۴۶ھ	زیادہ تر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، زہری کے بھی شاگرد ہیں، علمائے مدینہ میں ان کا شمار ہے، بغداد میں جو روایتیں انھوں نے لیں، محدثین کا بیان ہے کہ ان میں تساہل سے کام لیا ہے، سیرت کے ذخیرۂ روایات میں ان کا بہت بڑا حصہ شامل ہے، جن کو وہ اپنے باپ کے واسطے سے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں، فن سیرت میں اُن کے متعدد نامور تلامذہ ہیں،
محمد بن اسحٰق بن یسار المطلبی	سنہ ۱۵۰ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے،
معمر بن راشد الازدی	سنہ ۱۵۲ھ	امام زہری کے تلامذہ میں امام مالک کے بعد ان کا دوسرا درجہ ہے، اساطینِ علم حدیث میں تھے، مغازی میں ایک کتاب ان کی

		تصنیف ہی جس کا نام ابن ندیم نے کتاب المغازی لکھا ہے،
عبدالرحمن بن عبدالعزیز الاوسی،	سنہ ۱۶۲ھ	زہری کے شاگرد تھے، مسلم نے ان سے ایک روایت کی ہے، محدثین کے نزدیک ضعیف الروایت ہیں، فن سیرت کے عالم تھے، ابن سعد نے اُن کے متعلق لکھا ہے کان عالماً بالسیرة وغیرھا
محمد بن صالح بن دینار التمار،	سنہ ۱۶۸ھ	زہری کے شاگرد اور واقدی کے استاد ہیں، ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ سیرت و مغازی کے عالم تھے، اکثر محدثین نے اُن کی توثیق کی ہے، ابو الزناد جو بڑے پایہ کے محدث ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر صحیح مغازی سیکھنا ہو تو محمد بن صالح سے سیکھو،
ابو معشر نجیح المدنی	سنہ ۱۷۰ھ	ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے، ثوری، اور واقدی نے ان سے روایت کی ہے، اگر محدثین نے روایت حدیث میں اُن کی تضعیف کی ہے، لیکن سیرت و مغازی میں اُن کی جلالت شان کا اعتراف کیا ہے، امام ابن حنبل کہتے ہیں کہ وہ اس فن میں صاحب نظر ہیں، ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے، کتب سیرت میں ان کا نام کثرت سے آتا ہے،
عبداللہ بن جعفر ابن عبدالرحمن المخزومی	سنہ ۱۷۰ھ	مشہور صحابی مسور بن مخرمہ کے پڑپوتے تھے، فن حدیث میں خاص پایہ رکھتے تھے، سیرت نبویؐ کے اکابر علما میں تھے، ابن سعد نے اُن کی شان میں یہ الفاظ لکھے ہیں "من رجال اہل المدینة"

علمائے بالمغازی:

عبدالملک بن محمد بن ابی بکر ابن عمرو بن حزم الانصاری	سنہ ۱۷۶ھ	فن حدیث و سیر میں ان کا خاندان ہمیشہ نامور رہا، ان کے دادا وہ شخص ہیں جنھوں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے سب سے پہلے فن حدیث کی تدوین کی، ان کے رشتہ کی دادی عمرۃ حضرت عائشہؓ کی تربیت یافتہ تھیں، یہ خود سیر و مغازی کے عالم تھے، اپنے باپ اور چچا سے تعلیم پائی تھی، خلیفہ ہارون الرشید نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا، لوگ ان سے مغازی سیکھتے تھے، اس فن میں انکی ایک تصنیف کتاب المغازی بھی ہے،
علی بن مجاہد الرازی الکندی	بعد سنہ ۱۸۰ھ	ابو معشر نجیح کے تلامذہ میں تھے، امام ابن حنبل نے ان سے روایت کی ہے، مغازی کے جامع اور مصنف ہیں لیکن ارباب نقد کے نزدیک ان کی تصنیف اعتبار کے قابل نہیں،
زیاد بن عبداللہ ابن الطفیل البکائی	سنہ ۱۸۳ھ	ابن اسحاق کے شاگرد اور ابن ہشام کے استاد تھے، ان دونوں بزرگواروں کے واسطۃ العقد یہی ہیں، سیرت کے عشق میں گھر بار بیچ کر استاد کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے تھے، اور مدت تک سفر و حضر میں ان کے شریک رہے، محدثین کی بارگاہ میں گو ان کا اعزاز کم ہے، لیکن کتاب السیرۃ کے سب سے معتبر راوی یہی سمجھے جاتے ہیں،
سلمہ بن الفضل الابرش الانصاری،	سنہ ۱۹۱ھ	ابن اسحاق کے شاگرد، اور ان کی سیرت کے راوی ہیں، رے

نام	سنہ	کیفیت
		کے قاضی تھے، اہلِ نقد کے نزدیک قابلِ احتجاج نہیں لیکن ابن معین جو اسمائے رجال کے بڑے ماہر ہیں، مغازی میں اُن کی توثیق کرتے ہیں اور ان کی سیرت کو بہترین سیرتہائے نبوی کہتے ہیں، طبری میں ان کے واسطہ سے اکثر روائتیں مروی ہیں
ابو محمد یحییٰ بن سعید ابن ابان الاموی	١٩٤ھ	ہشام بن عروہ اور ابن جریج سے تلمذ تھا، ابن سعد نے لکھا ہے کہ گو قلیل الروایت ہیں لیکن ثقہ ہیں، صاحبِ کشف الظنون نے مصنفینِ مغازی میں ان کا نام بھی لیا ہے،
ولید بن مسلم القرشی	١٩٥ھ	شام کے مشہور محدث اور نہایت قوی الحافظہ تھے، شام میں ان کے زمانہ میں اُن سے بڑا کوئی عالم نہ تھا، تاریخ و مغازی میں کسی سے ان کا درجہ بڑا سمجھا جاتا تھا، ان کی تصنیفات کی تعداد ستر ہے جن میں ایک کتاب المغازی ہے، کتاب الفہرست میں اسکا ذکر موجود ہے،
یونس بن بکیر	١٩٩ھ	ہشام بن عروہ اور ابن اسحاق کے شاگرد ہیں، فن روایت و حدیث میں ان کا متوسط درجہ ہے، اکثر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے، علامہ ذہبی نے تذکرہ میں ان کا نام بلقب صاحب المغازی لیا ہے، انھوں نے مغازی ابن اسحاق کا ذیل لکھا ہے، (زرقانی مواہب جلد ٣ صفحہ ١٠)

محمد بن عمر الواقدی الاسلمی۔	سنہ ۲۰۷ھ	سیرت نبوی کے متعلق ان کی دو کتابیں ہیں، کتاب السیرۃ اور کتاب التاریخ والمغازی والمبعث، امام شافعی فرماتے ہیں کہ واقدی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہے، کتب سیرت کی اکثر بیہودہ روایتوں کا سرچشمہ ان ہی کی تصانیف ہیں ایک ظریف محدث نے خوب کہا ہے کہ "اگر واقدی سچا ہے تو دنیا میں کوئی اس کا ثانی نہیں، اور اگر جھوٹا ہے، تب بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں"۔
یعقوب بن ابراہیم الزہری	سنہ ۲۰۸ھ	حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اولاد میں تھے، زہری اور ان کے تلامذہ کے شاگرد ہیں، مغازی میں ان کا یہ رتبہ تھا کہ ابن معین جیسا ناقدِ رجال ان سے اس فن کی تحصیل کرتا تھا،
عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری،	سنہ ۲۱۱ھ	ثقات محدثین میں ان کا شمار ہے مزاج میں کسی قدر تشیع تھا ابن معین کہتے ہیں کہ اگر عبدالرزاق مرتد بھی ہو جائیں تب بھی ہم ان سے روایتِ حدیث ترک نہیں کرسکتے، آخر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی، اس لئے اس زمانہ کی حدیثیں ناقابلِ سند ہیں، فنِ مغازی میں اُن کی ایک تالیف ہے،
عبدالملک بن ہشام الحمیری	سنہ ۲۱۳ یا ۲۱۸ھ	ان کا ذکر گذر چکا ہے،
علی بن محمد المدائنی	سنہ ۲۲۵ھ	ابو معشر نجیح اور سلمۃ بن الفضل وغیرہ کے شاگرد تھے، تاریخ وانساب

نام	سنہ	حالات
		عرب میں نہایت وسیع المعلومات تھے، محدثین میں ان کا شمار نہیں لیکن مورخین کے امام ہیں، اغانی کے دفتر بے پایاں کا مخزن یہی ہیں، تاریخ و انساب میں اُن کی کثرت سے تصنیفات ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں ان کی کتاب نہایت مبسوط ہے اور ابن الندیم کے بیان کے مطابق ہر قسم کے متعدد اور متنوع عنوان قائم کئے ہیں،
عمر بن شبۃ البصری	سنہ ۲۶۲ھ	حدیث، تاریخ، ادب، لغت، شاعری اور نحو کے امام ہیں، مکہ مبارکہ، مدینہ طیبہ اور بصرہ کی تاریخیں لکھی ہیں، علم سیر میں نہایت بلند پایہ تھے، حدیث میں ابن ماجہ، اور تاریخ میں بلاذری، اور ابو نعیم اُن کے شاگرد تھے،
محمد بن عیسیٰ ترمذی	سنہ ۲۷۹ھ	مشہور محدث ہیں جن کی کتاب صحاح ستہ میں تیسرا درجہ رکھتی ہے، سیرت نبوی میں ان کا خاص رسالہ ہے جس کا موضوع گذشتہ تصانیف سے الگ ہے، اس رسالہ کا نام کتاب الشمائل ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی حالات و عادات و اخلاق کا ذکر ہے، اس بات کا التزام کیا ہے کہ تمام روایتیں معتبر اور صحیح ہوں، اس رسالہ پر متعدد علما نے شروح و حواشی لکھے،
ابراہیم بن اسحٰق ابن ابراہیم	سنہ ۲۸۵ھ	محدثین کبار میں شمار ہے، مسند صحابہؓ ان کی تالیف ہے جس کے

نام	سنہ وفات	کیفیت
		آخر میں کتاب المغازی شامل ہے،
ابوبکر احمد بن ابی خیثمۃ البغدادی	۲۹۹ھ	حدیث میں ابن حنبل اور ابن معین کے شاگرد، اور تاریخ وسیر کے جلیل القدر عالم تھے، تاریخ کبیر ان کی تصنیف ہے، جس میں سیرت نبوی کا حصہ بھی شامل ہے،
محمد بن عائذ دمشقی		ان کی مغازی معتبر خیال کی جاتی ہے، حافظ ابن حجر وغیرہ اکثر اس کے حوالے دیتے ہیں،

یہ قدما کی تصنیفات تھیں، مابعد کی تصنیفات کا ہم ایک مختصر نقشہ ذیل میں درج کرتے ہیں، یہ تصنیفات قدیم تصنیفات اور احادیث کی کتابوں سے ماخوذ ہیں، اس نقشہ میں ان کتابوں کا ذکر بھی ہے، جو قدما کی تصنیفات کے متعلق شرح کے طور پر لکھی گئی ہیں، ان کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ یہ فی نفسہٖ مستقل تصنیفات ہیں، اور ان میں جس قدر ذخیرۂ معلومات ہے خود اصل کتابوں میں نہیں،

روض الانف، سیرت ابن اسحاق کی شرح ہے، مصنف کا نام عبد الرحمن السہیلی ہے، جنھوں نے ۵۸۱ھ میں وفات پائی، یہ اکابر محدثین میں سے ہیں اور تمام مصنفین مابعد سیرت نبوی کی تحقیقات اور معلومات کے متعلق اُن کے خوشہ چیں ہیں، مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب ۱۲۰ کتابوں کی مدد سے لکھی، اس کا قلمی نسخہ ہمارے استعمال میں ہے،

سیرت دمیاطی، حافظ عبد المومن دمیاطی المتوفی ۷۰۵ھ کی تصنیف ہے، اکثر

کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں، اس کتاب کا نام المختصر فی سیرۃ سید البشر ہے، قریباً سو صفحوں میں ہے، پٹنہ کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے،

سیرتِ خلاطی، علاء الدین علی بن محمد خلاطی حنفی کی تصنیف ہے ۷۰۸ھ میں وفات پائی،

سیرتِ گازرونی، شیخ ظہیر الدین علی بن محمد گازرونی المتوفی ۶۹۴ھ کی تصنیف ہے[1]

سیرتِ ابن ابی طے، مصنف کا نام یحییٰ بن حمیدۃ المتوفی ۶۳۰ھ ہے یہ کتاب تین جلدوں میں ہے،

سیرتِ مغلطائی[2]، مشہور کتاب ہے اور مصر میں چھپ گئی ہے، علامہ عینی نے اس کے ایک حصہ کی شرح لکھی ہے جس کا نام کشف اللثام ہے،

شرف المصطفیٰ، حافظ ابو سعید عبد الملک نیشاپوری کی تصنیف ہے آٹھ جلدوں میں ہے، حافظ ابن حجر اصابہ میں اکثر اس کا حوالہ دیتے ہیں، لیکن جو روایتیں حافظ موصوف نے نقل کی ہیں، ان میں بعض نہایت مہمل اور لغو روایتیں ہیں جس سے قیاس ہوتا ہے کہ مصنف نے رطب و یابس کی کوئی تمیز نہیں رکھی ہے،

شرف المصطفیٰ، للحافظ ابن الجوزی،

الاکتفاء فی مغازی المصطفیٰ والخلفاء الثلاثۃ، حافظ ابو الربیع سلیمان بن موسیٰ الکلاعی المتوفی ۶۳۴ھ کی تصنیف ہے اکثر کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں،

---

(1) بمبئی کے کتب خانہ جامع مسجد میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے (2) ان تمام کتابوں کا ذکر کشف الظنون میں سیر کے عنوان میں ہے،

سیرت ابن عبد البر، ابن عبد البر مشہور محدث اور امام ہیں، اس کتاب کے حوالے اکثر آتے ہیں،

عیون الاثر، ابن سید الناس کی تصنیف ہے، ابن سید الناس اندلس کے مشہور عالم ہیں، ۷۳۴ھ میں وفات پائی، یہ کتاب نہایت متین اور جامع ہے، معتبر کتابوں کو ماخذ قرار دیا ہے اور جس سے جو کچھ نقل کیا ہے، سند بھی نقل کی ہے، اس کا قلمی نسخہ (جلد دوم) کلکتہ کے کتب خانہ میں ہے اور ہمارے پیش نظر ہے،

نور النبراس فی سیرۃ ابن سید الناس عیون الاثر کی شرح ہے مصنف کا نام ابراہیم ابن محمد ہے، یہ کتاب نہایت محققانہ لکھی گئی ہے، اور بے شمار معلومات کا گنجینہ ہے، دو ضخیم جلدوں میں ہے، اور ندوہ کے کتب خانہ میں اس کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے،

سیرت منظوم، حافظ زین الدین عراقی نے جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے نظم میں لکھی ہے، لیکن دیباچہ میں خود لکھدیا ہے کہ اس میں رطب و یابس سب کچھ ہے،

مواہب لدنیہ، مشہور کتاب ہے اور متاخرین کا یہی ماخذ ہے، اس کے مصنف قسطلانی ہیں جو بخاری کے مشہور شارح ہیں، حافظ ابن حجر کے ہمرتبہ تھے، یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے، لیکن ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں بھی موجود ہیں،

زرقانی علی المواہب، یہ مواہب لدنیہ کی شرح ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ سہیلی کے بعد کوئی کتاب اس جامعیت اور تحقیق سے نہیں لکھی گئی، آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے، اور مصر میں چھپ گئی ہے،

سیرتِ حلبی مشہور اور متداول ہے،

صحتِ ماخذ

سیرتِ نبوی کے واقعات جو قلمبند کئے گئے وہ تقریباً نبوت کے سو برس کے بعد قلمبند ہوئے، اس لیے مصنفین کا ماخذ کوئی کتاب نہ تھی، بلکہ اکثر زبانی روایتیں تھیں،

اس قسم کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آتا ہے یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کئے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں، جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا، ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لئے جاتے ہیں، جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں، یورپ کی تاریخی تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں،

لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا، وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا، اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا، اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے، اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کیا جائے کہ جو اشخاص سلسلۂ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے؟ یا دقیقہ رس؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا، سیکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں، ایک ایک شہر میں گئے، راویوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کے معلومات

بہم پہنچائے، جو لوگ ان کے زمانہ میں موجود نہ تھے، ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کئے، ان تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال (بیوگرافی) کا وہ عظیم الشان فن تیار ہوگیا جس کی بدولت آج کم از کم لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہوسکتے ہیں، اور اگر ڈاکٹر اسپرنگر[1] کے حسن ظن کا اعتبار کیا جائے تو یہ تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے،

محدثین نے حالات کے بہم پہنچانے میں کسی شخص کے رتبہ اور حیثیت کی پروانہ کی، بادشاہوں سے لیکر بڑے بڑے مقتداؤں تک کی اخلاقی سراغ رسانیاں کیں، اور ایک ایک کی پردہ دری کی،

اس سلسلہ میں سینکڑوں تصنیفات تیار ہوئیں، جن کی اجمالی کیفیت یہ ہے.

سب سے پہلے اس فن یعنی راویوں کی جرح و تعدیل میں یحیٰی بن سعید القطان نے ایک کتاب لکھی، وہ اس رتبہ کے شخص تھے کہ امام احمد بن حنبل نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ "میری آنکھوں نے ان کا نظیر نہیں دیکھا" ان کے بعد اس فن کو زیادہ رواج ہوا، اور کثرت سے کتابیں لکھی گئیں، جن میں سے چند ممتاز تصنیفات حسب ذیل ہیں،

نام مصنف	کیفیت
رجال عقیلی	خاص ضعیف الروایۃ لوگوں کے حال میں ہے

[1] ڈاکٹر اسپرنگر جرمن کے مشہور عربی داں فاضل ہیں، مدت تک ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں کام کیا، اصابہ کا نسخہ ان ہی کی تصحیح سے کلکتہ میں چھپا، اسی کتاب کے دیباچہ میں صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ "نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری، نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے"

نام مصنف	کیفیت
رجال احمد بن عبداللہ العجلی المتوفی سنہ ۲۶۱ھ	اس کتاب کا نام کتاب الجرح والتعدیل ہے،
رجال امام عبدالرحمان بن حاتم الرازی المتوفی سنہ ۳۲۷ھ	بہت ضخیم کتاب ہے،
رجال امام دارقطنی،	مشہور محدث ہیں، یہ کتاب خاص ضعیف الرواۃ اشخاص کے حال میں ہے،
کامل ابن عدی	اس فن کی سب سے مشہور کتاب ہی، اور تمام محدثین متاخرین نے اس کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے،

یہ کتابیں قریباً آج ناپید ہیں، لیکن بعد کی تصنیفات جو انہی سے ماخوذ ہیں آج بھی موجود ہیں اس سلسلہ میں سب سے زیادہ جامع اور مستند کتاب تہذیب الکمال ہی، جو علامۂ مزی (یوسف بن الزکی) کی تصنیف ہی، جنھوں نے سنہ ۷۴۲ھ میں وفات پائی، علاؤالدین مغلطائی المتوفی سنہ ۷۶۲ھ نے تیرہ جلدوں میں اس کا تکملہ لکھا،

علامۂ ذہبی المتوفی سنہ ۷۴۸ھ نے اس کا اختصار کیا، اور بہت سے محدثین نے اس کے خلاصے اور ذیل لکھے، اور بالآخر حافظ ابن حجر نے ان تمام تصنیفات سے ایک نہایت ضخیم کتاب تہذیب التہذیب لکھی جو بارہ جلدوں میں ہے اور آجکل حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے، مصنف نے کتاب کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ اس کی تصنیف میں آٹھ برس صرف ہوئے ہیں، اس سلسلہ کی ایک اور سب سے زیادہ متداول اور مستند کتاب میزان الاعتدال ہے، جو علامۂ ذہبی کی تصنیف ہی، حافظ ابن حجر نے اس کتاب پر اضافہ کیا،

جس کا نام لسان المیزان ہے،

اسماء الرجال کی کتابوں میں سے تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب، لسان المیزان تقریب، تاریخ کبیر بخاری، تاریخ صغیر بخاری، ثقات ابن حبان، تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی، مشتبہ النسبۃ ذہبی، انساب سمعانی، تہذیب الاسماء ہماری نظر سے گذری ہیں،

اس اصولِ تحقیق کی بنیاد خود قرآن مجید نے قائم کر دی تھی،

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا، (حجرات-۱)	مسلمانو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تم اچھی طرح اس کی تحقیق کر لو،

حدیث ذیل بھی اسی کی مؤید ہے،

کفیٰ بالمرءِ کذبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ	آدمی کے جھوٹے ہونے کی یہ کافی دلیل ہے کہ جو کچھ سُنے روایت کر دے

تحقیقِ واقعات کا دوسرا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے، عقلی شہادت کے مطابق بھی ہے یا نہیں؟

درایت کی ابتداء | یہ اصول بھی درحقیقت قرآن مجید ہی نے قائم کر دیا تھا حضرت عائشہؓ پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو اس طرح اس خبر کو مشہور کیا کہ بعض صحابہؓ تک مغالطہ میں آگئے، چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت حسانؓ بھی قاذفین میں شریک تھے، اور اسی بنا پر حد قذف جاری کی گئی، قرآن مجید میں بھی اس کی تصریح ہے،

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ (نور)	جن لوگوں نے تہمت لگائی وہ تمہارے گروہ میں سے ہیں،

تفسیر جلالین میں مِنْکُمْ کی تفسیر حسب ذیل کی ہے،

جَاعَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِین، یعنی یہ تہمت لگانے والے مسلمانوں کا ایک گروہ ہے

قرآن مجید کی آیتیں حضرت عائشہؓ کی برارت اور طہارت کے متعلق جو نازل ہوئیں

ان میں سے ایک یہ ہے،

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا اور جب تم نے سنا تو یہ کیوں نہیں کہدیا کہ ہم کو ایسی

أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ بات بولنا مناسب نہیں، سبحان اللہ یہ بڑا بہتان ہے،

عام اصول کی بنا پر اس خبر کی تحقیق کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے راویوں کے نام دریافت

کئے جاتے پھر دیکھا جاتا کہ وہ ثقہ اور صحیح الروایۃ ہیں یا نہیں؟ پھر اُن کی شہادت لی جاتی،

لیکن خدا نے اس آیت میں فرمایا کہ سننے کے ساتھ تم نے کیوں نہیں کہدیا کہ یہ بہتان ہے،

اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کا خلاف قیاس جو واقعہ بیان کیا جائے

قطعاً سمجھ لینا چاہئے کہ غلط ہے،

اس طرز تحقیق یعنی درایت کی ابتدا خود صحابہؓ کے عہد میں ہو چکی تھی.

فقہا میں بعض اس بات کے قائل ہیں کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو

ٹوٹ جاتا ہے حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے جب اس

مسئلہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا، تو عبداللہ بن عباسؓ نے کہا اگر یہ صحیح

ہو تو اُس پانی کے پینے سے بھی وضو ٹوٹ جائیگا جو آگ پر گرم کیا گیا ہو، حضرت عبداللہ

ابن عباسؓ حضرت ابوہریرہؓ کو ضعیف الروایۃ نہیں سمجھتے تھے، لیکن چونکہ ان کے نزدیک

یہ روایت درایت کے خلاف تھی، اس لئے انھوں نے تسلیم نہیں کی اور یہ خیال کیا کہ سمجھنے میں

غلطی ہو گئی ہو گی،

جب حدیثوں کی تدوین شروع ہوئی تو محدثین نے درایت کے اصول بھی منضبط کئے جن میں سے بعض یہ ہیں،

قال[1] ابن الجوزی وکل حدیث رأیته
یخالف العقول او یناقض الاصول
فاعلم انه موضوع فلا یتکلف اعتبارہ
ای لا نعتبر رواته ولا تنظر فی
جرحهم او یکون مما یدفعه الحس
والمشاهدة او مباینا النص الکتاب
والسنة المتواترة او الاجماع القطعی
حیث لا یقبل شئ من ذلك التاویل
او تتضمن الافراط بالوعید الشدید
علی الامر الیسیر او بالوعد العظیم
علی الفعل الیسیر وهذا الاخیر کثیر
موجود فی حدیث القصاص والطرقیة

ابن جوزی نے کہا ہے کہ جس حدیث کو دیکھو کہ عقل یا
اصول مسلمہ کے خلاف ہے تو جان لو کہ وہ مصنوعی ہے، اس کی
نسبت اس بحث کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی
معتبر ہیں یا غیر معتبر، اسی طرح سے وہ حدیث قابل اعتبار
نہیں جو محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو، اور تاویل
کی گنجائش نہ رکھتی ہو، یا وہ حدیث جس میں ذراسی بات
پر سخت عذاب کی دھمکی ہو، یا معمولی کام پر بہت بڑے
ثواب کا وعدہ ہو، (اس قسم کی حدیثیں واعظوں اور
سوقیوں کے ہاں بہت پائی جاتی ہیں) یا وہ حدیث
جس میں لغویت پائی جائے، مثلاً یہ حدیث کہ کدو
کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ، اس لئے بعض محدثین نے
لغویت کو راوی کے کذب کی دلیل قرار دیا ہے،

---

[1] فتح المغیث مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۱۱، افسوس یہ ہے کہ یہ کتاب نہایت غلط چھپی ہے، اس لئے بعض عبارتیں ہم نے اسی نسخہ کے موافق غلط نقل کی ہیں، یہ اصول خود ابن جوزی کے قائم کردہ نہیں ہیں، بلکہ ابن جوزی نے محدثین کے اصول کو نقل کر دیا ہے،

ومن ركة المعنى لا تأكلوا القرعة حتى تذبحوها ولذا جعل بعضهم ذلك دليلاً على كذب راويه وكل هذا من القرائن في المروي وقد تكون في الراوي كقصة غياث مع المهدي ..... او انفراده عمن لم يدركه بما لم يوجد عند غيرهما او انفراده بشيء مع كونه مما يلزم المكلفين علمه وقطع العذر فيه كما قرره الخطيب في اول الكفاية او بامر جسيم تتوفر الدواعي على نقله كحصر العدو الحاج عن البيت

یہ تمام قرینے خود روایت سے متعلق ہیں، اور کبھی یہ قرائن راوی کے متعلق ہوتے ہیں، مثلاً غیاث کا واقعہ خلیفہ مہدی کے ساتھ، یا جب کہ راوی کوئی ایسی حدیث بیان کرے جو اور کسی نے نہ بیان کی ہو، اور خود راوی جس سے روایت کرتا ہے اس سے ملا تک نہ ہو، یا وہ حدیث جس کو ایک ہی راوی بیان کرتا ہے حالانکہ بات ایسی ہے کہ اس سے اوروں کو بھی مطلع ہونا ضرور تھا، جیسا کہ خطیب بغدادی نے کتاب الکفایۃ کے شروع میں اس کی تصریح کی ہے، یا وہ روایت جس میں کسی عظیم الشان واقعہ کا ذکر ہے کہ اگر وہ واقع ہوا ہوتا تو سینکڑوں آدمی اس کو بیان کرتے، مثلاً یہ واقعہ کہ کسی دشمن نے حاجیوں کو کعبہ کے حج سے روک دیا۔

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ حسب ذیل صورتوں میں روایت اعتبار کے قابل نہ ہوگی اور اس کے متعلق اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا نہیں،

۱- جو روایت عقل کے مخالف ہو،

۲- جو روایت اصولِ مسلّمہ کے خلاف ہو،

۳- محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو،

۴- قرآن مجید یا حدیث متواتر یا اجماعِ قطعی کے خلاف ہو، اور اس مین تاویل کی کچھ گنجایش نہ ہو،

۵- جس حدیث مین معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو،

۶- معمولی کام پر بہت بڑے انعام کا وعدہ ہو،

۷- وہ روایت رکیک المعنی ہو مثلاً کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ،

۸- جو راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہین کی، اور یہ راوی اس شخص سے نہ ملا ہو،

۹- جو روایت ایسی ہو کہ تمام لوگون کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو، باین ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اس کی روایت نہ کی ہو،

۱۰- جس روایت مین ایسا قابلِ اعتنا واقعہ بیان کیا گیا ہو، کہ اگر وقوع مین آتا تو سیکڑون آدمی اس کو روایت کرتے، باوجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اسکی روایت کی ہو،

ملا علی قاری نے موضوعات[1] کے خاتمہ مین حدیثون کے نامعتبر ہونے کے چند اصول تفصیل سے لکھے ہین اور انکی مثالین نقل کی ہین، ہم اُسکا خلاصہ اس موقع پر نقل کرتے ہین،

۱- جس حدیث مین فضول باتین ہون جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے نہین نکل سکتین، مثلاً یہ کہ "جو شخص لا اله الا الله کہتا ہے خدا اس کلمہ سے ایک پرند پیدا کرتا ہے جس کے ستر زبانین ہوتی ہین، ہر زبان مین ستر ہزار لغت ہوتے ہین الخ"

۲- وہ حدیث جو مشاہدہ کے خلاف ہو، مثلاً یہ حدیث کہ "بینگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے"

---

[1] نسخہ مطبوعہ مجتبائی دہلی صفحہ ۹۲ تا خاتمۂ کتاب،

۳- وہ حدیث جو صریح حدیثون کے مخالف ہو،

۴- جو حدیث واقع کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ "دھوپ مین رکھے ہوے پانی سے غسل نہین کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے"،

۵- وہ حدیث جو انبیا علیہم السّلام کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو، مثلاً یہ حدیث کہ "تین چیزین نظر کو ترقی دیتی ہیں، سبزہ زار، آب روان، خوبصورت چہرہ کا دیکھنا"،

۶- وہ حدیثیں جن مین آیندہ واقعات کی پیشین گوئی بقید تاریخ مذکور ہوتی ہے مثلاً یہ کہ فلان سنہ اور فلان تاریخ مین یہ واقعہ پیش آئے گا"،

۷- وہ حدیثین جو طبیبون کے کلام سے مشابہ ہین، مثلاً یہ کہ "ہریسہ کے کھانے سے قوت آتی ہے" یا یہ کہ مسلمان شیرین ہوتا ہے اور شیرینی پسند کرتا ہے"

۸- وہ حدیث جس کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہین، مثلاً عوج بن عنق کا قد تین ہزار گز کا تھا،

۹- وہ حدیث جو صریح قرآن کے خلاف ہو، مثلاً دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہے، کیونکہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو ہر شخص بتادے گا کہ قیامت کے آنے مین اس قدر دیر ہے؛ حالانکہ قرآن سے ثابت ہے کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہین،

۱۰- وہ حدیثین جو خضر علیہ السّلام کے متعلق ہین،

۱۱- جس حدیث کے الفاظ رکیک ہون،

۱۲- وہ حدیثین جو قرآن مجید کی الگ الگ سورتون کے فضائل مین وارد ہین،

حالانکہ یہ حدیثین تفسیر بیضاوی اور کشاف وغیرہ مین منقول ہین،

ان اصول سے محدثین نے اکثر جگہ کام لیا اور ان کی بنا پر بہت سی روایتین رد کردین

مثلاً ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیون کو جزیہ سے معاف کر دیا تھا، اور معافی کی دستاویز لکھوا دی تھی"۔ ملا علی قاری اس روایت کے متعلق لکھتے ہین کہ یہ روایت مختلف وجوہ سے باطل ہے،

۱۔ اس معاہدہ پر سعدؓ بن معاذ کی گواہی بیان کی جاتی ہے، حالانکہ وہ غزوہ خندق مین وفات پا چکے تھے،

۲۔ دستاویز مین کاتب کا نام معاویہ ہے، حالانکہ وہ فتح مکہ مین اسلام لائے،

۳۔ اس وقت تک جزیہ کا حکم ہی نہین آیا تھا، جزیہ کا حکم قرآن مجید مین جنگ تبوک کے بعد نازل ہوا ہے،

۴۔ دستاویز مین تحریر ہے کہ یہودیون سے بیگار نہین لی جائے گی، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین بیگار کا رواج ہی نہ تھا،

۵۔ خیبر والون نے اسلام کی سخت مخالفت کی تھی، ان سے جزیہ کیون معاف کیا جاتا

۶۔ عرب کے دور دراز حصون مین جب جزیہ معاف نہین ہوا، حالانکہ ان لوگون نے چندان مخالفت اور دشمنی نہین کی تھی، تو خیبر والے کیونکر معاف ہو سکتے تھے،

۷۔ اگر جزیہ ان کو معاف کر دیا گیا ہوتا تو یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اسلام کے ہواخواہ اور دوست اور واجب الرعایۃ ہین، حالانکہ چند روز کے بعد خارج البلد کر دیئے گئے"

سیرت کی یہ ایک اجمالی اور سادہ تاریخ تھی، اب ہم اس پر مختلف پہلوؤن سے نظر ڈالنا چاہتے ہین،

۱۔ سیرت پر اگرچہ آج بھی سیکڑون تصنیفین موجود ہین، لیکن سب کا سلسلہ جاکر صرف تین چار کتابون پر منتہی ہوتا ہے، سیرت ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد، طبری، ان کے علاوہ جو کتابین ہین وہ ان سے متاخر ہین، اور ان مین جو واقعات مذکور ہین، زیادہ تر انہی کتابون سے لئے گئے ہین، (کتب حدیث کا جو ٹکڑا ہے اُس سے اس مقام پر بحث نہین) اس بنا پر ہم کو مذکورۂ بالا کتابون پر زیادہ تفصیل اور تدقیق سے نظر ڈالنی چاہئے

ان مین سے واقدی تو بالکل نظر انداز کر دینے کے قابل ہے، محدثین بالاتفاق لکھتے ہین کہ وہ خود اپنے جی سے روایتین گڑھتا ہے، اور حقیقت مین واقدی کی تصنیف خود اس بات کی شہادت ہے، ایک ایک جزئی واقعہ کے متعلق جس قسم کی گوناگون اور دلچسپ تفصیلین وہ بیان کرتا ہے، آج کوئی بڑا سے بڑا واقعہ نگار چشم دید واقعات اس طرح قلمبند نہین کر سکتا،

واقدی کے سوا، باقی اور تینون مصنفین، اعتبار کے قابل ہین، ابن اسحاق کی نسبت اگرچہ امام مالک اور بعض محدثین نے جرح کی ہے، تاہم ان کا یہ رتبہ ہے کہ امام بخاری اپنے رسالہ جزء القراۃ مین انکی سند سے روایتین نقل کرتے ہین، اور ان کو صحیح سمجھتے ہین، ابن سعد اور

طبری میں کسی کو کلام نہیں لیکن افسوس ہے کہ ان لوگون کا مستند ہونا، اُن کی تصنیفات کے مستند ہونے پر چندان اثر نہین ڈالتا، یہ لوگ خود شریک واقعہ نہین، اس لئے جو کچھ بیان کرتے ہین اور راویون کے ذریعہ سے بیان کرتے ہین لیکن اُن کے بہت سے رواۃ ضعیف الروایۃ اور غیر مستند ہین، اس کے علاوہ ابن اسحاق کی اصلی کتاب (ہندوستان مین) موجود نہین، ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب کو ترتیب اور تہذیب کے بعد جس صورت مین بدل دیا وہی آج موجود ہے، لیکن ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب کو زیاد بکائی کے واسطہ سے روایت کیا ہے، بکائی اگرچہ رتبہ کے شخص ہین تاہم محدثین کے اعلیٰ معیار سے فروتر ہین، ابن مدینی (امام بخاری کے استاد) کہتے ہین کہ "وہ ضعیف ہین اور مین نے اس کو ترک کر دیا" ابو حاتم کہتے ہین "وہ استناد کے قابل نہین" نسائی کہتے ہین "وہ ضعیف ہے"

ابن سعد کی نصف سے زیادہ روایتین، واقدی کے ذریعہ سے ہین، اس لیے ان روایتون کا وہی رتبہ ہے جو خود واقدی کی روایتون کا ہے، باقی رُواۃ مین سے بعض ثقہ ہین، اور بعض غیر ثقہ،

طبری کے بڑے بڑے شیوخ روایت مثلاً سلمۃ ابرش، ابن سلمۃ وغیرہ ضعیف الروایۃ ہین

اس بنا پر مجموعی حیثیت سے سیرۃ کا ذخیرہ، کتب حدیث کا ہم پلّہ نہین، البتہ ان مین سے تحقیق و تنقید کے معیار پر جو اُتر جائے وہ حجت اور استناد کے قابل ہے،

سیرت کی کتابون کی کم پایگی کی بڑی وجہ یہ ہے، کہ تحقیق اور تنقید کی ضرورت احادیث احکام کے ساتھ مخصوص کر دی گئی یعنی وہ روایتین تنقید کی زیادہ محتاج ہین جن سے شرعی احکام

ثابت ہوتے ہین، باقی جو روایتین سیرت اور فضائل وغیرہ سے متعلق ہین ان مین تشدد اور احتیاط کی چندان حاجت نہین، حافظ زین الدین عراقی جو بہت بڑے پایہ کے محدث ہین، سیرتِ منظوم کے دیباچہ مین لکھتے ہین،

وَلیعلم الطالبُ انّ السیرا	طالب کو جاننا چاہئے کہ سیرت مین سبھی طرح
تجمع ما صحّ وما قد اُنکرا	کی روایتین ہوتی ہین صحیح بھی اور غلط بھی

یہی وجہ ہے کہ مناقب اور فضائلِ اعمال مین کثرت سے ضعیف روایتین شایع ہو گئین اور بڑے بڑے علما نے اپنی کتابون مین ان روایتوں کا درج کرنا جائز رکھا، علامہ ابن تیمیہ کتاب التوسل مین لکھتے ہین،

قد رواہ من صنف فی عمل یوم و	اس حدیث کو ان لوگون نے روایت کیا ہے جنھون
لیلۃ کابن السنی وابی نعیم و فی	نے رات دن کے اعمال مین کتابین تصنیف کی ہین
مثل ھذہ الکتب احادیث کثیرۃ	مثلاً ابن السنی اور ابو نعیم اور اس قسم کی کتابون مین
موضوعۃ لا یجوز الاعتماد علیھا	کثرت سے جھوٹی حدیثین موجود ہین، جن پر اعتماد کرنا
فی الشریعۃ باتفاق العلماء،	ناجائز ہے اور اس پر تمام علما کا اتفاق ہے،

حاکم نے مستدرک مین یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب حضرت آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی تو انھون نے کہا "اے خدا! مین تجھ کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا واسطہ دیتا ہون کہ میری خطا معاف کردے" خدا نے کہا "تم نے محمدؐ کو کیونکر جانا، حضرت آدمؑ نے کہا "مین نے سر اٹھا کر عرش کے پایون پر نظر ڈالی تو یہ الفاظ لکھے ہوئے دیکھے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اس سے مین نے قیاس کیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس شخص کا نام ملایا ہے وہ ضرور تجھکو محبوب ترین خلق ہوگا" خدا نے کہا "آدم! تم نے سچ کہا، اور محمدؐ نہ ہوتے تو مین تم کو پیدا بھی نہ کرتا" حاکم نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، علامہ ابن تیمیہ حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہین:-

واما تصحیح الحاکم لمثل هذا الحدیث وامثاله فهذا مما انکره علیه ائمة العلم بالحدیث وقالوا ان الحاکم یصحح احادیث وهی موضوعة مکذوبة عند اهل المعرفة بالحدیث.... وکذالك احادیث کثیرة فی مستدرک

حاکم کا اس قسم کی حدیثون کو صحیح کہنا ائمہ حدیث نے اس پر انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ حاکم بہت سی جھوٹی اور موضوع حدیثون کو صحیح کہتے ہین، اسی طرح حاکم کی مستدرک مین بہت سی حدیثین ہین، جن کو حاکم نے صحیح کہا ہے، حالانکہ وہ ائمہ حدیث کے نزدیک موضوع ہین،

علامہ موصوف ایک اور موقع پر ابوالشیخ اصفہانی کی کتاب کا تذکرہ کر کے لکھتے ہین (ص ۱۰۵ و ۱۰۶)

وفیها احادیث کثیرة قویة صحیحة وحسنة واحادیث کثیرة ضعیفة موضوعة واهیة وکذلك ما یرویه خیثمة بن سلیمان فی فضائل الصحابة وما یرویه ابونعیم الاصبهانی فی فضائل الخلفاء

اور اس مین بہت سی حدیثین ہین جو قوی ہین اور حسن ہین، اور بہت سی ضعیف اور موضوع اور مہمل ہین اور اسی طرح وہ حدیثین جو خیثمہ بن سلیمان صحابہؓ کے فضائل مین روایت کرتے ہین، اور وہ حدیثین جو ابونعیم اصفہانی نے ایک مستقل کتاب مین خلفاء کے فضائل

لہ کتاب التوسل مطبوعہ المنار صفحہ ۱۰۱، (نیز تذکرۃ الحفاظ ذہبی ترجمہ حاکم)

فی کتاب مفرد وفی اوّل حلیۃ الاولیاء۔۔	مین روایت کی ہین اور اسی طرح وہ روایتین
ومایرویہ ابوبکر الخطیب وابوالفضل	جو ابوبکر خطیب اور ابوالفضل اور ابوموسیٰ مدنی
بن ناصر وابوموسیٰ المدینی وابوالقاسم	اور ابن عساکر اور حافظ عبدالغنی وغیرہ اور
بن عساکر والحافظ عبدالغنی وامثالہم	ان کے پایہ کے لوگ، روایت کرتے
ممن لہ معرفۃ بالحدیث ،	ہین،

غور کرو، ابونعیم، خطیب بغدادی، ابن عساکر، حافظ عبدالغنی وغیرہ حدیث اور روایت کے امام تھے، باوجود اس کے یہ لوگ خلفاء اور صحابہؓ کے فضائل مین ضعیف حدیثین بے تکلف روایت کرتے تھے، اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ خیال عام طور پر پھیل گیا تھا کہ صرف حلال و حرام کی حدیثون مین احتیاط اور تشدد کی ضرورت ہے، ان کے سوا اور روایتون مین سلسلۂ سند نقل کر دینا کافی ہے، تنقید اور تحقیق کی ضرورت نہین،

موضوعاتِ ملا علی قاری مین لکھا ہے کہ بغداد مین ایک واعظ نے یہ حدیث بیان کی کہ "قیامت مین خدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا" امام ابن جریر طبری نے سنا تو بہت برہم ہوے اور اپنے دروازہ پر یہ فقرہ لکھ کر لگا دیا کہ "خدا کا کوئی ہم نشین نہین" اس پر بغداد کے عوام سخت برافروختہ ہوے اور امام موصوف کے گھر پر اس قدر پتھر برسائے کہ دیوارین ڈھک گئین،

اس موقع پر ایک خاص نکتہ لحاظ کے قابل ہے، یہ مسلّم ہے کہ حدیث و روایت مین امام بخاری اور مسلم سے بڑھ کر کوئی شخص کامل فن نہین پیدا ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ ان کو جو عقیدت اور خلوص اور شیفتگی تھی اس کے لحاظ سے بھی وہ تمام محدثین پر ممتاز تھے، باوجود اس کے فضائل و مناقب کے متعلق جس قسم کی مبالغہ آمیز روایتیں بیہقی، ابونعیم بزار، طبرانی وغیرہ مین پائی جاتی ہین، بخاری اور مسلم مین ان کا پتہ نہین لگتا، بلکہ اس قسم کی حدیثین جو نسائی، ابن ماجہ، ترمذی وغیرہ مین پائی جاتی ہین، صحیحین مین وہ بھی مذکور نہین، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر تحقیق و تنقید کا درجہ بڑھتا جاتا ہے، مبالغہ آمیز روایتین گھٹتی جاتی ہین، مثلاً یہ روایت کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم وجود مین آئے تو ایوان کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر پڑے، آتش فارس بجھ گئی، بحیرۂ طبریہ خشک ہوگیا، بیہقی، ابونعیم خرائطی، ابن عساکر اور ابن جریر نے روایت کی ہے، لیکن صحیح بخاری اور مسلم بلکہ صحاح ستہ کی کسی کتاب مین اس کا پتہ نہین،

سیرت پر جو کتابین لکھی گئین وہ زیادہ تر اسی قسم کی کتابون (طبرانی بیہقی، ابونعیم وغیرہ) سے ماخوذ ہین، اس لئے ان مین کثرت سے کمزور روایتین درج ہوگئین، اور اسی بنا پر محدثین کو کہنا پڑا کہ سیر مین ہر قسم کی روایتین ہوتی ہین،

محدثین نے جو اصول قرار دیئے تھے، سیرت کی روایتون مین لوگون نے اکثر نظر انداز کر دیئے، محدثین کا سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ روایت کا سلسلہ اصل واقعہ تک کہیں منقطع نہ ہونے پائے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ولادت کے متعلق جس قدر روایتین مذکور ہین، اکثر منقطع ہین، صحابہؓ مین سے کوئی شخص ایسا نہین، جس کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت روایت کے قابل ہو، سب سے معمر حضرت ابوبکرؓ ہین، وہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دو برس کم تھے، اسی بنا پر میلاد کے متعلق جس قدر روایتیں ہیں اُن میں سے اکثر متصل نہیں اور اسی بنا پر بہت دور از کار روایتیں پھیل گئیں، مثلاً ابونعیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی زبانی روایت کی ہے، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو بہت سے پرند آکر مکان میں بھر گئے جن کی زمرد کی منقار اور یاقوت کے پر تھے، پھر ایک سفید بادل آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھالے گیا، اور ندا آئی کہ اس بچہ کو مشرق و مغرب اور تمام دریاؤں کی سیر کراؤ، کہ سب لوگ پہچان لیں[1] مغازی کا بڑا حصہ امام زہری سے منقول ہے، لیکن ان کی اکثر روایتیں، جو سیرت ابن ہشام اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں مذکور ہیں منقطع ہیں،

۲۔ نہایت تعجب انگیز بات یہ ہے کہ جن بڑے بڑے نامور مصنفین مثلاً امام طبری وغیرہ نے سیرت پر جو کچھ لکھا اُس میں اکثر جگہ مستند احادیث کی کتابوں سے کام نہیں لیا، بعض واقعات نہایت اہم ہیں، اُن کے متعلق حدیث کی کتابوں میں ایسے مفید معلومات موجود ہیں جن سے تمام مشکل حل ہوجاتی ہے، لیکن سیرت اور تاریخ میں ان معلومات کا ذکر نہیں، مثلاً یہ امر کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے تو لڑائی کی سلسلہ جنبانی کس کی طرف سے شروع ہوئی؟ ایک بحث طلب واقعہ ہے، تمام ارباب سیر اور مورخین کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا کی، لیکن سنن ابی داؤد میں صاف اور صریح حدیث

---

[1] مواہب لدنیہ میں یہ روایت نقل کی ہے اس میں بے انتہا مبالغہ آمیز باتیں ہیں رہیں نے معمولی ٹکڑا نقل کر دیا ہے،

موجود ہے کہ جنگ بدر سے پہلے کفار مکہ نے عبداللہ بن اُبی کو یہ خط لکھا کہ "تم نے محمدؐ کو اپنے شہر مین پناہ دی ہے ان کو نکال دو، ورنہ ہم خود مدینہ آکر تمہارا، اور محمدؐ دونون کا استیصال کردینگے" سیرت اور تاریخ کی کتابون مین یہ واقعہ سرے سے منقول نہین،

مصنفین سیرت مین سے بعض لوگون نے اس نکتہ کو سمجھا، اور جب احادیث کی زیادہ چھان بین کی تو اُن کو تسلیم کرنا پڑا کہ سیرت کی کتابون مین بہت سی روایتین صحیح حدیثون کے خلاف درج ہوگئی ہین، لیکن چونکہ ان کی تصنیف پھیل چکی تھی، اس لیے اس کی اصلاح نہ ہوسکی، حافظ ابن حجر ایک موقع پر دمیاطی کا ایک قول نقل کرکے لکھتے ہین

ودلّ ھذا علی انہ کان یعتقد الرجوع	یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ اکثر واقعات جنمین
عن کثیر مما وافق فیہ اھل السیر وخالف	دمیاطی نے اہلِ سیر کی موافقت اور صحیح حدیثون کی
الاحادیث الصحیحۃ وان ذلک کان	مخالفت کی تھی، اپنی رائے سے رجوع کیا، لیکن
منہ قبل تضلعہ منھا وخروج نسخ	چونکہ کتاب کے نسخے پھیل گئے تھے، اس لئے
کتابہ وانتشارہ لم یتمکن من تغیرہٖ	اس کی اصلاح نہ کرسکے،

۳- سیرت مین اگلون نے جو کتابین لکھین، ان سے، مابعد کے لوگون نے جو روایتین نقل کین انہی کے نام سے کین، ان کے مستند ہونے کی بناپر لوگون نے ان تمام روایتون کو معتبر سمجھ لیا، اور چونکہ اصل کتابین ہر شخص کو ہاتھ نہین آسکتی تھین اس لیے لوگ راویون کا پتہ نہ لگا سکے، اور رفتہ رفتہ یہ روایتین تمام کتابون مین داخل ہوگئین، اس تدلیس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مثلاً جو روایتین واقدی کی کتاب مین مذکور ہین ان کو لوگ عموماً

غلط سمجھتے ہین لیکن انہین روایتون کوجب ابن سعد کے نام سے نقل کردیا جاتا ہے، تو لوگ ان کو معتبر سمجھتے ہین، حالانکہ ابن سعد کی اصلی کتاب ہاتھ آئی تو پتہ لگا کہ ابن سعد نے اکثر روایتین واقدی ہی سے لی ہین،

۴- روایت کے متعلق جو اصول منضبط ہوئے صحابہؓ کے متعلق ان سے بعض بعض موقعون پر کام نہین لیا گیا، مثلاً اصول روایت کی رو سے رُواۃ کے مختلف مدارج ہین، کوئی راوی نہایت ضابط، نہایت معنی فہم، نہایت دقیقہ رس ہوتا ہے کسی مین یہ اوصاف کم ہوتے ہین، کسی مین اور بھی کم ہوتے ہین، یہ فرق مراتب جس طرح نظرۃً عام راویون مین پایا جاتا ہے، صحابہؓ بھی اس سے مستثنیٰ نہین، حضرت عائشہؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت پر، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت پر جو تنقیدین کین اور جن کا ذکر اوپر گذر چکا، اسی بنا پر کین،

اختلاف مراتب کی بنیاد پر بڑے بڑے معرکۃ الآرا مسائل کی بنیاد قائم ہے، مثلاً دو روایتون مین تعارض پیش آجائے تو اس بحث کے فیصلہ مین صحیح طریقہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایک روایت کے راویون کا دوسری روایت کے راویون سے عالی رتبہ ہونا ثابت کردیا جائے (گو دونون راوی ثقہ ہین) اور یہ اس روایت کی ترجیح کا قطعی ذریعہ ہوگا، لیکن صحابہؓ مین آکر یہ اصول بیکار ہوجاتا ہے، فرض کرو ایک روایت صرف حضرت عمرؓ سے مروی ہے، اور دوسری کسی بدوی عرب سے مروی ہے جس نے عمر بھر مین صرف ایک دفعہ اتفاقاً آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ لیا تھا، تو اب دونون روایتون

کا رتبہ برابر ہو جاتا ہے، علامہ مازری مشہور محدث ہین، علامہ نووی شرح صحیح مسلم مین اکثر اُن سے استناد کرتے ہین، انھون نے اس تعمیم کی مخالفت کی تھی چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ کے دیباچہ (صفحہ ۱۰و۱۱) مین ان کا یہ قول نقل کیا ہے،

لسنا نعنی بقولنا الصحابۃ عدول کل من رآہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما ما او زارہ لماما او اجتمع بہ لغرض و انصرف عن کثب وانما نعنی بہ الذین لازموہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون،	یہ مقولہ کہ صحابہ سب عادل ہین، ہم اس سے ہر اُسے شخص کو مراد نہین لیتے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتفاقاً دیکھ لیا، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی غرض کے لئے ملا اور پھر فوراً واپس چلا گیا بلکہ ہم ان لوگون کو مراد لیتے ہین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین بہ التزام رہے اور آپ کی اعانت و مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا

لیکن محدثین نے مازری کے اس قول سے عام مخالفت کی، علامہ مازری نے بے شبہہ یہ غلطی کی کہ عدالت کے وصف کو مطلقاً مقربین صحابہؓ سے مخصوص کر دیا، اس بنا پر محدثین کی مخالفت اُن سے بیجا نہین لیکن اس مین کیا شبہہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؓ کی روایتین، ایک عام بدوی کی روایت کے برابر نہین ہو سکتین خصوصاً اُن روایتو کے متعلق یہ فرق ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے جو فقہی مسائل یا دقیق مطالب سے تعلق رکھتی ہین،

۵- ارباب سیر اکثر واقعات کے اسباب و علل سے بحث نہین کرتے نہ اُنکی تلاش و تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے، اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ اس باب مین یورپ

کا طریقہ نہایت غیر معتدل ہے، یورپین مورخ ہر واقعہ کی علت تلاش کرتا ہے، اور نہایت دور دراز قیاسات اور احتمالات سے سلسلہ معلولات پیدا کرتا ہے، اس مین بہت کچھ اُس کی خود غرضی اور خاص مطمح نظر کو دخل ہوتا ہے، وہ اپنے مقصد کو ایک محور بنا لیتا ہے تمام واقعات اسی کے گرد گردش کرتے ہین، بخلاف اس کے اسلامی مورخ نہایت سچائی اور انصاف، اور خالص بے طرفداری سے واقعات کو ڈھونڈتا ہے، اس کو اس سے کچھ غرض نہین ہوتی کہ واقعات کا اثر اُس کے مذہب پر، معتقدات پر، اور تاریخ پر کیا پڑیگا اس کا قبلۂ مقصد صرف واقعیت ہوتی ہے، وہ اس پر اپنے معتقدات اور قومیت کو بھی قربان کر دیتا ہے،

لیکن اس مین حد سے زیادہ تفریط ہو گئی، اس بات سے بچنے کے لئے کہ واقعات راے سے مخلوط نہ ہو جائین، وہ پاس پاس کے ظاہری اسباب پر بھی نظر نہین ڈالتا، اور ہر واقعہ کو خشک اور ادھورا چھوڑ دیتا ہے، مثلاً اکثر لڑائیون کو اس طرح شروع کرتے ہین، کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فلان قبیلہ پر فلان وقت فوجین بھیجین، لیکن اس کے اسباب کا ذکر مطلق نہین کرتے جس سے عام ناظرین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ کفار پر حملہ کرنے، اور ان کو تباہ و برباد کرنے کے لئے کسی سبب اور وجہ کی ضرورت نہین، صرف یہ عام وجہ کافی ہے کہ وہ کافر ہین: اسی سے مخالفین یہ استدلال کرتے ہین کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے، حالانکہ زیادہ چھان بین سے ثابت ہوتا ہے کہ جن قبائل پر فوجین گئین وہ پہلے سے آمادۂ جنگ، اور مسلمانون پر حملہ کی تیاریان کر چکے تھے،

۲- یہ لحاظ رکھنا ضرور ہے کہ واقعہ کی نوعیت کے بدلنے سے شہادت اور روایت کی حیثیت کہان تک بدل جاتی ہے، مثلاً ایک راوی جو ثقہ ہے ایک ایسا معمولی واقعہ بیان کرتا ہے جو عموماً پیش آتا ہے اور پیش آسکتا ہے تو بے تکلف یہ روایت تسلیم کر لی جائے گی، لیکن فرض کرو، وہی راوی ایسا واقعہ بیان کرتا ہے جو غیر معمولی ہے، تجربۂ عام کے خلاف ہے، گرد و پیش کے واقعات سے مناسبت نہین رکھتا، تو واقعہ چونکہ زیادہ محتاجِ ثبوت ہے، اس لئے اب راوی کا معمولی درجۂ وثوق کافی نہین ہوسکتا، بلکہ اس کو معمولی درجہ سے زیادہ عادل، زیادہ محتاط، زیادہ نکتہ دان ہونا چاہئے،

مثلاً ایک بحث یہ ہے کہ روایت کرنے کے لئے کسی عمر کی قید ہے یا نہین؟ اکثر محدثین کا مذہب ہے کہ ۵ برس کا لڑکا حدیث کی روایت کرسکتا ہے، یا مثلاً اگر کسی صحابی نے ۵ برس کی عمر مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول یا فعل کی روایت کی تو قابلِ اعتبار ہوگی، محدثین کا اس پر استدلال ہے کہ محمود بن الربیعؓ ایک صحابیؓ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات فرمانے کے وقت وہ پانچ برس کے بچے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اظہارِ محبت کے طور پر اُن کے منہ پر کلّی کا پانی ڈال دیا تھا، اس واقعہ کو انھون نے جوان ہوکر لوگون سے بیان کیا، اور سب نے یہ روایت قبول کی، اس سے ثابت ہوا کہ ۵ برس کی عمر کی روایت قبول ہوسکتی ہے[۱]،

---

[۱] اس کے برخلاف بعض محدثین کی رائے ہے کہ کمسن کی روایت قابلِ حجت نہین، فتح المغیث مین ہے،

ایک یہ بحث ہے کہ جو صحابہؓ فقیہ نہ تھے، اُن کی روایت اگر قیاسِ شرعی کے خلاف ہو تو واجب العمل ہوگی یا نہیں؟ اس کے متعلق بحر العلوم، امام فخر الاسلام کا مذہب نقل کرکے لکھتے ہیں،

ووجه قول الامام فخر الاسلام ان النقل بالمعنى شائع وقلما يوجد النقل باللفظ فان حادثة واحدة قد رويت بعبارات مختلفة ثم ان تلك العبارات ليست مترادفة بل قد روى ذلك المعنى بعبارات مجازية فاذا كان الراوی غیر فقیه احتمل الخطاء فی فهم المعنى المرادی الشرعی ۔ ۔ ۔ ولا يلزم منه نسبة الكذب متعمدا الى الصحابی معاذ الله عن ذلك، (بحر العلوم شرح مسلم مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۳۴)

امام فخر الاسلام کے قول کی وجہ یہ ہے کہ روایت بالمعنی عام طور پر شائع ہے اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ روایت باللفظ کی گئی ہو کیونکہ ایک ہی واقعہ مختلف الفاظ میں ادا کیا گیا ہے اور یہ الفاظ باہم مرادف بھی نہیں، بلکہ اکثر مجازی عبارتوں میں مطالب ادا کئے گئے ہیں، اس بنا پر جب راوی فقیہ نہ ہوگا تو احتمال ہوگا کہ اس نے مطلب مقصود شرعی کے سمجھنے میں غلطی کی ہو، اس سے معاذ اللہ یہ لازم نہیں آتا کہ صحابی کی طرف جھوٹ کی نسبت کی جائے،

محدثین اس اصول سے کہ "واقعہ جس درجہ کا اہم ہو، شہادت بھی اُسی درجہ کی اہم ہونی چاہیئے" بے خبر نہ تھے، امام بیہقی کتاب المدخل میں ابن مہدی کا قول نقل کرتے ہیں،

اذا روينا عن النبیؐ فی الحلال و الحرام والاحكام شددنا فی الاسانيد

جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال و حرام اور احکام کے متعلق حدیث روایت کرتے ہیں تو سند

واتشددنا فی الرجال واذا روینا فی	ہیں نہایت تشدد کرتے ہیں اور راویوں کو پرکھ
الفضائل والثواب والعقاب سہلنا	لیتے ہیں، لیکن جب فضائل اور ثواب عقاب
فی الاسانید وتسامحنا فی الرجال	کی حدیثیں آتی ہیں تو ہم سندوں میں سہل انگاری
(فتح المغیث صفحہ ۱۲۰)	کرتے اور راویوں کے متعلق چشم پوشی کرتے ہیں

امام احمد بن حنبل کا قول ہے،

ابن اسحاق رجل تکتب عنہ ھذہ	ابن اسحاق اس درجہ کے آدمی ہیں کہ مغازی وغیرہ
الاحادیث یعنی المغازی ونحوھا	کی حدیثیں ان سے روایت کی جا سکتی ہیں،
واذا جاء الحلال والحرام اردنا	لیکن جب حلال و حرام کے مسائل آئیں تو ہم
قوما ھکذا وقبض اصابع یدیہ	کو ایسے لوگ درکار ہیں، یہ کہہ کر انھوں نے
الاربع، (فتح المغیث صفحہ ۱۲۰)	چار انگلیاں بند کر کے دبالیں،

اس سے ثابت ہوا کہ محدثین واقعہ کی اہمیت کی بنا پر راوی کے درجہ کا لحاظ رکھتے تھے، اسی بنا پر ابن اسحاق کی نسبت امام ابن حنبل نے یہ تفریق کی کہ حلال و حرام میں ان کی شہادت معتبر نہیں، لیکن مغازی میں ان کا اعتبار ہے " یہ وہی اصول ہو کہ جس درجہ کا واقعہ ہو اُسی درجہ کی شہادت ہونی چاہیئے، اور یہ کہ واقعہ کے بدلنے سے شہادت کی اہمیت بدل جاتی ہے لیکن واقعہ کی اہمیت، احکام فقہیہ کیساتھ مخصوص نہیں نوعیت واقعہ کی اہمیت کا خیال، فقہائے حنفیہ نے ملحوظ رکھا، اسی بنا پر ان کا مذہب ہو کہ جو روایت قیاس کے خلاف ہو اس کی نسبت یہ دیکھنا چاہیئے کہ راوی

فقیہ اور مجتہد بھی ہے، یا نہیں اعتبار نہیں ہے،

والراوی ان عرف بالفقہ والتقدم فی الاجتہاد کالخلفاء الراشدین والعبادلۃ کان حدیثہ حجۃ یترک بہ القیاس خلافا لمالک وان عرف بالعدالۃ والضبط دون الفقہ کانس وابی ھریرۃ ان وافق حدیثہ القیاس عمل بہ وان خالفہ لم یترک الا بالضرورۃ،

(نور الانوار ص ۱۷۶ و ۱۷۷)

راوی اگر تفقہ اور اجتہاد میں مشہور ہے جیسے کہ خلفائے راشدینؓ یا عبادلہؓ تھے تو اس کی حدیث حجت ہوگی اور اس کے مقابلہ مین قیاس چھوڑ دیا جائے گا، (بخلاف امام مالکؒ کے) اور اگر راوی ثقہ اور عادل ہو لیکن فقیہ نہین جیسے کہ حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ ہین تو اگر وہ روایت قیاس کے موافق ہوگی تو اس پر عمل ہوگا ورنہ قیاس کو بغیر ضرورت ترک نہ کیا جائے گا،

حضرت ابوہریرہؓ کی مثال اگرچہ قابلِ بحث ہے کیونکہ اکثر علما کے نزدیک حضرت ابوہریرہؓ فقیہ اور مجتہد تھے لیکن یہ جزوی بحث ہے، گفتگو اصل مسئلہ مین ہے،

۷۔ سب سے اہم اور سب سے زیادہ قابلِ بحث یہ بات ہے کہ راوی جو واقعہ بیان کرتا ہے اس مین کس قدر حصہ اصل واقعہ ہے اور کس قدر راوی کا قیاس ہے، تفحص اور استقرا سے بعض جگہ یہ نظر آتا ہے کہ راوی جس چیز کو واقعہ کی حیثیت سے بیان کرتا ہے وہ اُس کا قیاس ہے، واقعہ نہین، اس کی بہت سی مثالین سیرت مین موجود ہین، یہان ہم صرف ایک دو واقعہ پر اکتفا کرتے ہین،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جب ازواجِ مطہراتؓ سے ناراض ہو کر تنہا نشین ہو گئے

تھے، تو یہ مشہور ہوا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ازواج کو طلاق دیدی، حضرت عمرؓ نے یہ خبر سنی تو مسجد نبویؐ مین آئے، یہان لوگ کہہ رہے تھے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ازواج کو طلاق دیدی، حضرت عمرؓ نے خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین حاضر ہوکر دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ نہین مین نے طلاق نہین دی،

یہ حدیث بخاری مین کئی جگہ بہ اختلاف الفاظ مذکور ہے، کتاب النکاح مین جو روایت ہے اس کی شرح مین حافظ ابن حجر لکھتے ہین،

وان الاخبار التی تشاع ولو کثر ناقلو	جو خبرین شائع ہو جاتی ہین گو اُن کے راوی کثرت
ان لم یکن مرجعها الی امر حسی من	سے ہون لیکن اگر اُن خبرون کی بنیاد امر حسی یعنی
مشاهدة او سماع لا تستلزم الصدق فان	مشاہدہ یا استماع نہ ہو تو ان کا سچا ہونا ضرور
جزم الانصاری فی روایته بوقوع التطلیق و	نہین، چنانچہ انصاری نے اور اُن صحابہؓ نے
کذا جزم الناس الذی رآهم عمر عند المنبر	جن کو حضرت عمرؓ نے منبر کے پاس دیکھا تھا،
بذلك محمول علی انه شاع بینهم	طلاق کا جو یقین کرلیا وہ یون ہوا ہوگا کہ کسی شخص
ذلك من شخص بناء علی التوهم	نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے ازواج
الذی توهم من اعتزال النبی	مطہراتؓ سے علٰحدگی اختیار کرلی ہے، اور چونکہ
صلی اللہ علیہ وسلم نساءه فظن لکونه	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت نہ تھی، اس لیے
لم تجر عادته بذلك انه طلقهن	اس نے یہ قیاس کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فاشاع انه طلقهن فشاع ذلك	طلاق دے دی، اس نے یہ خبر پھیلادی، اور

فتحدث الناس به واخلق بهذا الذی	(فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۰۷)	ایک دوسرے سے اس کو بیان کرنے لگے، اور قیاس
ابتداء باشاعة ذلك ان یکون من		یہ ہے کہ اوّل جس شخص نے یہ خبر پھیلائی وہ
المنافقین کما تقدم (فتح الباری شرح بخاری)		منافق ہوگا،

غور کرو مسجد نبویؐ میں تمام صحابہؓ جمع ہیں اور سب بیان کر رہے ہیں کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے طلاق دیدی، صحابہؓ عموماً ثقہ اور عادل ہیں، اور اُن کی تعداد کثیر اس واقعہ کو بیان کر رہی ہے، باوجود اس کے جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعہ نہیں بلکہ قیاس تھا، حافظ ابن حجر نے بڑی جرأت کرکے یہ خیال ظاہر کیا کہ راوی اوّل منافقین میں سے ہوگا، حضرت عائشہ صدیقہ کی نسبت بہت سے ایسے واقعات روایتوں میں مذکور ہیں جن میں سے ایک واقعہ افک ہے، ان کی نسبت بھی وہی قیاس ہونا چاہئے جو حافظ ابن حجر نے یہاں ظاہر کیا یعنی یہ کہ منافقین نے ان کی طرف منسوب کردیئے ہوں گے، پھر تمام مسلمانوں میں پھیل گئے،

۸ - فن تاریخ و روایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہیں، ان میں سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس پر فخر کا موقع حاصل رہیگا کہ ان کا قلم تلوار سے نہیں دبا، حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانہ میں ہوئی جنھوں نے پورے ۹۰ برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہ کی توہین کی اور جمعہ میں سر منبر حضرت علیؓ پر لعن کہلوایا، سیکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہؓ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں، عباسیوں کے زمانہ میں ایک ایک

خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیان حدیثون مین داخل ہوئین لیکن نتیجہ کیا ہوا، عین اُسی زمانہ مین محدثین نے علانیہ منادی کردی کہ یہ سب جھوٹی روایتین ہین، آج حدیث کا فن اس خس وخاشاک سے پاک ہے، اور بنوامیہ اورعباسیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے اُسی مقام پر نظر آتے ہین جہان ان کو ہونا چاہیئے تھا،

ایک دفعہ ایک شاعر نے مامون الرشید کے دربار مین قصیدہ پڑھا کہ "امیرالمومنین اگر تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انتقال کے وقت موجود ہوتا تو خلافت کا جھگڑا اسرے سے نہ پیدا ہوتا، دونون فریق تیرے ہاتھ پر بیعت کرلیتے"، وہین سر دربار ایک شخص نے اٹھ کر کہا تو جھوٹ کہتا ہے، امیرالمومنین کا باپ (حضرت عباسؓ جو عباسیون کے مورث اعلیٰ ہین) وہان موجود تھا، اس کو کس نے پوچھا؟" مامون الرشید کو بھی اس گستاخانہ لیکن سچ جواب کی تحسین کرنی پڑی،

تاہم یہ عالمگیر مؤثر بالکل بے اثر نہین رہ سکتا تھا، اس لیئے مغازی مین اس کے نشانات پائے جاتے ہین، تاریخ نگاری کا قدیم طریقہ یہ تھا کہ فتوحات اور رزمیہ کارنامون کو نہایت تفصیل سے لکھتے تھے، ملکی نظم ونسق اور تمدن ومعاشرت کے واقعات یا تو بالکل قلم انداز کرجاتے تھے، یا اس طرح پراگندہ اور بے اثر لکھتے تھے کہ اُن پر نگاہ نہین پڑتی تھی اسلام مین جب تالیف وتصنیف کی ابتدا ہوئی تو یہی نمونے پیش نظر تھے، اس کا پہلا نتیجہ یہ تھا کہ **سیرت** کا نام مغازی رکھا گیا، جس طرح سلاطین کی تاریخین جنگنامہ وشاہ نامہ کے نام سے لکھی جاتی ہین، چنانچہ سیرت کی ابتدائی تصنیف مثلاً

سیرتِ موسیٰ بن عقبہ اور سیرتِ ابن اسحاق مغازی ہی کے نام سے مشہور ہین، ان
کتابون کی ترتیب یہ ہے کہ سلاطین کی تاریخ کی طرح، سنین کو عنوان بناتے ہین، اور
اسی ترتیب سے حالات لکھتے ہین، یہ حالات تمامتر جنگی معرکے ہوتے ہین، اور غزوات
ہی کے عنوان سے داستانین شروع کی جاتی ہین،

یہ طریقہ اگرچہ سلطنت وحکومت کی تاریخ کے لئے بھی صحیح نہ تھا، لیکن نبوت کی
سوانح نگاری کے لئے تو ناموزون ہے، پیغمبر کو ناگزیر طور پر جنگی واقعات پیش آتے
ہین، اس خاص حالت مین وہ بظاہر ایک فاتح یا سپہ سالار کے رنگ مین نظر آتا ہے،
لیکن یہ پیغمبر کی اصلی صورت نہین ہے، پیغمبر کی زندگی کا ایک ایک خط وخال، تقدس،
نزاہت، حلم وکرم، ہمدردی عام اور ایثار ہوتا ہے، بلکہ عین اس وقت جبکہ اس پر
سکندر اعظم کا دھوکا ہوتا ہے، دقت رس نگاہ فوراً پہچان لیتی ہے، کہ سکندر نہین بلکہ
فرشتۂ یزدانی ہے،

یہی وجہ ہے کہ مغازی کا انداز حدیث کی کتابون مین سیرت کی تصنیفات سے بالکل الگ ہے،

تمام اربابِ سیر لکھتے ہین کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب بنو نضیر کا محاصرہ
کیا تو حکم دیا کہ ان کے نخلستان کاٹ ڈالے جائین (قرآن مجید مین بھی اس کا اجمالی
ذکر ہے) اربابِ سیر یہ بھی لکھتے ہین، کہ یہودیون نے اس حکم کی نسبت یہ اعتراض کیا
کہ "یہ انصاف اور انسانیت کے خلاف ہے" لیکن مورخین یہ اعتراض نقل کرکے اس کا
جواب نہین دیتے، اور یونہی گذر جاتے ہین،

۹۔ نہایت مہتم بالشان بحث یہ ہے کہ کوئی روایت اگر عقل یا مسلمات، یا دیگر قرائن صحیحہ کے خلاف ہو تو آیا صرف اس بنا پر واجب التسلیم ہوگی یا نہیں، کہ رواۃ ثقہ ہیں اور سلسلہ سند متصل ہو؟ علامہ ابن جوزی نے اگرچہ لکھا ہے (جیسا کہ اوپر گذر چکا) کہ جو حدیث عقل کے خلاف ہو، اس کے رواۃ کی جرح و تعدیل کی ضرورت نہیں لیکن اس سے اصل بحث کا فیصلہ نہیں ہوتا، عقل کا لفظ ایک غیر مشخص لفظ ہے، حامیانِ روایت لکھتے ہیں کہ اگر اس لفظ کو وسعت دے دی گئی تو ہر شخص جس روایت سے چاہے گا انکار کر دے گا، کہ یہ میرے نزدیک عقل کے خلاف ہو،

حقیقت یہ ہے کہ اس بحث کا قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہو، عام خیال یہ ہے کہ جس روایت کے رواۃ ثقہ اور مستند ہوں اور سلسلۂ روایت کہیں سے منقطع نہ ہو، وہ باوجود خلافِ عقل ہونے کے انکار کے قابل نہیں، ذیل کی مثالوں سے اس کا اندازہ ہوگا،

(۱) تلک الغرانیق العلٰی کی حدیث کو، جس میں بیان ہے کہ شیطان نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانِ مبارک سے وہ الفاظ نکلوا دیئے، جن میں بتوں کی تعریف ہو، بعض محدثین نے ضعیف اور ناقابلِ اعتبار کہا تھا، اس کے باطل ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ بیان کی تھی،

لَوْ وَقَعَ لَارْتَدَّ کَثِیْرٌ مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَلَمْ یُنْقَلْ ذٰلِكَ،

اگر ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان اسلام سے پھر جاتے، حالانکہ ایسا ہونا مذکور نہیں،

حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں،

وجمیعُ ذٰلک لایتمشی علی القواعد	یہ تمام اعتراضات اصول کے موافق چل نہین سکتے،
فان الطرق اذا کثرت وتباینت	اس لئے کہ روایت کے طریقے جب متعدد ہوتے
مخارجہا دلّ ذٰلک علیٰ انّ لہا اصلًا[1]	ہین اور اُن کے ماخذ مختلف ہوتے ہین تو یہ اس
	بات کی دلیل ہوتی ہو کہ روایت کی کچھ اصل ہو،

(۳) صحیح بخاری مین ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام تین دفعہ جھوٹ بولے تھے،
امام رازی نے اس حدیث سے اس بنا پر انکار کیا کہ "اس سے حضرت ابراہیمؑ کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے، اس لئے زیادہ آسان صورت یہ ہے کہ ہم حدیث کے کسی راوی کا جھوٹا ہونا مان لین" علامہ قسطلانی امام رازی کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہین،

فلیس بنبیٍّ اذ الحدیث صحیح ثابت و	امام رازی کا قول بالکل ہیچ ہے، اس لئے کہ حدیث
لیس فیہ نسبۃ محض الکذب الی	ثابت ہے، اور اس مین محض کذب کی نسبت
الخلیل وکیف السبیلُ الی تخطیۃ	حضرت خلیلؑ کی طرف نہین ہے، اور راوی کا
الرّاوی مع قولہ انّی سقیمٌ وبل	تخطیہ کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ حضرت ابراہیمؑ
فعلہ کبیرھم ھذا وعن سارۃ	کا یہ قول موجود ہو، انی سقیم اور بل فعلہ
اختی اذ ظاھر ھذہ الثلاثۃ بلاریب	کبیرھم ھذا اور سارۃ اختی، کیونکہ ان
غیر مرادٍ[2]	تینون جملون مین ظاہر لفظ قطعًا مراد نہین

اس قسم کی بہت سی مثالین مل سکتی ہین، ہم نے اختصار کے لحاظ سے صرف دو

[1] فتح الباری، جلد ۶ صفحہ ۲۳۳ مطبوعہ مصر [2] قسطلانی، جلد ۵ صفحہ ۳۸۹۔

مثالیں نقل کیں،

ان کے مقابلہ میں ایک دوسرا گروہ ہے جو دلائل عقلی اور قرائن حالی کی بنا پر بعض حدیث کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا ہے، اور یہ طریقہ خود صحابہ کرامؓ کے عہد میں شروع ہو گیا تھا، اور محدثین کے اخیر دور تک قائم رہا چونکہ یہ راے عام خیال کے خلاف ہے، اس لئے ہم اس کی متعدد مثالیں نقل کرتے ہیں،

(۱) حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حدیث بیان کی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جس چیز کو آگ چھوئے اُس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے" حضرت ابن عباسؓ نے کہا "اُس کی بنا پر تو لازم آتا ہے کہ ہم گرم پانی (کے استعمال) سے بھی وضو نہ کریں" حضرت ابوہریرہؓ نے کہا بھتیجے جب تم آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کوئی حدیث سنو تو کہاوتیں نہ کہا کرو۔

(۲) صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے حضرت علیؓ کے قضایا (یعنی مقدمات کے فیصلے) پیش کئے گئے، حضرت ابن عباسؓ اس کی نقل لیتے جاتے تھے، اور بعض بعض فیصلے چھوڑتے جاتے تھے اور فرماتے تھے، کہ

والله ما قضى بهذا على الا ان يكون ضل، | خدا کی قسم علی نے یہ فیصلہ کیا ہے تو گمراہ ہو کر کیا ہے (لیکن چونکہ وہ گمراہ نہ تھے اس لئے یہ فیصلہ بھی نہ کیا ہوگا)

اسی روایت کے بعد صحیح مسلم میں یہ روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس لوگ ایک کتاب لائے، جس میں حضرت علیؓ کے فیصلے قلمبند تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ

نے ایک گز کے بقدر چھوڑ کر باقی کتاب مٹادی[1]؛ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے صرف اُن فیصلون کے مضمون سے یہ قیاس کر لیا کہ وہ صحیح نہین ہو سکتے اس بات کی ضرورت نہین سمجھی کہ رُواۃ اور سند کا پتہ لگائین،

(۴) صحیح بخاری (باب صلوٰۃ النوافل جماعۃ) مین ہے کہ محمود بن ربیعؓ نے ایک جلسہ مین یہ حدیث بیان کی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے کہ "جو شخص خدا کے لئے لا الہ الا اللہ کہیگا، خدا اس پر آگ حرام کر دے گا" اس جلسہ مین حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی موجود تھے جن کے مکان مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مہینے تک قیام فرمایا تھا حضرت ابو ایوبؓ نے یہ حدیث سُن کر کہا،

واللہ ما اظن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما قلت قط، — خدا کی قسم مین کبھی یہ خیال نہین کر سکتا کہ جو تم کہتے ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوگا،

محمود بن الربیعؓ صحابی تھے اور حضرت ابو ایوبؓ کو اُن کے ثقہ ہونے مین کلام نہ تھا تاہم چونکہ یہ حدیث اُن کے نزدیک قرآن کے خلاف تھی، حضرت ابو ایوبؓ اس پر یقین نہ لا سکے، اور کہا کہ "آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسا نہ فرمایا ہوگا" اگرچہ صحیح بخاری مین ہے کہ محمود بن الربیع نے مدینہ آکر اس حدیث کی تصدیق اپنے راوی (عتبان) سے کر لی، لیکن اس سے اصل مسئلہ پر اثر نہین پڑتا۔ حضرت ابو ایوبؓ کو جن

---

[1] نووی شرح صحیح مسلم مین لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب طومار کی شکل مین لکھی تھی (جس طرح اگلے زمانہ مین خطوط کو لمبان مین جوڑ کر جمع کرتے تھے، اور لپیٹ کر رکھتے تھے)

اسباب کی بنا پر محمود بن الربیع کی روایت مین شبہہ پیدا ہوا، عتبان پر بھی وہی شبہہ پیدا ہو سکتا تھا، حضرت ابوایوبؓ خدانخواستہ محمودؓ کو غلط گو نہین سمجھتے تھے، بلکہ سمجھتے تھے کہ انھون نے روایت کے مفہوم سمجھنے مین غلطی کی ہوگی، یہ احتمال بعینہ راوی اوّل کی نسبت بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے بعض صحابہؓ سے کہا تھا کہ "تم لوگ سچے لوگون سے روایت کرتے ہو لیکن سامعہ غلطی کر جاتا ہے"[1]

(۴) حضرت عمار بن یاسرؓ نے جب حضرت عمرؓ کے سامنے تیمم کی روایت بیان کی تو حضرت عمرؓ کو یقین نہین آیا، بلکہ جیسا کہ صحیح مسلم باب التیمم مین ہے، یہ الفاظ کہے اتق اللّٰہ یا عمار، یعنی اے عمار! خدا سے ڈرو، چنانچہ اسی بنا پر جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سامنے، حضرت ابوموسیٰؓ نے اس روایت سے استدلال کیا، تو حضرت عبداللہؓ نے کہا ہان لیکن عمرؓ کو، عمارؓ کی روایت سے تسکین نہین ہوئی،[2]

(۵) حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی کہ لوگون کے نوحہ کرنے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے تو انھون نے اس بنا پر انکار کیا کہ یہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے،

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (بنی اسرائیل) اور کوئی بوجھ اٹھانیوالا دوسرے کا بوجھ نہین اٹھائیگا،

(۶) اسی طرح جب اُن کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کشتگان بدر کی نسبت فرمایا کہ مین جو کہتا ہون یہ سنتے ہین، حضرت عائشہؓ نے فرمایا

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز[2] صحیح بخاری، باب التیمم،

کہ ابن عمرؓ نے غلطی کی۔[1] اس روایت کے راوی اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ تھے، جو مشہور صحابی ہین، لیکن حضرت عائشہؓ نے اس بنا پر روایت کی صحت سے انکار کیا کہ اُن کے نزدیک وہ روایت قرآن مجید کے خلاف تھی،

اکثر محدثین نے ان مباحث مین ثابت کیا ہے، کہ روایت صحیح ہے، اور حضرت عائشہؓ کا اجتہاد جس کی بنا پر انھون نے روایت سے انکار کیا، صحیح نہین، ہم کو اس سے بحث نہین، اس موقع پر صرف یہ بحث ہے کہ اکابر صحابہؓ مین ایسے لوگ بھی تھے جو روایت کو باوجود راوی کے ثقہ ہونے کے اس بنا پر تسلیم نہین کرتے تھے کہ وہ دلائل عقلی یا نقلی کے خلاف ہے،

(۷) ایک مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ عورت کو جب طلاق دیدی جائے تو عدت کے زمانہ تک شوہر پر اس کے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام واجب ہے یا نہین؟ فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہ تھین جن کو اُن کے شوہر نے طلاق دیدی تھی، ان کا بیان ہے کہ وہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس گئین تو آپ نے اُن کو نفقہ اور مکان نہین دلوایا، انھون نے یہ حدیث حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم خدا کی کتاب اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت کو ایک عورت کے بیان پر چھوڑ نہین سکتے جس کی نسبت ہم کو معلوم نہین کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی، امام شعبی نے ایک مجلس مین فاطمہؓ کی روایت بیان کی تو اسود بن یزید نے ان کو کنکریان ماریں، کہ تم ایسی حدیث بیان

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجنائز مین یہ روایتین متعدد طریقون سے مذکور ہین،

کرتے ہوئے پھر حضرت عمرؓ کا مذکورۂ بالا قول نقل کیا۔[1]

صحابہؓ کے بعد بھی محدثین مین ایک ایسا گروہ موجود رہا جو عقلی یا نقلی وجوہ کی بنا پر بعض روایات کے تسلیم کرنے مین تامل کرتا تھا گو اُن کے رواۃ ثقہ اور مستند ہوتے تھے۔

(۱) ایک ضعیف حدیث ہے کہ "جس شخص نے عشق کیا اور پاک دامن رہا، اور وفات پائی، وہ شہید ہوا" حافظ ابن القیم زاد المعاد مین، اس حدیث کو دلائلِ عقلی سے باطل ثابت کرکے لکھتے ہین:۔

فلو کان اسنادُ ھذا الحدیث	اگر اس حدیث کی سند آفتاب کی طرح بھی ہوتی
کالشمس کان غلطًا ووھمًا[2]	تب بھی وہ غلط اور وہم ہوتی،

(۲) صحیح مسلم کتاب الجہاد، باب الفئی مین روایت ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ کے پاس آئے، حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ

اقضِ بینی وبین ھذا الکاذب الآثم	میرے اور اس جھوٹے، مجرم، دھوکہ باز، خائن
الغادر الخائن،	کے درمیان فیصلہ کیجیے،

چونکہ حضرت علیؓ کی شان مین یہ الفاظ کسی مسلمان کی زبان سے نہین نکل سکتے، اس لئے بعض محدثین نے اپنے نسخہ سے یہ الفاظ نکال دیئے، علامہ مازری، اس حدیث کی نسبت لکھتے ہین

اذا انسدّت طرق تاویلھا نسبنا	جب اس حدیث کی تاویل کے سب رستے رک
الکذب الی رواتھا،[3]	جائین گے تو ہم راویون کو جھوٹا کہین گے،

[1] صحیح مسلم کتاب الطلاق [2] زاد المعاد (جزو ثانی) مطبوعۂ کانپور صفحہ ۹۶ [3] نووی شرح صحیح مسلم ذکر حدیث مذکور [4] نووی شرح مسلم، کتاب الجہاد، باب الفئی،

(۳) بخاری مین روایت ہے کہ خدا نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو اُن کا قد ساٹھ گز کا تھا، حافظ ابن حجر اس کی شرح مین لکھتے ہین،

ویشکل علی ہذا ما یوجد الآن من آثار الامم السالفۃ کدیار ثمود، فانّ مساکنہم تدلّ علی انّ قاماتہم لم تکن مفرطۃ الطول علی حسب ما یقتضیہ الترتیب السابق ... ولم یظہر الی الآن ما یزیل ہذا الاشکال[1]	اور اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ قدیم قومون کے جو آثار اس وقت موجود ہین مثلاً قوم ثمود کے مکانات، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے قد اس قدر بڑے نہ تھے، جیساکہ ترتیب سابق سے ثابت ہوتا ہے ..... اور اس وقت تک مجھ کو اس اشکال کا جواب نہین معلوم ہوا،

(۴) صحیح بخاری مین روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام خدا سے کہین گے کہ اے خدا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت مین مجھ کو رسوا نہ کرے گا، اس حدیث کی شرح مین حافظ ابن حجر لکھتے ہین،

وقد استشکل الاسماعیلی ہذا الحدیث من اصلہ وطعن فی صحتہ[2]	اور اسمٰعیلی نے اس حدیث پر اشکال وارد کیا ہے اور اس کی صحت پر طعن کیا ہے،

اسمٰعیلی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر نے جواب دیا ہے لیکن اسمٰعیلی کا درجہ فن حدیث مین حافظ ابن حجر سے زیادہ ہے، اس لئے گو اسمٰعیلی کا اعتراض غلط ہو لیکن قابل لحاظ ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث استدلال کے قابل نہ تھی،

---

[1] فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۲۶۰ بدء الخلق [2] فتح الباری مطبوعہ مصر صفحہ ۳۰۴ جلد ۸،

(۵) عمرو بن میمون سے روایت ہو کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا تھا، اس پر اور بندروں نے جمع ہو کر اس کو سنگسار کیا، حافظ ابن عبد البر نے جو مشہور محدث ہیں، اس بنا پر اس حدیث کی صحت میں تأمل کیا کہ جانور مکلف نہیں، اس لئے اُن کے فعل پر نہ زنا کا اطلاق ہو سکتا، نہ اس بنا پر اُن کو سزا دی جا سکتی، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں،

وقد استنکر ابن عبد البر قصۃ عمرو ابن میمون ھذہ وقال فیھا اضافۃ الزنا الی غیر مکلف واقامۃ الحد علی البھائم،	ابن عبد البر نے عمرو بن میمون کے اس قصہ سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں غیر مکلف کی طرف، زنا کی نسبت ہے، اور جانوروں پر حد قائم کرنا بیان کیا گیا ہے،

حافظ ابن حجر نے یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ "اعتراض کا یہ طریقہ پسندیدہ نہیں ہو؛ اگر سند صحیح ہے تو غالباً یہ بندر جن رہے ہوں گے۔"[1]

(۶) صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک[2] دفعہ عبد اللہ بن اُبی کے طرفداروں اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ میں جھگڑا ہو گیا، اس پر یہ آیت اتری

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا ؛ (حجرات - ۱)	اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان میں صلح کرا دو،

روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک عبد اللہ بن اُبی اور اُس کا

---

[1] فتح الباری، مطبوعہ مصر جلد، صفحہ ۱۲۲ [2] صحیح بخاری کتاب العلم روایت میں جھگڑے کی تفصیل ہو، ہم نے مختصر خلاصہ ذکر کر دیا ہو،

گروہ ظاہر مین بھی اسلام نہین لایا تھا، اس بنا پر ابن بطّال نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے،
کہ آیتِ قرآنی، اس واقعہ کے متعلق نہین ہو سکتی اس لئے کہ آیت مین تصریح ہے کہ جب
دونون گروہ مومن ہون، اور یہان عبداللہ بن اُبی کا گروہ علانیہ کافر تھا،

حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا ہے کہ تغلیبًا ایسا کہا گیا،

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہین جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے محدثین
سلسلۂ سند کے ساتھ یہ بھی دیکھتے تھے کہ دوسرے شواہد اور قرائن بھی اس کے موافق
ہین، یا نہین،

(۱۰) ایک بڑا مرحلہ روایت بالمعنی کا ہے یعنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یا صحابہؓ
نے جو الفاظ فرمائے تھے، بعینہ وہی ادا کرنے چاہئین، یا ان کا مطلب ادا کر دینا کافی
ہے، محدثین اس باب مین مختلف الرائے ہین، اور اکثرون نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر راوی
اپنے الفاظ مین اس طرح مطلب ادا کرتا ہے کہ اصل حقیقت مین فرق نہین پیدا
ہوتا، تو الفاظ کی پابندی ضرور نہین، لیکن اس کا فیصلہ کرنا کہ اصل مطلب ادا ہوا یا
بدل گیا، ایک اجتہادی بات ہے، اسی بنا پر بعض محدثین مثلاً عبدالملک بن عمر،
ابو زرعہ، سالم بن جعد، قتادہ، امام مالک، ایک ایک لفظ کی پابندی کرتے تھے[1] لیکن
یہ ظاہر ہو کہ سیکڑون راویون مین صرف دو چار اشخاص ایسی پابندی کر سکتے تھے اور وہ بھی
اُس زمانہ مین کہ تحریر کا رواج ہو چکا تھا، عام حالت یہی تھی کہ راوی حدیث کے مطلب

---

[1] صحیح ترمذی کتاب العلل مین ان لوگون کے متعلق یہ تصریح مذکور ہے،

کو اپنے الفاظ مین بیان کرتے تھے، جامع ترمذی کتاب العلل مین سفیان ثوری کا قول نقل ہو

ان قلت لکم انی احدثکم کما سمعت فلا تصدقونی، انما ھو المعنی، | اگر مین تم سے یہ کہون کہ مین جو سنتا ہون بعینہٖ وہی ادا کردیتا ہون، تو تم میری بات نہ مانو، مین صرف مطلب ادا کرتا ہون،

ترمذی نے اسی مضمون کے اور اقوال، واثلۃ بن الاسقع، محمد بن سیرین، ابراہیم نخعی، حسن بصری، امام شعبی وغیرہ سے نقل کیے ہین،

جو صحابہؓ بہت محتاط تھے، حدیث کی روایت کے وقت ان کی حالت متغیر ہو جاتی تھی،

سنن ابن ماجہ کے دیباچہ مین عمرو بن میمون کا قول نقل کیا ہے کہ مین عبداللہؓ ابن مسعود کی خدمت مین ہمیشہ جمعرات کی رات کو حاضر ہوتا، مین نے کبھی ان کو یہ کہتے نہین سنا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا" ایک دن اُن کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا تو دفعۃً سر جھکا لیا، پھر میری نظر اُن پر پڑی تو دیکھا کہ کھڑے ہین، قمیص کی گھنڈیان کھلی ہین، آنکھون مین آنسو ڈبڈبا آئے ہین، گلے کی رگین پھول گئی ہین، اور کہہ رہے ہین کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یون کہا، یا یون، یا اس سے کچھ زیادہ، یا اس سے کچھ کم، یا اس کے مشابہ"

امام مالک کا یہ حال تھا کہ جب حدیث روایت کرتے تھے تو خوف زدہ ہوجاتے اور کہتے کہ "آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ فرمایا تھا، یا یون فرمایا تھا" امام شعبی کہتے ہین کہ

کہ "مین حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت مین سال بھر حاضر رہا لیکن مین نے ان کو کبھی حدیث روایت کرتے نہین دیکھا"۔ سائب بن یزید کہتے ہین کہ "مین نے سعد بن مالکؓ کے ساتھ، مکہ مبارکہ سے مدینہ طیبہ تک سفر کیا، لیکن اس تمام راہ مین انھون نے ایک حدیث بھی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روایت نہین کی" (حالانکہ وہ صحابی تھے)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے والد سے پوچھا کہ "مین نے آپ کو اور صحابہؓ کی طرح حدیث روایت کرتے نہین دیکھا، انھون نے کہا "مین جب سے اسلام لایا مین نے کبھی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ نہین چھوڑا، لیکن مین نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے کہ جو شخص میری نسبت کوئی جھوٹی روایت بیان کرے تو چاہیے کہ اپنا گھر آگ مین بنائے"۔[1]

ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے منبر پر یہ ارشاد فرمایا تھا،

ایاکم وکثرۃ الحدیث عنّی[2] — خبردار! مجھ سے زیادہ حدیثین نہ روایت کرو۔

اس موقع پر یہ امر خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے کہ اس قسم کی حدیثون کے قبول کرنے مین جو تامل کیا جاتا ہے اس کو راوی کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے سے تعلق نہین، مستند اور ثقہ راویون کی دروغگوئی کا خیال نہین ہو سکتا، لیکن ثقہ راوی سے بھی مطلبِ روایت کے سمجھنے یا ادا کرنے مین غلطی کا ہو جانا ممکن ہے، اور ثقات کی روایت سے جب کسی

[1] یہ تمام اقوال صحیح ابن ماجہ دیباچۂ کتاب مین مذکور ہین، دیکھو صفحہ ۴ و ۵، مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ،
[2] ابن ماجہ صفحہ ۵،

موقع پر انکار کیا جاتا ہے تو اسی بنا پر انکار کیا جاتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سامنے جب حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی یہ روایت بیان کی گئی،

اِنَّ المَیِّتَ لَیُعَذَّبُ بِبُکَاءِ الحَیِّ — مردوں پر نوحہ کیا جائے تو ان پر عذاب کیا جاتا ہے

تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا،

انکم لتحدثون عن غیر کاذبین ولا مکذبین ولکنّ السمع یخطئُ، — تم لوگ نہ خود جھوٹے ہو، نہ تمہارے راوی جھوٹے ہیں، لیکن کان غلطی کر جاتا ہے،

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عبد اللہ بن عمرؓ کے متعلق فرمایا،

اَمَا انّہ لم یَکْذِب ولکنہ نسیَ او اخطأ — ہاں وہ جھوٹ نہیں بولے لیکن بھول گئے یا خطا کی،

(۱۱) ایک اور بحث روایتِ احاد کی ہے، روایتِ احاد وہ ہے جس کے سلسلۂ روا اسناد میں کہیں صرف ایک راوی پر مدارِ روایت ہو، یعنی کوئی دوسرا راوی اس کا مؤید نہ ہو، اس قسم کی روایت کے تسلیم و انکار، اور یقینی و ظنی ہونے کے متعلق اہلِ فن کا اختلاف ہے، معتزلہ روایاتِ احاد کے تسلیم سے قطعاً منکر ہیں، لیکن یہ درحقیقت انکارِ بداہت ہے، ہم روزمرہ واقعاتِ زندگی میں اس قسم کی روایات پر اکثر بلا حجت و اصرار فوراً یقین کر لیتے ہیں، ہم سے ایک شخص آکر کہتا ہے کہ "زید تم کو بلاتا ہے!" اور ہم فوراً اٹھکر چلے جاتے ہیں، یہ نہیں کہتے کہ یہ خبر احاد ہے اور ہم اسے تسلیم نہیں کرتے معتزلہ کے مقابل میں اکثر محدثین اس کی صحت اور قطعیت کے قائل ہیں، لیکن یہ درحقیقت تفریط ہے، خود صحابہؓ کا طرزِ عمل اس کے مخالف ہے،

ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کی خدمت مین گئے اور تین دفعہ اجازت طلبی کی، چونکہ حضرت عمرؓ کسی کام مین مشغول تھے، کچھ جواب نہ ملا، وہ واپس چلے گئے، حضرت عمرؓ نے کام سے فارغ ہوکر ان کو بلوا بھیجا، اور واپسی کا سبب پوچھا، انھون نے کہا "مین نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے کہ تین دفعہ اجازت طلبی کے بعد جواب نہ ملے تو واپس جاؤ" حضرت عمرؓ نے کہا "اس روایت پر گواہ لاؤ، ورنہ مین تم کو سزا دون گا" حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس پر شہادت پیش کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا، حضرت عمرؓ خدانخواستہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو غلط گو نہین جانتے تھے، لیکن چونکہ حضرت عمرؓ بارگاہ نبوت مین برسون رہے تھے، اور انھون نے یہ حدیث آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نہین سُنی تھی، حالانکہ حدیث ایسے امر کے متعلق تھی جو عموماً پیش آتا ہے، اس لئے حضرت عمرؓ نے واقعہ کی اہمیت کے لحاظ سے صرف ایک شخص کی شہادت کافی نہین سمجھی،

حضرت ابوبکرؓ کے سامنے ایک عورت نے جو میت کی دادی ہوتی تھی، میراث کا دعویٰ کیا، حضرت ابوبکرؓ نے کہا "قرآن مین دادی کی میراث مذکور نہین، اور نہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس باب مین کوئی روایت مجھ کو معلوم ہے" مغیرہؓ بن شعبہ نے شہادت دی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) دادی کو چھٹا حصہ دلایا کرتے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے ان کی تنہا شہادت ایسے واقعہ کے متعلق کافی نہین سمجھی، اور جب ایک اور صحابی محمدؓ ابن مسلمہ نے شہادت دی، تب حضرت ابوبکرؓ نے اس عورت کو میراث دلائی،

اسی طرح جنین کی دیت کے متعلق حضرت عمرؓ نے مغیرہؓ کی تنہا شہادت کافی نہین سمجھی، اس قسم کی اور بیسیوں مثالین ہین،

(اسی بنا پر روایت احاد کے متعلق فقہاے احناف کا اصول ایک حد تک صحیح ہے کہ یہ ظنی الثبوت ہین، ان سے قطعیت نہین ثابت ہوتی ہے، اصل یہ ہو کہ روایات احاد کی صحت اور عدم صحت یا ظن قطعیت رواۃ کے ثقہ اور معتبر ہونے کے بعد، خود اصل روایت کی اہمیت اور عدم اہمیت پر مبنی ہے، ایک شخص جب ہم سے کہتا ہو کہ "زید نے تم کو بلایا ہے" تو راوی کی ثقاہت و اعتبار کے مسلم ہونے کے بعد ہم کو کبھی اس واقعہ کی تسلیم سے انکار نہین ہوتا، لیکن اگر یہی شخص یہ کہتا ہے کہ "تم کو بادشاہ نے آج دربار مین بلایا ہے" تو ہم اس واقعہ کی تسلیم مین پس و پیش کرتے ہین، اور اس کے ثبوت کے لئے دوسرون کی شہادت تلاش کرتے ہین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اگر کوئی تنہا راوی یہ بیان کرتا ہے کہ "آپ ایک بار سپید کرتہ پہن کر باہر تشریف لائے" تو ہم کو اس کی تسلیم مین عذر نہین، لیکن وہی راوی اگر یہ کہتا ہے کہ "ایک بار آپ برہنہ تن باہر نکل آئے" (اس قسم کی ایک روایت ہی) تو قطعاً ہم تنہا شہادت اس کے ثبوت کے لئے کافی نہین سمجھین گے،

نتائج مباحث مذکورہ گذشتہ صفحات مین ہم نے روایت و حدیث کے متعلق صحابۂ کبارؓ کا جو طرز عمل پیش کیا ہے، اور علماے نقد حدیث کے جن قواعد و اصول کی تفصیل کی ہو، ذیل مین بہ ترتیب، نتائج کے طور پر ہم اُن کا اعادہ کرتے ہین،

(۱) سب سے پہلے واقعہ کی تلاش قرآن مجید مین، پھر احادیث صحیحہ مین، پھر عام احادیث مین کرنی چاہیئے اگر نہ ملے تو روایات سیرت کی طرف توجہ کی جائے،

(۲) کتب سیرت محتاج تنقیح ہین، اور اُن کے روایات واسناد کی تنقید لازم ہے،

(۳) سیرت کی روایتین بہ اعتبار پایۂ صحت، احادیث کی روایتون سے فروتر ہین، اس لیے بصورت اختلاف احادیث کی روایات کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی،

(۴) بصورت اختلاف روایات احادیث، رُواۃ ارباب فقہ وبحوث کی روایات کو دوسرون پر ترجیح ہوگی،

(۵) سیرت کے واقعات مین سلسلۂ علت ومعلول کی تلاش نہایت ضروری ہے،

(۶) نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم کرنا چاہیے،

(۷) روایت مین اصل واقعہ کس قدر ہے؟ اور راوی کی ذاتی رائے وفہم کا کس قدر جز شامل ہے،

(۸) اسباب خارجی کا کس قدر اثر ہے؟

(۹) جو روایت عام وجوہ عقلی، مشاہدۂ عام، اصول مسلمہ اور قرائن حال کے خلاف ہوگی، لائق حجت نہ ہوگی،

(۱۰) اہم موضوع پر مختلف روایات کی تطبیق وجمع سے اس کی تسلی کرلینی چاہیے کہ راوی سے اداے مفہوم مین تو غلطی نہین ہوئی ہے،

(۱۱) روایات احاد کو موضوع کی اہمیت اور قرائن حال کی مطابقت کے لحاظ

سے قبول کرنا چاہیئے،

ان اصول کے تقرر و تفصیل کے بعد نظر آسکتا ہے کہ اسلامی فنِ روایت عقل و درایت کی نگاہ سے کس قدر بلند پایہ ہے؟ علماے حدیث نے تصحیحِ روایت کیلئے کتنی محنت، کتنی جانفشانی، کتنی دیدہ ریزی، اور کتنی دقت رسی صرف کی ہے، کیا اس اہتمام و اعتنا کا دنیا کی دیگر قومون کے سرمایۂ تاریخ و روایت مین ایک ذرہ نشان بھی موجود ہے؟ کیا یورپ کے سیرت نگاران پیغمبرِ اسلام مین سے کسی نے بھی اس جانکاہی اور نکتہ سنجی کے ساتھ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی لائف کے لیے قلم اُٹھایا ہے؟ اور کیا ایک غیر مُسلم ان قواعد و اصول کی مراعات کے ساتھ قلم اٹھا بھی سکتا ہے[1]؟)

---

[1] زیادت، از صفحہ ۷۷ تا ۹۷ "س"

———— ———

یورپین تصنیفات

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت مبارک پر جو یورپین تصنیفات ہیں، اُن پر پوری بحث تو کسی اور حصہ مین آئے گی جس مین نہایت تفصیل سے بتایا جائے گا کہ یورپ مین اسلام کے متعلق سب سے پہلے یورپین مصنف ہلدی برٹ سے لے کر جو ۱۱۲۹ء مین موجود تھا، آج تک کیا سرمایہ مہیا ہوا ہے؟ ان کا کیا عام انداز ہے؟ اُن کی مشترک اور عامۃ الورود غلطیان کیا ہین؟ اُن کے وسائلِ معلومات کس درجہ تک ہین؟ اغلاط کے مشترک اسباب کیا ہین؟ تعصب اور سوءِ ظن کا کہان تک اثر ہے؟ یہان ہم ان تصنیفات پر صرف ایک اجمالی گفتگو کرتے ہین، کیونکہ اس حصہ مین بھی ہم کو جا بجا ان تصنیفات سے کام لینا، یا اُن سے تعرض کرنا پڑا ہے،

یورپ! ایک مدت تک اسلام کے متعلق مطلق کچھ نہین جانتا تھا، جب اس نے جاننا چاہا تو مدت دراز تک عجیب حیرت انگیز مفتریانہ خیالات اور توہمات مین مبتلا رہا، ایک یورپین مصنف لکھتا ہے:-

"عیسائیت، اسلام کی چند ابتدائی صدیون تک اسلام پر نہ تو نکتہ چینی کرسکی اور نہ سمجھ سکی، وہ صرف تھراتی اور حکم بجا لاتی تھی لیکن جب قاب فرانس مین عرب پہلا پہل رد کیے گئے،

تو اُن قومون نے جو اُن کے سامنے سے بھاگ رہی تھین منھ پھیر کر دیکھا جس طرح کہ مویشیون کا گلہ جب کہ اس کا بھگا دینے والا کُتا دور نکل جاتا ہے[1]"

یورپ نے مسلمانون کو جس طرح جانا، اس کو فرانس کا مشہور مصنف ہنری دی کاستری جس کی تصنیف کا عربی زبان مین ترجمہ ہو گیا ہے، یون بیان کرتا ہے :-

"وہ تمام قصص اور گیت جو اسلام کے متعلق یورپ مین قرونِ وسطیٰ مین رائج تھے، ہم نہین سمجھتے کہ مسلمان اُن کو سُن کر کیا کہین گے؟ یہ تمام داستانین اور نظمین مسلمانون کے مذہب کی ناواقفیت کی وجہ سے بغض و عداوت سے بھری ہوئی ہین، جو غلطیان اور بدگمانیان اسلام کے متعلق آج تک قائم ہین، اُن کا باعث وہی قدیم معلومات ہین، ہر مسیحی شاعر مسلمانون کو مشرک اور بُت پرست سمجھتا تھا، اور حسبِ ترتیبِ درجات اُن کے تین خدا تسلیم کئے جاتے تھے، ماہوم، یا ماہون، یا ما فومیڈ (یعنی محامڈ) اور اپلین، اور تیسرا ترگامان، اُن کا خیال تھا کہ محمدؐ نے اپنے مذہب کی بنیاد، دعوائے اُلوہیت پر قائم کی اور سب سے عجیب تر یہ ہے کہ محمدؐ (وہ محمدؐ جو بت شکن اور دشمنِ اصنام تھا) لوگون کو اپنے طلائی بُت کی پرستش کی دعوت دیتا تھا،

اسپین مین جب عیسائی مسلمانون پر غالب آئے، اور ان کو سرقوسطہ کی دیوارون تک ہٹا دیا، تو مسلمان لوٹ کر آئے اور اپنے بتون کو انھون نے توڑ ڈالا، اس عہد تک کا آ

---

[1] محمد اینڈ محمڈنزم - از باسورتھ اسمتھ صاحب ایم اے صفحہ ۶۳ (Bosworth Smith

(a. Mohammed & Mohammedanism P. 63

شاعر کہتا ہے "یہین مسلمانون کا دیوتا وہان ایک غار مین تھا، اس پر وہ چل پڑے اور اس کو نہایت سخت سُست کہا اور اُس کو گالیان دین اور اُس کے دونون ہاتھ باندھ کر ایک ستون پر اس کو سولی دی، اور اس کو پاؤن سے روندا اور لاٹھیون سے مار مار کر اُس کے ٹکڑے کر ڈالے، اور ماہوم کو (جو اُن کا دوسرا دیوتا تھا) ایک گڑھے مین ڈال دیا، اس کو سُور اور کتّون نے نوچ ڈالا، اس سے زیادہ اس سے پہلے کسی دیوتا کی تحقیر نہین ہوئی، اس کے بعد ہی مسلمانون نے اپنے گناہون سے توبہ کی اور اپنے دیوتاؤن سے معافی مانگی، اور از سرِ نو تلف شدہ بتون کو بنایا، اسی بنا جب شہنشاہ چارلس سرقوسطہ مین داخل ہوا تو اس نے اپنے ہمراہیون کو حکم دیدیا کہ تمام شہر کا چکر لگائین، وہ مسجدون مین گُھس گئے اور لوہے کے ہتوڑون سے ماہومیڈ اور تمام بتون کو توڑ ڈالا"

ایک دوسرا شاعر پیچر خدا سے دعا کرتا ہے کہ "وہ ماہوم کے بُت کے پجاریون کو شکست نصیب کرے" اس کے بعد وہ امرا کو جنگِ صلیبی کے لئے ان الفاظ مین آمادہ کرتا ہے "اٹھو اور ماہومیڈ اور ترماگان کے بتون کو اوندھا کردو، اور ان کو آگ مین ڈال دو، اور ان کو اپنے خداوند کی نذر کرو"[1]

اس قسم کے خیالات ایک مدت تک قائم رہے دکسی اور حصہ مین ہم اس کو مفصل لکھینگے)

سترھوین اور اٹھارھوین صدی	سترھوین صدی کے سنین وسطی یورپ کے عنصرِ جدید کا مطلع

[1] ترجمہ کتاب ہنری دی کاستری بزبان عربی مطبوعہ مصر از صفحہ ۸ تا ۱۰۔

ہی، یورپ کی جدوجہد، سعی وکوشش اور حریت وآزادی کا دور، اسی عہد سے شروع ہوتا ہے
ہمارے مقصد کی جو چیز اس دور میں پیدا ہوئی، وہ مستشرقین یورپ کا وجود ہے جن کی کوشش
سے نادر الوجود عربی کتابیں ترجمہ اور شائع ہوئیں، عربی زبان کے مدارس، علمی وسیاسی
اغراض سے جابجا ملک میں قائم ہوئے اور اس طرح وہ زمانہ قریب آگیا کہ یورپ اسلام
کے متعلق خود اسلام کی زبان سے کچھ سن سکا،

اس دور کی خصوصیت اول یہ ہے کہ سنے سنائے عامیانہ خیالات کے بجائے
کسی قدر تاریخ اسلام وسیرت پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بنیاد عربی زبان کی تصانیف پر قائم
کی گئی، گو موقع بہ موقع معلومات سابقہ کے مصالح کے استعمال سے بھی احتراز نہیں کیا گیا،

اس دور سے چونکہ یورپ نے مذہبی اشخاص کے شکنجہ سے نجات پائی اور اس کے
مذہبی اور سیاسی امور الگ الگ ہوگئے، اس بنا پر اسلام کے متعلق مصنفین کی دو جماعتیں
الگ ہوگئیں، عوام اور مذہبی اشخاص، اور محقق وغیر متعصب گروہ، اسلام کے متعلق ان
دونوں جماعتوں نے جو کوششیں کیں، وہ آج ہمارے سامنے ہیں،

اس عہد میں عربی زبان کی تاریخی تصنیفات کا ترجمہ ہوگیا تھا، اس سلسلہ میں سب
سے پہلے اربی نیوس ([illegible]) مارگولیوس (Margoliouth) ایڈورڈ پوکاک
(Pococke) اور ہانجر (Hattinjer) ذکر کے قابل ہیں لیکن یہ عجیب بات
ہے کہ اتفاقاً یا قصداً ان مستشرقین نے ابتداءً جن عربی تاریخوں کا ترجمہ کیا، وہ اکثر ان مسیحی
مصنفین کی تصنیفات تھیں جو قرون ماضیہ میں اسلامی ممالک کے باشندے تھے

سعید بن بطریق اوٹیکوس المتوفی ۹۳۹ء جو اسکندریہ کا پٹریارک تھا، اور ابن العمید المکین المتوفی ۱۲۷۳ء جو سلاطینِ مصر کا ایک درباری تھا، اور ابوالفرج ابن العبری الملطی المتوفی ۱۲۸۶ء مصنف تاریخ الدول،

ابن العمید المکین کی تاریخ، طبری اور ذیلِ طبری کا خلاصہ ہے، ارپی نیوس نے جو ہولینڈ کا ایک مستشرق تھا، لاطینی ترجمہ کے ساتھ، لیڈن سے اس کا ایک ٹکڑا شائع کیا، جو ابتدائے رسالت سے دولتِ اتابکیہ تک کے واقعات پر مشتمل ہے، المکین کے نام سے اس کتاب کے حوالے، یورپ کی ابتدائی اسلامی تصنیفات مین نہایت کثرت سے آتے ہین

اخیر اٹھارہوین صدی | یہ وہ زمانہ ہے جب یورپ کی قوتِ سیاسی، اسلامی ممالک مین پھیلنی شروع ہوگئی، جس نے "اورنٹیلسٹ" کی ایک کثیر التعداد جماعت پیدا کردی جنھون نے حکومت کے اشارہ سے السنۂ مشرقیہ کے مدارس کھولے، مشرقی کتب خانون کی بنیادین ڈالین، ایشیاٹک سوسائٹیان قائم کین، مشرقی تصنیفات کی طبع و اشاعت کے سامان پیدا کئے، اور نٹیل تصنیفات کا ترجمہ شروع کیا،

سب سے پہلے ہولینڈ نے اپنے مقبوضہ جزائر مشرقی مین ۱۷۸۰ء مین ایک ایشیاٹک سوسائٹی قائم کی، اس کی تقلید مین انگریزون نے بمقام کلکتہ ۱۷۸۴ء مین جنرل ایشیاٹک سوسائٹی اور ۱۷۸۸ء مین بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی، اس کے بعد ۱۷۹۵ء مین فرانس نے مشرقی زندہ زبانون (عربی، فارسی، ترکی) کا دارالعلوم قائم کیا، اور آخرکار ان مدارس اور سوسائٹیون کی تقلید سے تمام ممالکِ یورپ مین اس قسم کی درسگاہین

اور انجمنین جاری ہوگئین، عام یونیورسٹیون مین عربی زبان کے پروفیسرون اورکتبخانون
کا وجود لازمی سمجھا جانے لگا،

مسلمانون کے ہان عربی زبان مین سیرت ومغازی کی جوکتابین محفوظ تھین وُہ
ایک ایک کرکے باستثناے چند، اٹھارہوین صدی کے اواخر سے لیکر انیسوین صدی
کے اختتام تک یورپ مین چھپ گئین، اوران مین اکثر کا یورپین زبانون مین ترجمہ
ہوگیا، سب سے پہلے ریسک (Reiske) المتوفی ۱۷۷۴ء نے تاریخ ابوالفدا مع ترجمہ
لاطینی وحواشی پانچ جلدون مین شایع کی، ۱۸۰۹ء مین کیپٹن اے متھوس (A. N. Matthews) نے کلکتہ سے مشکوٰۃ المصابیح کا انگریزی مین ترجمہ شائع کیا، ۱۸۵۶ء
مین وان کریمر (Kremer) نے کلکتہ مین محمد بن عمر واقدی کی کتاب المغازی
طبع کرائی، ۱۸۵۸ء مین ابن ہشام کی مشہور تصنیف سیرۃ الرسول کی وُسٹنگن (Cottingen) سے اشاعت کی، اس کے علاوہ اسی مستشرق نے سمہودی کی تاریخ مدینہ اور ابن
قتیبہ کی تاریخ معارف طبع کرائی، ۱۸۶۴ء مین ڈاکٹر ویل (G. Weil) نے ابن
ہشام کا جرمنی مین ترجمہ کیا، ۱۸۶۱ء مین پیرس سے مسعودی کی تاریخ مروج الذہب مع
ترجمہ فرانسیسی پروفیسر ڈی مانیارڈ نے شائع کی، والہوسن (Wellhausen)
نے ۱۸۸۲ء مین واقدی کا جرمن ترجمہ بعنوان "محمد بہ مدینہ" برلن سے شائع کیا، ۱۸۸۳ء
مین لیڈن سے ہاوتسما (Houtasma) کے اہتمام سے یعقوبی کی تاریخ دوجلدون
مین چھپی، ۱۸۷۹ء سے ۱۸۹۲ء تک چودہ برس کی محنت مین طبری کی مشہور اور نادر لوجود

تاریخ بارتھ (J. Barth) اور نولدیکی (Noldeke) وغیرہ نے شائع کی،
اور سب سے آخر میں مشہور جرمن مستشرق پروفیسر سخاؤ (Sachau) کی خاص
کوشش اور دیگر سات مستشرقین کی اعانت سے ابن سعد کی عظیم الشان اور نادر الوجود
طبقات جس سے زیادہ مبسوط سیرت نبوی میں کوئی تصنیف نہیں، تقریباً ۱۹۰۰ء
سے گذشتہ سال تک ایک ایک جلد کرکے لیڈن سے شائع ہوتی رہی،

ان اصل تاریخی تصنیفات اور ان کے تراجم کی اشاعت ممالک اسلامیہ اور
یورپ کے تعلقات، مذہبی منافرت کی کمی، اور آزادانہ تحقیقات کی خواہش، ان تمام
چیزوں نے یورپ میں مصنفین تاریخ اسلام اور سوانح نگاران پیغمبر عرب (صلی اللہ علیہ وسلم)
کا ایک کثیر التعداد گروہ پیدا کردیا،

اوکسفورڈ کا ایک عالم اس غیر مختتم سلسلہ کا ان الفاظ میں اعتراف کرتا ہے:-

"محمدؐ کے سوانح نگاروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے، لیکن
اس میں جگہ پانا قابل فخر چیز ہے۔"

ہم اس موقع پر صرف ان تصنیفات کا مختصر سا نقشہ درج کرتے ہیں، جو بہ تخصیص
آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات میں، یا اسلام کے اصول عقائد پر لکھی گئیں، اور
جن میں سے اکثر ہمارے دفتر تصنیف میں موجود ہیں، یا ہم ان سے متمتع ہوچکے ہیں،

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانۂ تصنیف
۱	ڈاکٹر جی، پی، (؟)	انگلستان	سیرۃ محمد خادع (نعوذ باللہ)	۱۷۱۵ء

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانۂ تصنیف
۲	ڈاکٹر وایٹ واعظ اوکسفورڈ	انگلستان	بیمفٹن سرمنز اسلام اور پیغمبر اسلام	اوائل سنہ ۱۸۰۰ء
۳	گاڈفری ہگنس ایم آر اے ایس Godfrey Higgens	"	اپالوجی	سنہ ۱۸۲۹ء
۴	ڈاکٹر جے اے مولر muller	جرمن	اسلامزم	سنہ ۱۸۳۰ء
۵	گارسن ڈی ٹاسی Garcin de Tassy	فرانس	اسلام و قرآن	از سنہ ۱۸۳۱ تا سنہ ۱۸۵۴ء
۶	اڈورڈ لین Edward Lane	انگلستان	انتخابات القرآن	سنہ ۱۸۴۳ء
۷	ڈاکٹر ویل Weil	جرمن	ترجمہ و تحشیہ ابن ہشام و کتاب محمد پیغمبر	سنہ ۱۸۴۳ و سنہ ۱۸۴۶
۸	کارلایل Carlyle	انگلستان	ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ	سنہ ۱۸۴۶ء
۹	کوسن ڈی پرسیول Caussin de perceval	فرانس	تاریخ عرب	سنہ ۱۸۴۷ء
۱۰	واشنگٹن ارونگ Irving	انگلستان	سیرت محمدؐ	سنہ ۱۸۴۹ء
۱۱	ڈاکٹر اسپرنگر Springer	جرمن	سیرت محمدؐ	سنہ ۱۸۵۱ء
۱۲	وان کریمر Von Kremer	"	ترجمہ و تحشیہ واقدی	سنہ ۱۸۵۶ء
۱۳	مضمون نگار نیشنل ریویو	انگلستان	مضمون "محمد"	سنہ ۱۸۵۸ء
۱۴	ڈوزی Dozy	ہولینڈ	تاریخ اسلام	سنہ ۱۸۶۱ء
۱۵	مضمون نگار نیشنل ریویو	انگلستان	بزرگ ترین عرب	سنہ ۱۸۶۱ء
۱۶	ڈی لین Delane	.	سیرت محمدؐ	"
۱۷	میور Muir	انگلستان	سیرت محمدؐ	"

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانہ تصنیف
۱۸	برتھالی سینٹ ہلیر Hilaire	فرانس	محمدؐ و قرآن	سنہ ۱۸۶۵ء
۱۹	نولدیکی Noldeky	جرمن	مضامین قرآن و اسلام	سنہ ۱۸۶۹ء
۲۰	دوشیٹ مضمون نگار کوارٹرلی ریویو	انگلستان	اسلام	سنہ ۱۸۶۹ء
۲۱	مضمون نگار برٹش کوارٹرلی ریویو	"	محمدؐ	سنہ ۱۸۷۲ء
۲۲	جولیس چارلس Julius Charles	فرانس	تاریخ بانی اسلام	سنہ ۱۸۷۴ء
۲۳	مضمون نگار کانٹمپریری ریویو	انگلستان	محمدؐ اور اسلام	سنہ ۱۸۷۵ء
۲۴	باسورتھ اسمتھ Bosworth Smith	"	"	"
۲۵	سیدیو Sedillot	فرانس	تاریخ عرب	سنہ ۱۸۷۷ء
۲۶	ولہوسن wellhausen	جرمن	تبصرہ بر واقدی	سنہ ۱۸۸۲ء
۲۷	ایل کرایل، Krehl	جرمنی	سیرت محمدؐ	سنہ ۱۸۸۴ء
۲۸	گولڈزیہر Goldziher	"	مطالعۂ اسلام	سنہ ۱۸۹۰ء
۲۹	رینان Renan	فرانس	تاریخ مذاہب	سنہ ۱۸۹۲ء
۳۰	ایچ. گریم Grimme	ہولینڈ	سیرت محمدؐ	سنہ ۱۸۹۴ء
۳۱	ہنری دی کاستری Henri de Casteri	فرانس	اسلام پر خیالات،	سنہ ۱۸۹۶ء
۳۲	الیف بوہل Buhl	ہولینڈ	سیرت محمدؐ	سنہ ۱۹۰۳ء
۳۳	داسٹن wallaston	انگلینڈ	آوندہ گفتگو محمدؐ کے ساتھ	سنہ ۱۹۰۵ء

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	تصنیف زمانہ
۳۴	مارگولیتھ Margoliouth	انگلینڈ	محمدؐ	۱۹۰۵ء
۳۵	کوئل Koelle	"	محمدؐ اور اسلام	۱۸۹۴ء
۳۶	پرنس کائتانی Caetani	اٹالیہ	تاریخ کبیر محمدؐ و اسلام و سلاطین اسلام	جاری
۳۷	میجر لیونارڈ Leonard	انگلینڈ	اسلام کا روحانی و اخلاقی پایہ	۱۹۰۹ء

مصنفینِ یورپ تین قسمون مین منقسم کئے جاسکتے ہین،

۱- جو عربی زبان اور اصلی ماخذون سے واقف نہین، ان لوگون کا سرمایۂ معلومات اورون کی تصنیفات اور تراجم ہین، ان کا کام صرف یہ ہے کہ اس مشتبہ اور ناکامل مواد کو قیاس اور میلانِ طبع کے قالب مین ڈھال کر دکھائین تعجب ہوتا ہے کہ ان مین بعض (مثلاً گبن صاحب) ایسے صائب الرائے اور انصاف پرست ہین کہ راکھ کے ڈھیر مین سے بھی سونے کے ذرّے نکال سکتے ہین، لیکن قلیلٌ ماھم

۲- عربی زبان اور علم ادب و تاریخ و فلسفۂ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہین، لیکن مذہبی لٹریچر اور سیرت کے فن سے ناآشنا ہین، ان لوگون نے سیرت یا مذہب اسلام پر کوئی مستقل تصنیف نہین لکھی لیکن ضمنی موقعون پر عربی دانی کے زعم مین اسلام یا شارعِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق نہایت دلیری سے جو کچھ چاہتے ہین لکھ جاتے ہین، مثلاً جرمن کا مشہور فاضل ساخو جس نے طبقات ابن سعد شائع کی ہے، اس کی وسعتِ معلومات اور عربی دانی سے کون انکار کرسکتا ہے، بیرونی کی کتاب الہند کا دیباچہ

اُس نے جس تحقیق سے لکھا ہے رشک کے قابل ہے لیکن اسی دیباچہ مین اسلامی امور
کے متعلق ایسی باتین لکھ جاتا ہے جس کو پڑھ کر بھول جانا پڑتا ہے کہ یہ وہی محترم شخص ہو
جس کو ابھی ہم نے دیکھا تھا، نولدیکی (جرمنی) نے قرآن مجید کا خاص مطالعہ کیا ہے
لیکن انسائیکلوپیڈیا (جلد ۱۶) مین قرآن پر اس کا جو آرٹیکل ہے جابجا نہ صرف اس کے
تعصب، بلکہ اس کی جہالت کے رازنہان کی بھی پردہ دری کرتا ہے،

۲- وہ مستشرقین جنھون نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہو
مثلاً پامر صاحب یا مارگوس صاحب، اُن سے ہم بہت کچھ امید کرسکتے تھے لیکن باوجود
عربی دانی، کثرتِ مطالعہ، تفحصِ کتب کے ان کا یہ حال ہے کہ ع

دیکھتا سب کچھ ہون لیکن سوجھتا کچھ بھی نہین

مارگولیوس نے مسند امام احمد بن حنبل کی ۶ ضخیم جلدون کا ایک ایک حرف پڑھا ہے
اور ہم دعوےٰ سے کہہ سکتے ہین کہ ہمارے زمانہ مین کسی مسلمان کو بھی اس وصف مین
اُس کی ہمسری کا دعویٰ نہین ہوسکتا، لیکن پروفیسر موصوف نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ
کی سوانحعمری پر جو کتاب لکھی ہے دنیا کی تاریخ اُس سے زیادہ کوئی کتاب، کذب و
افترا، اور تاویل و تعصب کی مثال کے لئے پیش نہین کرسکتی، اس کا اگر کوئی کمال ہو
تو یہ ہے کہ سادہ سے سادہ اور معمولی سے معمولی واقعہ کو جس مین برائی کا کوئی پہلو پیدا
نہین ہوسکتا، صرف اپنی طباعی کے زور سے بدمنظر بنا دیتا ہو،

ڈاکٹر اسپرنگر جرمنی کے مشہور عربی دان ہین، کئی سال مدرسۂ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل

رہے، لکھنؤ مین آکر شاہی کتب خانہ کی رپورٹ لکھی جو ہماری نظر سے گذری ہے، حافظ ابن حجر کی کتاب الاصابہ فی احوال الصحابہ، اوّل اوّل ان ہی نے تصحیح کرکے کلکتہ مین چھپوائی، لیکن جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانح عمری پر ایک مستقل ضخیم کتاب ۳ جلدون مین لکھی تو ہم حیرت زدہ ہو کر رہ گئے،

یورپین مصنفون کی غلط کاریون کی بڑی وجہ تو وہی ان کا مذہبی اور سیاسی تعصب ہے، لیکن بعض وجوہ اور بھی ہین جن کی بنا پر ہم ان کو معذور رکھ سکتے ہین،

ا۔ سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا تمام تر سرمایۂ استناد صرف سیرت و تاریخ کی کتابین ہین مثلاً مغازی واقدی، سیرتِ ابن ہشام، سیرتِ محمد بن اسحاق، تاریخ طبری وغیرہ، اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی غیر مسلم شخص اگر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانحعمری مرتب کرنا چاہیگا تو عام قیاس یہی رہبری کرے گا کہ اس کو تصنیفاتِ سیرت کی طرف رجوع کرنا چاہیے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ سیرت کی تصنیفات مین سے ایک بھی نہین جو استناد کے لحاظ سے بلند رتبہ ہو، چنانچہ اسکی بحث اوپر گذر چکی، مصنفین سیرت سے قطع نظر سیرت کی روایتین زیادہ تر جن لوگون سے مروی ہین، مثلاً سیف، سری، ابن سلمہ، ابن نجیح عموماً ضعیف الروایہ ہین، اس لئے عام اور معمولی واقعات مین ان کی شہادت کافی ہو سکتی ہے لیکن وہ واقعات جن پر اہم بالشان مسائل کی بنیاد قائم ہے، ان کے لئے یہ سرمایہ بے کار ہے،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانح عمری کے یقینی واقعات وہ ہین، جو حدیث کی

لہ یہ کتاب جرمن زبان مین ہے، ہم جرمن نہین جانتے، لیکن اس کے اقوال اکثر یورپین مصنفین نے نقل کئے ہین اور وہ ہماری نظر سے گذرے ہین،

کتابون مین یہ روایات صحیح منقول ہین، یورپین مصنفین اس سرمایہ سے بالکل بے خبر ہین، اور ایک آدھ کوئی ہے، (مثلاً مارگولیس) تو اوّلاً وہ اس فن کا ماہر نہین اور ہو بھی تو تعصب کی ایک چنگاری سیکڑون خرمنِ معلومات کو جلانے کے لیے کافی ہے،

۲- دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے اصولِ تنقیح شہادت اور ہمارے اصولِ تنقیح مین سخت اختلاف ہے، یورپ اس بات کو بالکل نہین دیکھتا کہ راوی صادق ہی یا کاذب، اس کے اخلاق و عادات کیا ہین؟ حافظہ کیسا ہی؟ اُس کے نزدیک یہ تحقیق و تدقیق نہ ممکن ہے، نہ ضروری ہے، وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ راوی کا بیان بجائے خود، قرائن اور واقعات کے تناسب سے مطابقت رکھتا ہے، یا نہین؟ فرض کرو، ایک جھوٹے سے جھوٹا راوی ایک واقعہ بیان کرتا ہے جو قرائنِ موجودہ اور گرد و پیش کے واقعات کے لحاظ سے صحیح معلوم ہوتا ہے، بیان بالکل مسلسل ہی اور کہین سے نہین اکھڑتا، تو یورپ کے مذاق کے موافق واقعہ کی صحت تسلیم کر لی جائے گی،

بخلاف اس کے مسلمان مورخ اور خصوصاً محدثین اس کی پروا نہین کرتے کہ خود روایت کی کیا حالت ہے، بلکہ سب سے پہلے وہ دیکھتے ہین کہ "اسماے رجال" کے دفترِ تحقیقات مین اُس شخص کا نام ثقہ لوگون کی فہرست مین درج ہے یا نہین، اگر نہین ہی تو اُن کے نزدیک اس کا بیان بالکل ناقابلِ اعتنا ہے، بخلاف اس کے اگر ثقہ راوی نے کوئی واقعہ بیان کیا، تو گو قرائن اور قیاسات کے خلاف ہو، اور گو بظاہر عقل کے مطابق بھی نہ ہو، لیکن، اس کی روایت قبول کر لی جائے گی ۔

اس اختلافِ اصول نے یورپین تصنیفات پر بہت بڑا اثر پیدا کیا ہے، مثلاً اہل یورپ واقدی کے بیان پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہین جس کی وجہ یہ ہے کہ واقدی کا بیان نہایت مسلسل اور مربوط ہوتا ہے، جزئیات کی تمام کڑیاں باہم ملتی چلی جاتی ہین، واقعات مین کہین خلا نہین ہوتا، جو چیزین کسی واقعہ کو دلچسپ بنا سکتی ہین، سب موجود ہوتی ہین،

لیکن سچ یہ ہے کہ یہی باتین اصلی راز کی پردہ دری کرتی ہین، جو روایتین سو برس سے زیادہ زمانہ تک محض زبانون پر رہین، اُن مین اس قدر استقصاے جزئیات ممکن نہین، یہ البتہ ہو سکتا ہے کہ جس طرح تاریخی افسانے لکھے جاتے ہین، چند واقعات کا ذخیرہ سامنے رکھ کر قیاس و قرائن اور معلوماتِ عامہ کے ذریعہ سے ایک سادہ خاکہ کو نقش و نگار سے کامل کر دیا جائے لیکن یہ جرأت صرف واقدی کر سکتا ہے محدثین اس سے معذور ہیں،

تاہم اس سے بھی انکار نہین ہو سکتا کہ ہر موقع پر محض راوی کا ثقہ ہونا کافی نہین ثقات بھی غلطی کر سکتے ہین اور کرتے ہین، اس لئے ضرور ہے کہ درایت کے جو اصول محدثین نے قائم کئے ہین، اور جن کو بعض جگہ وہ بھول جاتے ہین، اُن کی نہایت سختی کیساتھ پابندی کیجائے

یورپین تصنیفات کے اصولِ مشترکہ

یورپین مصنفین، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق کے متعلق جو نکتہ چینیان کرتے ہین، یا اُن کی تصنیفات سے جو نکتہ چینیان خود بخود ناظرین کے دل مین پیدا ہوتی ہین حسب ذیل ہین،

(۱) آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی مکہ معظمہ تک پیغمبرانہ زندگی ہے، لیکن مدینہ جاکر جب زور و قوت حاصل ہوتی ہے، تو دفعۃً پیغمبری بادشاہی سے بدل جاتی ہے، اور اس کے

جو لوازم ہین، یعنی لشکر کشی، قتل، انتقام، خونریزی، خود بخود پیدا ہوجاتے ہین؛

(۲) کثرت ازدواج، اور میل الی النساء،

(۳) مذہب کی اشاعت، جبر اور زور سے،

(۴) لونڈی غلام بنانے کی اجازت، اور اس پر عمل،

(۵) دنیا دارون کی سی حکمت عملی اور بہانہ جوئی،

اس بنا پر، ہماری کتاب کے ناظرین کو، تمام واقعات مین اس نکتہ پر نظر رکھنی چاہیئے، کہ یہ اعتراضات تاریخی تحقیقات کے معیار مین بھی ٹھیک اتر سکتے ہین، یا نہین؟

اصول تصنیف اور ترتیب

ہم نے اس کتاب مین جو اصول اختیار کئے ہین اب ان کے بتانے کا وقت آگیا ہے،

(۱) سب سے پہلے یہ کہ سیرت کے واقعات کے متعلق جو کچھ قرآن مجید مین مذکور ہے، اُن کو سب پر مقدم رکھا ہے، یہ قطعاً ثابت ہو کہ بہت سے واقعات کے متعلق خود قرآن مجید مین ایسی تصریحات یا اشارے موجود ہین جن سے اختلافی مباحث کا فیصلہ ہوجاتا ہے، لیکن لوگون نے آیات قرآنی پر اچھی طرح نظر نہین ڈالی، اس لیے وہ مباحث غیر منفصل رہ گئے،

(۲) قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے، احادیث صحیحہ کے سامنے سیرت کی روایتین نظرانداز کردی ہین، جو واقعات بخاری و مسلم وغیرہ مین مذکور ہین، ان کے مقابلہ مین سیرت یا تاریخ کی روایت کی کوئی ضرورت نہین، ارباب سیر کو ایک بڑی غلطی

یہ ہوئی کہ وہ واقعات کو کتبِ حدیث مین اُن موقعون پر ڈھونڈتے ہین، جہان عنوان اور مضمون کے لحاظ سے اُس کو درج ہونا چاہیئے، اور جب ان کو ان موقعون پر کوئی روایت نہین ملتی تو وہ کم درجہ کی روایتون کو لے لیتے ہین، لیکن کتبِ حدیث مین ہر قسم کے نہایت تفصیلی واقعات ضمنی موقعون پر روایت مین آجاتے ہین، اس لئے اگر عام استقراء اور تفحص سے کام لیا جائے تو تمام اہم واقعات مین خود صحاح ستہ کی روایتین مل جاتی ہین، ہماری اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اکثر تفصیلی واقعات ہم نے حدیث ہی کی کتابون سے ڈھونڈکر مہیا کیے، جو اہلِ سیر کی نظر سے بالکل اوجھل رہ گئے تھے،

(۳) روزمرہ اور عام واقعات مین ابن سعد، ابن ہشام اور طبری کی عام روایتین کافی خیال کی ہین، لیکن جو واقعات کچھ بھی اہمیت رکھتے ہین، ان کے متعلق تنقید اور تحقیق سے کام لیا ہے، اور تا امکان کدوکاوش کی ہے، اس خاص ضرورت کے لئے ہم نے پہلا کام یہ کیا کہ ابن ہشام، ابن سعد، اور طبری کے تمام رُواۃ کے نام الگ انتخاب کرلیے، جن کی تعداد سیکڑون سے متجاوز ہے، پھر اسماء الرجال کی کتابون سے اُن کی جرح و تعدیل کا نقشہ تیار کیا، تاکہ جس سلسلۂ روایت کی تحقیق مقصود ہو، بہ آسانی ہوجائے،

(۴) جن فروگذاشتون کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، جہان تک ممکن تھا، اُن کی اصلاح اور تلافی کی ہے،

کتاب کے حصّے اس کتاب کے پانچ حصّے ہین،

پہلے حصّہ مین عرب کے مختصر حالات، کعبہ کی تاریخ، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)

کی ولادت سے لیکر وفات تک عام حالات اور واقعات وغزوات ہین، اسی حصہ کے دوسرے باب مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اخلاق وعادات کی تفصیل ہے، آل واولاد اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حالات بھی اسی باب مین ہین،

دوسرا حصہ **منصب نبوت** سے متعلق ہے، نبوت کا فرض تعلیم عقائد، اوامر و نواہی اصلاحِ اعمال اور اخلاق ہے، اس بنا پر منصب نبوت کے کامون کی تفصیل اس حصہ مین کی گئی ہے، اس حصہ مین فرائض خمسہ اور تمام اوامر و نواہی کی ابتدا، اور تدریجی تغیرات کی مفصل تاریخ اور اُن کے مصالح اور حِکَم اور دیگر مذاہب سے ان کا مقابلہ و موازنہ ہے، اسی حصہ مین نہایت تفصیل سے بتایا گیا ہے، کہ عرب کے عقائد، اور اخلاق وعادات پہلے کیا تھے، اور ان مین کیا کیا اصلاحین عمل مین آئین، نیز یہ کہ تمام عالم کی اصلاح کے لئے اسلام نے کیا قانون مرتب کیا، اور کیونکر وہ تمام عالم کے لئے، اور ہر زمانہ کے لئے کافی ہوسکتا ہی،

تیسرے حصہ مین قرآن مجید کی تاریخ، وجوہِ اعجاز، اور حقائق و اسرار سے بحث ہو،

چوتھے حصہ مین معجزات کی تفصیل ہے، قدیم سیرت کی کتابون مین معجزات کا الگ باب باندھتے ہین، لیکن آجکل تو اس کو بالکل مستقل حیثیت سے لکھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ معجزات کے ساتھ اصل معجزہ کی حقیقت اور امکان سے بحث کرنے کی ضرورت بھی پیش آگئی ہے، البتہ جن معجزات کی تاریخ اور سنہ متعین ہو، مثلاً معراج، یا تکثیرِ طعام وغیرہ اُن کو اُس سنہ کے واقعات مین لکھدیا ہے،

پانچوان حصہ خاص یوروپین تصنیفات کے متعلق ہے، یعنی یورپ نے آنحضرت

(صلی اللہ علیہ وسلم) اور مذہب اسلام کے متعلق کیا لکھا ہے؟ ان کا سرمایۂ معلومات کیا ہے؟ تاریخی واقعات مین وہ کیونکر غلطیان کرتے ہین؟ مسائلِ اسلام کے سمجھنے مین اُن سے کیا کیا غلطیان ہوئین؟ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق وعادات یا مسائلِ اسلام پر جو نکتہ چینیان کی ہین اُن کے جوابات،

یہ ضرور نہین کہ یہ حصّے اسی ترتیب سے شائع ہون، بلکہ جس حصّہ کی تیاری کے سامان فراہم ہوجائین گے اور مرتّب ہوجائے گا، وہ شائع کردیا جائے گا،

استناد اور حوالے تاریخ اور روایت مین، حوالہ اور استناد سب سے مقدم چیز ہے، اس لئے اس کے متعلق چند ضروری امور بیان کردینے ضرور ہین،

(۱) صرف انہی کتابون کا حوالہ دیا ہے جو خود میری نظر سے گذری ہین،

(۲) جو واقعات کسی قدر اہم ہین، ان کے متعلق صرف صحیح حدیثون یا مستند تاریخی روایتون کا حوالہ دیا ہے لیکن عام واقعات یا غزوات کے متعلق جزئیات کی تفصیل مین محدثانہ کدوکاوش نہین کی ہے،

(۳) مطبوعہ کتابون کے حوالہ مین مطبع کا نام بتا دیا گیا ہے، قلمی کتابون کے متعلق تصانیفِ سیرت کی فہرست جو اوپر گذر چکی ہے، اس مین بتا دیا ہے کہ ہمارے استعمال مین کونسا نسخہ تھا،

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

عرب

وجہ تسمیہ | عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف رائیں ہیں، اہل لغت کہتے ہیں کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں، اور چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے تمام دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے، اس لئے انھوں نے اپنے آپ کو "عرب" اور دنیا کی اور تمام قوموں کو عجم (ژولیدہ بیان) کہکر پکارا،

بعض کی راے ہے کہ عرب اصل میں عربۃ تھا، قدیم اشعار میں عرب کے بجاے عربۃ آیا ہے،

ورجّبت، باحۃ العربات رجّا　　ترقرق فی مناکبھا الدِّماءُ

وعربۃُ ارضٌ جدّ فی الشراھُا　　کما جدّ فی شرب النقاح ظمّاٗ

وعربۃُ ارضٌ ما یحلُّ حرامھا　　من الناسِ الا اللوذعیُّ الحُلاحِل

عربہ کے معنی سامی زبانوں میں دشت اور صحرا کے ہیں، اور چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا ہے، اس لیے تمام ملک کو عرب کہنے لگے،

جغرافیہ | عرب کے حدود اربعہ یہ ہیں،

مغرب - بحیرۂ قلزم،

مشرق - خلیج فارس اور بحر عمان،

جنوب - بحر ہند،

شمال کی حدود بہت مختلف فیہ ہیں، بعض مملکتِ حلب، اور فرات تک اُس کی حدود کو وسعت دیتے ہیں،

سینا کا جزیرہ نما جس کا نام اَلتِّیۃ ہے، اکثر مصنّفینِ عرب و یورپ اس کو مصر میں شمار کرتے ہیں لیکن جیالوجی کی رُو سے وہ عرب سے متعلّق ہے،

عرب کی پیمایش باقاعدہ اب تک نہیں ہوئی، تاہم اس قدر یقینی ہے کہ وہ جرمن اور فرانس سے چوگنا زیادہ وسیع ہے، طول تقریبًا پندرہ سو، عرض چھ سو میل، اور مجموعی رقبہ بارہ لاکھ میل مربّع ہے،

ملک کا بڑا حصّہ ریگستان ہے، پہاڑوں کا جال تمام ملک میں پھیلا ہوا ہے، سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ جبل السّراۃ ہے، جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے، اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فیٹ بلند ہے، بعض حصّے زرخیز اور شاداب بھی ہیں،

چاندی اور سونے کی کانیں کثرت سے ہیں، علّامہ ہمدانی نے "صفۃ جزیرۃ العرب" میں ایک ایک کان کا نشان دیا ہے، قریش جو تجارت کیا کرتے تھے، مورخین نے لکھا ہے زیادہ تر اُن کا مالِ تجارت، چاندی ہوتی تھی، برٹن صاحب نے مدین کی طلائی معادن پر خاص ایک کتاب لکھی ہے[1]،

قدیم تاریخ کے ماخذ	اسلام سے قبل عرب کی تاریخ کے ماخذ حسب ذیل ہیں:

[1] GOLD MINES OF MEDIAN

(۱) زمانۂ جاہلیت کی بعض تصنیفات، جو سلاطینِ حمیر کے کتب خانہ مین محفوظ تھین اور جو ابن ہشام کو ہاتھ آئی تھین اور جن کا ذکر علامۂ موصوف نے کتاب التیجان مین کیا ہے،

(۲) زبانی روایتین جو قدیم سے چلی آتی تھین، عرب کا حافظہ نہایت قوی تھا، یہان تک کہ آج اشعارِ جاہلیت کا جو وسیع ذخیرہ موجود ہے، اسلام کے زمانہ تک زبانی ہی روایت ہوتا چلا آتا تھا، اس بنا پر عرب کی قدیم تاریخ کا کافی سرمایہ محفوظ تھا، عرب کی جو قومین معدوم ہو چکین مثلاً طسم، جدیس، عاد، ثمود، ان کے متعلق بھی اس قدر تاریخی روایتین محفوظ تھین کہ اُن کے ذریعہ سے مؤرخینِ اسلام، عرب کی تاریخ قدیم پر معتد بہ تصنیفات مرتب کر سکے، مثلاً ہشام کلبی نے طسم، جدیس، تبابعۂ یمن اور دیگر سلاطینِ عرب پر متعدد کتابین لکھین، جن کا ذکر ابن الندیم نے فہرست صفحہ ۹۶ مین کیا ہے،

(۳) اشعارِ جاہلیت، جن مین سے اکثر سلاطین اور اقوام اور عماراتِ عرب کا ذکر ہے، یہ اشعار صفۃ جزیرۃ العرب اور معجم البلدان مین کثرت سے موجود ہین، انہی قدیم ماخذون سے علامۂ ہمدانی نے اپنی کتاب "اکلیل" مرتب کی ہے، جس کا آٹھوان باب خاص سلاطینِ حمیر کے آثارات قدیمہ اور حمیری کتبات پر مشتمل ہے،

(۴) یورپ کی قدیم تصنیفات، مثلاً مصنفینِ یونان نے تھیو فراسٹس (جو حضرت عیسیٰ عہ سے چار سو برس قبل تھا) سے لیکر بطلیموس تک بہت سے قبائل عرب کے نام لکھے ہین، اور اُن کی آبادیون کے نام بھی بتائے ہین، رومن مؤرخ پلینی نے بھی عرب کے متعلق لکھا ہے گو نہایت مختصر ہے

ملہ اس کتاب کا ذکر نہایت تفصیل کے ساتھ طبقات الامم (مطبوعۂ بیروت) مین ہے،

(۵) عرب کی قدیم ویران شدہ عمارتوں کے کتبات، جو قدمائے اسلام نے دریافت کئے تھے، اور جو آجکل یورپ نے نہایت کثرت سے مہیا کئے ہیں،

عرب کے اقوام و قبائل

مورخین[له] عرب نے اقوام و قبائل عرب کو تین حصوں پر منقسم کیا ہے:

عرب بائدہ یعنی عرب کے قدیم ترین قبائل جو اسلام سے بہت پہلے فنا ہو چکے تھے،

عرب عاربہ بنو قحطان جو عرب بائدہ کے بعد عرب کے اصلی باشندے تھے اور جن کا اصلی مسکن ملک یمن تھا،

عرب مستعربہ بنو اسمٰعیل یعنی حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد جو حجاز میں آباد تھی،

ظہور اسلام کے وقت بنو قحطان اور بنو اسمٰعیل جن کو عدنانی قبائل بھی کہتے ہیں، ملک کے اصلی باشندے تھے، اور اُن کے علاوہ خال خال یہودیوں کی آبادی تھی، اس بنا پر درحقیقت ملک عرب اس وقت تین مختلف عناصر سے مرکب تھا، ہر عنصر کا قوام بے شمار قبائل و فروع سے تھا، جو یمن سے شام تک ہر قطعہ زمین میں پھیلے ہوئے تھے، انکی پھر مختلف چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں، چونکہ اس کتاب میں اکثر اُن کے نام آئیں گے، اس بنا پر ان کا ایک مختصر خاکہ درج ذیل ہے،

بنو قحطان

اس خاندان کی تین بڑی شاخیں ہیں،

له یہاں سے "عرب کی قدیم حکومتیں" تک زیادت ہے، س

(۱) قضاعہ (۲) کہلان (۳) ازد، حمیر بھی اسی کی شاخ ہے جو یمن کے فرمانروا تھے لیکن واقعات کو ان سے کوئی تعلق نہیں،

(۱) قبائل قضاعہ، عام علماے انساب قضاعہ کو بنو قحطان مین داخل کرتے ہین اور ہم بھی یہان ان کی پیروی کرتے ہین، ورنہ از روے تحقیق وہ بنو اسمٰعیل ہین، بہرحال ان کی حسب ذیل شاخین ہین:-

بنو کلب، بنو تنوخ، بنو جرم، بنو جہنیہ، بنو نہد، بنو عذرہ، بنو اسلم، بلی، سلیح، لخم، تغلب، نمر، اسد، تیم اللات، کلب،

(۲) کہلان،

بجیلہ، خثعم، ہمدان، کندہ، مذحج، طے، لخم، جذام، عاملہ،

(۳) ازد، انصار اسی کی شاخ تھے،

اوس، خزرج، خزاعہ، غسان، دوس،

مشہور عدنانی قبائل جن کا آخری مقسم مضر ہے حسب ذیل ہین، قبائل مضر اولاً بنی خندف اور بنو قیس دو خاندانون پر منقسم ہین،

۱- خندف

ہذیل، کنانہ، اسد، ضبہ، مزینہ، رباب، تمیم، ہون،

ان مین سے ہر ایک کے متعدد فروع ہین،

اصول	فروع
کنانہ	قریش، دوَل،
ہون	قارہ
رباب	عدی، تیم، عکل، ثور،
تمیم	مقاعس، قریع، بہدلہ، یربوع، ریاح، ثعلبہ، کلیب،

۲۔ قیس

عدوان، غطفان، اعصر، سلیم، ہوازن،

ان مین بعض کے فروع یہ ہین:

اصول	فروع
غطفان	عبس، ذبیان، فزارہ، مرہ،
اعصر	غنی، باہلہ،
ہوازن	سعد، نصر، جشم، ثقیف، سلول، بنو عامر (عامر کی شاخین بنو ہلال، بنو نمیر، بنو کعب ہین)

یہود

بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ،

بنو قحطان و آل اسمٰعیل نے اسلام سے پہلے متعدد حکومتین قائم کی تھین جن کے جستہ جستہ واقعات کہین ملتے ہین)

عرب کی قدیم حکومتین | کتبون اور دیگر مورخین کی تصریحون سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ

اسلام سے پہلے عرب مین پانچ متمدن سلطنتین گذرین،

(۱) معینی — معین یمن مین ایک مقام کا نام ہو، جو کسی زمانہ مین سلطنت کا پایہ تخت تھا،

(۲) سبائی — یعنی قوم سبا،

(۳) حضرموتی — حضرموت، یمن کا مشہور مقام ہے،

(۴) قتبانی — قتبان، عدن مین ایک مقام ہو جو آجکل گمنام ہے

(۵) نابتی — حضرت اسمٰعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام نابت تھا، یہ سلسلہ انہی کی طرف منسوب ہو،

معینی سلطنت، جنوبی عربستان مین تھی، اس کے صدر مقامات قرن اور معین تھے کتبون سے تقریباً پچیس حکمرانون کا پتہ چلتا ہے، محققین یورپ مین اختلاف ہو کہ معینی اور سبائی حکومتین ہمزمان تھین یا متقدم ومتاخر، گلازر کا خیال ہو کہ معینی حکومت بہت متقدم ہو اور حضرت عیسیٰؑ سے پندرہ سو برس قبل موجود تھی، لیکن مولر کا بیان ہو کہ کوئی معینی کتبہ آٹھ سو برس قبل مسیحؑ سے پہلے کا نہین ملتا، اس بنا پر سبائی اور معینی دونون ہمعصر ہین

سبائی دور، جیسا کہ کتبون سے ثابت ہوتا ہو حضرت عیسیٰؑ سے سات سو برس قبل ہو، اس سلطنت کا پایہ تخت مارب تھا، اُس زمانہ کے سنگی کتبے بہ کثرت موجود ہین حضرت عیسیٰؑ سے ایک سو پندرہ برس قبل تک اس حکومت کا پتہ چلتا ہے، اس دور کے بعد حمیر کا زمانہ ہے، حمیر نے مارب پر قبضہ کر کے اس کو پایۂ تخت بنا لیا،

قریباً ۱۱۵ء قبل مسیح مین حمیر نے سبائی حکومت پر قبضہ کرلیا، کتبون سے ثابت ہوتا ہے کہ حمیر مین چھبیس فرمان روا گذرے، حمیر کے بعض کتبون مین سنہ و سال بھی کندہ ہین، ان کے عہدِ حکومت مین، رومی سلطنت نے عرب مین مداخلت کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن یہ کوشش پہلی بھی تھی اور آخری بھی، اے لیس گالس جس نے حضرت عیسیٰؑ سے ۲۰ برس قبل، عرب پر چڑھائی کی تھی، بالکل ناکامیاب رہا، اُس کے رہبر دغابازی سے اس کو صحرا مین لے گئے اور ریگستان مین پہنچکر اس کا سارا لشکر تباہ ہوگیا،[1]

حمیر نے یہودی مذہب قبول کرلیا تھا، اسی زمانہ کے قریب حبشیون نے عرب کے جنوب مین حکومت قائم کرنی شروع کی، اور ایک زمانہ مین حمیریون کو شکست دیکر اپنی مستقل حکومت قائم کرلی، اس عہد کا ایک کتبہ جو آجکل ہاتھ آیا ہے، اس پر یہ الفاظ ہین،

"رحمان، مسیح، اور روح القدس کی قدرت و فضل و رحمت سے اس یادگاری پتھر پر ابرہہ نے کتبہ لکھا جو کہ بادشاہ حبش ارحمیس ذبی ان کا نائب الحکومۃ ہے" —

سبا اور حمیر کی عظمت اور اقتدار اور وسعت فتوحات کی روایتین، عرب مین اس قدر متواتر ہین کہ ان کے قدر مشترک سے انکار نہین کیا جا سکتا، اشعار مین بھی کثرت سے واقعات مذکور ہین، عربون کے خیال کے موافق سلاطین حمیر نے ایران کے انتہائی مقامات فتح کرلیے تھے، ذوالقرنین جس کو عوام سکندر کہتے ہین، اہل عرب کے نزدیک اسی

---

[1] یہ تمام تفصیل انسائیکلو پیڈیا کے اس آرٹکل سے ماخوذ ہے جو جی ڈبلو تھیاچر صاحب نے عرب پر لکھا ہے، نیز لٹریری ہسٹری آف دی عربس مؤلفہ رینالڈ نکلسن پروفیسر کیمبرج صفحہ ۴ سے تا ۷،

حمیری خاندان کا فرمان روا تھا، شاہ نامہ مین مذکور ہے، کہ کیکاؤس کو شاہ ہاماوران نے گرفتار کر لیا تھا، علامہ ثعلبی نے تاریخ ایران مین (جو اب یورپ مین چھپ کر شائع ہو گئی ہے) لکھا ہے کہ یہ ہاماوران، حمیر کا بادشاہ تھا، اور ہاماوران دراصل وہی عربی حمیر ہے، علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ سودابہ جو کیکاؤس کی زوجہ تھی، اور فردوسی کے بیان کے موافق، سیاوش پر عاشق ہو گئی تھی، اسی حمیری بادشاہ کی بیٹی تھی، اور اس کا اصلی نام سُعدی تھا، ایرانیون نے اپنے تلفظ مین اس کو سودابہ کر لیا تھا،

یورپ کی تحقیقات حال سے بھی سبا اور حمیر کے اعلیٰ درجہ کے تمدن کا ثبوت ملتا ہے، پروفیسر نولدکی جرمنی کا مشہور مستشرق لکھتا ہے:

"ولادت مسیح سے ہزار سال قبل، جنوبی و غربی عرب یعنی یمن جو حمیر اور سبا کا ملک تھا، اور جو اپنی بارش گرما کے باعث زراعت کے لئے نہایت موزوں تھا، تمدن کے اس رتبہ تک پہنچ چکا تھا، کہ اس کے کثیر التعداد کتبات اور شاندار عمارات کے آثار سے آج بھی ہمارے جذبات مدح و ستایش کو تحریک ہوتی ہے، اور اہل یونان و روم نے اس کو "دولتمند عرب" کا جو لقب دیا تھا وہ بیجا نہ تھا۔ ۔ ۔ ۔

توراۃ مین متعدد عبارتین ہین جو سبا کی عظمت و شوکت کی شہادت دیتی ہین، چنانچہ ملکۂ سبا کا سلیمانؑ سے ملاقات کا قصہ خاص طرح پر قابل ذکر ہے، (۱۔ سلاطین۔ آیت ۱۰)

قوم ثمود۔ جن کی عمارات سے ڈاؤٹی اور یوٹنگ کی محنتون نے ہم کو روشناس کر دیا ہے، نیز قوم نابت نے جو ثمود سے بہت ملتی جلتی ہے، اپنے تمدن کی ابتدائی تعلیم غالباً

انہی سے حاصل کی ہے۔"

کتابت کا فن، جو سبائیوں نے بہت ابتدائی زمانہ مین شمال سے پایا تھا، اب اس کو خود انھون نے عرب کے اکثر حصون مین ہر طرح کے کاروبار مین جاری کر دیا یہانتک کہ ایک طرف دمشق اور دوسری جانب ابی سینیا تک اُس کو پھیلا دیا۔[۱]

نابتی حکومت، جو شام کے حدود سے متصل تھی، اور جو قوم ثمود کی مرادف، یا اُن کی قائم مقام تھی، اس کی نسبت فارسٹر صاحب اپنے جغرافیہ مین لکھتے ہین:۔

"ان مختصر بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ زمانۂ قدیم مین نابت کا نام اور اثر نہ صرف ریگستانی اور صحرائی عرب پر مستولی تھا، بلکہ حجاز و نجد کے صوبہاے عظیمہ پر بھی حاوی تھا نابتی جہان ایک طرف منافعِ تجارت سے بہرہ اندوز ہونے مین کمال رکھتے تھے، وہان دوسری طرف بطورِ سچے بنو اسمٰعیل کے خطراتِ جنگ کے لئے بالکل مستعد رہتے تھے، فلسطین و شام مین اُن کی غارتگریون، اور خلیج عرب مین مصری جہازات پر اُن کی رہزنی نے بارہا تاجدارانِ مقدونیہ کو اُن کی دشمنی پر آمادہ کر دیا لیکن روما کی مجموعی قوت سے پیشتر کوئی شے اُنھین روک نہ سکی، اور روما کی اطاعت بھی انھون نے اسٹرابو کے زمانہ مین بالکل مجبورانہ اور مشتبہ انداز سے قبول کی۔"[۲]

یہ قدیم سلطنتون کا حال تھا، اسلام کے قبل یہ تمام سلطنتین برباد ہو چکی تھین، اُن کے بجائے

[۱] مورخین کی تاریخ عالم جلد ۸۔ یعنی ہسٹورینس ہسٹری آف ورلڈ، تمہیدی آرٹکل نوشتہ پروفیسر نولڈیکی صفحہ ۵ [۲] تاریخی جغرافیہ عرب از ریورنڈ فارسٹر جلد اول از صفحہ ۲۲۰ تا ۲۲۸۔

یمن مین صرف بڑے بڑے سردار رہ گئے تھے، جن کو قیل، یا مقول کہتے تھے، عراق مین آل منذر کا خاندان قائم تھا، جو فارس کے زیر اثر تھا، خورنق اور سدیر عرب کی مشہور عمارتین اسی سلسلہ کی یادگار ہین، شام کے حدود مین غسّانی خاندان فرمانروا تھا، جو قیصران روم کا ماتحت تھا، اور جس کا اخیر فرمانروا جبلہ بن الایہم غسّانی تھا،

تہذیب و تمدن تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے، مانسیو لیبان فرانسوی نے اصول عمران کی بنا پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانہ مین اوج کمال تک پہنچ چکا تھا، کیونکہ اصول ارتقا کے رو سے کوئی قوم محض وحشت کی حالت سے دفعۃً اعلیٰ درجہ کی تہذیب و تمدن تک نہین پہنچ سکتی یہ ایک قیاسی استدلال ہے، تاریخ سے بھی اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے بعض حصے مثلاً یمن کسی زمانہ مین انتہا درجہ کی ترقی تک پہنچ چکے تھے، یورپ کے محققین آثار قدیمہ جنھون نے یمن کے آثار قدیمہ کی تحقیقات کی ہے، اور پرانے کتبون کو پڑھا ہے، وہ یمن کی قدیم تہذیب و تمدن کا اعتراف کرتے ہین،

صنعاء اور **قلیس** کے ذکر مین، یاقوت حموی نے معجم مین قدیم آثارات عجیبہ کا تذکرہ کیا ہے اور گو اس مین بہت کچھ مبالغہ بھی ہے، تاہم اصلیت کا حصہ بھی کچھ کم نہین،

اسی طرح عرب کے وہ مقامات، جو ایران اور شام سے متصل تھے، مثلاً حیرۃ جو آل نعمان کا پایہ تخت تھا، اور حوران جو خاندان غسّان کا صدر مقام تھا، تہذیب و تمدن سے خالی نہ تھے، مورخین عرب کا دعویٰ ہے کہ یمن نے ایک زمانہ مین اس حد تک ترقی کی تھی کہ وہان کے

سلاطین نے تمام ایران فتح کر لیا تھا، چنانچہ سمرقند کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہین کہ یمن کا ایک بادشاہ جس کا نام شمر تھا، اس نے سمرقند کو کھدوا کر برباد کر دیا تھا، اس بنا پر ایرانی اس مقام کو شمر کند کہنے لگے، پھر معرب ہو کر سمرقند ہو گیا،

عظیم الشان قلعون اور عمارتون کے آثار جو اب بھی کچھ کچھ باقی ہین، اس بات کی قطعی شہادت ہین کہ اس ملک مین کبھی اعلیٰ درجہ کا تمدن موجود تھا، علامہ ہمدانی نے اکلیل مین تمام آثار قدیمہ کا ذکر کیا ہے، چنانچہ صفۃ جزیرۃ العرب[1] مین لکھتے ہین،

المشہور من محافد الیمن وقصورھا	یمن کے مشہور قدیم قصر اور ایوان جن کا ذکر
القدیمۃ التی ذکرتھا العرب فی	اہل عرب نے اشعار اور امثال مین کیا ہے
الشعر والمثل۔۔۔ کثیرۃ الذی	۔۔۔۔ کثرت سے ہین، اور ان کے متعلق اشعار
فیھا من الشعر باب واسع وقد	کا ایک دفتر ہے اکلیل کے آٹھوین باب
جمع ذلک کلہ الکتاب الثامن من الاکلیل	نے ان سب کو جمع کر دیا ہے،

اس کے بعد مصنف نے لکھا ہے کہ مین اس موقع پر صرف اُن کے نام گنا دیتا ہون اور وہ یہ ہین،

"غمدان، تلفم، ناعط، صرواح، سلحین، ظفار، ھکر، ضھر، شبام، غیمان، ینعون، ریام، براقش، معین، روثان، ارباب، ھند، ھنیدہ، عمران، بجیر"

ان مین سے غمدان اور ناعط کا حال معجم البلدان مین تفصیل سے مذکور ہے اور اس کی عظمت و رفعت کے متعلق ایسی باتین نقل کی ہین جن پر ایشیائی مبالغہ کا دھوکہ ہوتا ہے، سلحین کی نسبت لکھا ہے کہ ستر برس مین تعمیر ہوا ہے[1] شبام کے حال مین لکھا ہے،

لهم فیه حصون عجیبة ھا ئلة . ان مین اُن کے متعدد ہیبت انگیز قلعے ہین'

قلعہ ناعط وہب بن منبہ کے زمانہ تک موجود تھا، اس کے ایک کتبہ کو محدث موصوف نے پڑھا، تو معلوم ہوا کہ سولہ سو (۱۶۰۰) برس کی تعمیر ہے، آجکل یورپ کے محققین نے ان مقامات مین جاکر جو تحقیقات کی ہے اس سے بھی حیرت انگیز تمدن کی تصدیق ہوتی ہے، مقیاچہ صاحب اپنے آرٹکل مین لکھتے ہین[1]:-

"جنوبی عربستان مین جہان حضرت عیسیٰؑ سے صدیون پہلے ایک ترقی یافتہ تمدن موجود تھا، قلعون اور شہر پناہون کے آثار اب تک موجود ہین اور ان کا ذکر متعدد سیاحون نے کیا ہے .... یمن اور حضرموت مین یہ آثار کثرت سے ہین، اور اکثرون پر اب تک کتبے موجود ہین .... صنعاء کے قریب ایک قلعہ تھا جس کو قزوینی نے آثار البلاد مین دنیا کے عجائب ہفت گانہ مین سے ایک قرار دیا ہے (دیگر قلعون کے لئے دیکھو جرنل جرمن اورنٹل سوسائٹی جلد ۱ صفحہ ۲۰ سے آگے)

مارب جو قدیم سبائی دارالسلطنت تھا، اس کے آثار قدیمہ کو ارنو، ہالیوے اور گلازر نے دیکھا ہے،

مارب کے مشہور آثار مین سے ایک بڑی خندق کے آثار باقی ہین، اُن کو دیکھ کر عدن کے دوبارہ تعمیر شدہ حوض یاد آتے ہین، اُن کی اہمیت اس وقت ظاہر ہوئی جب گلازر نے وہ دو طویل الذیل کتبے شائع کئے جن مین اُن کے عیسوی قرن پنجم و ششم مین دوبارہ تعمیر کا ذکر ہے،

یمن مین بمقام حران ایک اور خندق ہے جس کا طول تقریبًا چار سو پچاس فیٹ ہے"

لیکن عرب کے اصلی اور اندرونی مقامات مین تہذیب و تمدّن کی یہ حالت نہ تھی، عربی زبان نہایت وسیع ہے، باوجود اس کے جن چیزون کو تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے، اُن کے لئے خاص عربی زبان مین الفاظ نہین ملتے، بلکہ ایران یا روم سے مستعار آئے ہین، سکّہ کے لئے ایک لفظ بھی موجود نہین، درہم اور دینار دونون غیر زبان کے الفاظ ہین، درہم یونانی لفظ درخم ہے، اور یہ وہی لفظ ہے جو انگریزی مین ڈرام ہوگیا ہے، چراغ معمولی چیز ہے، تاہم اس کے لئے عربی مین کوئی لفظ نہ تھا، چراغ کو لے کر سراج کر لیا، پھر ایک مصنوعی لفظ بنایا، مصباح، یعنی ایک آلہ جس سے صبح بنالی جاتی ہے، کوزہ کے لئے کوئی لفظ نہین، کوزہ کو کوز کر لیا ہے، لوٹے کو ابریق کہتے ہین، جو آب ریز کا معرب ہے، تشت فارسی لفظ تھا، اسی کو عربی مین طست کر لیا ہے، پیالہ کو کاس کہتے ہین، وہی کاسہ فارسی لفظ ہے، کرتہ کو عربی مین قرطق کہتے ہین، یہ بھی فارسی ہے، پائجامہ کو سروال کہتے ہین، جو شلوار کی بگڑی ہوئی صورت ہے،

جب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزون کے لئے لفظ نہ تھے تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کے لئے کہان سے لفظ آتے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب نے کسی زمانہ مین جو ترقی کی تھی آس پاس کے ممالک کی تہذیب و تمدن سے متأثر ہو کر کی تھی، اس لیے جو مقامات اُن ممالک سے دور تھے اُسی اصلی حالت پر رہ گئے،

احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ تک عیش و نعمت

کے سامان بہت کم تھے، مسئلۂ حجاب کے شانِ نزول مین بخاری وغیرہ مین مذکور ہے کہ اس زمانہ تک گھرون مین جائے ضرور نہ تھی، مستورات رفعِ حاجت کے لئے باہر جایا کرتی تھین، ترمذی باب الفقر مین ہے کہ اس وقت تک چھلنیان نہ تھین، بھوسے کو پھونک کر اڑا دیتے تھے، جو رہ جاتا تھا، وہی آٹا ہوتا تھا، بخاری کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ راتون کو گھرون مین چراغ نہین جلتے تھے، ابوداؤد مین ایک صحابی کی روایت ہے کہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مین تھا، لیکن مین نے آپ سے حشرات الارض کا حرام ہونا نہین سنا، اگرچہ اس حدیث کی شرح مین محدثین لکھتے ہین، کہ ایک راوی کے نہ سننے سے یہ لازم نہین آتا کہ واقع مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حشرات الارض کی حرمت نہین بیان کی لیکن اس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب حشرات الارض کھاتے تھے تاریخ اور ادب مین یہ تصریح موجود ہے کہ عرب کھنکھجورا، گوہ، گرگٹ سبھی اور جانورون کا چمڑا کھاتے تھے۔

عرب کے مذاہب عرب مین اسلام سے پہلے مختلف مذاہب تھے، بعضون کا خیال تھا کہ جو کچھ ہے زمانہ یا فطرت (قانونِ قدرت) ہے، خدا کوئی چیز نہین، ان ہی لوگون کی نسبت قرآن مجید مین ہے،

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ	اور یہ لوگ کہتے ہین کہ جو کچھ ہے یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے، ہم مرتے اور جیتے ہین
(جاثیہ - ۳)	اور ہم کو مارتا ہے تو زمانہ مارتا ہے،

بعض خدا کے قائل تھے، لیکن قیامت اور جزا و سزا کے منکر تھے، اُن کے مقابلہ مین قرآن مجید نے قیامت کے ثبوت پر اس طرح استدلال کیا ہے،

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ، (لٰیٰسین - ۵)
کہدو کہ (ہڈیون کو) وہی دوبارہ زندہ کریگا جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا،

بعض خدا، اور جزا وسزا کے بھی قائل تھے، لیکن **نبوت** کے منکر تھے، ان کا ذکر اس آیت مین ہے،

وَقَالُوْا مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۚ (فرقان-۱)
اور کہتے ہین کہ یہ کیسا رسول ہو کہ کھاتا پیتا ہے اور بازار مین چلتا پھرتا ہی،

قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ (بنی اسرائیل)
کہتے ہین کہ خدا نے آدمی پیغمبر بنا کر بھیجا ہو؟

اُن کا خیــال تھا کہ اگر کوئی پیغمبر ہو سکتا ہے تو اس کو فرشتہ ہونا چاہیئے، جو حاجات انسانی سے منزہ ہو،

لیکن عموماً لوگ بُت پرست تھے، وہ بتون کو خدا نہین سمجھتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ خدا تک پہنچنے کے وسیلے ہین[1]،

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (زمر-۱)
ہم ان بتون کو صرف اس لئے پوجتے ہین کہ ہم کو خدا سے قریب کر دین،

قبیلۂ حمیر جو یمن مین رہتا تھا آفتاب پرست تھا، کنانہ، چاند کو پوجتے تھے، قبیلۂ بنی تمیم، دبران کی عبادت کرتا تھا، اسی طرح قیس شعریٰ کی، قبیلۂ اسد عُطارد کی، اور لخم وجذام، مشتری کی پرستش کرتے تھے،

---

[1] یہ تمام تفصیل "ملل ونحل" شہرستانی، مذاہب عرب کے ذکر مین ہو، ۲؎ طبقات الامم لابن صاعد الاندلسی مطبوعۂ بیروت ۱۹۱۲ء صفحہ ۴۳،

مشہور بتون اور اُن کے پوجنے والون کے نام حسب ذیل ہین،

نام بُت	مقام	قبیلہ جو اُس بُت کو پوجتا تھا،
لات	طائف	ثقیف،
عُزّیٰ	مکۂ معظمہ	قریش وکنانہ،
منات	مدینۂ منورہ	اوس، خزرج اور غسّان،
وَدّ	دومة الجندل	کلب،
سُواع		ہذیل،
یغوث		مذحج، اور بعض قبائل یمن،
یعوق		ہمدان،

سب سے بڑا بُت ہبل تھا، جو کعبہ کی چھت پر منصوب تھا، قریش لڑائیون مین اس کی جے پکارتے تھے،

عرب مین بُت پرستی کا بانی ایک شخص عَمرو بن لُحَیْ تھا، اُس کا اصلی نام ربیعہ بن حارثہ تھا، عرب کا مشہور قبیلۂ خزاعۃ اسی کی نسل سے ہے، عَمرو سے پہلے جرہم کعبہ کے متولّی تھے، عَمرو نے لڑکر جرہم کو مکہ سے نکالدیا، اور خود حرم کا متولی ہوگیا، وہ ایک دفعہ شام کے کسی شہر مین گیا، وہان کے لوگون کو بُت پوجتے دیکھا تو پوچھا کہ ان کو کیون پوجتے ہو، انھون نے کہا یہ حاجت روا ہین، لڑائیون مین فتح دلاتے ہین، قحط پڑتا ہے تو پانی برساتے ہین، عَمرو نے چند بُت اُن سے لے لئے اور لاکر کعبہ کے آس پاس قائم کیے،

کعبہ چونکہ عرب کا مرکز تھا، اس لئے تمام قبائل مین بُت پرستی کا رواج ہوگیا، ان مین سب سے قدیم بُت **مناۃ** تھا، یہ سمندر کے کنارے قدید کے قریب نصب تھا، اوس اور خزرج یعنی مدینہ کے لوگ اسی پر قربانی چڑھاتے تھے، اور جب کعبہ کا حج کرکے آتے تھے، تو احرام یہین اُتارتے تھے، ہذیل اور خزاعہ بھی اس کی پرستش کرتے تھے،[1]

یاقوت حموی نے معجم البلدان (ذکر مکہ) مین لکھا ہے کہ عرب مین بُت پرستی کی عام اشاعت کی وجہ یہ ہوئی کہ قبائل عرب جو تمام اطراف سے حج کو آتے تھے واپس جاتے ہوئے حرم کے پتھرون کو اٹھالیتے تھے، اور ان کو اصنام کعبہ کی صورت پر تراش کران کی عبادت کرتے تھے،

اللہ کا اعتقاد عرب، گو قریبًا سب کے سب بُت پرست تھے لیکن اس کے ساتھ یہ اعتقاد ان کے دل سے کبھی نہین گیا کہ اصلی خدا ایک برتر اور چیز ہے، اور وہی تمام عالم کا خالق ہے، اس خالق اکبر کو وہ "اللہ" کہتے تھے، قرآن مجید مین ہے،

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ	اور اگر ان لوگون (کافرون) سے پوچھو کہ آسمان
وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ	اور زمین کو کس نے پیدا کیا، اور چاند اور سورج
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○	کو کس نے تابعدار بنا رکھا ہے تو بول اٹھین گے
(سورۂ عنکبوت - ۶)	کہ اللہ، پھر کدھر بہکے جا رہے ہین،
فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ	پھر جب یہ کشتی مین سوار ہوتے ہین تو خدا ہی کو

[1] یہ تمام تفصیل معجم البلدان، ذکر مناۃ مین ہے،

مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ، فَلَمَّا نَجّٰھُمْ اِلَی الْبَرِّ اِذَا ھُمْ یُشْرِکُوْنَ۔ (سورۂ عنکبوت ۔۔۷)

خلوص کے ساتھ پکارتے ہین، پھر جب خدا اُن کو نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو شرک کرنے لگتے ہین،

قرآن مجید نے تیرہ سو برس پہلے جس حقیقت کا اظہار کیا، آج تحقیقات آثار قدیمہ بھی اسکی تصدیق کرتی ہے، مذاہب واخلاق کی انسائیکلوپیڈیا مین مشہور مستشرق نولڈیکی کا جو قول نقل کیا ہے اس کے اقتباسات حسب ذیل ہین :۔

"اللہ" جو صفا کے کتبون مین "ھلہ" لکھا ہوا ہے، نباتی اور دیگر قدیم باشندگان عرب شمالی کے نام کا ایک جزو تھا، مثلاً "زید اللّٰہی"۔۔۔۔ نباتی کتبات مین اللہ کا نام بطور ایک علیحدہ معبود کے نہین ملتا، لیکن صفا کے کتبات مین ملتا ہے، متاخرین مشرکین مین اللہ کا نام نہایت عام ہے، ولہاسن نے عرب قدیم کے لٹریچر مین بہت سی عبارتین نقل کی ہین جن مین اللہ کا لفظ بطور ایک معبود اعظم کے مستعمل ہوا ہے، نباتی کتبات مین ہم بار بار کسی دیوتا کا نام پاتے ہین جس کے ساتھ اللہ کا لقب شامل ہے، اس سے ولہاسن نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ کا لقب جو پہلے مختلف معبودون کے لئے استعمال ہوتا تھا، رفتہ رفتہ زمانۂ مابعد مین صرف ایک عظیم ترین معبود کے لئے بطور علم کے مخصوص ہوگیا۔

نصرانیت اور یہودیت اور مجوسیت اگرچہ زمانہ اور مدت کا تعین مشکل ہے، لیکن یہ تینون مذہب ایک مدت دراز سے عرب مین رائج ہو چکے تھے، علامہ ابن قتیبہ نے معارف مین لکھا ہے کہ قبائل ربیعہ وغسان نصرانی تھے، قضاعہ مین بھی اس مذہب کا اثر پایا جاتا تھا، نصرانیت

کو اس قدر ترقی ہوچکی تھی کہ خود مکہ معظمہ مین ایسے لوگ موجود تھے (مثلاً ورقہ بن نوفل) جو عبرانی
زبان مین انجیل کو پڑھ سکتے تھے، متعدد ایسے لوگ تھے جنھون نے شام مین جاکر تعلیم پائی تھی،
حمیر، بنو کنانہ، بنو حرث بن کعب، کندہ، یہ قبائل یہودی تھے، مدینہ منورہ مین یہود نے
پورا غلبہ پالیا تھا، اور توراۃ کی تعلیم کے لئے متعدد درسگاہین قائم تھین، جن کو بیت المدراس
کہتے تھے، حدیث کی کتابون مین اسی نام سے ان کا ذکر آتا ہے، قلعہ خیبر کی تمام آبادی یہودی
تھی، امرا القیس کا ہمعصر مشہور شاعر **سموئیل بن عادیا** جس کی وفاداری آج تک عرب
مین ضرب المثل ہے، یہودی تھا،

اہل کتاب کی روائتین مکہ معظمہ مین اس قدر رواج پاچکی تھین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
پر جب قرآن نازل ہوتا تھا اور اس مین بنی اسرائیل کے واقعات مذکور ہوتے تھے تو کفار
بدگمانی کرتے تھے کہ کوئی یہودی یا عیسائی آپ کو سکھاتا ہے، خود قرآن مجید مین ہے،

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ، (نحل-۱۴)	اور ہم جانتے ہین کہ وہ یہ کہتے ہین کہ محمد کو کوئی آدمی سکھاتا ہے،

قرآن مجید مین اس خیال کا ابطال بھی کردیا ہے، جس کی تفصیل مناسب موقع پر آئیگی،

قبیلۂ تمیم **مجوسی** تھا، زرارہ تمیمی نے، جو اس قبیلہ کا مشہور رئیس تھا، اسی بنا پر اپنی بیٹی
سے شادی کرلی تھی، گو اس پر اس کو ندامت ہوئی، اقرع بن حابس بھی مجوسی تھا،[1]

مذہب حنیفی | دین ابراہیمی کا اُس اصول توحید خالص تھی، زمانہ کے امتداد اور جہالت کے
شیوع سے یہ اصول اگرچہ شرک آلود ہوگیا تھا، یہان تک کہ خود خانہ خدا مین بتون کی پرستش

ہوتی تھی، تاہم بالکل فنا نہین ہو سکتا تھا، عرب مین کہین کہین اس کا دھندلا سا نشان نظر آتا تھا، جو لوگ صاحب بصیرت تھے اُن کو یہ منظر نہایت نفرت انگیز معلوم ہوتا تھا، کہ انسان عاقل، جماد لا یعقل کے سامنے سر جھکائے، اس بنا پر بت پرستی کی برائی کا خیال بہتون کے دل مین آیا، لیکن اس کا تاریخی زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ ہی پہلے شروع ہوتا ہے، ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی بُت کے سالانہ میلہ مین ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل شریک تھے، ان لوگون کے دل مین دفعۃً یہ خیال آیا کہ یہ کیا بیہودہ پن ہے کہ ہم ایک پتھر کے سامنے سر جھکاتے ہین جو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے، نہ کسی کا نقصان کر سکتا ہے، نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے، یہ چارون قریش کے خاندان سے تھے، ورقہ حضرت خدیجہؓ کے برادر عم زاد تھے، زید حضرت عمرؓ کے چچا تھے، عبداللہ ابن جحش حضرت حمزہؓ کے بھانجے تھے، عثمان عبدالعزیٰ کے پوتے تھے،

زید، دین ابراہیمی کی تلاش مین شام گئے، وہان یہودی اور عیسائی پادریون سے ملے، لیکن کسی سے تسلی نہین ہوئی، اس لئے اس اجمالی اعتقاد پر اکتفا کیا کہ "مین ابراہیمؑ کا مذہب قبول کرتا ہون"، صحیح بخاری مین (باب بنیان الکعبہ سے پہلے) حضرت اسماءؓ (دختر ابوبکر صدیقؓ) سے روایت ہے کہ مین نے زید کو اس حالت مین دیکھا کہ کعبہ سے پیٹھ لگائے لوگون سے کہتے تھے، "اے اہل قریش! تم مین سے کوئی شخص بجز میرے ابراہیمؑ کے دین پر نہین ہے"!!

عرب مین لڑکیون کو زندہ دفن کر دیتے تھے، زید ہی پہلے شخص ہین جس نے اس

رسم کی ممانعت کی، جب کوئی شخص ایسا ارادہ کرتا تو وہ جا کر اُس لڑکی کو مانگ لیتے اور خود اُسکی پرورش کرتے،

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے زید کو دیکھا تھا اور اُن سے صحبت رہی تھی، ورقہ اور عبداللہ بن جحش، اور عثمان بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہوگئے تھے،

اسی زمانہ کے قریب امیہ بن ابی صلت نے جو طائف کا رئیس اور مشہور شاعر تھا بت پرستی کی مخالفت کی، حافظ ابن حجر نے اصابہ میں زبیر بن بکار کی سند سے لکھا ہے کہ امیہ نے زمانۂ جاہلیت میں آسمانی کتابیں پڑھی تھیں، اور بت پرستی کو چھوڑ کر دین ابراہیمی اختیار کر لیا تھا،

امیہ کا دیوان آج بھی موجود ہے، اگرچہ اس کا بڑا حصہ جعلی ہے تاہم اصلی کلام بھی اس میں پایا جاتا ہے، وہ غزوۂ بدر تک زندہ رہا، عتبہ جو رئیس مکہ اور امیر معاویہ کا نانا تھا، امیہ کا ماموں زاد بھائی تھا، امیہ نے اس کے قتل ہونے کی خبر سنی تو اس کو سخت صدمہ ہوا، اور نہایت پُر درد مرثیہ لکھا، غالباً اسی کا اثر تھا کہ اسلام قبول نہ کر سکا،

شمائل میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ردیف تھے انھوں نے امیہ کا ایک شعر پڑھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اور" انھوں نے سو شعر پڑھے، ہر شعر کے ختم ہونے پر آپ فرماتے جاتے تھے کہ "اور" اخیر میں آپ نے فرمایا کہ "امیہ مسلمان ہوتے ہوتے رہ گیا"

ابن ہشام نے بُت پرستی کی مخالفت کرنے والوں میں انہی چاروں کا نام لکھا ہے لیکن اور تاریخی شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں اور متعدد اہل نظر پیدا ہوگئے

تھے جنھون نے بت پرستی سے توبہ کی تھی، ان مین سب سے زیادہ مشہور شخص عرب کا نامور خطیب قس بن ساعدۃ الایادی ہے، اس کا تذکرہ آگے آتا ہے، ایک شخص قیس بن نشبہ تھا جس کی نسبت حافظ ابن حجر نے اصابہ مین لکھا ہی کہ جاہلیت کے زمانہ مین خدا پرست ہو چکا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر مشرف بہ اسلام ہوا،

یہ تحقیق نہین کہ دین ابراہیمی کو حنیفی کیون کہتے ہین، قرآن مجید مین یہ لفظ موجود ہی، لیکن اس کے معنی مین اختلاف ہی، مفسرین لکھتے ہین کہ چونکہ اس دین مین بت پرستی سے انحراف تھا، اس لئے اس کو حنیفی کہتے ہین، کیونکہ حنف کے معنی انحراف کے ہین، عبرانی اور سریانی[1] زبان مین حنیف کے معنی منافق اور کافر کے ہین، ممکن ہے کہ بت پرستون نے یہ لقب دیا ہو، اور موحدین نے فخریہ قبول کر لیا ہو،

یہ امر اکثر روایتون سے ثابت ہے کہ عرب، اور خصوصاً مکہ اور مدینہ مین متعدد اشخاص بت پرستی کے منکر ہو گئے تھے، اور ملت ابراہیمی کی جستجو مین تھے، یہ اس لئے کہ مجدد ملت ابراہیمی کے ظہور کا وقت قریب آگیا تھا،

ان چند راہ طلب اور حقیقت جو اشخاص کے وجود کی بنا پر مصنفین یورپ کہتے ہین کہ مذہب صحیح اور توحید خالص کا رواج عام عرب مین اسلام سے پہلے بھی موجود تھا، لیکن اگر یہ صحیح ہے تو یہ حیرت انگیز بات ہے کہ اسلام کے ظہور پر اس قدر کیون ہنگامہ برپا ہوا؟

---

[1] یہ مارگولیوس کا بیان ہے،

کیا عرب میں ان مذاہب نے کچھ اصلاح کی،	جیسا کہ اوپر بیان ہوا، عرب میں تمام مشہور مذاہب موجود تھے، یہودیت بھی، نصرانیت بھی، مجوسیت بھی حنیفیت بھی، اور

عقلی بلند پروازی کی معراج، الحاد بھی لیکن ان سب کا نتیجہ کیا تھا؟ عقائد کے لحاظ سے یا تو خداؤن کی وہ کثرت جس کو نصرانیت نے بہت گھٹایا، تاہم تین کی تعداد سے کم نہ کر سکی، اس کے ساتھ یہ اعتقاد کہ حضرت عیسیٰؑ خود سولی پر چڑھ کر تمام بنی آدم کے گناہون کا کفارہ بن گئے، یا توحید تھی، لیکن خدا اس قسم کا تھا، جو آدمیون سے کشتی لڑتا تھا[1]

بتون پر آدمیون کی قربانی چڑھائی جاتی تھی، باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی، حقیقی بہنون سے ایک ساتھ شادی جائز تھی، ازدواج کی کوئی حد نہ تھی، قماربازی شراب خواری، زناکاری کا رواج عام تھا، بیحیائی کی یہ حالت تھی کہ سب سے بڑا مورخ شاعر امراء القیس جو شہزادہ بھی تھا قصیدہ مین اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا قصہ مزے لے کر بیان کرتا ہے، اور یہ قصیدہ کعبہ پر آویزان کیا جاتا ہے،

لڑائیون مین لوگون کو زندہ جلا دینا، مستورات کے پیٹ چاک کر ڈالنا، معصوم بچون کو تہ تیغ کرنا، عموماً جائز تھا، عیسائیون کے بیان کے مطابق عرب قبل اسلام، تمام مذاہب مین سب سے زیادہ عیسائیت سے متاثر تھا، تاہم اس اثر کا کیا نتیجہ تھا؟ اس کو خود عیسائی مورخین کی زبان سے سننا چاہیے؛ ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے:-

"عیسائیون نے عرب کو پانسو برس، تعلیم و تلقین کی، اس پر بھی خال خال عیسائی

---

[1] توراۃ تکوین، آیت ۲۲ تا ۲۹ میں حضرت یعقوبؑ کے خدا سے کشتی لڑنے کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے،

نظر آتے تھے یعنی بنو حارث نجران مین، بنو حنیفہ یمامہ مین، اور کچھ بنی طے مین عیسائی تھے، باقی خیریت ...... بالآخر عرب کو من حیث المذہب دیکھئے تو اسکی سطح پر عیسائیون کی ضعیف کوششون کی کچھ خفیف سی موجین لہراتی نظر آتی تھین، اور یہود کی قوت بھی کبھی بڑی شدت سے طغیانی کرتی نظر آتی تھی لیکن بت پرستی اور بنو اسمٰعیل کے بیہودہ اعتقادات کا دریا ہر سمت سے جوش مارتا ہوا کعبہ سے آکر ٹکراتا تھا۔[1]

یہ حالت صرف عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ تمام دنیا مین یہی تاریکی چھائی ہوئی تھی (اسکی تفصیل کتاب کے دوسرے حصہ مین آئے گی) کیا اس عام ظلمت، اس عالمگیر تیرگی، اس وسیع اور ہمہ گیر تاریکی مین ایک آفتاب عالمتاب کی حاجت نہ تھی؟

[1] میور صاحب کی لائف آف محمدؐ جلد ۱ دیباچہ،

سلسلۂ اسمٰعیلی

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مورخین عرب نے عرب کی تین قسمیں کی ہیں،
عرب کی وہ قدیم قومیں جو بالکل برباد ہو گئیں، مثلاً طسم و جدیس وغیرہ،
خالص عرب جو قحطان کی اولاد ہیں، مثلاً اہل یمن اور انصار (اور تیسرا سلسلۂ اسمٰعیلی)
حضرت اسمٰعیلؑ جب مکہ میں آباد ہوئے، تو حوالی مکہ میں بنو جرہم آباد تھے، حضرت اسمٰعیل
نے اس خاندان میں شادی کی، اس سے جو اولاد ہوئی وہ عرب مستعربہ کہلاتی ہے، اکثر عرب
کا بڑا حصہ اسی خاندان سے ہے،

پیغمبر اسلامؐ اور خود اسلام کی تاریخ تمام تر اسی اخیر سلسلہ سے وابستہ ہے، کہ آنحضرت (صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم) حضرت اسمٰعیلؑ ہی کے خاندان سے ہیں، اور جو شریعت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)
کو عنایت ہوئی وہی ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو عطا ہوئی تھی، قرآن مجید میں ہے،

مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ — تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب، اسی نے

سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ (روقی) — اس سے پہلے تمہارا نام مسلم رکھا (اور اس قرآن میں بھی)

لیکن یورپ کے بہت سے متعصب مورخ سرے سے ان حقائق کے منکر ہیں، یعنی نہ
حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ عرب میں آئے، نہ انھوں نے کعبہ کی بنیاد ڈالی، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد ہیں،

چونکہ ان مباحث نے مذہبی تعصب کی صورت اختیار کر لی ہے، اس لیے یہ توقع مشکل

ہو کہ ہم اس بحث کو اس طرح طے کر سکین گے کہ استدلال کی بنیاد، یورپ کے مسلمات پر رکھی جائے،

جو واقعات مختلف فیہ ہین بہت ہین لیکن اصولی امور صرف دو ہین جنمین دونون فریق کا کوئی قدر مشترک نظر نہین آتا، یہ اصول جس فریق کے موافق طے ہون اس کے فرعی جزئیات بھی اُسی کے موافق تسلیم کر لینے چاہئین، اصول مذکورہ حسب ذیل ہین،

۱۔ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ عرب مین آکر آباد ہوے یا نہین؟

۲۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحاقؑ کو قربانی کرنا چاہا تھا، یا حضرت اسمٰعیلؑ کو؟

(حضرت اسمٰعیلؑ کہاں آباد ہوے؟) جو لوگ مدعی ہین کہ حضرت اسحاقؑ ذبیح ہین، اس بنا پر وہ قربانی گاہ کا موقع شام بتاتے ہین، لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت اسحاقؑ نہین، بلکہ حضرت اسمٰعیلؑ تھے تو قربانی گاہ کے موقع کی نسبت عرب ہی کی روایتین تسلیم کرنی پڑین گی، اور اس حالت مین تاریخ کی تمام کڑیان متصل ہو جائین گی،

توراۃ مین مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی پہلی اولاد حضرت ہاجرہ کے بطن سے ہوئی جس کا نام اسمٰعیل رکھا گیا، حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد حضرت سارہؑ کے بطن سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوے، حضرت اسمٰعیلؑ جب بڑے ہوے تو حضرت سارہؑ نے یہ دیکھ کر کہ وہ حضرت اسحاقؑ کے ساتھ گستاخی کرتے ہین، حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ ہاجرہ اور اس کے بیٹے کو گھر سے نکال دو، ان واقعات کے بعد توراۃ کے خاص الفاظ یہ ہین:-

"تب ابراہیم نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی، اور ہاجرہ

کو اس کے کاندھے پر دھر کر دی، اور اس لڑکے کو بھی رخصت کیا، وہ روانہ ہوئی،
بیرسبع کے بیابان مین بھٹکتی پھرتی تھی اور جب مشک کا پانی چک گیا تب اس نے
اس لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈالدیا، اور آپ اس کے سامنے ایک تیر کے ٹپے
پر دور جاکر بیٹھی کیونکہ اس نے کہا مین لڑکے کا مرنا نہ دیکھون، سو وہ سامنے بیٹھی اور
چلاچلا کر روئی، تب خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی، اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے
ہاجرہ کو پکارا، اور اس سے کہا کہ اے ہاجرہ! تجھ کو کیا ہوا، مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز
جہان وہ پڑا ہے خدا نے سنی، اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ
مین اس کو ایک بڑی قوم بناؤن گا، پھر خدا نے اس کی آنکھین کھولین اور اس نے پانی
کا ایک کنوان دیکھا، اور جاکر اپنی مشک کو پانی سے بھرلیا، اور لڑکے کو پلایا، اور
خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا، اور وہ بڑھا اور بیابان مین رہا کیا اور تیرانداز ہوگیا اور وہ فاران
کے بیابان مین رہا، اور اسکی مان نے ملک مصر سے ایک عورت بیاہنے کو لی" (توراۃ سفر پیدائش باب ۲۱)

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ جب گھر سے نکالے گئے تو بالکل بچہ تھے،
چنانچہ حضرت ہاجرہؓ نے مشک کو اور ان کو کاندھے پر اٹھایا، عربی توراۃ مین صاف یہ الفاظ ہین۔

واضعًا ایاھا علی کتفھا والولد — حضرت ابراہیمؑ نے مشک اور بچہ دونون کو ہاجرہ کے کندھے پر رکھا،

لیکن توراۃ مین یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوے تو حضرت
ابراہیمؑ کی عمر ۸۶ برس کی تھی، اور جب حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کا ختنہ کیا تو حضرت

اسمٰعیلؑ کی عمر ۱۳ برس کی، اور حضرت ابراہیمؑ کی ننانوے ۹۹ برس کی تھی۔

یہ ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے گھر سے نکالے جانے کا واقعہ ختنہ کے بعد کا ہوگا اس لئے اس وقت قطعاً اُن کی عمر ۱۳ برس سے زیادہ تھی، اور اس سن کا لڑکا اتنا چھوٹا نہیں ہوتا کہ ماں اُسے کندھے پر اٹھائے پھرے، اس واقعہ سے غرض یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر اس وقت اتنی ہو چکی تھی کہ حضرت ابراہیمؑ، ان کو، اور ان کی والدہ کو اصلی مقام سکونت سے کسی دور مقام پر لاکر آباد کر سکتے تھے،

توراۃ کی عبارتِ مذکورہ میں تصریح ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ فاران میں رہتے اور تیراندازی کرتے رہے عیسائی کہتے ہیں کہ فاران اُس صحرا کا نام ہے جو فلسطین کے جنوب میں واقع ہے، اس لئے حضرت اسمٰعیلؑ کا عرب میں آنا خلافِ واقعہ ہے،

جغرافیہ دانانِ عرب عموماً متفق ہیں کہ فاران، حجاز کے پہاڑوں کا نام ہے، چنانچہ معجم البلدان میں صاف تصریح ہے لیکن عیسائی مصنفین اس سے اتفاق نہیں کر سکتے، اس کا فیصلہ ایک بڑی طول طویل بحث پر مبنی ہے، جو مباحثہ اور مناظرہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے، اس لئے ہم اس کو قلم انداز کرتے ہیں، البتہ اس قدر بتانا ضروری ہے کہ عرب کی حدِ شمالی کسی زمانہ میں کس حد تک وسیع تھی،

موسیو لیبان، تمدنِ عرب میں لکھتے ہیں:-

"اس جزیرے کی حدِ شمالی اس قدر صاف اور آسان نہیں ہے یعنی یہ حد اس طرح پر قائم ہوتی ہے کہ غزہ سے جو فلسطین کا ایک شہر اور بحرِ متوسط پر واقع ہے، ایک خط

جنوب بحر لوط تک کھینچا جائے اور وہاں سے دمشق اور دمشق سے دریاے فرات تک،

اور دریاے فرات کے کنارے کنارے لاکر خلیج فارس مین ملادیا جائے اپس اس خط

کو عربستان کی حد شمالی کہ سکتے ہین۔"

اس بنا پر عرب کے حجازی حصہ کا فاران مین محسوب ہونا خلاف قیاس نہین،

توراۃ[1] مین جہان حضرت اسمٰعیل کی جاے سکونت کا بیان ہے، وہان یہ الفاظ ہین:۔

"اور وہ حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اُس راہ مین ہو جس سے سور کو جاتے

ہین، بستے تھے۔"

اس تحدید مین مصر کے سامنے جو زمین پڑتی ہے وہ عرب ہی ہو سکتا ہے، نصاریٰ

کی مقدس کتابون مین جس قدر اعتنا ہے، بنو اسرائیل کے ساتھ ہے، بنی اسمٰعیل کا ذکر محض ضمنی

طور پر آجاتا ہے، اور اس وجہ سے حضرت اسمٰعیل کا عرب مین آباد ہونا بہ تصریح نہین ملتا، لیکن

مختلف تلمیحات سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہ کا عرب مین آباد ہونا ایک مسلمہ امر تھا،

عہد جدید مین جس کو عیسائی وحی الٰہی سمجھتے ہین، پولوس کا ایک خط گلتیون کے نام ہے اس

مین یہ عبارت ہے[2]:۔

"ابراہیم کے دو بیٹے تھے، ایک لونڈی سے، دوسرا آزاد سے، پر وہ جو لونڈی سے تھا جسم

کے طور پر پیدا ہوا، اور جو آزاد سے تھا، سو وعدے کے طور پر، یہ باتین تمثیلی بھی مانی جاتی

ہین، اس لئے کہ یہ عورتین دو عہد ہین، ایک تو سینا پہاڑ سے جو ہوا وہ نرے غلام جنتی

ہے، یہ ہاجرہ ہے، کیونکہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے، اور اب کے یروشلم کا جواب ہے۔"

اگرچہ معلوم نہین کہ اصلی عبارت کیا تھی، اردو اور عربی دونون ترجمے ناصاف ہین، تاہم اس قدر واضح ہے کہ پولوس جو حضرت عیسیٰؑ کے سب سے بڑے جانشین ہین، حضرت ہاجرہؑ کو عرب کا کوہِ سینا کہتے تھے، اگر حضرت ہاجرہؑ عرب مین آباد نہ ہوئی ہوتین تو اُن کو عرب کا کوہِ سینا کہنا کیا معنی رکھتا ہے، آگے چل کر مکہ کے ذکر مین یہ بحث زیادہ مؤید ہوجائیگی،

ذبیح کون ہے؟ توراۃ اگرچہ یہودیون کی عدم احتیاط، اغراض ذاتی اور زمانہ کے انقلابات سے سرتاپا مسخ ہوگئی ہے، اور خصوصاً پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس مین جو تصریحات اور تلمیحات تھین یہود کے دستِ تصرف نے ان کو بالکل برباد کردیا ہے، تاہم حقائق کے عناصر اب بھی ہر جگہ موجود ہین، توراۃ مین گو تصریحاً حضرت اسحٰقؑ کا ذبیح ہونا لکھا ہے لیکن مطاوی کلام مین اس بات کے قطعی دلائل موجود ہین کہ وہ ہرگز ذبیح نہ تھے، اور نہ ہوسکتے تھے، امور ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے،

۱- شریعت سابقہ کے رو سے، قربانی صرف اُس جانور یا آدمی کی ہوسکتی تھی جو پہلوٹا بچہ ہو، اسی بنا پر ہابیل نے جن بھیڑون کی قربانی کی تھی وہ پہلوٹے بچے تھے، خدا نے حضرت موسیٰؑ سے جہان لاویون کے متعلق احکام ارشاد فرمائے، وہان فرمایا ہے

لان لی کل بکر فی بنی اسرائیل	کیونکہ بنو اسرائیل مین آدمی اور جانور کا ہر
من الناس والبہائم،	پہلوٹا بچہ میرے لیے ہے (عدد ۸-۱۷)

۲- پہلوٹے بچہ کی افضلیت کسی حالت مین زائل نہین ہوسکتی، توراۃ مین ہو کہ اگر کسی شخص کی دو بیبیان ہون، ایک محبوبہ ہو، اور دوسری غیر مرغوبہ، تو فضیلت اُسی اولاد کو

ہوگی جو پہلونٹی ہو، گو وہ غیر مرغوبہ سے ہو،

فانہ اوّل قدرتہ دلہ حق	کیونکہ وہ اُس کی پہلی قدرت ہے، اور اُسکی
البکوریۃ (سفر تثنیہ اصحاح ۲۱ آیت ۱۵ تا ۱۷)	اولاد اولین ہونے کا حق ہے،

۳۔ جو اولاد خدا کو نذر کر دی جاتی تھی اُس کو باپ کا ترکہ نہیں ملتا تھا، توراۃ میں ہے،

فی ذلک الوقت افرز الرب سبط	تب خدا نے لاوی کی اولاد کو اس لئے
لاوی لیحملوا تابوت عہد الرب	مخصوص کر لیا کہ خدا کے عہد کا تابوت اُٹھائے،
ولکی یقفوا امام الرب لیخدموہ	اور تاکہ خدا کے آگے کھڑا ہو تاکہ وہ خدا کی
ویبارکوا باسمہ الی ہذا الیوم لاجل	خدمت کریں اور اس کے نام سے آج تک
ذلک لم یکن للاوی قسم ولا نصیب	برکت لیں، یہی وجہ ہے کہ لاویوں کو اپنے
مع اخوتہ الرب ہو نصیبہ،	بھائیوں کیساتھ کوئی حصہ اور ترکہ نہیں ملا،
(توراۃ، اصحاح ۱۰۔ آیت ۸ و ۹)	کیونکہ ان کا حصہ خدا ہے،

۴۔ جو شخص خدا کی نذر کر دیا جاتا تھا، وہ سر کے بال چھوڑ دیتا تھا، اور معبد کے پاس جا کر منڈاتا تھا جس طرح آج حج میں احرام کھولنے کے وقت بال منڈاتے ہیں، توراۃ میں ہے

فہا انک تحملین وتلدین ابنا	اب تو حاملہ ہوگی اور بچہ جنے گی، اور اسکے
ولا یعلو موسی راسہ لان	سر پر استرا نہ پھیرا جائے کیونکہ یہ بچہ خدا
الصبی یکون نذیرا للہ،	کے لئے نذر کیا جائے گا،

(قضاۃ اصحاح ۱۳ آیت ۵)

۵۔ جو شخص خدا کا خادم بنایا جاتا تھا، اس کے لئے "خدا کے سامنے" کا لفظ استعمال

کرتے تھے۔ (توراۃ سفر عدد ۹-۱۶ و ۲۰ و سفر تکوین ۱۷ و تثنیہ ۱۰-۸)

۶- حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا، اس مین قید تھی کہ وہ بیٹا قربانی کیا جائے جو اکلوتا ہو، اور محبوب ہو (توراۃ، تکوین، اصحاح ۲۲- آیت ۲)

اب اصل مسئلہ پر غور کرو، لیکن پہلے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت مین قربانی کرنا اور خدا پر نذر چڑھانا، ایک بات تھی یعنی دونون کے لئے ایک ہی لفظ استعمال کرتے تھے؟

اگر یہ کہا جائے کہ بچہ کو فلان معبد مین قربانی چڑھا دو، تو اس کے یہ معنی تھے کہ وہ اس معبد کی خدمت اور مجاورت کے لئے گھر سے الگ کر دیا جائے، لیکن یہ لفظ جب جانورون کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، تو حقیقی قربانی کے معنی مراد ہوتے تھے، توراۃ مین خدا کی زبان سے مذکور ہے،

لان لی کل بکر فی بنی اسرائیل	کیونکہ بنی اسرائیل مین آدمی اور جانور کا
من الناس والبھائم،	ہر پہلو ٹا بچہ میرے لئے ہے،

اسی اصحاح مین تصریح کے ساتھ مذکور ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ تم بنی اسرائیل مین سے لاویون کو لو، اور اُن کو خدا کے سامنے پیش کرو، کہ خدا کے لئے خاص کر دیئے جائین اور یہ لوگ دو گایون کے سر پر ہاتھ رکھین جو قربانی کیجائین۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب مین بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا، اُس سے بھی یہی مراد تھی کہ بیٹے کو معبد کی خدمت کے لئے نذر چڑھا دین، حضرت ابراہیمؑ نے پہلے

اس خواب کو علمی اور حقیقی سمجھا، اور اس لیے بعینہ اس کی تعمیل کرنی چاہی، لیکن بعد مین ظاہر ہوا کہ وہ تمثیلی خواب تھا، اس بنا پر حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کو خانۂ خدا کی خدمت کے لئے خاص کر دیا، اور جو شرطین قربانی کی تھین قائم رکھین،

بیانِ مذکورۂ بالا کے ذہن نشین کرنے کے بعد دلائلِ ذیل پیش نظر رکھنے چاہئین :

(۱) حضرت اسحاقؑ کی ولادت حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد ہے، اس بنا پر حضرت اسحاقؑ اکلوتے بیٹے نہین، اور چونکہ قربانی کے لئے اکلوتے بیٹے کی شرط ہے، اس لئے حضرت اسحاقؑ کی قربانی کا حکم نہین ہو سکتا تھا،

(۲) حضرت اسحاقؑ کو حضرت ابراہیمؑ نے اپنا تمام ترکہ دیا، بخلاف اس کے حضرت اسمٰعیلؑ، اور اُن کی والدہ کو صرف پانی کی ایک مشک دیکر رخصت کیا، یہ اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحاقؑ کو قربانی یعنی معبد پر نذر نہین چڑھایا تھا

(۳) حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان مین مدت تک یہ رسم قائم رہی کہ لوگ سر کے بال نہین منڈاتے تھے، حج مین احرام کے زمانہ تک جو بال نہین منڈاتے، یہ اسی سنتِ اسماعیلی کی یادگار ہے،

(۴) جو الفاظ قربانی اور نذر چڑھانے کے لئے ملتِ ابراہیمی مین استعمال کئے جاتے تھے، از وہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کے لئے استعمال کئے نہ کہ حضرت اسحاقؑ کے لئے، توراۃ مین ہے کہ جب خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی خوشخبری دی تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا،

لیتَ اسمٰعیل یعیش اَمَامَک   کاش اسماعیل تیرے سامنے زندہ رہتا،

توراۃ میں جہاں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے (سامنے زندہ رہنا) انہی معنوں میں ہوا ہے۔

(۵) حضرت اسمٰعیل حضرت ابراہیم کی محبوب ترین اولاد تھے، توراۃ جو تمام تر حضرت اسحاقؑ کی یکطرفہ داستان ہے، اس میں حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے جو امتیازی خصائص بیان کئے ہیں، یہ ہیں کہ حضرت اسحاقؑ خدا کے وعدہ اور عہد کا مظہر ہیں[۱] اور حضرت اسمٰعیلؑ دعوتِ ابراہیم ہیں، یعنی حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور خواہش سے پیدا ہوئے[۲] اسی بنا پر خدا نے ان کا نام اسمٰعیلؑ رکھا، کیونکہ اسماعیل دو لفظوں سے مرکب ہے، سمع اور ایل، "سمع" کے معنی "سننے" کے اور "ایل" کے معنی "خدا" کے ہیں[۳] یعنی خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا "سن لی" توراۃ میں ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ "اسمٰعیل کے بارے میں میں نے تیری سن لی" حضرت ابراہیم کو جب خدا نے حضرت اسحاقؑ کی خوشخبری دی تو حضرت ابراہیمؑ نے اس موقع پر بھی حضرت اسماعیلؑ کو یاد کیا، غرض چونکہ حضرت ابراہیمؑ کو قربانی کا جو حکم ہوا تھا، اس میں قید تھی کہ محبوب ترین بیٹا ہو، اس لئے حضرت اسماعیلؑ ہی ذبیح ہو سکتے ہیں نہ کہ حضرت اسحاقؑ،

۶- حضرت اسحاقؑ کی جب خدا نے بشارت دی تو ساتھ ہی یہ بھی بشارت دی کہ میں اس کی نسل سے ابدی عہد باندھوں گا، توراۃ میں ہے،

"پھر خدا نے کہا بلکہ تیری بیوی سارہ تیرے لئے ایک بیٹا جنے گی اور اس کا نام اسحاق

[۱] توراۃ تکوین ۱۷-۱۰، [۲] تکوین اصحاح ۱۵ [۳] تکوین اصحاح ۱۷ و ۱۸،

رکھیگا، اور مین ابدی عہد اس کی نسل سے قائم کرون گا" (توراۃ تکوین اصحاح ۱۷ آیت ۱۹)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ توراۃ مین مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا اور فرشتہ نے ندا دی کہ ہاتھ کو روک لو، تو فرشتہ نے یہ الفاظ کہے:

"خدا کہتا ہے کہ چونکہ تونے ایسا کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہین رکھا، مین تجھ کو برکت دونگا اور تیری نسل کو آسمان کے ستارون اور ساحل بحر کی ریتی کی طرح پھیلا دون گا" (توراۃ تکوین، اصحاح ۲۲۔ آیت ۱۵)

اب غور کرو کہ خدا نے جب حضرت اسحاقؑ کی بشارت ہی کے وقت یہ کہدیا تھا کہ مین اس کی نسل قائم رکھون گا، تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ جس وقت تک حضرت اسحاقؑ[1] کی اولاد نہین پیدا ہوئی تھی، ان کی قربانی کا حکم ہوتا، لیکن حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبیح تسلیم کیا جائے تو تمام نصوص منطبق ہو جاتے ہین، حضرت اسمٰعیلؑ اکبر اولاد تھے، محبوب تر تھے، قربانی کے وقت بالغ یا قریب البلوغ تھے، قربانی سے پہلے ان کی کثرت نسل کی بشارت نہین دی گئی، توراۃ مین تصریح ہے کہ چونکہ ابراہیمؑ نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا، اس لئے اس بیٹے کی کثرت نسل کا وعدہ کیا گیا، یعنی یہ کثرت نسل اسی قربانی کے صلہ مین تھی، اس لئے ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہی ہو سکتے ہین، کیونکہ حضرت اسحاقؑ کی تکثیر نسل کا وعدہ تو ان کی ولادت ہی کے وقت ہو چکا تھا، جو کسی انعام و صلہ کے معاوضہ مین نہ تھا۔

مقام قربانی | ۷۔ توراۃ مین قربانگاہ کا جو موقع بتایا ہے، وہ "مریا" ہے، یہودی کہتے ہین

[1] یہ مسلّم ہے کہ حضرت اسحاقؑ کی اولاد، حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے بعد پیدا ہوئی (تکوین، اصحاح ۲۵ آیت ۲۱)

کہ یہ وہ جگہ ہے جہان حضرت سلیمانؑ کا ہیکل تھا، عیسائی کہتے ہین، یہ اس جگہ کا نام ہے جہان حضرت عیسیٰؑ کو سولی دی گئی،

لیکن یورپ کے محققون نے ان دونون دعوون کی تغلیط کی ہے، سمراسا ئلی لکھتے ہین:-

"حضرت ابراہیمؑ صبح کے وقت، اپنے خیمہ سے نکل کر اس مقام پر گئے، جہان اُن کو خدا نے حکم دیا تھا، لیکن یہ موریا کا پہاڑ نہین ہے جیسا کہ یہود کا دعوی ہے، نہ عیسائیون کے خیال کے موافق قبر مقدس کے گرجا کے پاس ہے، یہ قیاس تو یہودیون کے قیاس سے بھی زیادہ بعید ہے، اور اس سے بھی جو مسلمانون کا دعوی ہے کہ وہ جبل عرفات[1] ہے، غالباً یہ مقام جریزیم کے پہاڑ پر ہے، اور وہی قربانی گاہ سے مشابہ مقام ہے"

اس سے تو اتنا ثابت ہوا کہ موریا کے تعین مین یہودیون اور عیسائیون کے دعوے غلط ہین، باقی یہ امر کہ مسلمانون کا دعویٰ بھی غلط ہے، اس کی تحقیق آگے آتی ہے،

موریا کی تعین مین جو اختلاف پیدا ہوا، اُس نے ایک اور اختلاف پیدا کر دیا یعنی یہ کہ یہ لفظ کسی مقام کا نام ہے، یا وصفی معنی رکھتا ہے، بہت سے مترجمون نے اس کو ایک مشتق لفظ سمجھا، اور اس لئے اس کا ترجمہ توراۃ کے بعض نسخون مین "ارض عالیہ" اور بعض مین "زمین بلند" اور بعض مین "مقام الرویا" کیا، لیکن زیادہ صائب الرائے لوگون نے اس کو مقام کا نام سمجھا اور اس لئے لفظ کا ترجمہ نہین کیا، بلکہ بحال خود رہنے دیا، لیکن امتداد زمانہ اور بے پروائی سے لفظ کی ہیئت بدل گئی، یعنی مُریا کا مورہ ہو گیا، خصوصاً اس وجہ سے کہ

---

[1] یہ غلط ہے، مسلمان عرفات کو نہین، بلکہ منیٰ کو قربانی گاہ سمجھتے ہین،

عبرانی زبان میں دونوں لفظوں کا املا قریب ہے،

مورہ کی نسبت توراۃ میں تصریح ہے کہ عرب میں واقع ہے، توراۃ میں ہے،

وکان جیش المدیانیین شمالیہم	اور مدیانیون[۱] کی فوج شمال کی جانب
عند تل مورۃ فی الوادی،	مورہ کی پہاڑی پر وادی میں تھی (مدیان عرب میں واقع ہے)
(قضاۃ - اصحاح ۷ - آیت ۱)	

تمام واقعات اور قرائن کو پیش نظر رکھا جائے تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ لفظ مورہ نہیں بلکہ مروہ ہے جو مکہ معظمہ کی پہاڑی ہے اور جہاں اب سعی کی رسم ادا کی جاتی ہے، عرب کی روایات، قرآن مجید کی تصریح، احادیث کی تعیین، تمام چیزیں اس قیاس سے اس قدر مطابق ہوتی جاتی ہیں کہ اس قسم کا تطابق بغیر صحت واقعہ کے ممکن نہیں،

تفصیل اس کی یہ ہے:

حدیث میں ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مروہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا "قربانی گاہ یہ ہے اور مکہ کی تمام پہاڑیاں اور گھاٹیاں قربانی گاہ ہیں"[۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مروہ میں قربانی نہیں ہوتی تھی، بلکہ منیٰ میں ہوتی تھی، جو مکہ سے تین میل پر ہے، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ ہی کو قربانی گاہ فرمایا، یہ اسی بنا پر تھا کہ حضرت ابراہیم نے یہیں حضرت اسمٰعیل کی قربانی کرنی چاہی تھی،

---

[۱] مدین عرب کی زمین ہے اور عرب کو اکثر مدیانیون کہتے ہیں، اور مدین کی زمین شام کے جنوب میں تبوک تک ہے اور یہ لوگ حضرت ابراہیم کی اولاد میں جو قطورا سے تھے (ضمیمہ بائبل صفحہ ۱۱۴) [۲] موطا امام مالک

قرآن مجید میں ہے،

ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ (حج - ۴) پھر قربانی کے جانوروں کی جگہ کعبہ ہے

هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ ، (مائدہ ۱۳) قربانی جو کہ کعبہ میں پہنچے،

مروہ بالکل کعبہ کے مقابل، اور اُس کے قریب ہے، ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی کی اصلی جگہ کعبہ ہے منیٰ نہیں، لیکن جب حجاج کی کثرت ہوئی تو کعبہ کے حدود کو منیٰ تک وسعت دے دی گئی،

قربانی کی یادگار | یہودی حضرت اسحاقؑ کی اولاد ہیں، اس لئے اگر حضرت اسحاقؑ ذبیح ہوتے تو اسکی کوئی یادگار ان کے ہاں موجود ہوتی، بخلاف اس کے حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان بلکہ تمام مسلمانوں میں جو حضرت اسمٰعیلؑ کی روحانی اولاد ہیں قربانی کی تمام رسمیں آج تک موجود ہیں اولادِ اسمٰعیلؑ میں قربانی کی تمام یادگاریں موجود ہیں، اور حج جو کہ ایک بڑا فریضہ اسلام ہے، تمام تر اسی قربانی کی یادگار ہے، چنانچہ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے،

۱- حضرت ابراہیمؑ کو جب خدا نے بیٹے کی قربانی کا حکم دینا چاہا، تو پکارا! اے ابراہیم! حضرت ابراہیمؑ نے کہا "میں حاضر ہوں[1]"

حج کے وقت مسلمان جو ہر قدم پر لبیک کہتے چلتے ہیں، یہ وہی ابراہیمی الفاظ ہیں، جن کا لفظی ترجمہ وہی ہے "میں حاضر ہوں[2]"

۲- شریعتِ ابراہیمی میں دستور تھا کہ جس کو قربان گاہ پر چڑھاتے تھے، یا خدا کے لئے

---

[1] توراۃ تکوین - اصحاح ۲۲ - آیت ۱ - [2] توراۃ لاویین اصحاح ۸ - آیت ۲۷ ،

نذر دیتے تھے، وہ بار بار معبد یا قربانی گاہ کے پھیرے کرتا تھا،

حج میں صفا و مروہ کے درمیان جو سات بار سعی کرتے ہیں، یہ اسی کی یادگار ہے،

۳ - نذر کے فرائض میں ایک یہ تھا کہ ایام نذر تک بال نہیں کترواتے تھے، حج میں بھی یہی دستور ہے، جب احرام اتارتے ہیں تب بال کترواتے یا منڈواتے ہیں، خود قرآن مجید میں اس شعار کا ذکر ہے،

مُحَلِّقِيْنَ رُؤُسَكُمْ ، (فتح - ۱) سروں کو منڈائے ہوئے،

۴ - حج کا ایک ضروری رکن قربانی ہے، یہ وہی حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کی یادگار ہے، اسی بنا پر قرآن مجید میں فرمایا ہے،

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ، اور حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے بدلے ہم نے ایک بڑی

(صافات - ۳) قربانی قائم کی،

یہ دلائل توراۃ کی تصریحات و کنایات کی بنا پر تھے، قرآن مجید کے رو سے قطعاً حضرت اسمٰعیل کا ذبیح ہونا ثابت ہے، اگرچہ بہت سے مفسرین نے غلطی سے یہودیوں ہی کی روایت کی تائید کی ہے، قرآن مجید میں قربانی کا واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے،

وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ اور حضرت ابراہیم نے کہا میں اپنے خدا کی طرف

سَيَهْدِيْنِ، رَبِّ هَبْ لِيْ جاؤنگا، وہ مجھ کو راستہ دکھائیگا، خدایا مجھ کو وہ اولاد

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ، فَبَشَّرْنَاهُ دے کہ جو نیک چلن ہو، تو ہم نے اس کو ایک

بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ، فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ سمجھدار لڑکے کی خوشخبری دی، پھر جب وہ لڑکا

قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ	اس کے ساتھ چلنے لگا تو ابراہیمؑ نے کہا بیٹے!
اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى	مین نے خواب مین دیکھا کہ مین تجھ کو ذبح
الخ (صافات - ۳)	کر رہا ہون، تیری کیا رائے ہے، الخ

آیت بالا مین مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اولاد کے لئے دعا مانگی، اور خدا نے قبول کی، اور وہی لڑکا قربانی کے لئے پیش کیا گیا،

توراۃ سے ثابت ہے کہ جو لڑکا حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے پیدا ہوا، وہ حضرت اسمٰعیلؑ ہین، اور اسی لئے اُن کا نام اسمٰعیل رکھا گیا، کہ خدا نے اُن کے بارہ مین حضرت ابراہیمؑ کی درخواست سُنی، اس بنا پر اس آیت مین جس کا ذکر ہے، وہ حضرت اسمٰعیلؑ ہین، اسحاقؑ نہین، قربانی کے واقعہ کی تفصیل اور اختتام کے بعد حضرت اسحاقؑ کی ولادت کا ذکر ہے، اس سے قطعی ثابت ہوتا ہے کہ جس کا ذکر اوپر ہوا، وہ حضرت اسحاقؑ نہین بلکہ حضرت اسمٰعیلؑ ہین،

مسلمانون کا نام جو مسلم رکھا گیا، یہ وہ نام ہی جو حضرت ابراہیمؑ نے ایجاد کیا تھا، قرآن مجید مین ہے

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ	تمھارے باپ ابراہیم کا مذہب اُسی نے
الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۔ (حج - ۱۰)	پہلے تمھارا نام مسلمان رکھا تھا،

اس تسمیہ کی تاریخ قربانی سے شروع ہوتی ہے، یعنی حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو قربانی کرنا چاہا، اور اُن سے کہا کہ "مجھ کو خدا کا یہ حکم ہوا ہے؛ تمھاری کیا رائے ہے؟" تو حضرت اسمٰعیلؑ نے نہایت استقلال کے ساتھ گردن جھکا دی کہ یہ سر حاضر ہے، اس موقع پر خدا نے

(ملہ) ابھی ص۱۲۱ کے حاشیہ مین گذر چکا ہی کہ بعض مفسرین نے قرب لفظ کی وجہ سے سمّٰی کا فاعل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرار دیا ہے، تابعین

"اَسْلَمَا" کا لفظ استعمال کیا جو اسلام سے ماخوذ ہے، اور جس کے معنی "تسلیم" اور "حوالہ کر دینے" کے ہیں،

فَلَمَّآ اَسْلَمَا ، (صافات - ۳) پھر جب دونوں نے اپنے آپ کو (ہمارے) حوالہ کر دیا،

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا سب سے بڑا عظیم الشان کارنامہ تسلیم و رضا ہے، یعنی جب قربانی کا حکم ہوا تو باپ بیٹے دونوں نے بے عذر گردنیں جھکا دیں، یہ وصف مقبول بارگاہ ہوا، اور پھر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا یہی شعارِ مذہبی قرار پایا، اسی بنا پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے پیروانِ ملت کا نام مُسلم رکھا،

قربانی، ایثار، اور اسلام درحقیقت یہ سب مترادف الفاظ ہیں، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ ہی نے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا تھا، اگر حضرت اسحاقؑ قربانی ہوتے تو یہ لقب ان کی اولاد یا اُن کی اُمت کو ملتا،

قربانی کی حقیقت | اس مسئلہ کی حقیقت اُس وقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے، جب اس پر غور کیا جائے کہ حضرت ابراہیمؑ کو جو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا، اس سے اصل مقصود کیا تھا؟ قدیم زمانہ میں بت پرست قومیں اپنے معبودوں پر اپنی اولاد کو بھینٹ چڑھایا کرتی تھیں، یہ رسم ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ سے پہلے موجود تھی، مخالفینِ اسلام کا خیال ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی بھی اسی قسم کا حکم تھا، لیکن یہ سخت غلطی ہے،

اکابر صوفیہ[1] نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کو جو خواب دکھائے جاتے ہیں، دو قسم

---

[1] اس مقام پر مصنف کی یہ عبارت مزید تشریح کی محتاج ہے، مصنف نے جیسا کہ لکھا ہے کہ رویا دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک عینی جس میں صورتِ واقعہ بعینہٖ دکھائی جاتی ہے، اور دوسری تمثیلی جس میں صورتِ واقعہ کسی مثالی

کے ہوتے ہیں، عینی اور تمثیلی، عینی میں بعینہ وہی چیز مقصود ہوتی ہے جو خواب میں نظر آتی ہے، تمثیلی میں تشبیہ اور تمثیل کے پیرایہ میں کسی مطلب کو پورا ادا کرنا ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو خواب دکھایا گیا تھا، اُس سے یہ مراد تھی کہ بیٹے کو کعبہ کی خدمت کے لئے نذر چڑھا دیں، یعنی وہ کسی اور شغل میں مصروف نہ ہوں، بلکہ کعبہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیئے جائیں، توراۃ میں جابجا قربانی کا لفظ ان معنوں میں آیا ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۵) صورت میں ظاہر ہوتی ہے، اس کو بہت سے علماء نے تسلیم کیا ہے اور بیان کیا ہے، خواب کی اس دوسری قسم میں اصلی مقصود رویا کی دوسری مثالی صورت ہوتی ہے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے ماں باپ کو آفتاب و ماہتاب اور بھائیوں کو ستاروں کی شکل میں دیکھنا، یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ کی وبا کو ایک بڑھیا کی شکل میں دیکھنا، اور اُحد میں مسلمان شہداء کو مذبوح گایوں کے رنگ میں دیکھنا، محدث خطابی معالم السنن میں لکھتے ہیں،

وبعض الرؤیا مثل یضرب لیتأول علی الوجہ الذی یجب ان یصرف الیہ معنی التعبیر فی مثلہ وبعض الرؤیا لا یحتاج الی ذلك بل یاتی کالمشاھدۃ،	بعض خواب تمثیل ہوتے ہیں جسکو اس مثالی صورت میں اس لئے بیان کیا جاتا ہے کہ اس طریقہ پر اسکی تعبیر کی جائے جس طریقہ پر ایسے خواب کی تعبیر کی جاتی ہے اور بعض خواب اس کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ مشاہدہ بنکر سامنے آتے ہیں،
(فتح الباری جلد ۱۲، ص ۳۶۴)	

امام ابوبکر ابن العربی مالکی احکام القرآن میں اسی حقیقت کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس رویا کے ضمن میں یوں فرماتے ہیں، کہ بعض رویا نام کی طرح ہوتے ہیں، (یعنی عینی و تصریحی جو بالکل لفظاً واقعہ کے عین مطابق ہوتے ہیں) اور بعض مثل کنیتوں کے طرح ہوتے ہیں، یعنی کسی مناسبت معنوی کے سبب سے کسی دوسرے ہم شکل واقعہ کی صورت میں دکھائے جاتے ہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ خواب اسی دوسری قسم کا تھا، (احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۹۶ مصر)

مصنف سیرت نے اس مقام پر ان ہی بعض علماء کی تقلید کر کے حضرت ابراہیمؑ کے اس خواب کو تمثیلی کہا ہے، اور اسی بنا پر ان کو یہ کہنے کی ضرورت ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اس خواب کو جو تمثیلی تھا اپنے

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اس خواب کو عینی خیال کیا، اور بعینہ اُس کی تعمیل کرنی چاہی، گویہ خیال اجتہادی غلطی تھی جو انبیاء سے ہوسکتی ہے (گویہ غلطی قائم نہین رہتی، بلکہ خدا اس پر متنبہ کر دیتا ہے) اس بنا پر گو حضرت ابراہیم علیہ السّلام اس فعل سے روک دیئے گئے، لیکن خدا نے اُن کی حسن نیت کی قدر کی اور فرمایا،

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ	تو نے خواب کو سچا کیا، ہم اسی طرح نیکوکارون
نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ، (صافات-۳)	کو جزا دیتے ہین،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۶) خطاے اجتہادی سے عینی وحقیقی سمجھے، اور اس کی بعینہ تعمیل پر آمادہ ہوگئے، لیکن عین وقت پر ان کو وحی الٰہی نے ان کی اس اجتہادی خطا پر متنبہ کر دیا، اور حضرت اسمٰعیلؑ کی بعینہ قربانی سے روک کر ان کی جگہ جانور کی قربانی پیش کی،

ہیچمدان جامع کا ذوق اس مقام پر اس واقعہ کو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اجتہادی غلطی ماننے سے ابا کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو محبت الٰہی سے سرشار تھے، خطاے اجتہادی سے نہین بلکہ غلبۂ شوق اطاعت ومحبت مین اس حکم الٰہی کی تعمیل اپنی طرف سے بالکل بعینہ وبلفظہ کرنے پر آمادہ ہوگئے، تاکہ اس ابتلا مین وہ اللہ تعالیٰ کے حضور مین پورے اترین اور اپنی طرف سے بیٹے کی جان کی قربانی کی جگہ اس کی خدمت توحید وتولیت کعبہ کے لئے وقف کر دینے کی تاویل کا سہارا لے کر نفس کی متابعت کے شبہہ اور دھوکے سے بھی پاک رہین، تا آنکہ اللہ تعالیٰ خود اس حقیقت کو خود اپنے لفظون مین واضح فرمادے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کو اُن کی یہ ادا بہت پسند آئی، آواز آئی،

يَا اِبْرَاهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا	ابراہیم! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا،
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (صافات-۳)	ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہین،
وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (صافات)	اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کی عوض مین دیا،

اور امت پر یہ قربانی اسی تمثیلی رنگ مین واجب ٹھہرائی گئی یعنی جسمانی اطاعت وقربانی کی تمثیل جانور کی قربانی کی شکل مین،

یہ تشریح ان بعض علماء کی متابعت مین ہے جو بعض دینی وعلمی اسباب کی بنا پر اس کو رویاے تمثیلی سمجھتے ہین،

بہرحال یہان اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ قربانی سے مقصود خدمت کعبہ کے لئے نذر چڑھانا تھا، نذر چڑھانے کے لیے شریعت سابقہ مین جو لفظ مستعمل تھا وہ "خدا کے سامنے" تھا، توراۃ مین یہ محاورہ نہایت کثرت سے آیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل کے حق مین خدا سے جو دعا کی وہ ان لفظون مین تھی،

لیت اسمٰعیل یعیش امامك (توراۃ تکوین اصحاح ۱۷) کاش اسمٰعیل تیرے سامنے زندگی کرتا،

اسی خواہش کے مطابق اُن کو خواب مین تمثیلی پیرایہ مین حکم دیا گیا کہ وہ بیٹے کی قربانی کرین، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو خواب مین حضرت اسحاقؑ کی قربانی کا نہین، بلکہ حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۷) ورنہ جمہور علماؑ اس رویا کو عینی ہی سمجھتے ہین، لیکن عین اُس وقت جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پر عمل کرکے اپنی طرف سے فرزند کے ذبح کی پوری عزیمت کرکے اپنے کام کو پورا کر چکے تھے اور تعمیل حکم مین ایک لمحہ کی بھی دیر نہین رہی تھی کہ وحی الٰہی نے آواز دی "اے ابراہیم تم نے اپنا کام پورا کردیا، اور اپنے خواب کو سچ کر دکھایا،" اب اس کی ضرورت نہین رہی، اب اس کی جگہ ملت ابراہیم کی یہ سنت عظیم جانور کی قربانی کی شکل مین ظاہر ہوگی"

ظاہر ہے کہ بہردو صورت یہ جانور کی قربانی جیسا کہ بعض ائمہ محققین نے لکھا ہے نفس کی قربانی کی تمثیل ہے، اور اس قربانی کا گوشت اس روز عید مین قربانی کنندہ کے لئے برکت، احباب کے لئے تحفہ اور فقراء کے لئے سامان دعوت بنا،

مزید تفصیل کے لئے معارف ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ مضمون ذبح عظیم اور معارف صفر ۱۳۵۶ھ کے شذرات ملاحظہ ہون، "س"

حضرت اسمٰعیلؑ کی بحث مسکن مین گذرچکا کہ وہ عرب تھا، مقام ذبح کی تعیین مین یہ ثابت ہوچکا کہ وادیٔ مکہ تھا، اس بنا پر مکہ کی نسبت ایک بحث نہایت قدیم زمانہ سے تعلق رکھتی ہے،

متعصب عیسائی مورخ لکھتے ہین کہ اس شہر کی قدامت کا دعویٰ مسلمانون کا خاص دعویٰ ہے، قدیم تاریخون مین اس کا نشان نہین[1] ملتا، اس بنا پر ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھتے ہین،

مکہ کا قدیم اور اصلی نام بکّہ ہے، **قرآن مجید** مین یہی نام ہے،

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ ــــــ پہلا متبرک گھر جو آدمیون کے لئے بنایا گیا،

لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا، (اٰل عمران - ۱۰) ــــــ وہ "بکہ" مین تھا،

کتاب زبور - ۸۴ - ۶ مین ہے؛

"بکہ کی وادی مین گذرتے ہوے، اُسے ایک کنوان بناتے، برکتون سے موڑہ کو

---

[1] مرگیولس اپنی کتاب مین لکھتا ہے "اگرچہ مذہبی خیال کی وجہ سے مسلمانون نے اپنے مذہبی مرکز کو نہایت قدیم قرار دیا ہے لیکن صحیح روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ کی سب سے قدیم عمارت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صرف چند پشت قبل تعمیر ہوئی تھی"۔ مرگیولس نے اس کے ثبوت مین اصابہ کا حوالہ بھی دیا ہے، اور ہم کو بھی اسکی صحت سے انکار نہین لیکن اس کل بیان مین مغالطہ ہے جس کو ہم نے اصل کتاب مین ظاہر کردیا ہے،

جدیدؔ انسائیکلوپیڈیا[1] مین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عنوان سے جو مضمون ہی وہ مرگیولوس کا ہے، اس مین مکۂ معظمہ کی نسبت لکھا ہے کہ

"قدیم تاریخون مین اس شہر کا نام نہین ملتا، بجز اس کے کہ زبور (۸۴-۶) مین "وادی بکہ" کا لفظ ہے،

لیکن مرگیولوس صاحب اس تاریخی شہادت کو ضعیف سمجھتے ہین،

پروفیسر دوزی جو فرانس کا مشہور محقق اور عربی دان عالم ہے، وہ لکھتا ہے[2]:-

"بکہ وہی مقام ہے جس کو یونانی جغرافیہ دان ماکروبہ لکھتے ہین"

لیکن مارگیولوس کو پروفیسر دوزی کے بیان پر بھی اعتماد نہین،

کارلائل صاحب نے اپنی کتاب "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" مین لکھا ہے کہ

"رومن مؤرخ سیسلس نے کعبہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ "وہ دنیا کے تمام معبدون سے قدیم اور اشرف ہی" اور یہ ولادت مسیحؑ سے پچاس برس پہلے کا ذکر ہے"

اگر کعبہ حضرت عیسیٰؑ سے بہت پہلے موجود تھا، تو مکہ بھی قریبًا اسی زمانہ کا شہر ہوگا کیونکہ جہان کہین کوئی مشہور معبد ہوتا ہے اس کے آس پاس ضرور کوئی نہ کوئی شہر یا گانون آباد ہو جاتا ہی،

یاقوت حموی نے معجم البلدان مین لکھا ہے کہ مکۂ معظمہ کا عرض اور طول بطلیموس[3] کے جغرافیہ مین حسب ذیل ہے،

---

[1] انسائیکلوپیڈیا طبع اخیر جلد ۱۷ صفحہ ۳۹۹۔ [2] ازرسالہ اذئین [3] ایضاً [4] بطلیموس کے جغرافیہ کا ترجمہ عباسیون کے زمانہ مین ہوگیا تھا، مسعودی اور ابن الندیم نے اکثر اس کے حوالے دیئے ہین،

"طول ۷۸ درجہ عرض ۲۳ درجہ"

بطلیموس نہایت قدیم زمانہ کا مصنّف ہے، اگر اس نے اپنے جغرافیہ مین مکہ کا ذکر کیا ہے، تو اس سے زیادہ قدامت کی کیا سند درکار ہے،

مارگیولوس نے جس بناپر مکہ معظمہ کی قدامت سے انکار کیا ہے وہ یہ ہے کہ "اغانی" مین تصریح ہے کہ "مکہ مین سب سے پہلی عمارت جو تعمیر ہوئی وہ سعید بن، یا سعد بن عمرو نے تعمیر کی" لیکن مارگیولوس کو یہ معلوم نہین کہ مورخین نے جابجا یہ بھی تصریح کی ہے کہ چونکہ اہل عرب کعبہ کے مقابل یا آس پاس عمارات بنانے کو کعبہ کی بے ادبی سمجھتے تھے، اس لئے عمارتین نہین بنوائین، بلکہ خیمون اور شامیانون مین رہتے تھے، اور اس طرح مکہ ہمیشہ سے خیمون کا ایک وسیع شہر تھا،

خانۂ کعبہ کی تعمیر دنیا مین ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی، ایران، ہند، مصر، یورپ مین عالمگیر اندھیرا تھا، قبولِ حق ایک طرف، اس وسیع خطۂ خاک مین گز بھر زمین نہین ملتی تھی جہان کوئی شخص خالص خدائے واحد کا نام لے سکتا، حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جب کلدان مین یہ صدا بلند کرنی چاہی تو آگ کے شعلون سے کام پڑا، مصر آئے، ناموس کو خطرہ کا سامنا ہوا، فلسطین پہنچے، کسی نے بات تک نہ پوچھی، خدا کا جہان نام لیتے تھے شرک اور بت پرستی کے غلغلہ مین آواز دب دب کر رہ جاتی تھی، معمورۂ عالم کے صفحے نقشہائے باطل سے ڈھک چکے تھے، اب ایک سادہ، بے رنگ، ہر قسم کے نقش و نگار سے معرّا ورق درکار تھا، جس پر طغرائے حق لکھا جائے، یہ صرف حجاز کا صحرائے ویران تھا، جو تمدن

اور عمران کے داغ سے کبھی داغدار نہیں ہوا تھا،

حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہاجرہؑ اور اسمٰعیلؑ کو عرب میں لائے اور ان کو یہیں آباد کیا

حضرت سارہؑ نے (جیسا کہ توراۃ میں ہے) کچھ عرصہ کے بعد انتقال کیا، حضرت ابراہیمؑ مکہ میں چلے آئے، حضرت اسمٰعیلؑ جوان ہو چکے تھے، اعلان حق میں ایک ہم آواز ہاتھ آیا، دونوں نے مل کر ایک چھوٹے سے چوکھونٹے گھر کی بنیاد ڈالی[1]

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ	اور جبکہ ابراہیم اور اسمٰعیل خانۂ خدا کی
مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ (بقرہ-۱۵)	دیواریں اٹھا رہے تھے،

گھر بن چکا تو وحی الٰہی نے آواز دی،

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ	ہمارا گھر طواف کرنے والوں (نمازیں
وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ	قیام کرنے والوں) رکوع کرنے والوں
بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ	اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک کر،
ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ	اور تمام لوگوں کو پکار دے کہ حج کو آئیں
(سورۂ حج-۴)	پیدل بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی باہر

اس وقت اعلان و اشتہار کے وسائل نہیں تھے، ویران جگہ تھی، اور آدمی کا کوسوں تک پتہ نہ تھا، ابراہیمؑ کی آواز حدود حرم سے باہر نہیں جا سکتی تھی، لیکن وہی معمولی آواز

[1] محققین کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی منہدم و بے نشان عمارت کی دوبارہ بنیاد اٹھا کر بلند کی، مزید توضیح کے لئے سیرۃ النبی جلد پنجم باب حج عنوان مکہ اور کعبہ میں دیکھئے" س

کہان کہان پہونچی، مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک، اور زمین سے آسمان تک،

علامہ ازرقی نے تاریخ مکہ مین لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو تعمیر کی اس کا عرض طول حسب ذیل تھا،

بلندی،	زمین سے چھت تک،	۹ گز
طول،	حجر اسود سے رُکن شامی تک،	۳۲ گز،
عرض،	رُکن شامی سے غربی تک،	۲۲ گز

عمارت بن چکی تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ تاکہ آیسے مقام پر لگا دون جہان سے طواف شروع کیا جائے۔ تاریخ مکہ موسوم بہ اعلام باعلام بیت الحرام مین ہے،

فقال ابراھیم لاسمٰعیل	پھر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ سے
علیھما الصلوٰۃ والسلام یا اسمٰعیل	کہا کہ ایک پتھر لادو تاکہ مین ایسی جگہ
ایتنی بحجر اضعہ حتی یکون علما	نصب کردون جہان سے لوگ طواف
للناس یبتدون منہ الطواف	شروع کرین،

خدا کا یہ گھر ایسا سادہ تعمیر ہوا تھا کہ نہ چھت تھی، نہ کواڑ، اور نہ چوکھٹ بازو تھے، جب قصی بن کلاب کو کعبہ کی تولیت حاصل ہوئی تو انھون نے قدیم عمارت گرا کر نئے سرے تعمیر کی، اور کھجور کے تختون کی چھت پاٹی [1]،

---

[1] اعلام بحوالہ کتاب النسب از ابن بکار و ابن الماوردی،

کعبہ کی برکت اور کشش سے لوگ اس پاس آباد ہونے لگے، چنانچہ سب سے پہلے قبیلۂ جرہم آکر آباد ہوا، اس قبیلہ مین مضاض بن عمرو جرہمی ایک ممتاز شخص تھے، حضرت اسمٰعیل ؑ نے اُن کی لڑکی سے شادی کی، اُن سے بارہ اولاد ہوئی جن کے نام توراۃ مین مذکور ہین، ان مین سے اکثر اہل عرب قیدار کی اولاد مین ہین، حضرت اسمٰعیل ؑ کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت خانۂ کعبہ کے متولی ہوئے، ان کے مرنے کے بعد اُن کے نانا **مضاض** نے یہ منصب حاصل کیا، اور کعبہ کی تولیت خاندان اسمٰعیل سے نکل کر جرہم کے خاندان مین آگئی لیکن پھر ایک اور قبیلہ **خزاعہ** نے کعبہ پر قبضہ کرلیا، اور مدت تک اسی خاندان مین یہ منصب رہا، حضرت اسمٰعیل ؑ کا خاندان موجود تھا، لیکن اس نے کچھ مزاحمت نہین کی قصی بن کلاب کا زمانہ آیا تو انھون نے اپنا آبائی حق حاصل کیا، چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے،

حرم کعبہ پر سب سے پہلے جس نے پردہ چڑھایا وہ یمن کا حمیری بادشاہ اسعد تبع تھا، یمن مین خاص قسم کی چادرین بنی جاتی ہین جن کو بُرد یمانی کہتے ہین، یہ پردہ انھی چادرون سے تیار کیا گیا تھا، قصی بن کلاب کے زمانہ سے تمام قبائل پر ایک محصول لگا دیا گیا جس سے پردہ تیار کیا جاتا تھا، علامۂ ازرقی نے لکھا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی یمنی پردہ چڑھایا تھا، لیکن اس روایت کے سلسلہ کا ایک راوی واقدی ہے،[1]

---

[1] حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ مین قُباطی کا پردہ چڑھایا تھا، جو مصر مین بنا جاتا ہے، ان کے بعد معمول ہوگیا کہ ہر خلیفہ اپنے عہد خلافت مین پردہ چڑھاتا تھا، بنو امیہ نے دیبا کا پردہ چڑھایا تھا، مامون الرشید ہر سال تین پردہ چڑھاتا تھا، حج کے زمانہ مین دیباے احمر کا، رجب مین قباطی کا، عید الفطر مین دیباے سفید کا، مصر مین جب سلطان صالح بن سلطان قلاون بادشاہ ہوا تو مصر کے دو گانون پردہ کے مصارف کے لئے وقف کر دیئے، جب ترکی خاندان

خدا کا گھر اسیم وزر کی نقش آرائیون کا محتاج نہ تھا، لیکن دولت اور ملک کی ترقی کے یہ لوازم ہین، اس لئے حضرت عبد اللہؓ بن زبیرؓ جب خلیفہ ہوے تو انھون نے کعبہ کے ستونون پر سونے کے پتر چڑھائے، عبد الملک بن مروان نے اپنے زمانہ مین ۳۶ ہزار اشرفیان اس کام کے لئے بھیجین، امین الرشید نے ۱۸ ہزار اشرفیان نذر کین کہ دروازہ کی چوکھٹ وغیرہ طلائی بنوا دی جائے، اعلام (تاریخ مکہ) مین عہد بہ عہد کی طلاکاریون کی تفصیل لکھی ہے لیکن یہ واقعات عہدِ نبوت کے بعد کے ہین، جو ہماری کتاب کا موضوع نہین، اور سچ یہ ہے کہ آفتاب پر سونا چڑھانا ضرور بھی نہین،

حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی

خدا کا گھر بن چکا تو ضرورت تھی کہ اُس کی تولیت اور خدمت کیلئے کوئی نفسِ قدسی تمام مشاغل سے الگ ہو کر اپنی زندگی اس پر نذر چڑھا دے، اس قسم کی نذر کو ابراہیمی شریعت مین قربانی سے تعبیر کرتے تھے، توراۃ مین یہ محاورہ بہ کثرت آتا ہے، جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، انبیاء علیہم السلام پر جو وحی آتی ہے، اس کے مختلف انواع ہین جن مین سے ایک خواب بھی ہے، چنانچہ صحیح بخاری باب بدء الوحی مین ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کی جو ابتدا ہوئی خواب سے ہوئی، یہ خواب کبھی تمثیلی ہوتا ہے، جس طرح حضرت یوسفؑ نے آفتاب و ماہتاب اور ستارون کو سجدہ کرتے دیکھا تھا، بہرحال حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۶) قسطنطنیہ مین حکمران ہوا تو سلطان سلیمان نے چند گانون اور اضافہ کر دیئے، (اعلام باعلام بیت اللہ الحرام) خانۂ کعبہ پر پردہ چڑھانے کی تاریخ بہ تفصیل فتوح البلدان بلاذری اور تاریخ مکہ ازرقی اور معجم البلدان وغیرہ مین ہے، ہم نے اخیر تصنیف یعنی اعلام کو لیا ہے کہ وہ ان سب کے بعد کی تصنیف اور جامع ہے،

ابراہیم علیہ السلام کو خواب دکھلایا گیا کہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہے ہیں، انھوں نے اس خواب کو عینی سمجھا اور بعینہ اس کی تعمیل پر آمادہ ہوئے،

حضرت ابراہیمؑ کو اپنے استقلال اور جان نثاری پر اعتماد تھا لیکن یہ تحقیق طلب تھا کہ پانزدہ سالہ نوجوان بھی اپنی گردن پر چھری چلتے دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى، (صفت) — بیٹا! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں، تو بتا تیری کیا رائے ہے

بیٹے نے نہایت استقلال سے جواب دیا،

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (صفت-۳) — ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے وہ کر گذریئے خدا نے چاہا تو میں ثابت قدم رہوں گا

اب ایک طرف نوّے سالہ پیر ضعیف ہے جس کو دعا ہائے سحر کے بعد، خاندانِ نبوت کا چشم و چراغ عطا ہوا تھا، جس کو وہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب رکھتا تھا، اب اسی محبوب کے قتل کے لئے اس کی آستینیں چڑھ چکی ہیں، اور ہاتھ میں چھری ہے،

دوسری طرف نوجوان بیٹا ہے، جس نے بچپن سے آج تک، باپ کی محبت آمیز نگاہوں کی گود میں پرورش پائی ہے، اور اب باپ ہی کا عمر پرور ہاتھ اس کا قاتل نظر آتا ہے، ملائکہ قدسی، فضائے آسمانی، عالم کائنات، یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے ہیں اور انگشت بدندان ہیں کہ دفعتہً عالم قدس سے آواز آتی ہے،

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا — ابراہیم! تو نے خواب کو سچ کر دکھایا،

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ، (صٰفّٰت ۔ ۳) — ہم نیک بندون کو اسی طرح اچھا بدلہ دیا کرتے ہین،

طغیانِ ناز بین کہ جگر گوشۂ خلیل — در زیر تیغ رفت و شہیدش نمی کنند

بیٹے نے جس استقلال، جس عزم، اور جس حیرت خیز ایثار سے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا اس کا صلہ یہی تھا کہ یہ رسم (قربانی) قیامت تک دنیا مین اس کی یادگار رہ جائے،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سلسلۂ نسب

سلسلۂ نسب یہ ہے محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قُصی بن کلاب
ابن مرۃ بن کعب بن لُوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن
مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان،

صحیح بخاری (باب مبعث النبیؐ) میں یہین تک ہے، لیکن امام بخاری نے اپنی تاریخ
مین عدنان سے حضرت ابراہیمؑ تک نام گنائے ہین یعنی عدنان بن عدو بن المقوم بن
تارح بن یشجب بن یعرب بن نابت بن اسمٰعیلؑ بن ابراہیمؑ،

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، جن کا ذکر توراۃ مین بھی ہے، ان مین
سے قیدار کی اولاد حجاز مین آباد ہوئی اور بہت پھیلی، انہی کی اولاد مین عدنان ہین اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہی کے خاندان سے ہین، عرب کے نسب دان تمام پشتون
کو محفوظ نہین رکھتے تھے، چنانچہ اکثر نسب نامون مین عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک
صرف آٹھ نوپشتین بیان کی ہین، لیکن یہ صحیح نہین، عدنان سے لے کر حضرت اسمٰعیلؑ
تک اگر صرف نو دس پشتین ہون تو یہ زمانہ تین سو برس سے زیادہ نہ ہوگا، اور یہ امر
بالکل تاریخی شہادتون کے خلاف ہے، علامہ سہیلی روض الانف (ص ۸) مین لکھتے ہین

ویستحیل فی العادۃ ان یکون	اور یہ عادۃً محال ہے کہ دونون مین ۴ یا
بینھما اربعۃ آباء او سبعۃ کما	۷ پشتون کا فاصلہ ہو جیسا کہ ابن اسحاق
ذکر ابن اسحاق او عشرۃ او	نے ذکر کیا یا ۱۰ ـ ۲۰ پشتین ہون، کیونکہ
عشرون فان المدۃ اطول من ذلک	زمانہ اس سے بہت زیادہ ہے،

علامۂ موصوف نے بہت سے تاریخی حوالون اور شہادتون سے ثابت کیا ہے کہ عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک ۴۰ پشتون کا فاصلہ ہے، اس غلطی نے بعض عیسائی مورخون کو اس بات کا موقع دیا ہے کہ سرے سے اس بات کے منکر ہو گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاندانِ ابراہیم سے ہین[1]،

اس غلطی کی زیادہ وجہ یہ ہوئی کہ اہلِ عرب زیادہ تر مشہور آدمیون کے نام پر اکتفا کرتے تھے، اور بیچ کی پیڑھیون کو چھوڑ دیتے تھے، اس کے علاوہ اہلِ عرب کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان سے ہونا قطعی اور یقینی تھا، اس لئے وہ صرف اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ عدنان تک سلسلۂ نسب صحیح طور سے نام بنام پہنچ جائے، اور پر کے

---

[1] سر ولیم صاحب نے سرگرمی سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان سے نہ تھے، ان کے الفاظ یہ ہین: "یہ خواہش کہ مذہب اسلام کے پیغمبر کو اسمٰعیلؑ کی اولاد سے خیال کیا جائے، اور غالباً یہ کوشش کہ وہ اسمٰعیلؑ کی نسل مین سے ثابت کئے جائین، ان کی حین حیات مین پیدا ہوئی تھی، اور اس طرح پر محمدؐ کے ابراہیمی نسب نامہ کے ابتدائی سلسلے گھڑے گئے تھے، اور اسمٰعیل اور بنی اسرائیل کے بیشمار قصے نصف یہودی اور نصف عربی سانچہ مین ڈھالے گئے تھے" لیکن ایک طرف سر ولیم میور صاحب کا تنہا شبہہ ہے، دوسری طرف بیسیون یورپین اور یہودی مورخین ہین جو نہ صرف خاندانِ قریش کو بلکہ تمام شمالی عرب و حجاز کو ابراہیمی النسل تسلیم کرتے ہین، (دیکھو فارسٹر صاحب کا جغرافیۂ تاریخی عرب)

اشخاص کا نام لینا غیر ضروری سمجھتے تھے، اس لیے چند مشہور آدمیون کا نام لیکر چھوڑ دیتے تھے، تاہم عرب مین ایسے محققین بھی تھے جو اس فروگذاشت سے واقف تھے، علامہ طبری نے تاریخ مین لکھا ہے کہ "مجھ سے بعض نسب دانون نے بیان کیا، کہ مین نے عرب مین ایسے علماء دیکھے جو معد سے لیکر حضرت اسمٰعیلؑ تک ۴۰ پشتون کے نام لیتے تھے، اور اس شہادت مین عرب کے اشعار پیش کرتے تھے، اس شخص کا یہ بھی بیان تھا کہ مین نے اس سلسلہ کو اہل کتاب کی تحقیقات سے ملایا تو پشتون کی تعداد برابر تھی، البتہ نامون مین فرق تھا، اسی مورخ نے ایک اور موقع پر لکھا ہو کہ "شہر تدمر مین ایک یہودی تھا، جس کا نام ابو یعقوب تھا، وہ مسلمان ہوگیا تھا، اس کا بیان تھا کہ "ارمیا پیغمبر کے منشی نے عدنان کا جو نسب نامہ لکھا تھا وہ میرے پاس موجود ہے، اس شجرے مین بھی عدنان سے لے کر حضرت اسمٰعیلؑ تک چالیس نام ہین، حاصل یہ واقعہ یقینی ہے کہ عدنان حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد ہین، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عدنان کے خاندان سے ہین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان اگرچہ اباً عن جدٍ معزز اور ممتاز چلا آتا تھا، لیکن جب

---

[1] تاریخ طبری مطبوعۂ یورپ ج ۳ صفحہ ۱۱۰۸ [2] تاریخ طبری مطبوعۂ یورپ ج ۳ صفحہ ۱۱۱۵ [3] تاریخ عرب کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے، لیکن مارگوس نے نہایت کوشش کی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو مبتذل ثابت کیا جائے، ان کے الفاظ یہ ہین "یہ بالکل ظاہر ہو کہ محمدؐ ایک غریب اور ادنیٰ خاندان سے تھے" اس کے بعد صاحب موصوف نے حسب ذیل استدلال پیش کئے ہین: (۱) قرآن مجید مین ہو کہ قریش کو حیرت تھی کہ ان مین ایسا پیغمبر کیون نہ بھیجا گیا جو شریف خاندان سے ہوتا (۲) پیغمبر کے عروج کے زمانہ مین قریش نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس درخت سے تشبیہ دی جو گھورے پر جمتا ہو (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ایک شخص نے مولیٰ کے لفظ سے خطاب کیا تو آپؐ نے اس لقب سے انکار کیا (۴) فتح مکہ کے

شخص نے اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا، وہ نضر بن کنانہ تھے بعض محققین کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے فہر کو ملا، اور انہی کی اولاد قریشی ہے، حافظ عراقی سیرت منظوم مین لکھتے ہین،

أما قريش فالأصح فهر ۔۔۔ جماعها والأكثرون النضر[1]

نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصیّ بن کلاب نے نہایت عزت اور اقتدار حاصل کیا، اس زمانہ مین حرم کے متولی حُلیل خزاعی تھے قصیّ نے حلیل کی صاحبزادی سے جن کا نام حبّی تھا، شادی کی تھی، اس تعلق سے حلیل نے مرتے وقت وصیّت کی کہ حرم کی خدمت قصی کو سپرد کی جائے، اس طرح یہ منصب بھی ان کو حاصل ہوگیا، قصیّ نے ایک دار المشورۃ قائم کیا، جس کا نام دار الندوۃ رکھا، قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی تیاری کرتے تو اسی عمارت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲) ون آپنے فرمایا کہ آج شرفائے کفار کا خاتمہ ہوگیا" قرآن شریف کے الفاظ یہ ہین، وقالوا لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم، یعنی کفار کہتے ہین کہ یہ قرآن دو شہرون (مکہ وطائف) کے کسی رئیس پر کیون نہ اترا، عظیم اور شریف دو الگ لفظ ہین، قرآن مین عظیم کا لفظ ہے، اہل عرب دولت اور اقتدار والے کو عظیم کہتے تھے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت سے نہین بلکہ جاہ و دولت سے انکار تھا، دوسرا استدلال اگر صحیح ہو تو دشمن کی ہر بات کو صحیح ماننا چاہیے، کفار نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ، جادو زدہ، شاعر، سب کچھ کہا، ان مین سے کونسی بات صحیح ہو، بے شبہہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مولی اور سید کے لفظ سے انکار کیا، لیکن متعدد حدیثون مین صاف تصریح ہو کہ آپ نے فرمایا مجھ کو سید اور مولی نہ کہو، مولی اور سید خدا ہو، قرآن مین ہر جگہ خدا ہی کو مولی کہا ہو، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاندانی شرافت کا ابطال کیونکر ہوتا ہے؟ اخیر استدلال بھی حیرت انگیز ہو، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کم نسبی کیونکر ثابت ہوتی ہو؟ کہ شرفائے مکہ سے یہان مراد جبّارین و متکبرین مکہ ہین) مارگولس صاحب نے یہ دلائل نولدیکی سے نقل کئے ہین، جو مشہور جرمنی مستشرق ہے، ع این خانہ ہمہ آفتاب است

[1] زرقانی جلد اوّل صفحہ ۹۰

مین کرتے، قافلے باہر جاتے تو یہین سے تیار ہو کر جاتے، نکاح اور دیگر تقریبات کے

مراسم بھی یہین ادا ہوتے،

قصی نے بڑے بڑے نمایان کام کئے، جو ایک مدت تک یادگار رہے، مثلاً سقایہ[1]

اور رفادہ جو خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا، انہی نے قائم کیا، تمام قریش کو جمع کر کے تقریر

کی کہ سیکڑون ہزارون کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہین، ان کی میزبانی قریش کا

فرض ہے، چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منیٰ اور مکہ معظمہ مین حجاج کو کھانا

تقسیم کیا جاتا تھا، اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے جن مین ایام حج مین پانی بھر دیا جاتا تھا، کہ

حجاج کے کام آئے، مشعر حرام بھی انہی کی ایجاد ہے، جس پر ایام حج مین چراغ جلاتے تھے چنانچہ

عقد الفرید مین تصریح کی ہے، قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگون کا

بیان ہے کہ قریش کا لقب اوّل انہی کو ملا[2]، چنانچہ علامہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید مین بھی

لکھا ہے، اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا

[1] سقایہ یعنی حاجیون کو آب زمزم پلانا اور رفادہ حاجیون کے کھانے پینے کا انتظام کرنا،

[2] قصی بن کلاب کا مفصل تذکرہ طبقات ابن سعد جزو اوّل مطبوعہ لیڈن ۱۳۲۲ھ صفحہ ۳۶ سے لیکر ۴۲ تک ہے، قریش کی وجہ تسمیہ مین اختلاف ہے، بعض کہتے ہین کہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہین قصی نے لوگون کو ایک رشتہ مین منسلک کیا، اس لئے قریش کہلائے، بعض کہتے ہین کہ ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیون کو کھا جاتی ہے، چونکہ قصی بہت بڑے سردار تھے، اس لئے ان کو اس مچھلی سے تشبیہ دی، عام خیال یہ ہے کہ قریش قصی یا کسی اور شخص کا نام ہے، لیکن امام سہیلی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ قبیلہ کا نام ہے، جس طرح قبائل عرب جانورون کے نام پر رکھتے تھے، مثلاً اسد، نمر وغیرہ، مورخین یورپ کا خیال ہے کہ قبائل جانورون کی پرستش کرتے تھے، اور انہی جانورون کے نام مشہور ہو جاتے تھے، لیکن عربی تاریخون مین اس کا پتہ نہین چلتا،

اس لئے ان کو قریش کہتے ہین، کیونکہ تقریش کے معنی جمع کرنے کے ہین، اسی بنا پر اُن کو مُجمّع بھی کہتے تھے، چنانچہ شاعر کہتا ہے،

قصیٌّ ابو کم سن یسمی مُجمّعًا　　به جمع الله القبائل من فهر

قصی کی چھ اولاد تھی، عبد الدار، عبد مناف، عبد العزّٰی، عبد بن قصی، تخمر، برہ، قصی نے مرتے وقت حرم محترم کے تمام مناصب سب سے بڑے بیٹے عبد الدار کو دیئے، اگرچہ وہ سب بھائیون مین نا قابل تھے، لیکن قصی کے بعد قریش کی ریاست عبد مناف نے حاصل کی، اور انہی کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خاندان ہے، عبد مناف کے چھ بیٹے تھے، ان مین سے ہاشم نہایت صاحب صولت اور با اثر تھے، انھون نے بھائیون کو اس بات پر آمادہ کیا کہ حرم کے مناصب جو عبد الدار کو دیئے گئے، واپس لے لئے جائین، وہ لوگ اس منصب عظیم کے قابل نہین، عبد الدار کے خاندان نے انکار کیا، اور جنگ کی تیاریان شروع کین، بالآخر اس پر صلح ہو گئی کہ عبد الدار سے سقایہ اور رفادہ واپس لے کر ہاشم کو دے دیا،

ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا، حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے تھے، چرمی حوضون مین پانی بھروا کر زمزم اور منیٰ کے پاس سبیل رکھتے تھے، تجارت کو نہایت ترقی دی، قیصر روم سے خط و کتابت کر کے فرمان لکھوایا کہ "قریش جب اس کے ملک مین اسباب تجارت لیکر جائین تو اُن سے کوئی ٹکس نہ لیا جائے" حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا، چنانچہ اہل عرب جاڑون مین یمن، اور گرمیون مین شام اور ایشیاے کوچک تک تجارت کے لئے جایا کرتے تھے، اس زمانہ مین انگوریہ (انقرہ)

جو ایشیاے کوچک کا مشہور شہر ہے، قیصر کا پایہ تخت تھا، تجارِ قریش، انگورہ مین جاتے تو قیصر نہایت عزت اور حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا،

عرب مین راستے محفوظ نہ تھے، ہاشم نے مختلف قبائل مین دورہ کرکے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ "قریش کے کاروانِ تجارت کو ضرر نہ پہنچائین گے، جس کے صلہ مین کاروانِ قریش ان قبائل مین اُن کی ضرورت کی چیزین خود دے کر جائیگا، اور اُن سے خرید و فروخت کریگا" یہ سبب تھا کہ عرب مین باوجود عام لوٹ مار کے قریش کا قافلۂ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا[1]

ایک[2] دفعہ مکہ مین قحط پڑا، ہاشم نے اس قحط مین شوربہ مین روٹیان چور اکرکے لوگون کو کھلائین، اُس وقت سے ان کا نام ہاشم مشہور ہوگیا، عربی زبان مین چورہ کرنے کو ہشم کہتے ہین جس کا اسم فاعل ہاشم ہے،

ایک بار تجارت کی غرض سے شام گئے، راستہ مین مدینہ مین ٹھہرے، وہان سال کے سال بازار لگتا تھا، بازار مین گئے تو ایک عورت کو دیکھا، جس کے حرکات و سکنات سے شرافت اور فراست کا اظہار ہوتا تھا، اس کے ساتھ حسین اور جمیل بھی تھی، دریافت سے معلوم ہوا کہ خاندانِ بنی نجار سے ہے اور سلمٰی نام ہے، ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست کی، اور اس نے قبول کرلی، غرض نکاح ہوگیا، شادی کے بعد یہ شام کو چلے گئے، اور غزہ مین جاکر انتقال کیا، سلمٰی کو حمل رہ گیا تھا، لڑکا پیدا ہوا، اس کا نام شیبہ رکھا گیا، اُس نے قریباً ۸ برس تک مدینہ مین پرورش پائی، ہاشم کے بھائی جن کا نام مطلب تھا، ان کو یہ حالات معلوم

---

[1] امالی ابو علی قالی [2] طبری صفحہ ۱۰۸۸ و ۱۰۸۹ (ج ۳ ق س")

ہوے تو فوراً مدینہ روانہ ہوے، وہان پہنچکر بھتیجے کی جستجو کی، سلمٰی نے اُن کے آنے کا حال سنا،
تو بلوا بھیجا، تین دن مہمان رہے، چوتھے دن شیبہ کو ساتھ لیکر مکہ معظمہ روانہ ہوے، اُن کی
عمر ۸ برس کی تھی، یہان آکر ان کا نام عبد المطلب پڑگیا،[1]

عبد المطلب کے لفظی معنی "مطلب کا غلام" ہین، اس لئے ارباب سیر نے وجہِ تسمیہ
مین بہت سے اقوال نقل کئے ہین جن مین صحیح تر یہ ہے کہ چونکہ مطلب نے ان کی پرورش
کی تھی اور یہ یتیم تھے، اس لئے عرب کے محاورہ کے مطابق "غلام مطلب" مشہور ہو گئے،

عبد المطلب کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ چاہِ زمزم جو ایک مدت سے اَٹ کر
گم ہو گیا تھا، انھون نے اس کا پتہ لگایا اور کھدوا کر نئے سر سے درست کرا دیا،

انھون نے منت مانی تھی کہ دس بیٹون کو اپنے سامنے جوان دیکھ لین گے تو ایک
کو خدا کی راہ مین قربان کر دین گے، خدا نے یہ آرزو پوری کی، دسون بیٹون کو لیکر کعبہ مین
آئے، اور پجاری سے کہا کہ ان دسون پر قرعہ ڈالو، دیکھو کس کے نام پر نکلتا ہے، اتفاق
سے عبد اللہ کا نام نکلا، یہ اُن کو لے کر قربان گاہ کو چلے، عبد اللہ کی بہنین جو ساتھ تھین
رونے لگین، اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربانی کیجئے، ان کو چھوڑ دیجئے، عبد المطلب
نے پجاری سے کہا کہ عبد اللہ پر اور دس اونٹون پر قرعہ ڈالو، اتفاق یہ کہ عبد اللہ ہی کے
نام پر قرعہ نکلا، عبد المطلب نے اب دس کے بجاے بیس اونٹ کر دیئے، یہان تک
کہ بڑھاتے بڑھاتے سَو تک نوبت پہنچی تو اونٹون پر قرعہ آیا، عبد المطلب نے سَو اونٹ

---

[1] دیکھو زرقانی جلد اول ص ۸۵،

قربانی کئے، اور عبداللہ بچ گئے، یہ واقدی کی روایت ہے، ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اونٹوں کے معاوضہ کی تدبیر روساے قریش نے تجویز کی تھی،

عبدالمطلب کے دس یا بارہ بیٹوں میں سے پانچ شخصوں نے اسلام یا کفر کی خصوصیت کی وجہ سے شہرت عام حاصل کی یعنی ابولہب، ابوطالب، عبداللہ، حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ، عام طور پر مشہور ہے، کہ ابولہب کا اصلی نام اور ہے، خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہؓ نے دیا، لیکن یہ غلطی ہے، ابن سعد نے طبقات میں تصریح کی کہ یہ لقب خود عبدالمطلب نے دیا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ ابولہب نہایت حسین اور جمیل تھا، اور عرب میں گورے چہرے کو شعلۂ آتش کہتے ہیں، فارسی میں بھی آتشین رخسار ہے،

عبداللہ قربانی سے بچ گئے تو عبدالمطلب کو اُن کی شادی کی فکر ہوئی، قبیلۂ زہرہ میں وہب بن عبدمناف کی صاحبزادی جن کا نام آمنہ تھا قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں[1]، وہ اُس وقت اپنے چچا وہیب کے پاس رہتی تھیں، عبدالمطلب وہیب کے پاس گئے، اور عبداللہ کی شادی کا پیغام دیا، انھوں نے منظور کیا، اور عقد ہوگیا، اسی موقع پر خود عبدالمطلب نے بھی وہیب کی صاحبزادی سے جن کا نام ہالہ تھا، شادی کی، حضرت حمزہؓ انہی ہالہ کے بطن سے ہیں، ہالہ رشتہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہوتی ہیں اور اس بنا پر حضرت حمزہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی بھی ہیں،

دستور تھا کہ نوشاہ شادی کے بعد ۳ دن تک سسرال میں رہتا تھا، عبداللہ تین دن

---

[1] سیرۃ ابن ہشام (برحاشیۂ زادالمعاد مصری) صفحہ ۸۵ "س"

سسرال مین رہے، اور پھر گھر چلے آئے، اس وقت ان کی عمر تقریباً سترہ برس[1] سے کچھ زیادہ تھی،
عبداللہ تجارت کے لئے شام کو گئے، واپس آتے ہوئے مدینہ مین ٹھہرے اور بیمار ہو کر
یہین رہ گئے، عبدالمطلب کو یہ حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر لانے کے لئے
بھیجا، وہ مدینہ مین پہنچے تو عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا، چونکہ یہ خاندان مین سب سے زیادہ محبوب
تھے، تمام خاندان کو سخت صدمہ ہوا،

عبداللہ نے ترکہ مین اونٹ، بکریان اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام اُمِّ ایمن
تھا، یہ سب چیزین رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ترکہ مین ملین[2]، اُمِّ ایمنؓ کا اصلی نام برکۃ تھا،

---

[1] زرقانی جلد اوّل صفحہ ۱۲۲ اسطر ۷ [2] طبقات ابن سعد (جزء اوّل قسم اوّل ص ۶۲) "س"

ظہورِ قدسی

چمنستانِ دہر مین بارہا روح پرور بہارین آچکی ہین، چرخِ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہین خیرہ ہوکر رہ گئی ہین،

لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار مین پیرکہن سال دہر نے کرورون برس صرف کردیئے، سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق مین ازل سے چشم براہ تھے، چرخِ کہن مدتہاے دراز سے اسی صبحِ جان نواز کے لئے لیل ونہار کی کروٹین بدل رہا تھا، کارکنانِ قضا وقدر کی بزم آرائیان، عناصر کی جدت طرازیان، ماہ وخورشید کی فروغ انگیزیان، ابروباد کی تردستیان، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیمؑ، جمالِ یوسفؑ، معجز طرازیِ موسیٰؑ، جان نوازیِ مسیحؑ، سب اسی لئے تھے کہ یہ متاع ہاے گران ارزشاہنشاہِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دربار مین کام آئین گے،

آج کی صبح وہی صبحِ جان نواز، وہی ساعتِ ہمایون، وہی دورِ فرخ فال ہے، اربابِ سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان مین لکھتے ہین کہ آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گرگئے، آتشکدۂ فارس بجھ گیا، دریاے ساوہ خشک ہوگیا، لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہین بلکہ شانِ عجم، شوکتِ روم، اوجِ چین کے قصرہاے فلک بوس گر پڑے، آتشِ فارس نہین بلکہ جحیمِ شر، آتشکدۂ کفر، آذرکدۂ گمرہی سرد ہوکر رہ گئے، صنم خانون مین خاک اڑنے لگی، بتکدے خاک مین مل گئے، شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراقِ خزان دیدہ ایک ایک کرکے جھڑ گئے

توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستانِ سعادت مین بہار آگئی، آفتابِ ہدایت کی شعاعین ہر طرف پھیل گئین، اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اٹھا،

یعنی یتیم عبد اللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہِ حرم، حکمرانِ عرب، فرمان روائے عالم، شہنشاہِ کونین

شمسۂ نُہ مسندِ ہفت اختران — ختمِ رسل خاتمِ پیغمبران

احمدِ مرسل کہ خرد خاکِ اوست — ہر دو جہان بستۂ فتراکِ اوست

اُمّی و گویا بہ زبانِ فصیح — از الف آدم و میمِ مسیح

رسم ترنج است کہ در روزگار — پیش دہد میوہ، پس آرد بہار

عالمِ قدس سے عالمِ امکان مین تشریف فرماے عزت و اجلال ہوا، اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمۡ،

تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس مین انھون نے دلائلِ ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپؐ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء مین ہوئی تھی،[1]

---

[1] محمود فلکی نے جو استدلال کیا ہے وہ کئی صفحون مین آیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) صحیح بخاری مین ہے کہ ابراہیمؑ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صغیر السن صاحبزادے) کے انتقال کے وقت آفتاب مین گہن لگا تھا اور سنہ ۱۰ھ تھا، (اور اس وقت آپؐ کی عمر کا تریسٹھوان سال تھا)

(۲) ریاضی کے قاعدے سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ (سنہ ۱۰ھ کا) گرہن ۷ جنوری ۶۳۲ء کو ۸ بجکے ۳۰ منٹ پر لگا تھا،

(۳) اس حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری ۶۳ برس پیچھے ہٹین تو آپؐ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء ہے جس مین ازروے قواعدِ ہیئت، ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی،

آپ کا نام "محمدؐ" رکھا گیا، اور عام طور پر بیان کیا جاتا ہی کہ عبد المطلب نے یہ نام رکھا تھا

رضاعت | سب سے پہلے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو آپ کی والدہ نے اور دو تین روز کے بعد ثویبہ نے دودھ پلایا، (جو ابولہب کی لونڈی تھی)[1]

ثویبہ کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ کو دودھ پلایا، اس زمانہ مین دستور تھا کہ شہر کے رؤسا، اور شرفا شیرخوار بچون کو اطراف کے قصبات اور دیہات مین بھیج دیتے تھے، یہ رواج اس غرض سے تھا کہ بچے بدوون مین پل کر فصاحت کا جوہر پیدا کرتے تھے[2] اور عرب کی خالص خصوصیات محفوظ رہتی تھین،

شرفاے عرب نے مدت تک اس رسم کو محفوظ رکھا، یہان تک کہ بنو امیہ نے دمشق مین پایۂ تخت قائم کیا اور شاہانہ شان و شوکت مین کسریٰ و قیصر کی ہمسری کی تاہم اُن کے بچے صحراؤن مین بدوون کے گھر مین پلتے تھے، ولید بن عبد الملک خاص اسباب سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۱) (۴) تاریخ ولادت مین اختلاف ہی لیکن اس قدر متفق علیہ ہو کہ وہ ربیع الاول کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن تھا اور تاریخ ۸ سے لیکر ۱۲ تک مین منحصر ہے،

(۵) ربیع الاول مذکور کی ان تاریخون مین دوشنبہ کا دن نوین تاریخ کو پڑتا ہی، ان وجوہ کی بنا پر تاریخ ولادت قطعاً ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تھی،

(۱) بخاری باب یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب ص ۷۶۴ امام سہیلی نے بتفصیل یہ واقعات لکھے ہین اور یہ حدیث بھی نقل کی ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ مین اس لیے فصیح ہون کہ قبیلۂ بنی سعد مین پلا ہون (الروض الانف ج اول ص ۱۰۹، ۱۱۰) سر ولیم میور صاحب لائف آف محمدؐ مین لکھتے ہین کہ محمدؐ کی جسمانی حالت بہت اچھی تھی ان کے اخلاق آزاد اور مستغنی عن الغیر تھے جس کی وجہ ان کا پانچ سال تک بنی سعد مین بسر کرنا تھا، اور اسی وجہ سے ان کی تقریر جزیرہ نماے عرب کے خالص نمونہ کے موافق تھی ۲۰

نہ جا سکا اور حرمِ شاہی میں پلا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندانِ بنی اُمیہ میں صرف ولید ہی ایک شخص تھا جو عربی صحیح نہیں بول سکتا تھا[1]،

غرض دستور مذکور کی بنا پر سال میں دو مرتبہ دیہات سے شہر میں عورتیں آیا کرتی تھیں، اور شرفائے شہر اپنے شیر خوار بچوں کو ان کے حوالے کر دیا کرتے تھے، اس دستور کے موافق آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت کے چند روز بعد قبیلۂ ہوازن کی چند عورتیں بچوں کی تلاش میں آئیں، اُن میں حضرت حلیمہ سعدیہ بھی تھیں[2]، اتفاق سے اُن کو کوئی بچہ ہاتھ نہیں آیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی والدہ نے ان کو مقرر کرنا چاہا تو اُن کو خیال آیا کہ یتیم بچے کو لے کر کیا کروں گی لیکن خالی ہاتھ بھی نہ جا سکتی تھیں، اس لئے حضرت آمنہ کی درخواست[3] قبول کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر گئیں، اُن کی ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام شیما تھا، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت اُنس تھا، وہی آپ کو کھلایا کرتی تھیں، دو برس کے بعد حلیمہ آپ کو مکہ میں لائیں، اور آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا، لیکن چونکہ اس زمانہ میں مکہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی، آپ کی والدہ نے فرمایا کہ واپس لے جاؤ، چنانچہ دوبارہ گھر میں لائیں اس میں اختلاف ہے کہ آپ حضرت حلیمہؓ کے یہاں کے برس تک رہے، ابن

---

[1] (ابن اثیر ج ۵ صفحہ ۱ طبع لیڈن) [2] سہیلی نے لکھا ہے کہ عرب میں دودھ پلانا، اور اسکی اجرت لینا شریفانہ کام نہیں خیال کیا جاتا تھا، اسی بنا پر عرب میں مثل ہے الحرۃ لا تاکل بثدییھا، اس بنا پر سہیلی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس سال قحط پڑا تھا، اس لئے مجبوراً حضرت حلیمہؓ اور ان کے قبیلہ نے یہ خدمت گوارا کی تھی لیکن تمام تاریخوں میں ہے کہ مکہ میں ہر سال باہر سے عورتیں اس کام کے لئے آیا کرتی تھیں، ہمارا خیال ہے کہ اس کام کو معیوب سمجھنا عرب کا عام خیال نہ تھا، یہ خیال اہل شہر اور امراء کے ساتھ مخصوص ہوگا،

اسحاق نے وثوق کے ساتھ ۶ برس لکھا ہی،

ہوازن کا قبیلہ فصاحت و بلاغت مین مشہور ہے، ابن سعد نے طبقات مین روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فرمایا کرتے تھے کہ مین تم سب مین فصیح تر ہون، کیونکہ مین قریش کے خاندان سے ہون اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہی، بنی سعد ہوازن ہی کے قبیلہ کو کہتے ہین،

حضرت حلیمہ کے ساتھ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بے انتہا محبت تھی، عہد نبوت مین جب وہ آپ کے پاس آئین تو آپ "میری مان میری مان" کہکر لپٹ گئے، یہ دلچسپ واقعات آگے آئین گے،

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت حلیمہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت سے پہلے وفات کر گئین لیکن یہ صحیح نہین ہے، ابن ابی خثیمہ نے "تاریخ" مین، ابن جوزی نے "حدا" مین، منذری نے "مختصر سنن ابی داؤد" مین، ابن حجر نے "اصابہ" مین ان کے اسلام لانے کی تصریح کی ہی، حافظ مغلطائی نے اُن کے اسلام پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کا نام "التحفۃ الجسیمہ فی اثبات اسلام حلیمہ" ہے،

حضرت حلیمہ کے شوہر یعنی آنحضرت (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے رضاعی باپ کا نام حارث ابن عبد العزی ہے، وہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے بعد مکہ مین آئے اور اسلام لائے، حارث آنحضرت (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے پاس آئے اور کہا کہ یہ تم کیا کہتے ہو؟ آپ نے

[1] طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱، [2] زرقانی جلد ۱ صفحہ ۱۶۲ [3] اصابہ فی احوال الصحابہ مطبوعہ مصر مطبع سعادت جلد ۱ صفحہ ۲۹۳،

فرمایا ہان وہ دن آئے گا کہ مین آپ کو دکھادون گا کہ مین سچ کہتا تھا، حارث مسلمان ہو گئے
آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چار رضاعی بھائی بہن تھے، جن کے نام یہ ہین، عبد اللہ،
انیسہ، حذیفہ، اور حذافہ جو شیما کے لقب سے مشہور تھین، ان مین سے عبد اللہ اور شیما کا اسلام
لانا ثابت ہے، باقیون کا حال معلوم نہین،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عمر جب چھ برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو لیکر
مدینہ گئین، چونکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دادا کی ننہال خاندانِ نجار مین تھی، وہین
ٹھہرین، اس سفر مین ام ایمنؓ بھی ساتھ تھین جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دایہ تھین، مورخین
نے لکھا ہے کہ آپ کی والدہ اس ننہالی رشتہ کی وجہ سے مدینہ گئین لیکن یہ رشتہ دور کا رشتہ
تھا، قیاس مین نہین آتا کہ صرف اتنے سے تعلق سے اتنا بڑا سفر کیا جائے، میرے نزدیک
بعض مورخین کا یہ بیان صحیح ہی. کہ حضرت آمنہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے گئی تھین،
جو مدینہ مین مدفون تھے، بہرحال ایک مہینہ تک مدینہ مین مقیم رہین، واپس آتے ہوئے
جب مقام ابوا[۱] مین پہنچین تو اُن کا انتقال ہو گیا، اور یہین مدفون ہوئین، ام ایمنؓ آنحضرت
(صلی اللہ علیہ وسلم) کو لے کر مکہ مین آئین،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامِ مدینہ کی بہت سی باتین یاد رہ گئی تھین، جب آپ
قیامِ مدینہ کے زمانہ مین ایک دفعہ بنو عدی کے منازل پر گذرے تو فرمایا کہ اسی مکان مین
میری والدہ ٹھہری تھین، یہی وہ تالاب ہی جس مین مین نے تیرنا سیکھا تھا، اسی میدان

---

[۱] ایک گاؤن کا نام ہی جو جحفہ سے ۲۳ میل پر واقع ہے،

مین مین انیسہ ایک لڑکی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا[1]،

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد عبد المطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دامن تربیت مین لیا، ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے[2]

عبد المطلب نے بیاسی برس کی عمر مین وفات پائی اور حجون مین مدفون ہوئے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ برس کی تھی، عبد المطلب کا جنازہ اٹھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے، اور فرطِ محبت سے روتے جاتے تھے، عبد المطلب نے مرنے کے وقت اپنے بیٹے ابوطالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سپرد کی، ابوطالب نے اس فرض کو جس خوبی سے ادا کیا، اس کی تفصیل آگے آتی ہے، یہ واقعہ خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ عبد المطلب کی موت نے بنو ہاشم کے رتبۂ امتیاز کو دفعۃً گھٹا دیا، اور یہ پہلا دن تھا کہ دنیوی اقتدار کے لحاظ سے بنو امیہ کا خاندان بنو ہاشم پر غالب آگیا، عبد المطلب کی مسندِ ریاست پر اب حرب متمکن ہوا، جو امیہ کا نامور فرزند تھا، مناصبِ ریاست

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۳، [2] عبد المطلب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عزیز رکھنا ایک مسلّم واقعہ ہے لیکن مارگولیس صاحب کو دادا کا پوتے پر مہربان ہونا بھی گوارا نہین، فرماتے ہین کہ "یتیم لڑکے کی حالت کچھ اچھی نہ تھی، آخر زندگی مین ان کے چچا حمزہ نے نشہ کی حالت مین محمد کو طنزاً اپنے باپ کا غلام کہا تھا۔ (لائف آف محمد از مارگولیس صفحہ ۴۵ تا ۴۶) حضرت حمزہؓ کے جس قول سے استدلال کیا ہے، مارگولیس خود تسلیم کرتے ہین کہ وہ نشہ کی حالت تھی، اسکی تفصیل جیسا کہ بخاری (غزوۂ بدر و خمس) مین ہے کہ بدر کے مالِ غنیمت سے حضرت علیؓ کو دو اونٹ ملے تھے) اس وقت تک شراب حرام نہین ہوئی تھی، حضرت حمزہؓ شراب مین مخمور ادھر سے گذرے، اور اونٹ کا پیٹ پھاڑ کر دل اور جگر کا کباب بنایا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبر ہوئی تو آپ حضرت حمزہؓ کے پاس گئے اور ان کو ملامت کی حضرت حمزہؓ سخت مخمور تھے، اس حالت مین وہ الفاظ ان کی زبان سے نکلے تھے، کیا اس حالت کا کوئی بیان شہادت مین پیش کیا جا سکتا ہے؟

ین سے صرف سقایہ یعنی حجاج کو پانی پلانا عباس کے ہاتھ مین رہا، جو عبد المطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے،

ابو طالب کی کفالت عبد المطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے، ان مین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ اور ابو طالب مان جائے بھائی تھے، اس لئے عبد المطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب ہی کے آغوش تربیت مین دیا، ابو طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپ کے مقابلہ مین اپنے بچون کی پروا نہین کرتے تھے، سوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر سوتے، اور باہر جاتے تو ساتھ لیکر جاتے

غالباً جب آپ کی عمر دس بارہ برس کی ہوئی تو آپ نے بکریان چرائین، فرانس کے ایک نامور مورخ نے لکھا ہے کہ "ابو طالب چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ذلیل رکھتے تھے اس لئے اُن سے بکریان چرانے کا کام لیتے تھے" لیکن واقعہ یہ ہے کہ عرب مین بکریان چرانا معیوب کام نہ تھا، بڑے بڑے شرفاء اور امراء کے بچے بکریان چراتے تھے، خود قرآن مجید مین ہے وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ عالم کی گلہ بانی کا دیباچہ تھا، زمانۂ رسالت مین آپ اس سادہ اور پُر لطف مشغلہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ آپ صحابہؓ کے ساتھ جنگل مین تشریف لے گئے صحابہ رضؓ جھڑبیریان توڑ توڑ کر کھانے لگے، آپ نے فرمایا جو خوب سیاہ ہو جاتے ہین زیادہ مزے کے ہوتے ہین، یہ میرا اُس زمانہ کا تجربہ ہے، جب مین بچپن مین یہان بکریان چرایا کرتا تھا[1]

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۸۰ جلد اوّل، بخاری نے کتاب الاجارۃ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کیا ہے

شام کا سفر ابو طالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے، قریش کا دستور تھا، سال مین ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی کہ ابو طالب نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا، سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ نہین لیجانا چاہتے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابو طالب چلنے لگے تو آپ اُن سے لپٹ گئے، ابو طالب نے آپ کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا، عام مورخین کے بیان کے موافق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر مین پیش آیا، اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے، کہ جب ابو طالب بصریٰ مین پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ مین اترے جس کا نام بحیرا تھا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا کہ "یہ سید المرسلین ہین" لوگون نے پوچھا تم نے کیونکر جانا؟ اُس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اُترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لئے جھک گئے،

یہ روایت مختلف پیرایون مین بیان کیگئی ہے، تعجب یہ ہے کہ اس روایت سے جس قدر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۷) کہ "مین قراریط پر مکہ والون کی بکریان چرایا کرتا تھا" قراریط کے معنی مین اختلاف ہے، ابن ماجہ کے شیخ یعنی سوید بن سعید کی رائے ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے اور قیراط درہم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہے، اس بنا پر ان کے نزدیک حدیث کے یہ معنی ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجرت پر لوگون کی بکریان چراتے تھے، اسی بنا پر بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارۃ مین نقل کیا ہے لیکن ابراہیم حربی کا قول ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے جو اجیاد کے قریب ہے، ابن جوزی نے اس قول کو ترجیح دی ہے علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح مین یہ بحث تفصیل سے لکھی ہے اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ابن جوزی کی رائے صحیح ہے (عینی جلد ۶ صفحہ ۶۳) نور النبراس مین یہ بحث اور زیادہ تفصیل سے ہے اور اسی رائے کو ترجیح دی

عام مسلمانون کو شغف ہی اس سے زیادہ عیسائیون کو ہے، سرولیم میور، ڈریپر، مارگیولوس وغیرہ سب اس واقعہ کو عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہین، اور اس بات کے مدعی ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب کے حقائق واسرار اسی راہب سے سیکھے، اور جو نکتے اس نے بتا دیئے تھے اُنہی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائد اسلام کی بنیاد رکھی، اسلام کے تمام عمدہ اصول انہی نکتون کے شروح اور حواشی ہین۔[1]

عیسائی مصنفین اگر اس روایت کو صحیح مانتے ہین تو اس طرح ماننا چاہیئے جس طرح روایت مین مذکور ہے، اس مین بحیرا کی تعلیم کا کہین ذکر نہین، قیاس مین بھی نہین آسکتا کہ دس بارہ برس کے بچے کو مذہب کے تمام دقائق سکھا دیئے جائین، اور اگر یہ کوئی خرق عادت تھا، تو بحیرا کے تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ناقابلِ اعتبار ہے، اس روایت کے جس قدر طریقے ہین سب مرسل ہین یعنی راویِ اوّل واقعہ کے وقت خود موجود نہ تھا، اور راس راوی کا

---

[1] ڈریپر صاحب معرکۂ علم و مذہب مین لکھتے ہین: "بحیرا راہب نے بصریٰ کی خانقاہ مین محمد کو نسطوری عقائد کی تعلیم دی،..... آپ کے ناتربیت یافتہ لیکن اخاذ دماغ نے نہ صرف اپنے اتالیق کے مذہبی بلکہ فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا،..... بعد مین آپ کے طرزِ عمل سے اس امر کی شہادت ملتی ہو کہ نسطوریوں (عیسائیوں کے ایک مذہبی فرقہ کا نام ہو) کے مذہبی عقائد نے آپ پر کہان تک قابو پا لیا تھا" سرولیم میور صاحب نے بھی نہایت آب و رنگ سے ثابت کرنا چاہا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بت پرستی سے جو نفرت پیدا ہوئی اور ایک مذہب جدید کا جو خاکہ آپ نے قائم کیا، وہ سب اسی سفر اور اس کے مختلف تجارب اور مشاہدات کے نتائج تھے، (لیکن ظاہر ہے کہ اگر شارعِ اسلام بالفرض ان عیسائی اساتذہ کا تعلیم یافتہ ہوتا تو ناممکن تھا کہ توحید خالص کا وہ ولولہ اور تثلیث سے نفرت کا وہ جوش اس کے سینہ مین پیدا ہو سکتا، جو قرآن کے ہر صفحہ مین نظر آتا ہو)

نام نہین بیان کرتا جو شریک واقعہ تھا،

اس روایت کا سب سے زیادہ مستند طریقہ یہ ہے جو ترمذی مین مذکور ہے، اس کے متعلق تین باتین قابلِ لحاظ ہین،

(۱) ترمذی نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے، کہ "حسن اور غریب ہے، اور ہم اس حدیث کو اس طریقہ کے سوا کسی اور طریقہ سے نہین جانتے" حسن کا مرتبہ صحیح حدیث سے کم ہوتا ہے، اور جب غریب ہو تو اس کا رتبہ اس سے بھی گھٹ جاتا ہے،

(۲) اس حدیث کا ایک راوی عبدالرحمان بن غزوان ہے، اس کو بہت سے لوگون نے اگرچہ ثقہ بھی کہا ہے لیکن اکثر اہلِ فن نے اس کی نسبت بے اعتباری ظاہر کی ہے، علامہ ذہبی، میزان الاعتدال مین لکھتے ہین، کہ "عبدالرحمٰن منکر حدیثین بیان کرتا ہے، جن مین سب سے بڑھ کر منکر وہ روایت ہے جس مین بحیرا کا واقعہ مذکور ہے"

(۳) حاکم نے مستدرک مین اس روایت کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق ہے" علامہ ذہبی نے تلخیص المستدرک مین حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ "مین اس حدیث کے بعض واقعات کو موضوع، جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہون"[1]

(۴) اس روایت مین مذکور ہے کہ حضرت بلالؓ اور ابوبکرؓ بھی اس سفر مین شریک تھے، حالانکہ اس وقت بلالؓ کا وجود بھی نہ تھا اور حضرت ابوبکرؓ بچے تھے۔

---

[1] نبراس فی شرح عیون السیر لابن سید الناس اور زرقانی اور میزان الاعتدال اور اصابہ (تذکرۂ عبدالرحمان ابن غزوان) (مستدرک حاکم مع تلخیص ج ۲ ص ۶۱۵) "س"

(۵) اس حدیث کے اخیر راوی ابو موسیٰ اشعری ہین، وہ شریک واقعہ نہ تھے، اور اوپر کے راوی کا نام نہین بتاتے، ترمذی کے علاوہ، طبقات ابن سعد مین جو سلسلۂ سند مذکور ہے وہ مرسل یا معضل ہے یعنی جو روایت مرسل ہے اس مین تابعی جو ظاہر ہے کہ شریک واقعہ نہین ہے کسی صحابی کا نام نہین لیتا ہے، اور جو روایت معضل ہے اس مین راوی اپنے اوپر کے دو راوی جو تابعی اور صحابی ہین دونون کا نام نہین لیتا ہے)

(۶) حافظ ابن حجر رواۃ پرستی کی بنا پر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہین، لیکن چونکہ حضرت ابوبکرؓ اور بلالؓ کی شرکت بداہتہً غلط ہے، اس لیے مجبوراً اقرار کرتے ہین کہ اس قدر حصہ غلطی سے روایت مین شامل ہوگیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر کا یہ ادعا بھی صحیح نہین کہ اس روایت کے تمام رواۃ قابل سند ہین، عبدالرحمان بن غزوان کی نسبت خود انہی حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب مین لکھا ہے کہ "وہ خطا کرتا تھا، اس کی طرف سے اس وجہ سے شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ممالیک کی روایت نقل کی ہے" ممالیک کی ایک روایت ہے جس کو محدثین جھوٹ اور موضوع خیال کرتے ہین۔[2]

حرب فجار کی شرکت عرب مین اسلام کے آغاز تک لڑائیون کا جو متواتر سلسلہ چلا آتا ہے ان مین یہ جنگ سب سے زیادہ مشہور اور خطرناک تھی،

یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلہ مین ہوئی تھی، قریش کے تمام خاندانون نے اس معرکہ

---

[1] جزء اوّل قسم اوّل ص۷۶) "س" [2] (جامع نے بحیرا راہب کے قصہ کی مکمل تنقید سیرۃ النبی جلد سوم باب "مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت" مین کی ہے، اس کو ملاحظہ فرمایا جائے) "س"

مین اپنی اپنی الگ فوجین قائم کی تھین آل ہاشم کے علم بردار زبیر بن عبدالمطلب تھے اور اسی صف مین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے، بڑے زور کا معرکہ ہوا، اول قیس پھر قریش غالب آئے اور بالآخر صلح پر خاتمہ ہو گیا، اس لڑائی مین **قریش** کا رئیس اور سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھا، جو ابوسفیان کا باپ اور امیر معاویہ کا دادا تھا،

چونکہ قریش اس جنگ مین برسر حق تھے، اور خاندان کے ننگ و نام کا معاملہ تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی لیکن جیسا کہ ابن ہشام نے لکھا ہے آپ نے کسی پر ہاتھ نہین اٹھایا، امام سہیلی نے صاف تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جنگ نہین کی، ان کے الفاظ یہ ہین،

وانما لم یقاتل رسول اللہ صلی اللہ	اور آپنے اس لڑائی مین جنگ نہین کی،
علیہ وسلم مع اعمامہ فی الفجار وقد	حالانکہ آپ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے، اسکی
بلغ سن القتال لانھا کانت حرب	وجہ یہ تھی کہ یہ لڑائی ایام الحرام مین پیش آئی تھی
فجار وکانوا ایضا کلھم کفارا	نیز یہ وجہ تھی کہ فریقین کافر تھے، اور مسلمانون
ولم یاذن اللہ لمومن ان	کو لڑائی کا حکم صرف اس لیے خدانے دیا ہو
یقاتل الا لیکون کلمۃ اللہ ھی العلیا	کہ خدا کا بول بالا ہو،

اس لڑائی کو فجار اس لئے کہتے ہین کہ ایام الحرام مین یعنی اُن مہینون مین پیش آئی تھی جن مین لڑنا ناجائز تھا،

حلف الفضول | لڑائیون کے متواتر سلسلہ نے سیکڑون گھرانے برباد کر دیئے تھے اور

قتل وسفاکی موروثی اخلاق بن گئے تھے، یہ دیکھ کر بعض طبیعتون مین اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی، جنگِ فجار سے لوگ واپس پھرے تو زبیر بن عبد المطلب نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور خاندان کے سرگردہ تھے، یہ تجویز پیش کی، چنانچہ خاندانِ ہاشم، زہرہ اور تیم عبد اللہ بن جدعان کے گھر مین جمع ہوئے اور معاہدہ ہوا کہ ہم مین سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا، اور کوئی ظالم مکہ مین نہ رہنے پائے گا[1]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ مین شریک تھے، اور عہدِ نبوت مین فرمایا کرتے تھے، کہ معاہدہ کے مقابلہ مین اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو مین نہ بدلتا اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لئے کوئی بلائے تو مین حاضر ہون"

اس معاہدہ کو "حلف الفضول" اس لئے کہتے ہین کہ اوّل اوّل اس معاہدہ کا خیال جن لوگون کو آیا ان کے نام مین لفظ "فضیلت" کا مادہ داخل تھا، یعنی فضیل بن حرث، فضیل ابن واعہ اور مفضل، یہ لوگ جرہم اور قطورا کے قبیلہ کے تھے، اگرچہ یہ معاہدہ بے کار گیا اور کسی کو یاد بھی نہ رہا، چنانچہ قریش نے نئے سرسے بنیاد ڈالی، تاہم بانیِ اوّل کو نیک نیتی کا یہ ثمرہ ملا کہ ان کے نام کی یادگار اب تک باقی ہے،

تعمیرِ کعبہ | کعبہ کی عمارت صرف قدِ آدم اونچی تھی اور دیوارون پر چھت نہ تھی جس طرح ہمارے ملک مین عیدگاہین ہوتی ہین، چونکہ عمارت نشیب مین تھی، بارش کے زمانہ مین

---

[1] طبقات ج ۱ ص ۸۲ (مستدرک ج ۲ ص ۲۲۰) اس سے لیکن امام سہیلی نے مسند حارث بن اسامہ سے ایک حدیث نقل کی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نام اس لئے پڑا کہ اس معاہدہ مین یہ الفاظ تھے، ان تردّ الفضول علی اھلھا،

شہر کا پانی حرم مین آتا تھا، اس کی روک کے لئے بالائی حصہ پر بند بنوادیا گیا تھا، لیکن وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا، اور عمارت کو بار بار نقصان پہنچتا تھا، بالآخر یہ رائے قرار پائی کہ موجودہ عمارت ڈھا کر نئے سر سے زیادہ مستحکم بنائی جائے، حسنِ اتفاق یہ کہ جدّہ کے بندرگاہ پر ایک تجارتی جہاز کنارہ سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا، قریش کو خبر لگی تو ولید بن مغیرہ نے جدّہ پہنچ کر جہاز کے تختے مول لے لئے، جہاز مین ایک رومی معمار تھا جس کا نام باقوم تھا، ولید اس کو ساتھ لایا، اور تمام قریش نے مل کر تعمیر شروع کی، مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصّے آپس مین تقسیم کر لیے تھے کہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہ جائے، لیکن جب حجرِ اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت جھگڑا پیدا ہوا، ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ خدمت اسی کے ہات سے انجام پائے، نوبت یہان تک پہنچی کہ تلوارین کھنچ گئین،

عرب مین دستور تھا کہ جب کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا تھا تو پیالہ مین خون بھر کر اس مین انگلیان ڈبو لیتا تھا، اس موقع پر بھی بعض دعوے دارون نے یہ رسم ادا کی، چار دن تک یہ جھگڑا برپا رہا، پانچوین دن ابو امیہ بن مغیرہ نے جو قریش مین سب سے زیادہ معمر تھا رائے دی کہ کل صبح کو سب سے پہلے جو شخص آئے وہی ثالث قرار دے دیا جائے، سب نے یہ رائے تسلیم کی، دوسرے دن تمام قبائل کے معزز آدمی موقع پر پہنچے، کرشمۂ ربانی دیکھو کہ صبح کو سب سے پہلے لوگون کی نظرین جس پر پڑین وہ جمالِ جہانتاب چہرۂ محمدی تھا، لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ کیا کہ اس شرف سے تنہا بہرہ ور ہو، آپ نے فرمایا جو قبائل دعویدار ہین سب کا ایک ایک سردار انتخاب کر لیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر بچھا کر حجرِ اسود کو

اس میں رکھدیا، اور سرداروں سے کہا کہ چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر کو اٹھائیں، جب چادر موقع کے برابر آگئی تو آپؐ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا، (یہ گویا اشارہ تھا کہ دینِ الٰہی کی عمارت کا آخری تکمیلی پتھر بھی ان ہی ہاتھوں سے نصب[۲] ہوگا)

اس طرح ایک سخت لڑائی آپؐ کے حسنِ تدبیر سے رُک گئی، کعبہ کی عمارت اب مسقّف کردی گئی، لیکن چونکہ سامانِ تعمیر کافی نہ تھا، ایک طرف زمین کا کچھ حصّہ چھوڑ کر بنیادیں قائم کی گئیں اور اس حصّہ کے گرد چار دیواری کھینچ دی گئی کہ پھر موقع ہوگا تو کعبہ کے اندر لے لیں گے، یہی حصّہ ہے جس کو آج حطیم کہتے ہیں، اور جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نبوّت ارادہ فرمایا تھا، کہ دیوار ڈھا کر نئے سر سے عمارت بنائی جائے لیکن پھر خیال ہوا کہ نئے نئے مسلمان ہیں، دیوارِ کعبہ کے ڈھانے سے بدگمان ہو جائیں گے[۳]

شغلِ تجارت[۴]

(عرب اور خصوصاً قریش یعنی بنی اسمٰعیل ظہورِ اسلام کے ہزاروں برس پہلے سے تجارت پیشہ[۵] تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِّ اعلیٰ ہاشم نے قبائلِ عرب سے تجارتی معاہدے کرکے اس خاندانی طریقۂ اکتساب کو اور زیادہ مستحکم اور باقاعدہ کردیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب بھی تاجر تھے، اس بنا پر سنِ رشد کو پہنچنے کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

۱ (مسند طیالسی جلد اوّل ص۱۸ و مستدرک حاکم جلد اوّل ص۴۵۸) "س" (۲ یہ ایک حدیث کی طرف تلمیح ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ "میں نبوّت کی عمارت کا آخری پتھر ہوں" یعنی مکمل مذہب اور خاتم الرسل ہوں) "س"

۳ یہ واقعات ابن ہشام، طبقات، طبری میں منفرداً اور زرقانی جلد اوّل صفحہ ۲۳۲ تا ۲۴۰ میں مجتمعاً مذکور ہیں، اخیر کا واقعہ صحیح بخاری میں بھی ہے، بخاری میں یہ بھی ہے کہ قریش جب کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے اور دوشِ مبارک پر پتھر ڈھو ڈھو کر لاتے تھے، یہاں تک کہ شانے چھِل گئے تھے ۴ اضافہ و زیادہ ۵ توراۃ تکوین قصہ یوسف۔۔

کو جب فکرِ معاش کی طرف توجہ ہوئی تو تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نظر نہ آیا،
ابو طالب کے ساتھ آپؐ بچپن مین بھی بعض تجارتی سفر کر چکے تھے جس سے ہر قسم
کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا اور آپؐ کے حسنِ معاملہ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی، لوگ عموماً
اپنا سرمایہ کسی تجربہ کار اور امین شخص کے ہاتھ مین دے کر اس کے منافع مین شرکت کر لیتے
تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوشی کے ساتھ اس شرکت کو گوارا فرماتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرکاے تجارت کی شہادتون سے جو احادیث اور تاریخ
کی کتابون مین مذکور ہین ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کس دیانت اور راستبازی کے ساتھ اس کام کو
انجام دیتے تھے،

تاجر کے محاسنِ اخلاق مین سب سے زیادہ نادر مثال ایفاے عہد اور تمام وعدہ کی ہو سکتی
ہے، لیکن منصبِ نبوت سے پہلے مکہ کا تاجر امینؐ اس اخلاقی نظیر کا بہترین نمونہ تھا حضرت عبد اللہ
بن ابی الحمسا رضؓ ایک صحابی بیان کرتے ہین کہ بعثت سے پہلے مین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا تھا کچھ معاملہ ہو چکا تھا، کچھ باقی تھا مین نے وعدہ کیا کہ
پھر آؤن گا، اتفاق سے تین دن تک مجھ کو اپنا وعدہ یاد نہ آیا، تیسرے دن جب وعدہ گاہ
پر پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسی جگہ منتظر پایا، لیکن اس خلافِ وعدہ سے آپؐ کی پیشانی
پر بل تک نہ آیا، صرف اس قدر فرمایا کہ "تم نے مجھے زحمت دی، مین اسی مقام پر تین دن
سے موجود ہون[1]"

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۲۶ (مطبع مجدی کتاب الادب باب فی الوعد)

کاروبار تجارت میں ہمیشہ آپ اپنا معاملہ صاف رکھتے تھے، نبوت سے پہلے بھی جن لوگوں سے تجارت میں آپ کا سابقہ تھا، وہ بھی اس کی شہادت دیتے تھے، سائبؓ نام ایک صحابی جب مسلمان ہو کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، تو لوگوں نے انکی تعریف کی، آپ نے فرمایا "میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں"۔ سائبؓ نے کہا، آپ پر میرے ماں باپ قربان، آپ میرے شریکِ تجارت تھے، لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا، فکنت لا تداری ولا تماری[1]، قیس بن سائب مخزومی ایک اور صحابی بھی آپ کے شریکِ تجارت تھے، وہ بھی انہی الفاظ کے ساتھ آپ کے حسنِ معاملہ کی شہادت دیتے ہیں[2]۔

تجارت کی غرض سے شام وبصریٰ اور یمن کے متعدد سفر آپ نے کئے تھے)

تزویجِ خدیجہؓ حضرت خدیجہؓ ایک معزز خاتون تھیں، ان کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ملتا ہے، اور اس رشتہ کے لحاظ سے وہ آپؐ کی چچیری بہن تھیں، اُن کی دو شادیاں پہلے ہو چکی تھیں اب وہ بیوہ تھیں، چونکہ نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق تھیں، جاہلیت میں لوگ ان کو طاہرہ کے نام سے پکارتے تھے، نہایت دولتمند تھیں، طبقاتِ ابن سعد میں لکھا ہے کہ جب اہلِ مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا اُن کا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا،

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اب پچیس برس کی ہو چکی تھی، متعدد

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۱۷ [2] اصابہ ج ۵ ص ۲۵۳ ترجمہ حضرت قیسؓ بن سائب،

قومی کاموں مین آپ شریک ہو چکے تھے، تجارت کے کاروبار کے ذریعہ سے لوگون کے ساتھ معاملات پیش آتے تھے، اس بنا پر آپ کے حسن معاملہ، راستبازی، صدق و دیانت، اور پاکیزہ اخلاقی کی عام شہرت ہو چکی تھی، یہانتک کہ زبانِ خلق نے آپ کو امین کا لقب دیدیا تھا، حضرت خدیجہؓ نے ان اسباب کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ "آپ میرا مالِ تجارت لیکر شام کو جائین، جو معاوضہ مین اورون کو دیتی ہون آپ کو اس کا مضاعف دون گی" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا، اور مالِ تجارت لے کر بصریٰ تشریف لے گئے،

واپس آنے کے تقریبًا تین مہینہ کے بعد حضرت خدیجہؓ نے آپ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا، اُن کے والد کا انتقال ہو چکا تھا، لیکن ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے، عرب مین عورتون کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھین، اور اس مین بالغہ نابالغہ کی قید نہ تھی، حضرت خدیجہؓ نے چچا کے ہوتے خود براہ راست تمام مراتب طے کئے، تاریخ معین پر ابو طالب اور تمام رؤسائے خاندان جن مین حضرت حمزہؓ بھی تھے، حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے، ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھا اور پانسو طلائی درہم مہر قرار پایا،

بعض روایتون مین ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے والد زندہ تھے، اور ان کی موجودگی مین نکاح ہوا لیکن شراب مین مخمور تھے، جب ہوش مین آئے تو نکاح کا حال سُن کے برہم ہوئے کہ یہ برابر کا جوڑ نہین،

لیکن یہ روایت صحیح نہیں، امام سہیلی نے بہ تصریح اور بدلیل ثابت کیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے والد جنگ فجار کے قبل انتقال کر چکے تھے،

حضرت خدیجہؓ جس مکان میں رہتی تھیں، وہ آج بھی (حسب بیان مورخ طبری) انہی کے نام سے مشہور ہے، امیر معاویہؓ نے اس مکان کو خرید کر مسجد بنا دیا،

شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی، اور پہلے دو شوہروں سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں، ان کے نام اور مفصل حالات آگے آئیں گے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر اولاد ہوئی، بجز حضرت ابراہیم کے حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے ہوئی، ان کے حالات آگے تفصیل سے آئیں گے،

جستہ جستہ واقعات | یہ واقعات تھے جن میں تاریخی ترتیب معلوم ہے، اس لئے مسلسل لکھے گئے، ان امور کے سوا جستہ جستہ واقعات کا بھی پتہ لگتا ہے، چونکہ ان کے سنین اور تاریخیں غیر معلوم ہیں، اس لئے ان کو عام سلسلہ سے الگ یکجا لکھنا زیادہ موزوں ہوگا،

حدود سفر | اہل مکہ عموماً تجارت کی غرض سے سفر کرنے کے عادی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس تقریب سے متعدد سفر کئے، شام اور بصریٰ کے سفر کا حال پہلے گذر چکا ہے، اس کے علاوہ اور مقامات تجارت میں بھی آپ کا تشریف لے جانا ثابت ہے، عرب میں مختلف مقامات میں جو بازار قائم تھے ان میں سے حباشہ کا ذکر ابن سید الناس نے کیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے جہاں جہاں آپ کو تجارت کی غرض سے بھیجا تھا، ان میں جرش بھی ہے، جو یمن میں ہے، حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے، اور علامہ ذہبی نے بھی تصدیق کی ہے،

کہ جرش مین آپ دو دفعہ تشریف لے گئے، اور ہر دفعہ حضرت خدیجہؓ نے معاوضہ مین ایک اونٹ دیا[1]،

نبوت کے بعد جس سال آپ کی خدمت مین عرب کے تمام دور دراز مقامات سے وفود آئے، ان مین جب بحرین سے عبد القیس کا وفد آیا، تو آپ نے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لے کر وہان کا حال پوچھا، لوگون نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ہمارے ملک کا حال ہم سے زیادہ جانتے ہین، آپ نے فرمایا "مین نے تمھارے ملک کی خوب سیر کی ہے[2]" مورخین یورپ نے جو علوم غیبی کے منکر ہین، اور جو ثابت کرنا چاہتے ہین کہ (نعوذ باللہ) آپ کے تمام معارف ومعلومات سیر وسفر سے ماخوذ ہین، قیاسات کے ذریعہ سے اس دائرہ کو اور وسعت دی ہے، ایک مورخ نے لکھا ہے کہ "آپ نے بحری سفر بھی کیا تھا، جس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید مین جہازون کی رفتار اور طوفان کی کیفیت کی ایسی صحیح تصویر ہے جس سے (نعوذ باللہ) ذاتی تجربہ کی بو آتی ہے" مورخ مذکور کا یہ بھی دعوی ہے کہ آپ مصر بھی تشریف لے گئے تھے، اور ڈیڈسی (بحر میت) کا بھی معائنہ کیا تھا، لیکن تاریخی دفتر ان واقعات سے خالی ہے[3]،

---

[1] نور النبراس فی شرح ابن سید الناس [2] مسند امام احمد بن حنبل (جلد ۴) صفحہ ۲۰۶، س ۳۳ مارگولیس صفحہ ۵۰

[3] (یورپین مورخین جنکی بنیاد صرف قیاس ورائے پر ہوتی ہے، اگر اس قسم کے واقعات بیان کرین تو کوئی تعجب نہین ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مصر جانا درحقیقت یورپ کے عہد مظلم کی مضحکہ انگیز روایت ہے، بحری سفر آپ نے یقیناً نہین کیا، لیکن اگر بحرین تشریف لیجانے کی روایت صحیح ہے تو خلیج فارس آپ نے دیکھا ہوگا، بحر میت کا مشاہدہ بھی ممکن ہے کیونکہ اس کا موقع عرب وشام کے درمیان مین ہے جہان سے آپ کئی بار تجارت کیساتھ گذرے ہون گے) "س"

مراسم شرک سے اجتناب یہ قطعاً ثابت ہے کہ آپ بچپن اور شباب میں بھی جب کہ منصب پیغمبری سے ممتاز نہیں ہوئے تھے، مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے،

ایک دفعہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا لاکر رکھا، یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا، جانور جو ذبح کیا گیا تھا کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا، آپ نے کھانے سے انکار کیا[1]

نصاریٰ نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ کے اعتقادات میں جو تغیر ہوا ہے وہ عہد نبوت سے ہوا ہے، ورنہ اس سے پہلے آپ کا طرز عمل وہی تھا جو آپ کے خاندان اور اہل شہر کا تھا، چنانچہ آپ نے اپنے پہلے صاحبزادہ کا نام عبد العزیٰ[2] رکھا تھا، اور یہ روایت خود امام بخاری کی تاریخ صغیر میں موجود ہے، لیکن یہ روایت اگر صحیح بھی ہو تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیونکر استدلال ہوسکتا ہے،

حضرت خدیجہؓ اسلام سے پہلے بت پرست تھیں، انھوں نے یہ نام رکھا ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک منصب ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے، اس لیے آپ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا اور اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت فی نفسہٖ بھی ثابت نہیں، اس روایت کا سب سے زیادہ صحیح سلسلہ وہ ہے جو امام بخاری نے تاریخ صغیر میں روایت کیا ہے، اس کا پہلا راوی اسمٰعیل ہے،

---

[1] صحیح بخاری باب المناقب ذکر زید بن عمرو بن نفیل یہ حدیث امام بخاری نے اور ابواب میں بھی نقل کی ہے، اس کے الفاظ میں اجمال رہ گیا ہے جو اس روایت میں صاف ہوگیا ہے، مسند ابن امام حنبل (جلد اول ص ۱۸۹) میں ایک روایت ہے جس میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو اس کھانے پر بلایا اور زید نے انکار کیا، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاریخ سے کبھی بتوں پر ذبح کیا ہوا کھانا نہیں کھایا، لیکن اس روایت کے راویوں کا حال نہیں ملتا، اور یوں بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہے [2] عزیٰ ایک بت کا نام تھا،

جس کا پورا نام اسمٰعیل بن ابی اویس ہے، اگرچہ بعض محدثین نے اس کی توثیق کی ہے، لیکن گروہ کثیر کی رائے حسبِ ذیل ہے،

معاویہ بن صالح	اسمٰعیل اور اس کا باپ دونون ضعیف ہین،
یحیٰی بن مخلط	وہ جھوٹ بولتا ہے اور محض ہیچ ہے،
امام نسائی	ضعیف اور غیر ثقہ ہے،
نضر بن سلمہ مروزی	وہ کذّاب ہے،
دار قطنی	مین اس کو صحیح روایت کے لئے پسند نہین کرتا،
سیف بن محمد	وہ جھوٹ حدیثین بناتا ہے،
سلمہ بن شبیب	مجھ سے اس نے خود اقرار کیا کہ جب کبھی کسی بات مین اختلاف ہوتا تھا تو مین ایک حدیث بنا لیتا تھا

یہ امر واقعی طور پر ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے بُت پرستی کی برائی شروع کردی تھی، اور جن لوگون پر آپ کو اعتماد تھا، اُن کو اس بات سے منع فرماتے تھے[1] (مستدرک حاکم جلد سوم ذکر زید بن حارثہ "س")

[1] مسٹر مارگولیس نے اس کے برخلاف ایک حیرت انگیز دعویٰ کیا ہے اور اس کے ثبوت مین دعویٰ سے زیادہ تر حیرت انگیز فریب کاری کی ہو کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ دونون نے سونے سے پہلے ایک بت کی پرستش کر لیا کرتے تھے جس کا نام عزیٰ تھا" مصنف موصوف نے اس کی سند مین امام حنبل کی روایت (جلد ۴ صفحہ ۲۲۲) پیش کی ہے، روایت کے الفاظ یہ ہین :-

حدثنی جار لخدیجۃ بنت خویلد انہ سمع | مجھ سے خدیجہ (بنت خویلد) کے ایک ہمسایہ نے بیان کیا کہ

موحدین کی ملاقات | اس میں شبہہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے فیضِ الٰہی کی حنیف شعاعیں عرب میں پھیلنی شروع ہو گئی تھیں، چنانچہ قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عبید اللہ ابن جحش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل نے بت پرستی سے انکار کر دیا تھا،[1] ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید سے ملاقات کی تھی، جس کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ہے، ورقہ عیسائی ہو گئے تھے، اور چونکہ حضرت خدیجہؓ کے برادر عم زاد تھے اور مکہ ہی میں رہتے تھے، اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ آپؐ اُن سے بھی ملے ہوں گے، بعض روایتوں میں ہو کہ اُن سے

(بقیہ صفحہ ۱۹۲) النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقول لخدیجۃ ای خدیجۃ واللہ لا اعبد اللات والعزیٰ واللہ لا اعبد ابداً قال فتقول خدیجۃ خل اللات خل العزیٰ قال کانت صنمھم التی کانوا یعبدون ثم یضطجعون،

میں نے پیغمبر صاحبؐ کو حضرت خدیجہؓ سے یہ کہتے سنا کہ اے خدیجہ بخدا میں کبھی لات اور عزیٰ کی پرستش نہ کروں گا، خدیجہؓ کہتی تھی کہ لات کو جانے دیجئے، عزیٰ کو جانے دیجئے، (یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجیے) اس نے کہا لات و عزیٰ وہ بت تھے جنکی پرستش اہلِ عرب سونے سے پیشتر کیا کرتے تھے،

ایک معمولی عربی دان بھی سمجھ سکتا ہو کہ عبارت مذکور میں کانوا کا لفظ ہو جس کے معنی یہ ہیں کہ اہلِ عرب لات عزیٰ کی پرستش کیا کرتے تھے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہوتا تو تثنیہ کا صیغہ ہوتا نہ کہ جمع کا، اس کے علاوہ خود اسی روایت میں لات و عزیٰ کی پرستش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت انکار کرنا مذکور ہی،

مارگولیس صاحب نے یہ روایت بھی بیان کی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عزیٰ کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بھیڑ ذبح کی تھی لیکن صاحب موصوف نے اسکی سند میں کوئی عربی ماخذ پیش نہیں کیا بلکہ ولہوسن کا حوالہ دیا ہو (دیکھو مارگولیس کی کتاب صفحہ ۷۰ تا ۷۱) معجم البلدان (ایک جغرافیہ کی کتاب) میں ایک روایت اس مضمون کی موجود ہے لیکن (اوّلاً) تو اس موضوع خاص میں یہ کتاب خود بے سند ہے، ثانیاً یہ روایت) کلبی سے ہے، جو مشہور دروغگو ہے،

[1] ابن ہشام صفحہ ۷۶، میں قس بن ساعدہ کے سوا باقی سب لوگوں کے نام اور حالات مذکور ہیں، زید کا ذکر بخاری میں بھی ہے، قس کا ذکر نہایت کثرت سے تمام تاریخوں اور ادب کی کتابوں میں پایا جاتا ہی،

آپ کی دوستی تھی،

ادب و محاضرات کی کتابون مین عموماً اور بعض تاریخون مین بھی مذکور ہے کہ قس بن ساعدۃ نے عکاظ مین جو مشہور خطبہ دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس خطبہ مین شریک تھے، اس خطبہ کا بڑا حصّہ اکثر اہلِ ادب نے نقل کیا ہے اور چونکہ اس کے فقرے بظاہر قرآن مجید کی ابتدائی سورتون کی طرح چھوٹے چھوٹے اور مقفّٰی ہین، اس لئے عیسائی مورخین نے دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طرز اُنہی سے لیا ہے، چنانچہ بعض فقرے یہ ہین :-

ایُّھا الناس اسمعوا وعوا، واذا وعیتم فانتفعوا، انہ من عاش مات، ومن مات فات وکل ماھو اٰتٍ آت ۔ مطرٌ ونبات ٭ وارزاقٌ واقوات، واٰباءٌ وامّھات، واحیاء واموات، وجمیع واشتات، انّ فی السماء لخبرا، وان فی الارض لعبرا، لیل داج، وسماء ذات ابراج، وبحار ذات امواجٍ، مالی اری الناس یذھبون فلا یرجعون، ارضوا بالمقام فاقاموا، ام تُرکوا ھناك فناموا، این من بنی وشیّد، وزخرف ونجد، وعدّ المال والولد، این من بغیٰ وطغیٰ،

قس بن ساعدۃ کی روایت اور اس کا خطبہ مختصر و مطول بہ عبارات مختلفہ بغوی، ازدی، بیہقی، جاحظ وغیرہ نے نقل کیا ہے لیکن وہ سرتاپا مصنوعی اور موضوع ہے، اس کے رواۃ عموماً ناقابلِ سند بلکہ کذاب ہین، چنانچہ سیوطی نے موضوعات مین اس روایت کے تمام طریقون کو نقل کرکے اُن کے رواۃ سے بحث کی ہے، اور علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ کے اقوال تفصیل سے نقل کیے ہین، عجیب بات یہ ہے کہ یہ روایت مختلف طریقون سے

مروی ہے، لیکن ہر طریقہ میں کوئی نہ کوئی راوی ایسا ہے جو موضوع حدیثیں بنایا کرتا تھا، اس کا ایک مشترک راوی محمد بن حجاج ہے، اس کی نسبت ابن معین کا قول ہے کہ "کذاب اور خبیث ہے"۔ ابن عدی نے لکھا ہے کہ "ہریسہ کی حدیث اسی نے وضع کی ہے"۔ ایک طریقہ کا راوی سعید بن ہبیرہ ہے، اس کی نسبت ابن حبان نے لکھا ہے، کہ "ثقہ لوگوں کی زبانی جھوٹی حدیثیں روایت کرتا تھا یا تو وہ خود یہ حدیثیں تصنیف کرتا تھا یا اور لوگ اس کے لئے بنا دیا کرتے"۔ ایک طریقہ کے راوی قاسم بن عبداللہ اور احمد بن سعید ہیں، اور یہ دونوں حدیث بنانے میں بدنام ہیں، بیہقی نے اس روایت کے متعلق ایک بڑا قصہ نقل کیا ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ نے قس بن ساعدہ کا پورا خطبہ اپنی یاد سے بیان کیا ہے، یہ روایت پوری کی پوری موضوع ہے[1]، حافظ ابن حجر نے اس روایت کے اور طریقے بھی نقل کئے ہیں اور اُن کی تضعیف کی ہے[2]۔

[1] یہ پوری تفصیل اللآلی المصنوعۃ مطبوعۂ مصر صفحہ ۵۹ تا صفحہ ۶۰ میں ہے۔ [2] ایک نکتہ یہاں خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے بنوامیہ اور عباسیہ کے زمانہ میں یہ مذاق پیدا ہوگیا تھا کہ اپنے زمانہ کے شعرا اور فصحا سے اشعار اور خطبے تصنیف کراتے تھے، اور جاہلیت یا ابتدائے اسلام کے شعراء اور خطباء کے نام سے مشہور کرتے تھے، محمد بن اسحاق اس رتبہ کے شخص ہیں کہ امام بخاری نے جزء القرأۃ میں ان سے روایت کی ہے، تاہم ان کا یہ عام طریقہ تھا، علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال (مطبوعۂ مصر صفحہ ۹۲) میں خطیب بغدادی سے روایت کی ہے کہ محمد بن اسحاق شعرائے وقت کو مغازی کے واقعات دیدیتے تھے، کہ ان کے بارے میں اشعار کہدو، ان اشعار کو وہ اپنی کتاب میں شامل کردیتے تھے، ابن ہشام میں حضرت خدیجہؓ، ابوبکرؓ، امیہ بن ابی الصلت، ابوطالب کے سیکڑوں اشعار نقل کئے ہیں، جن کی زبان اور انداز بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی زبان نہیں ہے، ایک لطیف بات یہ ہے کہ ابن ہشام ان اشعار کو نقل کرکے اکثر موقعوں پر لکھ دیتے ہیں، کہ فن شعر کے ماہران اشعار کی نسبت انکار کرتے ہیں، مثلاً سریۂ عبیدۃ بن الحرث میں (ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۲

احباب خاص	نبوت سے پہلے جو لوگ آپؐ کے احباب خاص تھے سب نہایت پاکیزہ اخلاق، بلند رتبہ اور عالی منزلت تھے، ان میں سب سے مقدم حضرت ابوبکرؓ تھے، جو ہم سن

(بقیہ حاشیہ ۱۹۵) مطبوعہ مصر) حضرت ابوبکرؓ کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے:

والکثر اهل العلم والشعر ینکر هذه القصیدۃ لابی بکر، — اور اکثر اہل علم اور فن شعر والے اس بات کے منکر ہیں کہ یہ قصیدہ حضرت ابوبکرؓ کا ہے۔

یہ وضاعی مختلف اغراض سے کی جاتی تھی، زیادہ اس وجہ سے کہ ان جلسوں یا شعروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی پیشین گوئی یا اور کوئی بات اسلام کی تصدیق کی شامل کر دیتے تھے، مثلاً یہی قس بن ساعدۃ کا خطبہ اس میں یہ فقرے بھی ہیں،

نبیاً قد حان حینه واظلکم اوانه فطوبی لمن امن به فهداه وویل لمن خالفه وعصاه (اللآلی المصنوعہ صفحہ ۲)

ایک پیغمبر کا زمانہ قریب آگیا ہے سو اس کو مبارکی ہو جو اس پر ایمان لائے گا اور وہ اس کو ہدایت کرے گا، اور تباہی ہو اس کے لیے جو اس کی مخالفت اور نافرمانی کریگا،

ابوطالب کے نام سے جو لامیہ قصیدہ ابن ہشام وغیرہ نے نقل کیا ہے (ابن ہشام صفحہ ۹۲ و ۹۴) سرتا پا موضوع ہے، اس کے خاتمہ کے اشعار یہ ہیں،

فاصبح فینا احمد فی ارومه — تقصر عنه سورة المتطاول

فایده رب العباد بنصره — واظهر دیناً حقه غیر باطل

(اس قصیدہ کو سرتاپا موضوع کہنے کے بجائے جیسا کہ مصنفؒ نے کہا ہے، اکثر کہنا صحیح ہے کیونکہ اس کے دو شعر صحاح میں بھی مذکور ہیں، مثلاً صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الاستسقاء خود ابن اسحاقؒ نے اس قصیدہ کو نقل کر کے لکھا ہے؛ وبعض اهل العلم بالشعر ینکر اکثرها، یعنی بعض ماہرین شعر اس کے اکثر اشعار کی صحت سے انکار کرتے ہیں، "س ن")

اکثر لوگ یہ کرتے تھے کہ قرآن مجید میں توحید اور معاد کے متعلق جو آتیں ہیں ان کے مطابق اشعار تصنیف کراتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ اس سے اسلام کی تائید ہوگی، امیہ بن ابی الصلت کے نام سے جو اشعار منقول ہیں ان کو دیکھ کر صاف یقین ہوجاتا ہے کہ کسی نے قرآن مجید کو سامنے رکھ کر یہ اشعار کہے ہیں، مثلاً

آپ کے شریک صحبت رہتے ہے، حضرت خدیجہؓ کے چچیرے بھائی حکیم بن حزام جو قریش کے نہایت معزز رئیس تھے، وہ بھی احباب خاص مین تھے، حرم کا منصب رفادہ انہی کے ہاتھ مین تھا دار الندوہ کے بھی یہی مالک تھے، چنانچہ اسلام کے بعد امیر معاویہؓ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم پر بیچ ڈالا، لیکن یہ کل رقم خیرات کردی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر مین ۵ برس بڑے تھے،

اگرچہ یہ مدت تک یعنی ہجرت کے آٹھوین سال تک ایمان نہین لائے، لیکن اس حالت مین بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت رکھتے تھے، ایک دفعہ کعبہ مین ذو یزن کا اسباب نیلام ہوا تھا، اس مین ایک عمدہ حلہ تھا، انھون نے پچاس اشرفیون مین اسکو خریدا، اور مدینہ لے کر آئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کرین، آپ نے فرمایا کہ مین مشرکون

(بقیہ حاشیہ ۱۹۶) فقلت لہٗ اذھب بھرون فادعوا — الی اللہ فرعون الذی کان طاغیا
وقولا لہٗ اانت رفعت ھذہ — بلا عمد ارفق اذا بک بانیا
وقولا لہٗ اانت سوّیت وسطہا — منیرًا اذا ماجنّہ اللیل ھادیا

ایک عجیب بات یہ ہے کہ مسٹر مارگولیس نے بھی ایک موقع پر اس کی تصدیق کی ہے، چنانچہ کہتے ہین "قدیم شاعری کا اکثر حصہ قرآن کے اسلوب پر موزون کیا گیا ہے" (صفحہ ۶۲ تا صفحہ ۶۳) ان لوگون نے اپنی دانست مین اسلام کی خیرخواہی کی غرض سے یہ کام کیا تھا، آج یورپ والے اسی سے یہ کام لیتے ہین کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر نہ تھے بلکہ جاہلیت کے خطباء اور شعراء سے معتقدات اور خیالات بلکہ طرز ادا تک اخذ کرتے تھے لیکن ادب کا نکتہ شناس یا فن روایت کا ماہر بے تکلف سمجھ سکتا ہے کہ تمام اشعار اور خطبے مصنوعی ہین، یورپ کو فن ادب اور روایت مین مہارت کیلئے ابھی ایک زمانہ درکار ہے، اور جب وہ زمانہ آئیگا تو یورپ کو اپنی بدمذاقی پر خود شرم آئے گی، [۱] اصابہ ذکر حضرت ابوبکرؓ (حضرت ابوبکرؓ کا نام عبداللہ تھا اصابہ مین اسی نام کے ذیل مین حضرت ابوبکرؓ کا حال لکھا ہے، جلد ۲ صفحہ ۳۴۱) "س"

[۲] اصابہ ذکر حکیم بن حزام (جلد ۱ صفحہ ۳۴۹) "س"

کا ہدیہ نہین قبول کرتا، البتہ قیمت لو تو لے سکتا ہون، مجبور ہوکر انھون نے قیمت لینی گوارا کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے لیا، [1]

حضرت ضماد بن ثعلبہ، جو ازد کے قبیلہ سے تھے، جاہلیت مین طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے، یہ بھی احباب خاص مین سے تھے، نبوت کے زمانہ مین یہ مکہ آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت مین دیکھا کہ راستہ مین جارہے ہین اور پیچھے لونڈون کا غول ہے، مکہ کے کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہتے تھے، لونڈون کا غول دیکھ کر ضماد نے یہی قیاس کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا، محمدؐ! مین جنون کا علاج کرسکتا ہون، آپ نے حمد و ثنا کے بعد چند مؤثر جملے ادا کئے، ضماد مسلمان ہوگئے، اس واقعہ کو مختصراً مسلم و نسائی نے بھی لکھا ہے لیکن زیادہ تفصیل مسند امام احمد حنبل (جلد ۱ صفحہ ۳۰۲) مین ہے،

جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تجارت کے کاروبار مین شریک تھے، ان مین سے ایک صاحب قیس بن سائب مخزومی تھے، مجاہد بن جبیر جو مشہور مفسر گذرے ہین، انہی کے غلام تھے، ان کا بیان ہے کہ شرکاء کے ساتھ آپ کا معاملہ نہایت صاف رہتا تھا، اور کبھی کوئی جھگڑا یا مناقشہ پیش نہین آتا تھا، [2]

---

[1] مسند امام حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۰۴ [2] استیعاب (جلد ۲ صفحہ ۵۴۳) و اصابہ،

آفتابِ رسالت کا طلوع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ مین پیدا ہوئے مکہ بت پرستی کا مرکز اعظم تھا، خود کعبہ مین تین سو ساٹھ بُت تھے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان کا تمغاے امتیاز صرف اس قدر تھا کہ اس صنم کدہ کے متولی اور کلید بردار تھے، بااینہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بتون کے آگے سر نہین جھکایا، دیگر رسوم جاہلیت مین بھی کبھی شرکت نہین کی، قریش نے اس بنا پر کہ ان کو عام لوگون سے ہر بات مین ممتاز رہنا چاہیے، یہ قاعدہ قرار دیا تھا کہ ایام حج مین قریش کے لئے عرفات جانا ضرور نہین، اور یہ کہ جو لوگ باہر سے آئین، وہ قریش کا لباس اختیار کرین، ورنہ اُن کو عریان ہو کر کعبہ کا طواف کرنا ہوگا[1]، چنانچہ اسی بنا پر طواف عریان کا عام رواج ہوگیا تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتون مین کبھی اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا[2]،

عرب مین افسانہ گوئی کا عام رواج تھا، راتون کو لوگ تمام اشغال سے فارغ ہو کر کسی مقام مین جمع ہوتے تھے، ایک شخص جس کو اس فن مین کمال ہوتا تھا، داستان شروع کرتا تھا، لوگ بڑے ذوق و شوق سے رات رات بھر سنتے تھے، بچپن مین ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جلسہ مین شریک ہونا چاہا تھا، لیکن اتفاق سے راہ مین شادی کا

---

[1] ابن ہشام مطبوعۂ مصر ۱۲۹۵ھ جلد اوّل صفحہ ۶۷، [2] ابن ہشام صفحہ ۶۹،

کوئی جلسہ تھا دیکھنے کے لئے کھڑے ہو گئے، وہین نیند آگئی، اُٹھے تو صبح ہو چکی تھی[1]،

ایک دفعہ اور ایسا ہی اتفاق ہوا، اُس دن بھی یہی اتفاق پیش آیا، چالیس برس کی مدت مین صرف دو دفعہ اس قسم کا ارادہ کیا لیکن دونون دفعہ توفیقِ الٰہی نے بچا لیا کہ "تیری شان ان مشاغل سے بالاتر ہے[1]"

یہ فطرتِ سلیم اور نیک سرشتی کا اقتضا تھا، لیکن ایک شریعتِ کبریٰ کی تاسیس ایک مذہبِ کامل کی تشیید اور رہنمائی کونین کے منصبِ عظیم کے لئے کچھ اور درکار تھا، اسی زمانہ کے قرب مین اور حق پرستون (ورقہ۔ زید، عثمان بن حویرث) کے دل مین خیال آیا کہ جمادِ لا یعقل کے آگے سر جھکانا حماقت ہی، چنانچہ سب مذہبِ حق کی تلاش کے لئے نکلے لیکن ناکامی کی دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر رہ گئے، ورقہ اور عثمان عیسائی ہو گئے، اور زید یہ کہتے کہتے مر گئے "اے خدا! اگر مجھکو یہ معلوم ہوتا کہ تجھ کو کس طریقہ سے پوجنا چاہئے تو مین اُسی طریقہ سی تجھکو پوجتا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے دنیاوی تعلقات تھے، تجارت کا کاروبار تھا، متعدد اولادین تھین، تجارت کی ضرورت سے اکثر سفر کرنا پڑتا تھا، لیکن دستِ قدرت کو جو کام لینا تھا، وہ ان تمام مشاغل سے بالاتر تھا، دنیا اور دنیا کے تمام کام آپ کو ہیچ نظر آتے تھے، تاہم مطلوبِ حقیقی کا اب تک پتہ نہ تھا،

مکہ معظمہ سے تین میل پر ایک غار تھا جس کو حرا کہتے ہین، آپ مہینون وہان

(1) بزار و مستدرک بحوالہ نسیم الریاض ج اول صفحہ ۶۰۹ و خصائص کبری سیوطی ج اول صفحہ ۸۸) "مسٹر ولیم میور صاحب "لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)" مین لکھتے ہین "ہماری تمام تصنیفات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارہ مین آپکے چال چلن کی عصمت اور اُن کے اطوار کی پاکیزگی پر جو اہلِ مکہ مین کمیاب تھی متفق ہین"

جا کر قیام فرماتے اور مراقبہ کرتے، کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے، وہ ہو چکتا تو پھر گھر پر تشریف لاتے، اور پھر واپس جا کر مراقبہ مین مصروف ہوتے،

صحیح بخاری مین ہے کہ غار حرا مین آپؐ تحنث یعنی عبادت کیا کرتے تھے، یہ عبادت کیا تھی؟ علینی شرح بخاری مین ہے،

قیل ماکان صفۃ تعبدہ اجیب — یہ سوال کیا گیا ہو کہ آپؐ کی عبادت کیا تھی؟ جوا

بان ذٰلک کان بالتفکر والاعتبار — یہ ہو کہ غور و فکر اور عبرت پذیری،

یہ وہی عبادت تھی جو آپؐ کے دادا ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے کی تھی، ستارون کو دیکھا تو چونکہ تجلی کی جھلک تھی، دھوکا ہوا، چاند نکلا تو اور بھی شبہہ ہوا، آفتاب پر اس سے زیادہ لیکن جب سب نظرون سے غائب ہو گئے تو بیساختہ پکار اُٹھے،

لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ..... — مین فانی چیزون کو نہین چاہتا،

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ — مین اپنا منھ اُس کی طرف کرتا ہون جس نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۔ (انعام - ۹) — زمین و آسمان پیدا کیا،

ایک مغربی مؤرخ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عبادت کی کیفیت اس طرح ادا کی ہے،

"سفر و حضر مین ہر جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل مین ہزارون سوال پیدا ہوتے تھے، مین کیا ہون؟ یہ غیر متناہی عالم کیا ہے؟ نبوت کیا شے ہے؟ مین کن چیزون کا اعتقاد کرون؟ کیا کوہ حرا کی چٹانین، کوہ طور کی سر بفلک چوٹیان، کھنڈر اور میدان کسی نے ان سوالون کا جواب دیا؟ نہین ہرگز نہین، بلکہ گنبد گردان، گردش لیل و نہار، چمکتے ہوے ستارے،

برستے ہوے بادل، کوئی ان سوالون کا جواب نہ دیگا۔[1]

نبوت کا دیباچہ یہ تھا کہ خواب مین آپؐ پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوئے، جو کچھ آپؐ خواب مین دیکھتے تھے، بعینہ وہی پیش آتا تھا، ایک دن جب کہ آپؐ حسب معمول غارِ حرا مین مراقبہ مین مصروف تھے، فرشتۂ غیب نظر آیا کہ آپؐ سے کہہ رہا ہے،

اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝	پڑھ اُس خدا کا نام جس نے کائنات کو پیدا کیا جس نے
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَءْ	آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھ تیرا
وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ	خدا کریم ہے، وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا
عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (اقرء)	سکھایا وہ جس نے انسان کو وہ باتین سکھائین جو اُسے معلوم نہ تھیں

آپؐ گھر واپس تشریف لائے تو جلالِ الٰہی سے لبریز تھے،

آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا، وہ آپؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لوائی گئین جو عبری زبان جانتے تھے، اور توریت و انجیل کے ماہر تھے، انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ کی کیفیت سُنی تو کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر اُترا تھا،

روایت مین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈر پیدا ہوا، حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ آپؐ متردد

---

[1] کارلائل ہیروز تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [2] وحی کے انواع مین سے ایک خواب بھی ہے صحیح بخاری کے شروع مین ہے اوّل ما بدء بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم۔ بخاری کتاب التعبیر مین زیادہ صاف طریقہ پر یہ مسئلہ ادا کیا گیا ہے،

[3] صحیح بخاری باب بدء الوحی و کتاب التعبیر، یہ روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے لیکن حضرت عائشہؓ اس وقت تک پیدا نہین ہوئی تھین، محدثین کی اصطلاح مین ایسی روایت کو مرسل کہتے ہین لیکن صحابہ کا مرسل محدثین کے نزدیک قابلِ حجت ہے کیونکہ متروک راوی بھی صحابیؓ ہی ہون گے،

نہون، خدا آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑے گا" پھر وہ آپؐ کو ورقہ کے پاس لوا گئین، انھون نے آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بے شبہہ یہ الفاظ نکلے "مجھکو ڈر ہے" لیکن یہ تردد، یہ ہیبت، یہ اضطراب، جلالِ الٰہی کا تاثر (اور نبوت کے بارِ گران کی عظمت کا تخیل تھا) آپؐ نے کیا دیکھا؟ ناموسِ اعظم نے کیا کہا؟ کیا کیا مشاہدات ہوئے؟ یہ وہ نازک باتین ہین جو الفاظ کا تحمل نہین کر سکتین،

صحیح بخاری باب التعبیر مین ہے کہ چند روز تک جب وحی رک گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے تھے کہ اپنے آپ کو گرا دین، دفعۃً حضرت جبرئیلؑ نظر آتے تھے، اور کہتے تھے "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم واقعی خدا کے پیغمبر ہو" اس سے آپؐ کو اس وقت تسکین ہو جاتی تھی، لیکن جب پھر وحی کچھ دنون کے لئے رُک جاتی تھی تو پھر آپؐ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے تھے اور پھر حضرت جبرئیلؑ نمایان ہو کر تسکین دیتے کہ آپؐ واقعی خدا کے پیغمبر ہین،

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے حصۂ اوّل کی شرح مین معترضین کا یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ "ایک پیغمبر کو نبوت مین کیونکر شک ہو سکتا ہے، اور ہو تو کسی عیسائی کے تسکین دینے سے کیا تسکین ہو سکتی ہے" پھر ایک مشہور محدث کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ "نبوت ایک امرِ عظیم ہے، اس کا تحمل دفعۃً نہین ہو سکتا، اس لیے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب کے ذریعہ سے مانوس کیا گیا، پھر جب دفعۃً فرشتہ نظر آیا تو آپؐ اقتضائے بشریت سے خوف زدہ

ہو گئے، حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو تسکین دی، پھر جب ورقہ نے تصدیق کی تو آپؐ کو پورا یقین ہو گیا، محدثِ مذکور کے الفاظ یہ ہیں،

فلمّا سمع کلامہ ایقن بالحق واعترف بہ، — جب آپؐ نے ورقہ کا کلام سنا تو آپؐ کو حق کا یقین آگیا اور آپؐ نے اس کا اعتراف کیا،

محدثِ مذکور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ "وحی بار بار اس لئے رُک جاتی تھی کہ آپؐ رفتہ رفتہ اس کے برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں"۔[1]

لیکن جب کہ ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے کہ نبوت سے پہلے سفرِ شام میں (بمقام بصریٰ) جس درخت کے نیچے آپؐ بیٹھے تھے اس کی تمام شاخیں آپؐ پر جھک آئیں جس سے بحیرا نے آپؐ کے نبی ہونے کا یقین کیا، جبکہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھ کو سلام کیا کرتا تھا"، جبکہ صحاح میں موجود ہے کہ "نبوت سے پہلے فرشتوں نے آپؐ کا سینہ چاک کیا اور جسمانی آلایش نکال کر پھینک دی" تو خود ان روایتوں کے روایت کرنے والے کیونکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ فرشتہ کا نظر آنا ایسا واقعہ تھا جس سے آپؐ اس قدر خوف زدہ ہو جاتے تھے کہ ایک دفعہ تسکین ہو کر بھی بار بار اضطراب ہوتا تھا، اور آپؐ اپنے آپ کو پہاڑ پر سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تھے اور بار بار حضرت جبرئیل کو اطمینان دلانے کی ضرورت ہوتی تھی، کیا اور کسی پیغمبر کو بھی ابتدائے وحی میں کبھی شک ہوا تھا، حضرت موسیٰؑ نے درخت سے آواز سنی "کہ میں خدا ہوں"۔ تو کیا اُن کو کوئی شبہ پیدا ہوا؟

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب التعبیر جلد ۱۲ صفحہ ۳۱۷ مطبوعہ مصر،

حافظ ابن حجر وغیرہ کی پیروی کرنے کی ہم کو ضرورت نہین ہم کو پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ خود اصل روایت بہ سند مرفوع متصل ہے، یا نہین، یہ روایت امام زہری کے بلاغات مین سے ہے یعنی سند کا سلسلہ زہری تک ختم ہوجاتا ہے اور آگے نہین بڑھتا، چنانچہ خود شارحین بخاری نے تصریح کردی ہے، یہ ظاہر ہے کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کے لئے سند مقطوع کافی نہین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت مشکلین پیش نظر تھین، اگر آپ کا فرض اسی قدر ہوتا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح صرف تبلیغ دعوت پر اکتفا فرمائین یا حضرت کلیم کی طرح اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جائین، تو مشکل نہ تھی لیکن خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کام خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغ اسلام سے منور کردینا تھا، اس لئے نہایت تدبیر اور تدریج سے کام لینا پڑا، سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ پُرخطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جائے، اس غرض کے لئے صرف وہ لوگ انتخاب کئے جاسکتے تھے، جو فیضیاب صحبت رہ چکے تھے، جن کو آپ کے اخلاق وعادات کی ایک ایک حرکات وسکنات کا تجربہ ہوچکا تھا، جو پچھلے تجربون کی بنا پر آپ کے صدق دعویٰ کا قطعی فیصلہ کرسکتے تھے، یہ لوگ حضرت خدیجہؓ آپ کی حرم محترم تھین، حضرت علیؓ تھے جو آپ کی آغوش تربیت مین پلے تھے، زیدؓ تھے جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندۂ خاص تھے[1]، حضرت ابوبکرؓ تھے جو برسون سے فیضیاب خدمت تھے، سب سے پہلے آپ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا، وہ سننے سے پہلے مومن تھین، پھر اور بزرگون کی باری آئی، اور سب بہ تن اعتقاد

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ مین بزرگان موصوف کا تذکرہ ملاحظہ کرنا چاہئے،

حضرت ابوبکرؓ دولتمند، ماہرِ انساب، صاحب الرائے اور فیاض تھے، ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب وہ ایمان لائے تو اُن کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، غرض ان اوصاف کی وجہ سے مکہ مین ان کا عام اثر تھا، اور معززینِ شہران سے ہر بات مین مشورہ لیتے تھے، ارباب روایت کا بیان ہے کہ کبارِ صحابہؓ مین سے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتحِ ایران، حضرت طلحہؓ سب انہی کی ترغیب اور ہدایت سے اسلام لائے[1]، اُن کی وجہ سے یہ چرچا چپکے چپکے اور لوگون مین بھی پھیلا، اور مسلمانون کی تعداد مین اضافہ ہوتا گیا، ان سابقینِ اولین مین عمارؓ، خبابؓ بن الارت، حضرت عثمانؓ، عبد الرحمٰنؓ ابن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، طلحہؓ، ارقمؓ، سعیدؓ بن زید، عبد اللہؓ بن مسعود، عثمانؓ بن مظعون، عبیدہؓ، صہیبؓ رومی زیادہ ممتاز ہین،

لیکن جو کچھ ہوا پوشیدہ طور پر ہوا، نہایت احتیاط کی جاتی تھی کہ محرمانِ خاص کے سوا کسی کو خبر نہ ہونے پائے، نماز کا جب وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی پہاڑ کی گھاٹی مین چلے جاتے اور وہان نماز ادا کرتے، ابن الاثیر کا بیان ہے کہ چاشت کی نماز آپؐ حرم ہی مین ادا کرتے تھے، کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب مین بھی جائز تھی، ایک دفعہ آپؐ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درہ مین نماز پڑھ رہے تھے، اتفاق سے آپؐ کے چچا ابو طالب آنکلے، اُن کو اس جدید طریقۂ عبادت پر تعجب ہوا، کھڑے ہوگئے، اور بغور دیکھتے رہے، نماز کے بعد پوچھا کہ یہ کون دین ہی؟ آپؐ نے فرمایا ہمارے دادا ابراہیمؑ کا یہی دین تھا، ابو طالب نے

[1] دیکھو ریاض النضرۃ لمحب الطبری مطبوعۂ مصر صفحہ ۵۲ (کامل ابن اثیر ج ۲ صفحہ ۴۲ ذکر الاختلاف فی اوّل من اسلم)

کہا مین اس کو اختیار تو نہین کر سکتا، لیکن تم کو اجازت ہی اور کوئی شخص تمہارا مزاحم نہ ہوسکیگا،

یہ تاریخِ اسلام کا ایک بڑا اہم مسئلہ ہے کہ اسلام کیونکر پھیلا؟ مخالفین نے اس کا ذریعہ تلوار بتایا ہے، اس مسئلہ پر مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصون مین آئے گی، لیکن ایک خاص پہلو پر یہین نگاہ ڈال لینی چاہئے، یعنی یہ کہ اوائلِ اسلام مین جب کہ اسلام لانا جان و مال سے ہات دھونا تھا، کون لوگ اور کس قسم کے لوگ ایمان لائے؟

اس زمانہ مین جو لوگ اسلام لائے، ان مین چند خصائص مشترک تھے، اسی قسم کے (لیکن بالعکس) مشترک خصائص اُن لوگون مین بھی پائے جاتے تھے، جنھون نے شدت سے مخالفت کی، چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے،

(۱) اکثر وہ لوگ اسلام لائے جو پہلے سے تلاشِ حق مین سرگردان اور فطرۃً نیک طبع اور پاکیزہ اخلاق تھے، مثلاً حضرت ابوبکرؓ جاہلیت مین بھی عفیف، پارسا، اور صدق و دیانت مین مشہور تھے، عثمان بن مظعون صوفی مزاج تھے، اور اسلام سے پہلے شراب چھوڑ چکے تھے، اسلام کے بعد چاہتے تھے کہ راہب بنجائین لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا، صہیبؓ عبداللہ بن جدعان کے تربیت یافتہ تھے، جو اسلام سے پہلے تارکِ شراب ہوکر وفات پاچکے تھے، حضرت ابوذرؓ جن کا اسلام لانے والون مین چھٹا یا ساتوان نمبر تھا، ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے بُت پرستی چھوڑ چکے تھے، اور غیر متعین طریقہ سے جس طرح اُن کے ذہن مین آتا تھا خدا کا نام لیتے تھے، اور نماز پڑھتے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سنا تو اپنے بھائی کو بھیجا کہ صحیح خبر لائین، وہ مکہ مین آئے، اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوکر قرآن مجید کی سورتین سنین واپس جاکر ابوذر سے کہا کہ مین نے ایک شخص کو دیکھا جس کو لوگ مرتد کہتے ہین، وہ مکارم اخلاق سکھاتا ہے، اور جو کلام سناتا ہے وہ شعر نہین کوئی اور چیز ہے، تمہارا طریقہ اس سے بہت ملتا جلتا ہے[1] ابوذرؓ کو تسکین نہین ہوئی، خود مکہ مین آئے، زبان مبارک سے آپ کا ارشاد سنا اور اسلام قبول کرلیا، وہ تمام عمر دنیاوی تعلقات سے الگ رہے، ان کا عقیدہ تھا کہ (مسلمان کے لئے زرو مال کا جمع کرنا جائز نہین) چنانچہ اس بنا پر حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ مین ان کو مدینہ سے دور بھیج دیا تھا،

(۲) بعض صحابہؓ ایسے تھے جو احناف کے تربیت یافتہ تھے یعنی وہ لوگ جو زمانۂ اسلام سے پہلے بت پرستی ترک کرچکے تھے اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کا پیرو کہتے تھے، لیکن اس اجمالی اعتقاد کے سوا اور کچھ نہین جانتے تھے، اور اس لئے تلاش حق مین سرگردان تھے، انہی مین زید بھی تھے، جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، انھون نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ برس پہلے وفات پائی، لیکن ان کے صاحبزادے سعید موجود تھے، وہ باپ کے ارشادات سن چکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، تو ان کو وہ رہنما ہاتھ آگیا جس کی جستجو مین اُن کے باپ دنیا سے چلے گئے، اور وہ اب تک سرگشتہ تھے،

(۳) یہ امر سب مین مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصب اعظم مین سے کوئی

---

[1] حضرت ابوذرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بخاری و مسلم دونون مین مذکور ہے لیکن باہم اختلاف ہے ہم نے دونون سے کچھ کچھ لیا ہے، لیکن اختصار کے لحاظ سے بہت سی باتین چھوڑ دین،

منصب نہین رکھتے تھے، بلکہ اکثر ایسے تھے، مثلاً عمارؓ، خبابؓ، ابوفکیہہؓ، صہیبؓ وغیرہ جن کو دولت وجاہ کے دربار مین جگہ بھی نہین مل سکتی تھی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگون کو لے کر حرم مین جاتے تو رؤسائے قریش ہنس کر کہتے،

اَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا (انعام) یہی لوگ ہین جنپر خدا نے ہملوگون کو چھوڑکر احسان کیا ہے؟

کفار کے نزدیک اُن کا افلاس اُن کی تحقیر کا سبب تھا لیکن یہی چیز تھی جس کی وجہ سے ایمان کی دولت سب سے پہلے ان ہی کے ہاتھ آسکتی تھی، دولت ومال ان کے دلون کو سیاہ نہین کر چکا تھا، فخر وغرور ان کو انقیادِ حق سے روک نہین سکتا تھا، ان کو یہ ڈر نہ تھا کہ اگر بت پرستی چھوڑ دین گے تو کعبہ کا کوئی منصب عظیم ہاتھ سے جاتا رہیگا، غرض اُن کے دل ہر قسم کے زنگ سے پاک تھے، اور حق کی شعاعین اُن پر دفعتہً پرتو افگن ہوسکتی تھین، یہی سبب ہے کہ انبیاؑ کے ابتدائی پیرو ہمیشہ نادار اور مفلس لوگ ہوتے ہین، عیسائیت کے ارکانِ اوّلین ماہی گیر تھے، حضرت نوحؑ کے مقربینِ خاص کی نسبت کفار کو علانیہ کہنا پڑا،

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ (ھود) اور ہم تو بظاہر یہ دیکھتے ہین کہ تیری پیروی انہی لوگون نے کی جو رذیل ہین اور ہم تو تم مین کوئی برتری نہین پاتے بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو،

یہ سابقینِ اسلام جس قسم کا راسخ ایمان لائے تھے اس کی تفصیل آگے آتی ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ قریش کی سخت خونخواریان، جور وظلم کے شدائد، دولت ومال کی انتہائی ترغیبین، کوئی چیز ان کو متزلزل نہ کرسکی، اور آخر انہی کمزور ہاتھون نے قیصر وکسریٰ کا تخت اُلٹ دیا،

تین برس تک آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا، لیکن اب آفتاب رسالت بلند ہو چکا تھا، صاف حکم آیا،

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (حجر ۶) اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے وا شگاف کہدے،

اور نیز حکم آیا،

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (شعراء ۱۱) اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈرا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا یا معشر قریش! لوگ جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آرہا ہے، تو تم کو یقین آئیگا؟ سب نے کہا "ہاں، کیونکہ تم کو ہمیشہ سے ہم نے سچ بولتے دیکھا ہے" آپ نے فرمایا "تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا" یہ سُن کر سب لوگ جن میں ابولہب آپ کا چچا بھی تھا، سخت برہم ہو کر چلے گئے، (صحیح بخاری ج ۲، ص ۷۰۲)

چند روز کے بعد آپ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو، یہ درحقیقت تبلیغ اسلام کا پہلا موقع تھا، تمام خاندان عبد المطلب مدعو کیا گیا، حمزہ، ابوطالب، عباس سب شریک تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ "میں وہ چیز لیکر آیا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کو کفیل ہے، اس بار گران کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا" تمام مجلس میں سناٹا تھا، دفعۃً حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا "گو مجھ کو آشوب چشم ہے، گو میری ٹانگیں پتلی ہیں، اور گو میں سب سے نوعمر ہوں، تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا"[1]

[1] طبری نے تاریخ ج ۳ صفحہ ۱۱۷۱، اور تفسیر ج ۱۹ صفحہ ۷۴ میں، عبد الغفار بن قاسم اور منہال بن عمرو کے واسطہ سے اس کو روایت کیا ہے، پہلا شیعی اور متروک ہے اور دوسرا بد مذہب، اس روایت میں اور بھی وجوہ ضعف، بلکہ وجوہ وضع ہیں۔ "س"

قریش کے لئے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص (جن مین ایک سیزدہ سالہ نوجوان ہے) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہین، حاضرین کو بیساختہ ہنسی آگئی، لیکن آگے چل کر زمانہ نے بتا دیا کہ یہ سراپا سچ تھا،

اب مسلمانون کی ایک معتد بہ جماعت تیار ہوگئی تھی جن کی تعداد چالیس سے زیادہ تھی، آپ نے حرم کعبہ مین جاکر توحید کا اعلان کیا، کفار کے نزدیک یہ حرم کی سب سے بڑی توہین تھی، اس لئے دفعتہً ایک ہنگامہ برپا ہوگیا، اور ہر طرف سے لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب حضرت حارثؓ بن ابی ہالہ گھر مین تھے، ان کو خبر ہوئی، دوڑے ہوئے آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانا چاہا، لیکن ہر طرف سے اُن پر تلوارین پڑین اور وہ شہید ہوگئے، اسلام کی راہ مین یہ پہلا خون تھا، جس سے زمین رنگین ہوئی،

قریش کی مخالفت اور اس کے اسباب

مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی، قریش کا خاندان جو تمام عرب پر مذہبی حکومت رکھتا تھا، اور جس کی وجہ سے وہ ہمسایگان خدا بلکہ آل اللہ یعنی خاندان الٰہی کہلاتے تھے، اس کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور اور کلید بردار تھے، اس تعلق سے قریش کا کاروبار زیادہ پھیلتا گیا، یہان تک کہ متعدد محکمے اور بڑے بڑے مناصب قائم کئے گئے، جنکی تفصیل یہ ہے:

منصب	منصب کی تفصیل	کس خاندان کو کون منصب حاصل تھا	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین کون لوگ ان مناصب پر ممتاز تھے
حجابۃ	کعبہ کی کلید برداری اور تولیت		عثمان بن طلحہ

منصب	منصب کی تفصیل	کس خاندان کو کون منصب حاصل تھا	آنحضرت صلعم کے زمانہ میں کون لوگ ان مناصب پر ممتاز تھے
رفادہ	غریب حجاج کی خبر گیری	خاندانِ نوفل	حرث بن عامر
سقایہ	حجاج کے پانی پلانے کا انتظام	خاندانِ ہاشم	حضرت عباسؓ
مشورہ		خاندانِ اسد	یزید بن ربیعۃ الاسود
دیات و مغارم	خون بہا کا فیصلہ کرنا	خاندانِ تیم	حضرت ابوبکرؓ
عُقاب	علم برداری	خاندانِ امیّہ	ابوسفیان
قبہ	خیمہ و خرگاہ کا انتظام اور سواروں کی افسری	خاندانِ مخزوم	ولید بن مغیرہ
سفارت و منافرت	سفیر ہو کر جانا اور جن قبیلوں میں نزاع پیش آئے کہ شریف تر کون ہے اسکا فیصلہ کرنا	خاندانِ عدی	حضرت عمرؓ
ازلام و ایسار	محکمۂ فال کا انتظام	خاندانِ جمح	صفوان بن اُمیّہ
اموال	مہتمم خزانہ	خاندانِ سہم	حرث بن قیس

آغازِ اسلام میں جو لوگ قریش کے روسائے اعظم تھے اور جن کی عظمت و اقتدار کا اثر تمام مکہ پر تھا، ان کے نام یہ ہیں،

ابوسفیان بن حرب (حضرت معاویہؓ کے باپ)	حربِ فجار میں انہی کا باپ قریش کا سپہ سالار تھا
ابولہب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا)	
ابوجہل	ولید بن مغیرہ کا بھتیجا اور اپنے قبیلہ کا سردار

ولید بن مغیرہ (حضرت خالدؓ کا باپ)	قریش کا رئیس اعظم تھا،
عاص بن وائل سہمی (حضرت عمروؓ بن العاص کا باپ)	نہایت دولتمند، کثیر الاولاد اور صاحب اثر تھا،
عتبہ بن ربیعہ (امیر معاویہ کا نانا)	نہایت شریف الطبع اور صاحب ریاست تھا،

ان کے سوا، اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث، نضر بن الحرث بن کلدۃ، اخنس بن شریق ثقفی، ابی بن خلف، عقبہ بن ابی معیط صاحب اثر تسلیم کئے جاتے تھے

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ خاندان ہاشم اور بنو امیہ برابر کے حریف تھے اور دونوں مین مدت سے رشک و رقابت چلی آتی تھی،

ناتربیت یافتہ اور تندخو قومون کا خاصہ ہے کہ کوئی تحریک جو ان کے آبائی رسم و عقائد کے خلاف ہو، ان کو سخت برہم کردیتی ہے، اس کے ساتھ اُن کی مخالفت محض زبانی مخالفت نہین ہوتی، اور ان کی تشنگی انتقام کو خون کے سوا کوئی چیز بجھا نہین سکتی، آج ہندوستان اس قدر مہذب ہوگیا ہے لیکن اب بھی کسی عام مسئلہ مذہبی کی مخالفت کی جائے تو ایک حشر برپا ہوجاتا ہے، اور حکومت موجودہ اگر منتظم اور صاحب جبروت نہ ہوتی تو اس زمین پر بارہا خون کا بادل برس چکا تھا،

عرب ایک مدت سے بُت پرستی مین مبتلا تھا، خلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ (۳۶۰) معبودون سے مزین تھی، جن مین ہبل خدائے اعظم تھا، یہی بُت ہر قسم کے خیر و شر کے مالک تھے، پانی برساتے تھے، اولادین دیتے تھے، معرکہ ہائے جنگ مین فتحین دلاتے تھے، خدا، یا تو سرے سے نہ تھا، یا تھا تو وجود معطل تھا،

اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو دفعتہ برباد کردینا تھا، لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت

اقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا، اس لیے قریش نے شدت سے مخالفت کی، اور ان

مین جن لوگون کو جس قدر زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، اُسی قدر مخالفت مین زیادہ سرگرم تھے

قریش کا رئیسِ اعظم حرب بن امیہ تھا، چنانچہ حربِ فجار مین وہی سپہ سالارِ اعظم

تھا، لیکن حرب کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ابوسفیان اس منصبِ عظیم کے حاصل کرنے

کی قابلیت نہین رکھتا تھا، اس لئے ولید بن المغیرہ نے اپنی لیاقت اور اثر سے ریاست

حاصل کی، ابوجہل اس کا بھتیجا تھا اور وہ بھی قریش مین امتیاز رکھتا تھا،

ابوسفیان گو اپنے باپ کا منصب نہ حاصل کرسکا لیکن بنو امیہ کے خاندان کا

سردار وہی تھا، خاندانِ ہاشم مین سب سے زیادہ کبیر السن ابولہب تھا، جو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا،

قبیلہ سہم مین سب سے زیادہ با اثر عاص بن وائل تھا، جو نہایت دولتمند اور کثیر الاولاد تھا

قریش کی عنانِ حکومت انہی رؤسا کے ہاتھ مین تھی، اور یہی لوگ تھے جنھون نے

اسلام کی سخت مخالفت کی، قریش کے اور اکابر مثلاً اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث

نضر بن الحرث، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط انہی لوگون کے زیر اثر تھے، اور اس وجہ

سے اعدائے اسلام مین ان کے نام ہر جگہ نمایان نظر آتے ہین،

قریش کا یہ خیال تھا کہ نبوت کا منصبِ اعظم اگر کسی کو ملتا تو مکہ یا طائف کے کسی

رئیس کو ملتا،

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ، (زخرف - ۳)

اور لوگ کہتے ہین کہ قرآن کو اترنا تھا، تو ان دو شہرون (مکہ و طائف) مین سے کسی رئیس اعظم پر اترتا تھا (یعنی ولید بن ربیعہ یا ابو مسعود ثقفی)

عرب مین ریاست کیلئے دولت اور اولاد سب سے پہلی اور سب سے ضروری شرط تھی، اولاد کی نسبت اکثر وحشی قومون مین (ہندوستان مین بھی) یہ خیال رہا ہے کہ جو شخص صاحب اولاد نہ ہو وہ عالم آخرت کی برکات سے محروم رہتا ہے، ہندوؤن مین بھی یہ خیال ہے کہ اولاد کے بغیر انسان کو پوری نجات نہیں مل سکتی،

قریش مین اوصافِ مذکورہ کے لحاظ سے جو لوگ ریاست کا استحقاق رکھتے تھے، وہ ولید بن المغیرة، امیہ بن خلف، عاص بن وائل سہمی، اور ابو مسعود ثقفی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اوصاف سے بالکل خالی تھے، دولت کے غبار سے آپ کا دامن پاک تھا، اور اولاد ذکور سال دو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہی،

قریش کو عیسائیون سے بالطبع نفرت تھی جس کی وجہ یہ تھی ابرہۃ الاشرم (بادشاہ حبش) جو کعبہ کے ڈھانے کو آیا تھا، عیسائی تھا، یہی وجہ تھی کہ قریش عیسائیون کے مقابلہ مین پارسیون کو زیادہ پسند کرتے تھے، ایران اور روم کی جنگ مین ایرانیون کو فتح ہوئی تو قریش نے نہایت خوشی کا اظہار کیا اور مسلمان شکستہ ہوئے، چنانچہ یہ آیت اتری،

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ

قریب کے ملک مین رومی مغلوب ہوگئے لیکن یہ لوگ مغلوب ہونے کے بعد چند سال مین پھر غالب آجا ئینگے، خدا ہی کو اختیار ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی اور تب مسلمان

مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللهِ (روم-۱)

اللہ کی مدد سے خوشی منائین گے،

اسلام اور نصرانیت مین بہت سی باتین مشترک تھین، سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ مین اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا، اور مدینہ منورہ مین بھی ایک مدت تک یہی قبلہ رہا، ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہین ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی، قریش مین دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یکدگر تھے، بنو ہاشم و بنو امیۃ، عبد المطلب نے اپنے زور اور اثر سے بنو ہاشم کا پلہ بھاری کر دیا تھا، لیکن ان کے بعد اس خاندان مین کوئی صاحب اثر نہین پیدا ہوا، ابو طالب دولتمند نہ تھے، عباس دولتمند تھے لیکن فیاض نہ تھے، ابو لہب بدچلن تھا، اس پر بنو امیہ کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو خاندان بنو امیۃ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا، اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، بدر کے سوا باقی تمام لڑائیان ابو سفیان ہی نے برپا کین، اور وہی ان لڑائیون مین رئیس لشکر رہا،

عقبۃ بن ابی معیط جو سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا، اور جس نے نماز پڑھنے کی حالت مین آپ کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھ لا کر ڈالی تھی، اُموی تھا، بنو امیہ کے بعد جس قبیلہ کو بنو ہاشم کی برابری کا دعویٰ تھا، وہ بنو مخزوم تھے، ولید بن المغیرہ اسی خاندان کا رئیس تھا، اس لئے اس قبیلہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت

مخالفت کی، ابوجہل کی ایک تقریر سے اس بیان کی پوری تصدیق ہوتی ہے، ایک دفعہ اخنس ابن شریق ابوجہل کے پاس گیا اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ ابوجہل نے کہا ہم اور بنو عبد مناف (یعنی آل ہاشم) ہمیشہ حریف مقابل رہے، انھون نے مہمانداریان کین تو ہم نے بھی کین، انھون نے خون بہا دیئے تو ہم نے بھی دیئے، انھون نے فیاضیان کین تو ہم نے اُن سے بڑھ کر کین، یہان تک کہ جب ہم نے ان کے کاندھے سے کاندھا ملا دیا، تو اب بنو ہاشم پیغمبری کے دعویدار ہین، خدا کی قسم ہم اس پیغمبر پر کبھی ایمان نہین لا سکتے۔
ایک بڑا سبب یہ تھا کہ قریش مین سخت بداخلاقیان پھیلی ہوئی تھین، بڑے بڑے اربابِ اقتدار نہایت ذلیل بداخلاقیون کے مرتکب تھے، ابولہب جو خاندانِ ہاشم مین سب سے زیادہ ممتاز تھا، اس نے حرمِ محترم کے خزانہ سے غزالِ زرین چرا کر بیچ ڈالا تھا، اخنس ابن شریق جو بنو زہرہ کا حلیف اور رؤسائے عرب مین شمار کیا جاتا تھا، نمّام اور کذّاب تھا، نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی، اسی طرح اکثر اربابِ جاہ مختلف قسم کے اعمالِ شنیعہ مین گرفتار تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف بت پرستی کی بُرائیان بیان فرماتے تھے، دوسری طرف ان بداخلاقیون پر سخت دار و گیر کرتے تھے جس سے اُن کی عظمت و اقتدار کی شاہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی، قرآن مجید مین بہم علانیہ ان بدکارون کی شان مین آیتین نازل ہوتی تھین، اور گو طریقۂ بیان عام ہوتا تھا لیکن لوگ جانتے تھے کہ روئے سخن کس کی طرف ہے۔

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ مصر۔ [2] حرم مین ایک سونے کا ہرن مدت سے خزانہ مین محفوظ تھا، ابولہب نے چرا کر فروخت کر دیا، یہ واقعہ عموماً تاریخون مین مذکور ہے، ابن قتیبہ نے بھی معارف (صفحہ ۹۵ مطبوعہ مصر) مین اس کا ذکر کیا ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ — اور اس شخص کے کہنے میں نہ آ جو بات بات میں قسم کھاتا ہے،

هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ — آبرو باختہ ہے طاعن ہے چغلیاں لگاتا ہے لوگوں کو اچھے

مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ — کاموں سے روکتا ہے حد سے بڑھ گیا ہے بد ہے تند خو

زَنِيمٍ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ — ہے اور ان سب باتوں کیساتھ جھوٹا نسب بناتا ہے،

(سورۂ قلم) — اس لئے کہ وہ مالدار اور لڑکوں والا ہے،

كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ — وہ سن رکھے کہ اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (سورۂ علق) — بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جو کہ جھوٹی اور خطا کار ہے،

ممکن تھا کہ وعظ و پند کا نرم طریقہ اختیار کیا جاتا لیکن مدت کی عربی نخوت، دولت و اقتدار کا فخر، ریاست کا زعم ان چیزوں کے ہوتے ہوئے جب تک ضرب نہایت سخت نہ ہوتی وہ خبر نہ ہوتے، اس لیے بڑے بڑے جبار اس طرح مخاطب کئے جاتے تھے،

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا وَ — ہم کو اور اس کو تنہا چھوڑ دو میں نے اس کو پیدا کیا،

جَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا وَ — پھر بہت سا مال دیا بیٹے دیئے، سامان دیا پھر

بَنِينَ شُهُودًا وَمَهَّدتُّ لَهُ — چاہتا ہے کہ ہم اس کو اور دیں، ہرگز نہیں، وہ

تَمْهِيدًا، ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ — ہماری آیتوں کا دشمن ہے،

كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا۔ (مدثر)

یہ خطاب ولید بن مغیرہ کے ساتھ ہے، جو قریش کا سرتاج تھا، اور یہ الفاظ اس شخص کی زبان سے ادا ہوتے تھے جس کو ظاہری جاہ و اقتدار حاصل نہ تھا،

لیکن مخالفت کی جو سب سے بڑی وجہ تھی اور جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب پر یکسان تھا یہ تھا کہ جو معبود سیکڑون برس سے عرب کے حاجت روا ے عام تھے اور جن کے آگے وہ ہر روز پیشانی رگڑتے تھے، اسلام ان کا نام ونشان مٹاتا تھا، اور ان کی شان مین کہتا تھا،

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ، (سورۂ انبیاء-۷) — بلاشبہہ تم اور جن چیزون کو تم خدا کو چھوڑکر پوجتے ہو سب دوزخ کے ایندھن ہونگے،

ان اسباب کے ساتھ جن مین سے ہر ایک قریش کو سخت مشتعل کردینے کے لئے کافی تھا، توقع یہ تھی کہ اعلانِ دعوت کے ساتھ سخت خونریزیان شروع ہوجاتین لیکن قریش نے تحمل سے کام لیا، اور اس کے ناگزیر اسباب تھے، قریش خانہ جنگیون مین تباہ ہوچکے تھے، اور حربِ فجار کے بعد اس قدر عاجز آگئے تھے کہ لڑائی کے نام سے ڈرتے تھے، قبیلہ پرستی کی وجہ سے لڑائی صرف اتنی سی بات پر شروع ہوجاتی تھی، کہ کسی قبیلہ کا کوئی آدمی قتل کردیا جائے، مقتول کا قبیلہ بغیر کسی تحقیق کے انتقام کے لئے کھڑا ہوجاتا تھا اور جب تک بدلا نہ لے لیا جائے، یہ آگ بجھ نہین سکتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر آمادہ ہونا قریش کے لئے نہایت آسان تھا، لیکن وہ جانتے تھے کہ بنو ہاشم خون کا انتقام نہ چھوڑین گے، اور پھر سلسلہ بہ سلسلہ تمام مکہ جنگ مین مبتلا ہوجائے گا، بہت سے لوگ اسلام لا چکے تھے، اور قریبًا کوئی قبیلہ ایسا باقی نہ تھا جس مین دو ایک شخص اسلام نہ لاچکے ہون، اس لئے اسلام اگر جرم تھا تو صرف ایک شخص اس کا مجرم نہ تھا،

بلکہ سیکڑوں تھے، اور سب کا استیصال کرنا ممکن نہ تھا،

رؤسائے قریش میں متعدد ایسے تھے جو شریف النفس تھے، وہ بدنفسی کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے خیال میں نیک نیتی کی بنا پر مخالفت کرتے تھے، اس بنا پر وہ چاہتے تھے کہ معاملہ صلح و آشتی سے طے ہو جائے،

غرض جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ دعوت کیا اور بُت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززوں نے ابوطالب سے آکر شکایت کی، ابوطالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا، لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اداے فرض سے باز نہ آسکتے تھے، اس لئے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس آئی اس میں تمام رؤسائے قریش، یعنی عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابوسفیان، عاص بن ہشام، ابوجہل ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ شریک تھے، ان لوگوں نے ابوطالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے، ہمارے آبا و اجداد کو گمراہ کہتا ہے، ہم کو احمق ٹھہراتا ہے، اس لئے یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ، یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے، ابوطالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے، قریش اب تحمل نہیں کرسکتے اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کرسکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر لفظوں میں کہا کہ "جانِ عم! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اٹھا نہ سکوں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

(سلہ یہ آیت غالباً انہی لوگوں کی شان میں ہے، وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی سے تو لوگوں کو منع کرتے تھے لیکن آپکے دعوائے نبوت سے دور ہٹتے تھے" اصابہ ذکر ابی طالب بحوالہ عبدالرزاق۔س)

ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے ابو طالب تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اب اُن کے پاسے ثبات میں بھی لغزش ہے، آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا "خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دیدیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤنگا خدا یا اس کام کو پورا کرے گا، یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں گا" آپ کی پُر اثر آواز نے ابو طالب کو سخت متاثر کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "جا! کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا"[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدستور دعوت اسلام میں مصروف ہوئے، قریش اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ نہ کر سکے لیکن طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے، راہ میں کانٹے بچھاتے تھے، نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے تھے، بدزبانیاں کرتے تھے، ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے، قریش متحیر تھے کہ آپ یہ سب سختیاں کیوں جھیلتے ہیں، انسانی دماغ ایسی سخت نفس کشی اور جانبازی کا مقصد جاہ و دولت اور نام و نمود کی خواہش کے سوا اور کیا خیال کر سکتا ہے، قریش نے بھی یہی خیال کیا، اس بنا پر عتبہ بن ربیعہ قریش کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا "محمد! کیا چاہتے ہو؟ کیا مکہ کی ریاست؟ کیا کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ کیا دولت کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب کچھ مہیا کر سکتے ہیں، اور اس پر بھی راضی ہیں کہ کل مکہ تمہارا زیر فرمان

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۸۹۔ امام بخاری نے بھی تاریخ میں یہ واقعہ اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔

ہو جائے لیکن ان باتون سے باز آو۔ عتبہ کو اس درخواست کی کامیابی کا پورا یقین تھا،
لیکن ان سب ترغیبات کے جواب مین آپ نے قرآن مجید کی چند آیتین پڑھین،

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ	اے محمد کہدے کہ مین تمھین جیسا آدمی ہون
أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا	مجھ پر وحی آئی ہو کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہی بس
إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ ۔ (حم۔ السجدۃ۔ ۱)	سیدھے اس کی طرف جاو اور اسی سے معافی مانگو
قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي	کہدے کہ کیا تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو جس نے
خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ (حم سجدہ)	دو دن مین یہ زمین پیدا کی اور تم خدا کے شریک
لَهُ أَندَادًا ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ؕ	قرار دیتے ہو یہی سارے جہان کا پروردگار ہی

عتبہ واپس گیا تو وہ عتبہ نہ تھا، اس نے قریش سے جا کر کہا، یا کہ محمدؐ جو کلام پیش کرتے
ہین، وہ شاعری نہین کوئی اور چیز ہے، میری راے یہ ہو کہ تم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو،
اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آجائین گے تو یہ تمہاری ہی عزت ہی، ورنہ عرب انکو
خود فنا کر دیگا، لیکن قریش نے یہ راے نامنظور کی،

حضرت حمزہؓ اور عمرؓ کا اسلام ۶؁ نبوی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمام مین سے حضرت حمزہؓ کو آپ سے خاص محبت تھی، وہ آپ سے صرف دو تین برس بڑے تھے، اور ساتھ کے کھیلے تھے، دونون نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا، اور اس رشتہ سے بھائی بھائی تھے، وہ ابھی تک اسلام نہین لائے تھے، لیکن آپ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے، ان کا مذاق طبیعت سپہگری اور شکار افگنی تھا، معمول تھا کہ منھ اندھیرے تیر کمان لیکر نکل جاتے،

دن دن بھر شکار مین مصروف رہتے، شام کو واپس آتے تو پہلے حرم مین جاتے، طواف کرتے، قریش کے رؤسا صحنِ حرم مین الگ الگ دربار جما کر بیٹھا کرتے تھے، حضرت حمزہؓ ان لوگون سے صاحب سلامت کرتے، کبھی کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے، اس طریقہ سے سب سے یارانہ تھا اور سب لوگ اُن کی قدر و منزلت کرتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخالفین جس بے رحمی سے پیش آتے تھے، بیگانون سے بھی دیکھا نہ جاسکتا تھا، ایک دن ابوجہل نے رُو در رُو آپ کے ساتھ نہایت گستاخیان کین، ایک کنیز دیکھ رہی تھی، حضرت حمزہؓ شکار سے آئے تو اُس نے تمام ماجرا کہا، حضرت حمزہؓ غصہ سے بیتاب ہوگئے، تیر و کمان ہاتھ مین لیے حرم مین آئے اور ابوجہل سے کہا مین مسلمان ہوگیا ہون؛[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوشِ حمایت مین انھون نے اسلام کا اظہار تو کر دیا، لیکن گھر پر آئے تو متردد تھے کہ آبائی دین کو دفعۃً کیونکر چھوڑ دون، تمام دن سوچتے رہے، بالآخر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دینِ حق یہی ہے، دو ہی چار روز کے بعد حضرت عمرؓ بھی اسلام لائے

حضرت عمرؓ کا ستائیسوان سال تھا کہ آفتابِ رسالت طلوع ہوا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، حضرت عمرؓ کے گھرانے مین زید کی وجہ سے توحید کی آواز

---

[1] حضرت حمزہؓ کے اسلام کی واقعہ عموماً سب نے لکھا ہو لیکن یہ اخیر واقعہ مین نے صرف روض الانف مین دیکھا ہو۔ [2] حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام مین الفاروق مین مفصل لکھ چکا تھا، اسی کو بعینہٖ یہان نقل کردیا ہو، کہین کہین بعض الفاظ یا جملے بدل دیئے ہین (زیادت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے واقعہ کی دوسری روایتین سیرۃ النبیؐ جلد سوم باب المعجزات مین مفصل درج کردی ہین وہان دیکھی جائین "س")

نامانوس نہین رہی تھی، چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعیدؓ اسلام لائے حضرت سعید کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ سے ہوا تھا اس تعلق سے فاطمہؓ بھی مسلمان ہوگئین، اسی خاندان مین ایک اور معزز شخص نعیمؓ بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے، اُن کے کانون مین جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے، یہان تک کہ قبیلہ مین جو لوگ اسلام لاچکے تھے اُن کے دشمن بن گئے لُبینہؓ اُن کے خاندان کی کنیز تھی جس نے اسلام قبول کرلیا تھا، اس کو بے تحاشا مارتے، اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ "دم لے لون تو پھر مارون گا" لُبینہؓ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زدوکوب سے دریغ نہین کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اترتا نہ تھا، ان تمام سختیون پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کرسکے، آخر مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیا، تلوار کمر سے لگا سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے، کارکنانِ قضا نے کہا ع آمد آن یارے کہ ما می خواستیم،

راہ مین اتفاقاً نعیمؓ بن عبداللہ مل گئے، ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جاتا ہون، انھون نے کہا "پہلے اپنے گھر کی خبر لو، خود تمہارے بہن اور بہنوئی اسلام لاچکے ہین" فوراً پلٹے اور بہن کے ہان پہونچے، وہ قرآن پڑھ رہی تھین، اُن کی آہٹ پاکر چپ ہوگئین، اور قرآن کے اجزا چھپالئے، لیکن آواز اُن کے کانون مین پڑچکی تھی، بہن سے پوچھا یہ کیا آواز تھی؟ بولین کچھ نہین، انھون نے کہا مین سن چکا ہون تم دونون مرتد ہوگئے ہو، یہ کہہ کر بہنوئی سے دست وگریبان ہوئے، اور جب اُن کی بہن

بچانے کو آئیں تو اُن کی بھی خبر لی، یہاں تک کہ اُن کا جسم لہولہان ہو گیا، لیکن اسلام کی محبت اس سے بالاتر تھی، بولیں کہ "عمر جو بن آئے کرو، لیکن اسلام اب دل سے نکل نہیں سکتا"۔ ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے جسم سے خون جاری تھا، دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی، فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ، فاطمہؓ نے قرآن کے اجزا لاکر سامنے رکھدیئے، اٹھا کر دیکھا تو یہ سورہ تھی

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے خدا کی تسبیح پڑھتا

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (حدید-۱) — ہے اور خدا ہی غالب اور حکمت والا ہے،

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا، یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (حدید-۱) خدا پر اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ،

تو بے اختیار پکار اٹھے کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ — میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں،

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ — اور یہ کہ محمد خدا کے پیغمبر ہیں،

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے مکان میں جو کوہِ صفا کی تلی میں واقع تھا، پناہ گزین تھے، حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف گئے تھے صحابہ کو تردد ہوا، لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا "آنے دو، مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا"۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے اور اُن کا دامن پکڑ کے فرمایا "کیوں عمر کس ارادہ سے آیا ہے؟"

نبوت کی پُرجلال آواز نے اُن کو کپکپا دیا، نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ "ایمان لانے کے لئے"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے ساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے، اور ساتھ ہی تمام صحابہؓ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اُٹھیں[1]،

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا، اُس وقت تک اگرچہ چالیس پچاس آدمی اسلام لا چکے تھے، عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہؓ سید الشہداء نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا، حضرت عمرؓ کے اسلام کے ساتھ دفعۃً یہ حالت بدل گئی، انھوں نے علانیہ اسلام ظاہر کیا، کافروں نے اوّل اوّل بڑی شدت کی لیکن وہ ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی، ابن ہشام نے اس واقعہ کو حضرت عبد اللہ بن مسعود کی زبانی ان الفاظ میں روایت کیا ہے،

فلمّا اسلم عمر قاتل قریشًا	جب عمرؓ اسلام لائے تو قریش سے لڑے
حتّٰی صلّٰی عند الکعبۃ وصلّینا معہ،	یہاں تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور اُن کے ساتھ ہم لوگوں نے بھی پڑھی،

صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اتفاق سے عاص بن وائل آنکلا، اُس نے پوچھا کیا ہنگامہ ہے، لوگوں نے کہا عمرؓ مرتد ہو گئے، عاص ابن وائل نے کہا اچھا تو کیا ہوا میں نے عمرؓ کو پناہ دی،

---

[1] انساب الاشراف بلاذری و طبقات ابن سعد و اسد الغابہ و ابن عساکر و کامل ابن الاثیر،

رسوخِ عزم، قوّتِ ارادہ، شدتِ عمل، انسان کے اصلی جوہر ہین، اور داد کے قابل ہین، لیکن انہی اوصاف کا رُخ جب بدل جاتا ہو تو وہ سخت دلی، بیرحمی، درندہ طبعی اور سفاکی کا مہیب قالب اختیار کر لیتے ہین،

اسلام جب آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہؓ کو اُن کے قبیلون نے اپنے حصارِ حفاظت مین لے لیا، تو قریش کا طیش و غضب ہر طرف سے سمٹ کر اُن غریبون پر ٹوٹا جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا، ان مین کچھ غلام اور کنیزین تھین، کچھ غریب الوطن تھے، جو دو ایک پشت سے مکہ مین آرہے تھے، اور کچھ کمزور قبیلون کے آدمی تھے، جو کسی قسم کی عظمت و اقتدار نہین رکھتے تھے قریش نے ان کو اس طرح ستانا شروع کیا کہ جور و ستم کی تاریخ مین اس کی مثال پیدا کرنا قریش کی یکتائی کی تحقیر ہے،

یہ آسان تھا کہ مسلمانون کے خس و خاشاک سے سرزمین عرب دفعۃً پاک کر دیجاتی، لیکن قریش کا نشۂ انتقام اس سے اتر نہین سکتا تھا، مسلمان اگر اپنے مذہب پر ثابت قدم رہ کر پیوند خاک کر دیئے جاتے تو اس مین جس قدر قریش کی تعریف نکلتی، اس سے زیادہ اُن بیکسون کا صبر و استقلال داد طلب ہوتا، قریش کی شان اس وقت قائم رہ سکتی تھی، جب یہ لوگ جادۂ اسلام سے پھر کر پھر قریش کے مذہب مین آجاتے، یا شاید ان کو مسلمانون کی سخت جانی کا امتحان لینا، اور اس کی داد دینا منظور تھا،

قریش مین ایسے لوگ بھی تھے جن کا دل واقعی اس حالت پر جلتا تھا کہ انکا

ان کا بنا بنایا کارخانہ درہم برہم ہوا جاتا ہے، اُن کے آبا و اجداد کی تحقیر کی جاتی ہے، قابل احترام معبودون کی عظمت مٹی جاتی ہے، یہ لوگ صرف حسرت و افسوس کر کے رہ جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ چند خام طبعون کے دماغ مین خلل آگیا ہے، عتبہ، عاص بن وائل وغیرہ اسی قسم کے لوگ تھے لیکن ابوجہل، امیّہ بن خلف وغیرہ کا معیار اس سے زیادہ بلند تھا،

رن پر طریقے

بہرحال قریش نے جور و ظلم کے عبرت ناک کارنامے شروع کئے، جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو وہ غریب مسلمانون کو پکڑتے، عرب کی تیز دھوپ، ریتلی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا توا بنا دیتی ہے، وہ ان غریبون کو اسی توے پر لٹاتے، چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائین، بدن پر گرم بالو بچھاتے، لوہے کو آگ پر گرم کر کے اس سے داغتے، پانی مین ڈبکیان دیتے[1]،

یہ مصیبتین اگرچہ تمام بیکس مسلمانون پر عام تھین، لیکن ان مین جن لوگون پر قریش زیادہ مہربان تھے اُن کے نام یہ ہین:-

حضرت خبابؓ بن الارت تمیم کے قبیلہ سے تھے، جاہلیت مین غلام بنا کر فروخت کر دیئے گئے تھے، ام انمار نے خرید لیا تھا، یہ اُس زمانہ مین اسلام لائے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے گھر مین مقیم تھے، اور صرف چھ سات شخص اسلام لا چکے تھے، قریش نے ان کو طرح طرح کی تکلیفین دین، ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے اس پر چت لٹایا، ایک شخص چھاتی پر پانون رکھے رہا کہ کروٹ بدلنے نہ پائین، یہان تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے

[1] یہ واقعات ابن سعد نے حضرت بلالؓ و صہیبؓ کے حال مین تفصیل لکھے ہین، دیکھو کتاب مذکور جلد ثالث تذکرہ صحابۂ بدر،

پڑے پڑے ٹھنڈے ہوگئے، خبابؓ نے مدتون کے بعد جب یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا تو پیٹھ کھول کر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سپید تھی[1] حضرت خبابؓ جاہلیت مین لوہاری کا کام کرتے تھے، اسلام لائے تو بعض لوگون کے ذمہ اُن کی بقایا تھی، مانگتے تو جواب ملتا جب تک محمدؐ کا انکار نہ کروگے ایک کوڑی نہ ملے گی، یہ کہتے کہ نہین جبتک تم مرکر پھر جیو نہین[2]"

حضرت بلالؓ، یہ وہی حضرت بلالؓ ہین جو مؤذن کے لقب سے مشہور ہین، حبشی النسل اور اُمیہ بن خلف کے غلام تھے، جب ٹھیک دوپہر ہوجاتی تو امیّہ ان کو جلتی بالو پر لٹاتا اور پتھر کی چٹان سینہ پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرنے پائین، اُن سے کہتا کہ اسلام سے باز آو ورنہ یون ہی گھٹ گھٹ کر مرجائے گا، لیکن اس وقت بھی اُن کی زبان سے "اَحَدْ" کا لفظ نکلتا، جب یہ کسی طرح متزلزل نہ ہوے تو گلے مین رسّی باندھی اور لونڈون کے حوالہ کیا، وہ ان کو شہر کے اس سرے سے اُس سرے تک گھسیٹتے پھرتے تھے، لیکن اب بھی یہی رٹ تھی اَحَدْ اَحَدْ،

حضرت عمّارؓ یمن کے رہنے والے تھے، ان کے والد یاسرؓ مکہ مین آئے، ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سے جس کا نام سُمیّہ تھا، شادی کردی، عمارؓ اسی کے پیٹ سے پیدا ہوئے، یہ جب اسلام لائے تو ان سے پہلے صرف تین شخص اسلام لاچکے تھے، قریش اُن کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بیہوش ہوجاتے، ان کے والد، اور والدہ کے ساتھ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد سوم تذکرہ خبابؓ، [2] صحیح بخاری صفحہ ۶۹۲ (ج ۲) "س"

بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا،

حضرت سمیہؓ، حضرت عمارؓ کی والدہ تھین، اُن کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم مین برچھی ماری اور ہلاک ہوگئین،

حضرت یاسرؓ، حضرت عمارؓ کے والد تھے، یہ بھی کافرون کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہوگئے،

حضرت صہیبؓ، یہ رومی مشہور ہین لیکن درحقیقت رومی نہ تھے، اُن کے والد سنان کسریٰ کی طرف سے اُبلہ کے حاکم تھے، اور ان کا خاندان موصل مین آباد تھا، ایک دفعہ رومیون نے اس نواح پر حملہ کیا، اور جن لوگون کو قید کرکے لے گئے ان مین حضرت صہیبؓ بھی تھے یہ روم مین پلے، اس لئے عربی زبان اچھی طرح بول نہ سکتے تھے، ایک عرب نے اُن کو خریدا، اور مکہ مین لایا، یہان عبداللہ بن جدعان نے اُن کو خرید کرکے آزاد کردیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوتِ اسلام شروع کی، تو یہ اور عمارؓ بن یاسر ایک ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپؐ نے اسلام کی ترغیب دی، اور یہ مسلمان ہوگئے[1] قریش ان کو اس قدر اذیت دیتے تھے، کہ اُن کے حواس مختل ہوجاتے تھے، جب انھون نے مدینہ کو ہجرت کرنی چاہی تو قریش نے کہا اپنا سارا مال ومتاع چھوڑ جاؤ تو جاسکتے ہو، انھون نے نہایت خوشی سے منظور کیا،

---

[1] ابن الاثیر، ذکر تہذیب المستضعفین، ابن الاثیر نے لکھا ہو کہ عمارؓ اس وقت ایمان لائے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقمؓ کے مکان مین چلے آئے تھے، اور جبکہ تیس شخص سے زیادہ اسلام لاچکے تھے،

حضرت ابو فکیہہ رض، صفوان بن امیہ کے غلام تھے اور حضرت بلال رض کے ساتھ اسلام لائے، امیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اُن کے پاؤن مین رسّی باندھی اور آدمیون سے کہا کہ گھسیٹتے ہوئے لے جائین اور تپتی ہوئی زمین پر لٹائین، ایک گبریلا راہ مین جا رہا تھا، امیہ نے ان سے کہا "تیرا خدا یہی تو نہین ہے" انھون نے کہا "میرا اور تیرا دونون کا خدا اللہ تعالیٰ ہے" اس پر امیہ نے اس زور سے اُن کا گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے دم نکل گیا، ایک دفعہ اُن کے سینہ پر اتنا بھاری بوجھل پتھر رکھدیا کہ اُن کی زبان نکل پڑی،

حضرت لُبینہ رض، یہ بیچاری ایک کنیز تھین، حضرت عمر رض اُس بیکس کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے تھے کہ "مین نے تجھ کو رحم کی بنا پر نہین بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہون" وہ نہایت استقلال سے جواب دیتین کہ اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو خدا اس کا انتقام لیگا"

حضرت زنیرہ رض، حضرت عمر رض کے گھرانے کی کنیز تھین، اور اس وجہ سے حضرت عمر رض (اسلام سے پہلے) اُن کو جی کھول کر ستاتے[1] ابوجہل نے اُن کو اس قدر مارا کہ اُن کی آنکھین جاتی رہین

حضرت نہدیہ رض اور اُم عبیس رض، یہ دونون بھی کنیزین تھین اور اسلام لانے کے جرم مین سخت سے سخت مصیبتین جھیلتی تھین،

حضرت ابوبکر رض کے دفترِ فضائل کا یہ پہلا باب ہے کہ انھون نے ان مظلومون مین سے اکثرون کی جان بچائی، حضرت بلال رض، عامر رض بن فہیرہ، لبینہ رض، زنیرہ رض، نہدیہ رض، ام عبیس رض سب کو بھاری بھاری دامون پر خریدا اور آزاد کر دیا،

[1] حضرت عمر رض اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے،

یہ لوگ وہ تھے جن کو قریش نے نہایت سخت جسمانی اذیتیں پہنچائیں' ان سے کم درجہ پر وہ لوگ تھے جن کو طرح طرح سے ستاتے تھے،

حضرت عثمانؓ جو کبیر السن اور صاحب جاہ و اعزاز تھے، جب اسلام لائے، تو دوسروں نے نہیں بلکہ خود اُن کے چچا نے رسی سے باندھ کر مارا[1] حضرت ابوذرؓ جو ساتویں مسلمان ہیں جب مسلمان ہوئے اور کعبہ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا، تو قریش نے مارتے مارتے ان کو لٹا دیا،[2]

حضرت زبیرؓ بن العوام جن کا مسلمان ہونے والوں میں پانچواں نمبر تھا جب اسلام لائے تو اُن کے چچا اُن کو چٹائی میں لپیٹ کر اُن کی ناک میں دھواں دیتے تھے[3] حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی سعیدؓ بن زید جب اسلام لائے، تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیوں سے باندھ دیا[4]

لیکن یہ تمام مظالم، یہ جلادانہ بیرحمیاں، یہ عبرت خیز سفاکیاں، ایک مسلمان کو بھی راہ حق سے متزلزل نہ کر سکیں، ایک نصرانی مورخ نے نہایت سچ لکھا،

"عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مسائل نے وہ درجہ نشۂ دینی کا آپ کے پیرووں میں پیدا کیا جس کو عیسیٰ کے ابتدائی پیرووں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے ..... جب عیسیٰ کو سولی پر لے گئے تو اُن کے پیرو بھاگ گئے، ان کا نشۂ دینی جاتا رہا، اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے، ..... برعکس اس کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور

---

(۱) طبقات ترجمہ عثمانؓ بن عفان (۲) بخاری ج ا ص ۴۴۵-۴۴۴ باب اسلام ابی ذرؓ (۳) ریاض النضرہ للمحب الطبری (۴) بخاری صفحہ ۱۰۲۔ اس وقت تک حضرت عمرؓ اسلام نہیں لائے تھے (س)

آپکے بچاؤ مین اپنی جانین خطرہ مین ڈال کر کل دشمنون پر آپؐ کو غالب کیا،[1]

ہجرت حبش ۵ نبوی | قریش کے ظلم و تعدی کا بادل جب پیہم برس کر نہ کھلا تو رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جان نثاران اسلامؓ کو ہدایت کی کہ حبش کو ہجرت کر جائین حبش قریش کا قدیم تجارت گاہ تھا، وہان کے حالات پہلے سے معلوم تھے، اہل عرب حبش کے فرمان روا کو نجاشی[2] کہتے تھے، اور اس کے عدل و انصاف کی عام شہرت تھی،

جان نثاران اسلامؓ ہر قسم کی تکلیف جھیل سکتے تھے اور ان کا پیمانہ صبر لبریز نہین ہو سکتا تھا، لیکن مکہ مین رہ کر فرائض اسلام کا آزادی سے بجا لانا ممکن نہ تھا، اس وقت تک حرم کعبہ مین کوئی شخص بلند آواز سے قرآن نہین پڑھ سکتا تھا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جب اسلام لائے تو انھون نے کہا مین اس فرض کو ضرور ادا کرون گا، لوگون نے منع کیا، لیکن وہ باز نہ آئے حرم مین گئے اور مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر سورۂ الرحمٰن پڑھنا شروع کیا، کفار ہر طرف سے ٹوٹ پڑے، اور ان کے منہ پر طمانچے مارنے شروع کئے، اگرچہ انھون نے جہان تک پڑھنا تھا پڑھ کر تمام کیا، لیکن واپس گئے تو چہرہ[3] پر زخم کے نشان لیکر گئے (حضرت ابوبکرؓ جاہ و اقتدار مین دیگر رؤسائے قریش سے کم نہ تھے، لیکن آواز سے قرآن نہین پڑھ سکتے تھے، اور اسی بنا پر ایک بار ہجرت کے لئے آمادہ ہو گئے[4])

اس کے علاوہ ہجرت سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ جو شخص اسلام لے کر جہان جاتا

لہ اپالوجی یا ذفرجی ہیگنس ترجمۂ اردو صفحہ ۶۶ و ۶۷، مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء، ؎۲ نجاشی حبشی لفظ نجوس کی تعریب ہے جس کے معنی حبشی مین بادشاہ کے ہین، نجاشی کا نام اصحمہ تھا، بخاری باب موت النجاشی) "س"
؎۳ طبری صفحہ ۱۱۰۰ ج ۳ "س" (؎۴ بخاری باب ہجرت مدینہ) "س"

وہان اسلام کی شعاعین خود بخود پھیلتی تھین،

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما سے اوّل اوّل گیارہ مرد اور چار عورتون نے ہجرت کی جن کے نام حسب ذیل ہین،

۱۔ حضرت عثمانؓ (بن عفان)	مع اپنی زوجۂ محترمہ (حضرت) رقیہؓ کے جو رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صاحبزادی تھین،
۲۔ (حضرت) ابوحذیفہؓ بن عتبہ مع اپنی زوجہ کے جن کا نام (حضرت) سہلہؓ (بنت سہیل) تھا،	ان کا باپ عتبہ قریش کا مشہور سردار تھا، لیکن چونکہ سخت کافر تھا اس لئے ان کو گھر چھوڑنا پڑا،
۳۔ (حضرت) زبیرؓ بن العوام،	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی اور مشہور صحابی تھے،
۴۔ (حضرت) مصعبؓ بن عمیر،	ہاشم کے پوتے تھے،
۵۔ (حضرت) عبدالرحمنؓ بن عوف،	مشہور صحابی اور عشرۂ مبشرہ مین شمار کئے جاتے ہین، قبیلۂ زہرہ سے تھے اور اسی بنا پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ننھالی رشتہ دار تھے،
۶۔ (حضرت) ابوسلمہؓ (بن عبدالاسد) مخزومی مع اپنی زوجہ حضرت ام سلمہؓ (بنت ابی امیہ) کے،	یہ ام سلمہ وہی ہین جو ابوسلمہ کے مرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد مین آئین،
۷۔ (حضرت) عثمانؓ بن مظعون جمحی،	مشہور صحابی ہین،

۸ - (حضرت) عامرؓ بن ربیعہ مع اپنی زوجہ کے جن کا نام (حضرت) لیلیٰؓ (بنت ابی حثمہ) تھا،	سابقین اوّلین میں ہیں، بدر میں بھی شریک تھے، حضرت عثمانؓ نے سفرِ حج میں اُن کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا تھا (اصابہ)
۹ - (حضرت) ابو سبرۃؓ بن ابی رُہم، (یا)[1]	اُن کی ماں برۃ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پھوپھی تھیں، یہ سابقین فی الاسلام میں ہیں، حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ یہ ہجرت ثانیہ میں گئے تھے
۱۰ - (حضرت ابو) حاطبؓ بن عمرو،	بدر میں شریک تھے، امام زہری کا بیان ہے کہ سب سے پہلے ان ہی نے ہجرت کی، (اصابہ)

([1] حبشہ کے مہاجرینِ اوّل کی تعداد اور ان کے تعین میں کسی قدر اختلاف ہے :-

ابن اسحاق نے مردوں میں ان ہی دس۱۰ آدمیوں کا نام لیا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق وہ یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ ہجرت اولیٰ میں نہیں بلکہ ہجرت ثانیہ میں تھے، (فتح الباری ج ۷ ص ۱۴۳) واقدی نے مردوں میں گیارہ۱۱ صاحبوں کی ہجرت کا ذکر کیا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے حضرت ابو سبرہؓ اور حضرت ابو حاطبؓ دونوں کو مہاجرین میں شمار کیا ہے اور ابن اسحاق ان میں سے ایک کو تسلیم کرتے ہیں، اس سلسلہ میں واقدی سے ایک بڑی فروگذاشت یہ ہوئی کہ انھوں نے گیارہ۱۱ مردوں کو مہاجرینِ حبش بتلایا لیکن جب مہاجرین کی فہرست گنائی، تو اس میں بارہ۱۲ آدمیوں کا نام لیا یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بھی اضافہ کیا، (زرقانی علی المواہب ج اول ص ۳۱۴) حافظ ابن حجر نے واقدی کی اس فروگذاشت پر گرفت کی ہے، (فتح الباری ج ۷ ص ۱۴۳) ابن سعد نے انہی تمام مہاجرین کا نام لیا ہے، جن کا ذکر واقدی نے کیا ہے، (ابن سعد اوّل ص ۱۳۶) ابن سید الناس نے بھی بروایت زہری بارہ آدمیوں کا ذکر کیا ہے، مگر انھوں نے حضرت زبیرؓ کے بجائے حضرت سلیطؓ بن عمرو کا نام لیا ہے (عیون الاثر اول ص ۱۱۵) بعض دوسرے سیرت نگار جو بارہ مرد مہاجرین کو تسلیم کرتے ہیں، وہ حضرت حاطبؓ بن عمرو اور حضرت سہیلؓ بن بیضاء کے بجائے حضرت حاطبؓ بن حارث اور حضرت ہاشمؓ بن عمرو کا نام لیتے ہیں، (زرقانی اوّل ص ۳۱۴) اسی طرح ص

۱۰۔ (حضرت) سہیلؓ بن بیضار،
۱۱۔ (حضرت) عبداللہؓ بن مسعود، | مشہور صحابی اور مجتہدینِ صحابہ مین داخل ہین،

ان لوگون نے ۵ھ نبوی ماہ رجب مین سفر کیا حسن اتفاق یہ کہ جب یہ بندرگاہ پر پہنچے تو دو تجارتی جہاز حبش کو جا رہے تھے، جہاز والون نے سستے کرایہ پر اُن کو بٹھا لیا، ہر شخص کو صرف ۵ درہم دینے پڑے، قریش کو خبر ہوئی تو بندرگاہ تک تعاقب مین آئے لیکن موقع نکل چکا تھا،

عام مورخین کا خیال ہے کہ ہجرت اُنھی لوگون نے کی جن کا کوئی حامی اور مددگار نہ تھا، لیکن فہرستِ مہاجرین مین ہر درجہ کے لوگ نظر آتے ہین، حضرت عثمانؓ بنو امیہ سے تھے، جو سب سے زیادہ صاحب اقتدار خاندان تھا، متعدد بزرگ مثلاً زبیرؓ اور مصعبؓ خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان سے ہین، عبدالرحمنؓ بن عوف اور ابو سبرہؓ معمولی لوگ نہ تھے، اس بنا پر زیادہ قرینِ قیاس یہ ہے کہ قریش کا ظلم وستم بیکسون پر محدود نہ تھا، بلکہ بڑے بڑے خاندان والے بھی اُن کے ظلم وستم سے محفوظ نہ تھے،

ایک عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے اور جن کو انگارون کے بستر پر سونا پڑا تھا، یعنی حضرت بلالؓ، عمارؓ، یاسرؓ وغیرہ، ان لوگون کا نام مہاجرینِ حبش کی فہرست مین نظر نہین آتا، اس لئے یا تو اُن کی بے سروسامانی اس حد تک پہنچی تھی کہ سفر کرنا بھی ناممکن تھا یا یہ کہ درد کے لذت آشنا تھے اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے،

دلم زجور تو آسودہ است ومی نالم | کہ غیر پے نہ برد لذتِ خدنگِ ترا

نجاشی کے بدولت مسلمان حبش مین امن وامان سے زندگی بسر کرنے لگے لیکن قریش یہ خبرین سُن سُن کر پیچ وتاب کھاتے تھے، آخر یہ رائے ٹھہری کہ نجاشی کے پاس سفارت بھیجی جائے کہ ہمارے مجرمون کو اپنے ملک سے نکال دو، عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص (فاتح مصر) اس کام کے لئے منتخب ہوئے[1]، نجاشی اور اُس کے درباریون مین سے ایک ایک کے لئے گران بہا تحفے مہیا کئے گئے[2] اور نہایت سروسامان سے یہ سفارت حبش کو روانہ ہوئی، یہ سفرا، نجاشی سے پہلے درباری پادریون سے ملے اوران کی خدمت مین نذرین پیش کین اور کہا کہ ہمارے شہر کے چند نادانون نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے، ہم نے اُن کو نکال دیا تو آپ کے ملک مین بھاگ آئے، کل ہم بادشاہ کے دربار مین اُن کے متعلق جو درخواست پیش کرین، آپ بھی ہماری تائید فرمائین، دوسرے دن سفرا، دربار مین گئے اور نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے مجرم ہم کو حوالہ کردیئے جائین، درباریون نے بھی تائید کی، نجاشی نے مسلمانون کو بلا بھیجا اور کہا "تم نے یہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور بت پرستی دونون کے مخالف ہے؟"

مسلمانون نے اپنی طرف سے گفتگو کرنے کے لئے حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) کو انتخاب کیا، انھون نے اس طرح تقریر شروع کی:

"اَیُّھَا الْمَلِکُ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بُت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے،

(1) مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۲ (2) ص ۲ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ مکہ کا بڑا تحفہ چمڑا تھا، اور کتابون سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل مکہ شام وغیرہ کو جو مال تجارت لیجاتے تھے وہ بھی چمڑا ہوتا تھا، (مسند امام ابن حنبل مین تصریح ہے کہ یہ تحفہ چمڑا ہی تھا، مسند ابن ہشام ج ۱)

بدکرداری کرتے تھے، ہمسایون کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزورون کو کھا جاتے تھے، اس اثنا مین ہم مین ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے اُس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھلایا کہ ہم پتھرون کو پوجا چھوڑ دین، سچ بولین، خونریزی سے باز آئین، یتیمون کا مال نہ کھائین، ہمسایون کو آرام دین، عفیف عورتون پر بدنامی کا داغ نہ لگائین، نماز پڑھین، روزے رکھین، زکوٰۃ دین، ہم اُس پر ایمان لائے، شرک اور بُت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز آئے، اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اُسی گمراہی مین واپس آجائین۔

نجاشی نے کہا "جو کلام الٰہی تمہارے پیغمبر پر اترا ہے کہین سے پڑھو" حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی چند آیتین پڑھین، نجاشی پر رقت طاری ہوئی اور آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، پھر کہا "خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونون ایک ہی چراغ کے پرتو ہین" یہ کہہ کر سفرائے قریش سے کہا، تم واپس جاؤ مین ان مظلومون کو ہرگز واپس نہ دون گا۔"

دوسرے دن عمرو بن العاص نے پھر دربار مین رسائی حاصل کی اور نجاشی سے کہا حضور! آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہین، نجاشی نے مسلمانون کو بلا بھیجا کہ اس سوال کا جواب دین ان لوگون کو تردد ہوا کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کے ابن اللہ ہونے سے انکار کرتے ہین تو نجاشی عیسائی ہے ناراض ہوجائے گا، حضرت جعفرؓ نے کہا کچھ ہو، ہم کو سچ بولنا چاہیے،

غرض یہ لوگ دربار مین حاضر ہوئے، نجاشی نے کہا تم لوگ عیسیٰ بن مریم کے متعلق

کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے کہا ہمارے پیغمبر نے بتایا ہے کہ عیسیٰ خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہے"۔ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھالیا اور کہا "واللہ جو تم نے کہا عیسیٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں[1]" بطریق جو دربار میں موجود تھے نہایت برہم ہوئے نتھنوں سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی، نجاشی نے ان کے غصہ کی کچھ پرواہ نہ کی، اور قریش کے سفیر بالکل ناکامیاب آئے[2]،

اسی اثنا میں کسی دشمن نے نجاشی کے ملک پر حملہ کیا، نجاشی اس کے مقابلہ کے لئے خود گیا، صحابہؓ نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے ایک شخص جائے اور خبر بھیجتا رہے کہ اگر ضرورت ہو تو ہم بھی نجاشی کی مدد کے لئے آئیں، حضرت زبیرؓ اگرچہ سب سے زیادہ کمسن تھے لیکن انھوں نے اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا، مشک کے سہارے دریائے نیل تیر کر رزمگاہ میں پہنچے، ادھر صحابہؓ نجاشی کی فتح کے لئے خدا سے دعا مانگتے تھے، چند روز کے بعد حضرت زبیرؓ

(۱) مستدرک حاکم ج ۲ ص ۶۳۰ (۲) کتاب التفسیر اس[3] مارگولس صاحب نے ہجرت حبش کی بھی بڑی نازک اور دور از نظر وجہ تلاش کرکے پیدا کی ہے، فرماتے ہیں کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا کہ قریش سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے اور یہ پہلے سنا تھا کہ کعبہ کے گرانے کے لئے ابرہۃ الاشرم جو آیا تھا وہ حبش ہی کا تھا، اس لئے انھوں نے چاہا کہ بادشاہِ حبش سے سازش کرکے اس کو مکہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دیں تاکہ قریش کا زور ٹوٹ جائے، اسی غرض سے ہجرت کا بہانہ کرکے اپنے اصحاب کو حبش بھیجا، لیکن پھر سمجھے کہ نجاشی اگر مکہ میں آیا تو خود مکہ پر قابض ہوجائیگا، مجھ کو کیا ہاتھ آئیگا، اس بنا پر اس ارادے سے باز رہے"! یہ بالکل بے ثبوت بات ہے، صاحب موصوف کو حضرت جعفرؓ کی تقریر و مکالمت میں اس بنا پر شک ہے کہ نجاشی عربی زبان سے ناواقف تھا، حالانکہ اس زمانہ میں (اولاً تو) عربی زبان عام طور سے حبش میں بے تکلف لوگ سمجھ سکتے تھے، (کہ یہ دونوں زبانیں باہم نہایت قریب ہیں) ثانیاً درباروں میں ترجمان ہوتے تھے، جیسا کہ ابوسفیان اور قیصر روم کے باہمی مکالمہ میں مذکور ہے، (بخاری باب بدء الوحی)"س"

واپس آئے اور خوشخبری سنائی کہ نجاشی کو خدا نے فتح دی[1]،

حبش میں کم و بیش ۸۳ مسلمان ہجرت کر کے گئے، چند روز آرام سے گذرنے پائے تھے کہ یہ خبر مشہور ہوئی کہ کفار نے اسلام قبول کر لیا ہے، یہ سن کر اکثر صحابہؓ نے مکہ معظمہ کا رخ کیا، لیکن شہر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے، اس لئے بعض لوگ واپس چلے گئے، اور اکثر چھپ چھپ کر مکہ میں آگئے،

یہ روایت طبری اور اکثر تاریخوں میں مذکور ہے، اور ممکن ہے کہ صحیح ہو لیکن ان کتابوں میں اس خبر کے مشہور ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم میں ایک دفعہ نماز ادا کی، کفار بھی موجود تھے، جب آپؐ نے یہ آیت پڑھی وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے،

تلك الغرانیق العلیٰ وان شفاعتهن لترتجی، یعنی (یہ بُت) معظم و محترم ہیں، اور ان کی شفاعت مقبول ہے،

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور تمام کفار نے آپؐ کی متابعت کی،

---

[1] یہ تمام واقعات مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۰۲ میں مذکور ہیں، ابن ہشام نے بھی تفصیل سے لکھے ہیں، لیکن طبری اور ابن سعد نے حضرت جعفرؓ اور نجاشی کی تقریر کا ذکر نہیں کیا ہے، امام ابن حنبل اور ابن ہشام کا سلسلۂ روایت یہ ہے: محمد بن اسحاق، زہری، ابوبکر بن عبدالرحمن بن الحرث بن ہشام مخزومی، ام سلمہؓ یہ سب رواۃ ثقہ ہیں اور سب سے اخیر راوی حضرت ام سلمہؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ اور خود اس واقعہ میں شریک تھیں، وہ اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں نہیں آئی تھیں، بلکہ اپنے پہلے شوہر ابوسلمہؓ بن عبدالاسد کے ساتھ حبش میں ہجرت کر کے گئی تھیں، مورخ یعقوبی نے بھی بہ تفصیل یہ واقعہ لکھا ہے،

(اس روایت کا یہ آخری حصہ کہ چند کافروں کے سوا تمام جن وانس نے حضورؐ کے ساتھ ایک دفعہ سجدہ کیا، صحیح ہے جیسا کہ صحیح بخاری باب[1] (قولہ فاسجدوا للہ واعبدوا) میں مذکور ہے، مگر باقی) قصہ بیہودہ اور ناقابل ذکر ہے اور اکثر کبار محدثین مثلاً بیہقی، قاضی عیاض، علامہ عینی، حافظ منذری، علامہ نوویؒ نے اس کو باطل اور موضوع لکھا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ بہت سے محدثین نے اس روایت کو بہ سند نقل کیا ہے، ان میں طبری، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، ابن مردویہ، ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، ابو معشر[2] شہرت عام رکھتے ہیں، اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کو جن کے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے، اس روایت کی صحت پر اصرار ہے، چنانچہ لکھتے ہیں[3]،

وقد ذكرنا ان ثلاثة اسانيد	ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اس روایت کی تین سندیں
منها على شرط الصحيح وهي مراسيل	صحیح کی شرط کے موافق ہیں اور یہ روایتیں مرسل
يحتج بمثلها من يحتج بالمراسيل	ہیں اور ان سے وہ لوگ استدلال کر سکتے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ کفار کی عادت تھی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو شور مچاتے اور اپنی طرف سے فقرے ملا دیتے، قرآن مجید کی آیت ذیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے،

---

(۱) کتاب التفسیر سورۂ نجم ص) (۲) دیکھو زرقانی بر مواہب لدنیہ وشفاء قاضی عیاض وعینی شرح بخاری تفسیر سورۂ نجم ونور النبراس، علامہ نووی کے یہ الفاظ ہیں، لا یصح فیہ شیء لا من جہۃ النقل ولا من جہۃ العقل، اور علامہ عینی لکھتے ہیں فلا صحۃ لہ نقلا ولا عقلا (۳) دیکھو مواہب لدنیہ اور زرقانی واقعہ ہجرت حبشہ (۴) زرقانی بر مواہب جلد اول صفحہ ۳۳۰،

لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ (حٰم السجدۃ) — اس قرآن کو نہ سنو، اور اس مین گڑبڑ کرو، شاید تم غالب آؤ،

قریش کا معمول تھا کہ جب کعبہ کا طواف کرتے تو یہ فقرے کہتے جاتے،

واللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری فانھن الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی — لات، اور عزٰی اور تیسرے بت مناۃ کی قسم یہ بلند و بزرگ ہین، اور اُن کی شفاعت کی اُمید ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سورۂ والنجم کی وہ آیتین پڑھین تو کسی شیطان (کافر) نے یہی فقرے آپ کی آواز مین ملا کر پڑھ دیئے ہون گے، دور کے لوگون کو (کفار مین سے) شبہہ ہوا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے وہ الفاظ ادا کئے، اس واقعہ کا چرچا جب مسلمانون مین ہوا ہوگا، تو لوگون نے کہا ہوگا کہ کسی شیطان نے آپ کی طرف سے وہ فقرے کہدیئے ہون گے اس واقعہ نے روایتون مین صورت بدل کر یہ صورت اختیار کرلی کہ شیطان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے، اور چونکہ عام مسلمان اس بات کو تسلیم کرتے ہین کہ شیطان دوسرے شخص کی زبان سے بول سکتا ہے، اس لئے راویون نے اس روایت کو تسلیم کرلیا،

یہ صرف قیاس نہین بلکہ اگلے محققین نے بھی تصریح کی ہے، مواہب مین ہے،

قیل انہ لما وصل الی قولہ — بعض لوگون نے کہا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] معجم البلدان لفظ عزٰی،

ومناة الثالثة الاخرى خشي	اس آیت پر پہنچے ومناۃ الثالثۃ الاخری تو مشرکون
المشركون ان ياتي بعدها بشيء	کو یہ ڈر پیدا ہوا کہ اب اُن کے معبودون کی کچھ
يذم آلهتهم فبادروا الى ذلك	برائی کا بیان ہوگا، اس بنا پر انھون نے جھٹ
الكلام فخلطوه في تلاوة	سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت مین یہ
النبي صلى الله عليه وسلم على	فقرے خلط کرکے پڑھ دیئے، جیسا کہ اُن کی
عادتهم في قولهم لا تسمعوا	عادت تھی کہ کہتے کہ قرآن پر کان نہ لگاؤ اور
لهذا القرآن والغوا فيه	اس مین گڑبڑ مچادو، یا شیطان سے شیطان
او المراد بالشيطان شيطان الانس	آدمی مراد ہے،

جو لوگ حبش سے واپس آگئے تھے، اہلِ مکہ نے اب اُن کو اور زیادہ ستانا شروع کیا اور اس قدر اذیت دی کہ دوبارہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے، لیکن اب کی ہجرت کچھ آسان نہ تھی، کفّار نے سخت مزاحمت کی تاہم جس طرح ہوسکا بہت سے صحابہ جن کی تعداد قریباً سو تک پہنچتی ہے، مکہ سے نکل گئے، اور حبش[1] مین اقامت اختیار کی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو کچھ لوگ فوراً واپس چلے آئے اور جو لوگ رہ گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ مین اُن کو بلا لیا،

کفار کی ایذا و تعدی اب کمزورون اور بیکسون پر محدود نہ تھی، حضرت ابوبکرؓ کا قبیلہ معزز اور طاقتور قبیلہ تھا، اُن کے یاور اور انصار بھی کم نہ تھے، تاہم وہ بھی کفار کے ظلم سے تنگ

---

[1] یہ تمام تفصیل طبقات ابن سعد مین ہے، بعض مورخون نے اس ہجرت ثانیہ کا ذکر نہین کیا اور بعض نے نہایت اختصار کیساتھ ذکر کیا ہے،

کے پاس بھیجے، راہ مین ابوجہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا، اتفاق سے ابوالبختری کہین سے آگیا، وہ اگرچہ کافر تھا، لیکن اس کو رحم آیا اور کہا کہ ایک شخص اپنی پھوپھی کو کچھ کھانے کے لیے بھیجتا ہے تو کیون روکتا ہے"

متصل تین برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام آل ہاشم نے یہ مصیبتین جھیلین بالآخر دشمنون ہی کو رحم آیا اور خود انہی کی طرف سے اس معاہدہ کے توڑنے کی تحریک ہوئی ہشام عامری خاندان بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلہ مین ممتاز تھا، وہ چوری چھپے بنو ہاشم کو غلہ وغیرہ بھیجتا رہتا تھا، ایک دفعہ وہ زہیر کے پاس جو عبدالمطلب کے نواسے تھے، گیا اور کہا "کیون زہیر! تم کو یہ پسند ہے کہ تم کھاؤ، پیو، ہر قسم کا لطف اُٹھاؤ، اور تمہارے ماموون کو ایک دانہ تک نصیب نہ ہو؟" زہیر نے کہا "کیا کرون تنہا ہون ایک شخص بھی میرا ساتھ دے تو مین اس ظالمانہ معاہدہ کو پھاڑ کر پھینک دون" ہشام نے کہا مین موجود ہون، دونون مل کر مطعم بن عدی کے پاس گئے، ابوالبختری ابن ہشام، زمعہ بن الاسود نے بھی ساتھ دیا، دوسرے دن سب مل کر حرم مین گئے، زہیر نے سب لوگون کو مخاطب کر کے کہا "اے اہل مکہ! یہ کیا انصاف ہے! ہم لوگ آرام سے بسر کرین، اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہ ہو، خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا مین باز نہ آؤن گا" ابوجہل برابر سے بولا "ہرگز اس معاہدہ کو کوئی ہاتھ نہین لگا سکتا" زمعہ نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے، جب یہ لکھا گیا تھا اس وقت بھی ہم راضی نہ تھے، غرض مطعم نے ہاتھ بڑھا کر دستاویز چاک کر دی، مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن الاسود، ابوالبختری،

زہیر سب ہتھیار باندھ باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے اور اُن کو درہ سے نکال لائے[1]، بقول ابن سعد یہ سنہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے، اسی زمانہ مین معراج واقع ہوئی، جس کی تفصیل تیسرے حصّہ مین آئے گی، اسی زمانہ مین نماز پنجگانہ فرض ہوئی،

سنہ ۱۰ نبوی، حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کی وفات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب شعب ابی طالب سے نکلے تھے، اور چند روز قریش کے جور و ظلم سے امان ملی تھی کہ ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوگیا،

ابوطالب کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس تشریف لیگئے ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ پہلے سے موجود تھے، آپ نے فرمایا "مرتے مرتے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیجئے کہ مین خدا کے ہان آپ کے ایمان کی شہادت دون" ابوجہل اور ابن ابی امیہ نے کہا "ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاوٴگے" بالآخر ابوطالب نے کہا "مین عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہون" پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب کرکے کہا "مین وہ کلمہ کہدیتا، لیکن قریش کہین گے کہ موت سے ڈر گیا" آپ نے فرمایا، "مین آپکے لئے دعاے مغفرت کرون گا جب تک کہ خدا مجھ کو اس سے منع نہ کردے"[2]

یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے، حضرت عباسؓ نے (جو اس وقت تک کافر تھے)

---

[1] یہ تفصیل ابن ہشام، طبری وغیرہ مین مذکور ہے، اخیر واقعہ صرف ابن سعد نے بیان کیا ہے [2] صحیح بخاری باب الجنائز و مسلم، ابوطالب کا اخیر فقرہ مسلم مین ہے، بخاری مین نہیں ،

کان لگا کر سنا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "کہ تم نے جس کلمہ کے لئے کہا تھا، ابو طالب وہی کہہ رہے ہیں[1]"

اس بنا پر ابو طالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے، لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے، اس لئے محدثین زیادہ تر اُن کے کفرہی کے قائل ہیں،

لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چندان قابل حُجت نہین کہ اخیر راوی مسیّب ہین، جو فتح مکہ مین اسلام لائے، اور ابو طالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح مین لکھا ہے کہ "روایت مرسل ہے[2]" ابن اسحاق کے سلسلۂ روایت مین عباس بن عبد اللہ بن معبد اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ہین، یہ دونون ثقہ ہین، لیکن بیچ کا ایک راوی یہان بھی رہ گیا ہے، اس بنا پر دونون روایتون کے درجۂ استناد مین چندان فرق نہین[3]،

---

[1] ابن ہشام مطبوعۂ مصر صفحہ ۱۴۶، [2] عینی کتاب الجنائز (ج ۴ صفحہ ۲۰۲) [3] س ز مصنفؒ کے اس نظریہ سے مجھے اتفاق نہین ہے، اس لئے کہ بخاری کی روایت کے آخر راوی حضرت مسیّبؓ ہین جو صحابی ہین، ظاہر ہے کہ صحابی کی روایت کسی صحابی ہی سے ہوگی اسی لئے مراسیل صحابہ حجت ہین اور ابن اسحاق کی روایت منقطع ہے اور چھوٹا ہوا راوی صحابی نہین ہے، خود ابن اسحاق بھی استناد کا اعلیٰ درجہ نہین رکھتے، اس لئے دونون روایتون کو یکسان نہین قرار دیا جا سکتا علاوہ برین حضرت مسیّبؓ کی اس روایت کی تائید مین خود حضرت عباسؓ کی وہ روایت ہے جو اسی مسیب والی روایت سے اوپر صحیح بخاری مین موجود ہے، جس مین ذکر ہے کہ حضرت عباسؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے چچا (ابو طالب) کو آپ سے کیا فائدہ پہنچا کہ وہ آپؐ کی حفاظت کرتے تھے، اور آپکے لئے آپکے دشمنون سے برسر پرخاش رہتے تھے، فرمایا وہ دوزخ کی آگ مین صرف ٹخنے تک ہین مگر اس کا اثر بھی دماغ تک پہنچ جاتا ہے، اگر مین نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ مین ہوتے، اس سے معلوم ہوا کہ خود حضرت عباسؓ کے علم مین تھا کہ اُن کا خاتمہ توحید کے اقرار پر نہین ہوا، س

ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو جان نثاریاں کین، اس سے کون انکار کرسکتا ہے، وہ اپنے جگر گوشون تک کو آپ پر نثار کرتے تھے، آپ کی محبت مین تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا، آپ کی خاطر محصور ہوئے، فاقے اٹھائے، شہر سے نکالے گئے، تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا، کیا یہ محبت، یہ جوش، یہ جان نثاریان سب ضائع جائین گی؟

ابوطالب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳۵ برس عمر مین بڑے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن سے نہایت محبت تھی، ایک دفعہ وہ بیمار پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی عیادت کے لئے گئے تو انھون نے کہا "بھتیجے! جس خدا نے تجھ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس سے دعا نہین مانگتا کہ مجھ کو اچھا کردے" آپ نے دعا کی اور وہ اچھے ہوگئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا خدا تیرا کہنا مانتا ہے، آپ نے فرمایا "آپ بھی اگر خدا کا کہنا مانین تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے"[1]

ابوطالب کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہؓ نے بھی وفات کی بعض روایتون مین ہے کہ انھون نے ابوطالب سے پہلے انتقال کیا، اب آپ کے مددگار اور غمگسار دونون اُٹھ گئے، صحابہ خود اپنی حالت مین مبتلا تھے، یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے، اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سال کو عام الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے[2]،

حضرت خدیجہؓ نے رمضان سنہ۱۰ نبوی مین وفات کی، اُن کی عمر ۶۵ برس کی تھی، مقام حجون مین دفن کی گئین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اُن کی قبر مین اُترے، اس وقت تک نماز جنازہ مشروع نہین ہوئی تھی[3]

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر ابوطالب [2] مواہب لدنیہ [3] یہ تفصیل ابن سعد مین ہے،

ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا، اب وہ نہایت بے رحمی و بیباکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے، ایک دفعہ آپ راہ مین جا رہے تھے، ایک شقی نے آکر فرقِ مبارک پر خاک ڈال دی، اسی حالت مین آپ گھر مین تشریف لائے، آپ کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لے کر آئین، آپ کا سر دھوتی تھین اور جوشِ محبت سے روتی جاتی تھین، آپ نے فرمایا "جانِ پدر! روؤ نہین، خدا تیرے باپ کو بچالے گا"[1]

اہلِ مکہ سے تو قطعی نا امیدی تھی، اس لئے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائین اور وہان دعوتِ اسلام فرمائین، طائف مین بڑے بڑے امرا اور ارباب اثر رہتے تھے، ان مین عمیر کا خاندان رئیس القبائل تھا، یہ تین بھائی تھے، عبدیالیل، مسعود، حبیب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت دی، ان تینون نے جو جواب دیئے وہ نہایت عبرت انگیز تھے، ایک نے کہا "اگر تجھ کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے" دوسرے نے کہا "کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی نہین ملتا تھا" تیسرے نے کہا "مین بہرحال تجھ سے بات نہین کر سکتا تو اگر سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلافِ ادب ہے، اور جھوٹا ہے تو گفتگو کے قابل نہین"

ان بدبختون نے اسی پر اکتفا نہین کیا، طائف کے بازاریون کو ابھار دیا کہ آپ کی ہنسی اڑائین، شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے، یہ مجمع دو رویہ صف باندھ کر کھڑا ہوا، جب آپ ادھر سے گذرے تو آپ کے پانون پر پتھر مارنے شروع کئے، یہان تک کہ

---

[1] طبری اور ابن ہشام ذکر وفات حضرت خدیجہؓ۔

آپ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں، جب آپ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے، جب آپ پھر چلنے لگتے تو پتھر برساتے، ساتھ ساتھ گالیاں دیتے، اور تالیاں بجاتے جاتے، آخر آپ نے ایک باغ میں انگور کی ٹٹیوں میں پناہ لی، یہ باغ عتبہ بن ربیعہ کا تھا جو باوجود کفر کے شریف الطبع اور نیک نفس تھا، اُس نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو اپنے غلام کے ہاتھ جس کا نام عداس تھا، انگور کا خوشہ ایک کشتی میں رکھ کر بھیجا،[1]

اس سفر میں حضرت زید بن حارثہ بھی ساتھ تھے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے پھر کر چند روز نخلہ میں قیام کیا، پھر حرا میں تشریف لائے اور مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ مجکو اپنی حمایت میں لے سکتے ہو، عرب کا شعار تھا کہ جب کوئی اُن سے طالب حمایت ہوتا تو گو دشمن ہوتا انکار نہیں کر سکتے تھے مطعم نے یہ درخواست منظور کی بیٹوں کو بلا کر کہا کہ "ہتھیار لگا کر حرم میں جاؤ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے مطعم اونٹ پر سوار ساتھ تھا، حرم کے پاس آیا، تو پکارا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دی ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں آئے

---

[1] یہ پوری تفصیل مواہب لدنیہ بحوالۂ موسیٰ بن عقبہ اور طبری و ابن ہشام میں ہے [2] کیا عجیب بات ہے کہ ایک ہی واقعہ دو مختلف نگاہوں کو کس طرح مختلف نظر آتا ہے مرگیولوس نے (نعوذ باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفر کو سوءِ تدبیر میں داخل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ طائف مکہ سے بالکل قریب اور اُن کے زیر اثر تھا اور وہاں رؤسائے مکہ کے باغ تھے، جس کی وجہ سے اُن کی آمد و رفت رہتی تھی، اس لئے جب مکہ کے تمام رؤسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھے، تو طائف کے لوگوں سے کیا اُمید ہو سکتی تھی"! لیکن سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زورِ اعتقاد اور اعتماد علی النفس تھا کہ باوجود تمام ناکامیوں کے وہ تنہا ایک مخالف شہر میں گئے اور تبلیغ اسلام کا فرض ادا کیا، ع والفضل ما شہدت بہ الاعداء،

نماز ادا کی اور دولت خانہ کو واپس گئے مطعم اور اس کے بیٹے آپ کو تلواروں کے سایہ میں لائے،[1]

مطعم نے کفر کی حالت میں غزوۂ بدر سے پہلے وفات کی، حضرت حسانؓ جو دربار رسالت کے شاعر تھے، انھوں نے مرثیہ لکھا، زرقانی نے یہ مرثیہ بدر میں نقل کیا ہے[2] اور لکھا ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں، مطعم کا یہ کام بے شبہہ مدح کا مستحق تھا لیکن آجکل کے مسلمان حضرت حسانؓ اور زرقانی سے زیادہ شیفتۂ اسلام ہیں، اس لئے معلوم نہیں حضرت حسانؓ کا یہ فعل آج بھی پسند کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

قبائل کا دورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا جب حج کا زمانہ آتا اور عرب کے قبائل ہر طرف سے آ آکر مکہ کے آس پاس اترتے تو آپ ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے اور تبلیغ اسلام فرماتے، عرب میں مختلف مقامات پر میلے لگتے تھے، جن میں دور دور کے قبائل آتے تھے، آپ ان میلوں میں جاتے اور اسلام کی تبلیغ فرماتے،

ان میلوں میں سے عکاظ جو اہل عرب کا قومی اور علمی دنگل تھا، اور مجنہ اور ذوالمجاز کا نام مورخین نے خاص طور پر لیا ہے، قبائل عرب میں سے بنو عامر، محارب، فزارہ، غسان، مرۃ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نصر، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ، مشہور قبائل ہیں[3]، ان سب قبائل کے پاس آپ تشریف لے گئے لیکن ابولہب ہر جگہ ساتھ جاتا اور جب آپ کسی مجمع میں تقریر کرتے تو برابر سے کہتا کہ "دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے"[4]

---

[1] ابن سعد صفحہ ۱۴۲ کسی قدر تفصیل مواہب لدنیہ سے اضافہ کی گئی ہے جو ابن اسحاق کی روایت ہے، تعجب ہے کہ ابن ہشام نے یہ حالات قلم انداز کئے ہیں [2] زرقانی جلد اوّل صفحہ ۲۱۵ [3] ابن سعد نے ان تمام قبائل کا ذکر کیا ہے [4] مستدرک حاکم جلد اوّل صفحہ ۱۵ حیدرآباد تس"

بنی حنیفہ یمامہ میں آباد تھے، ان لوگوں نے نہایت تلخی کے ساتھ جواب دیا، مسیلمہ کذاب جس نے آگے چل کر نبوت کا دعویٰ کیا، اسی قبیلہ کا رئیس تھا،

قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے پاس جب آپؐ گئے تو حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ تھے، حضرت ابوبکرؓ نے مفروق سے کہا تم نے کسی پیغمبر کا تذکرہ سنا ہے؟ وہ یہی ہیں، مفروق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کر کے کہا "برادر قریش! تم کیا تلقین کرتے ہو؟" آپؐ نے فرمایا "خدا ایک ہے، اور میں اس کا پیغمبر ہوں" اور یہ آیتیں پڑھیں،

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ	کہدو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ خدا نے کیا چیزیں
عَلَيْكُمْ اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا	حرام کی ہیں، یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک
وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا	نہ کرو، اور والدین کا حق خدمت بجا لاؤ،
تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ	اور اپنے بچوں کو افلاس کے خیال سے
نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا	قتل نہ کرو، ہم تم کو اور ان کو دونوں کو روزی
تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا	دیں گے، فحش باتوں کے پاس نہ جاؤ،
وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ	وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور آدمی کی
الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِكُمْ	جان جس کو خدا نے حرام کیا ہے، ناحق
وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (انعام ۱۹)	ہلاک نہ کرو،

اس قبیلہ کے رؤسا، مفروق، مثنیٰ اور ہانی بن قبیصہ تھے، اور وہ سب اس موقع پر موجود تھے، ان لوگوں نے کلام کی تحسین کی، لیکن کہا کہ ہم لوگوں کا خاندانی دین دفعۃً

چھوڑ دینا زود اعتقادی ہے" اس کے علاوہ ہم کسریٰ کے زیر اثر ہین اور معاہدہ ہو چکا ہو کہ ہم اور کسی کے اثر مین نہ آئین گے" آپ نے اُن کی راست گوئی کی تحسین کی اور فرمایا کہ "خدا اپنے دین کی آپ مدد کرے گا"[1]

قبیلۂ بنو عامر کے پاس گئے تو ایک شخص نے جس کا نام (بحیرہ بن) فراس تھا، آپ کی تقریر سُن کر کہا "یہ شخص مجکو ہات آجائے تو مین تمام عرب کو مسخر کر لون" پھر آپ سے پوچھا کہ "اگر ہم تمہارا ساتھ دین اور تم اپنے مخالفون پر غالب آجاؤ تو تمہارے بعد ریاست ہم کو ملیگی" آپ نے فرمایا "یہ خدا کے ہات ہے" اس نے کہا "ہم اپنا سینہ عرب کا آماج گاہ بنائین اور حکومت غیرون کے ہات آئے، ہم کو یہ غرض نہین"[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی

اسباب مذکورۂ بالا کی بنا پر قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی، اور چاہا کہ آپ کو اس قدر ستائین کہ آپ مجبور ہو کر تبلیغ اسلام سے دست بردار ہو جائین، سو، اتفاق یہ کہ جو کفار آپ کے ہمسایہ تھے یعنی ابوجہل، ابولہب، اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، اُمیّہ بن خلف، نضر بن حارث، منبہ بن حجاج عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص سب قریش کے سر برآوردہ رؤسا تھے، اور یہی سب بڑھ کر آپ کے دشمن تھے، یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ مین کانٹے بچھاتے، نماز پڑھتے وقت ہنسی اُڑاتے، سجدہ مین آپ کی گردن پر اوجھڑی لا کر ڈال دیتے، گلے مین چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچتے کہ گردن مبارک مین بدھیان پڑجاتین، (آپ کی روحانی قوت اثر کو

---

[1] روض الانف بحوالہ قاسم بن ثابت۔ [2] طبری ج ۳ ص ۱۲۰۵ (ابن سعد جلد اوّل صفحہ ۱۴۴)

دیکھ کر لوگ جادوگر کہتے، دعوائے نبوت کو سن کر مجنون کہتے، باہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھ کر چلتے[1]، نماز جماعت مین قرآن زور سے پڑھتے تو قرآن، قرآن کے لانے والے (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرآن کے اتارنے والے (خدا) کو گالیان دیتے[2]۔

ایک دفعہ آپؐ حرم مین نماز پڑھ رہے تھے، رؤساے قریش بھی موجود تھے، ابوجہل نے کہا کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھا لاتا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ مین جاتے تو اُن کی گردن پر ڈال دیتا، عقبہ نے کہا "یہ خدمت مین انجام دیتا ہون" چنانچہ اوجھ لا کر آپؐ کی گردن پر ڈال دی، قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے، کسی نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو خبر کی، وہ اگرچہ اُس وقت صرف پانچ چھ برس کی تھین لیکن جوش محبت سے دوڑی آئین، اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا، اور بددعائین دین[3]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کہین کسی مجمع عام مین دعوت اسلام کا وعظ فرماتے تو ابولہب جو آپؐ کے ساتھ ساتھ برابر رہتے کہتا جاتا کہ "یہ جھوٹ کہتا ہے"[4]۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جب کہ مین اسلام نہین لاچکا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بازار ذوالمجاز مین گئے اور مجمع مین گھس کر لوگون سے کہا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہو" ابوجہل آپؐ پر خاک پھینکتا جاتا تھا، اور کہتا کہ اس کے فریب مین نہ آنا، یہ چاہتا ہے کہ تم لات وعزّٰی کی پرستش چھوڑ دو[5]۔

---

(۱) مسند امام حنبل جلد ۱ صفحہ ۳۰۲ (۲) صحیح بخاری ۶۸۶) (۳) صحیح بخاری باب الطہارۃ والصلوۃ والجزیہ والجہاد، وصحیح مسلم وزرقانی جلد اوّل صفحہ ۲۹۲ (۴) مسند امام حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۴۱

طائف مین کفار نے آپؐ کو جو اذیتین پہنچائین اُن کا بیان پیچھے گذر چکا،

ایک دفعہ آپؐ حرم کعبہ مین نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ نے آپؐ کی گردن مین چادر لپیٹ کر نہایت زور سے کھینچی اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آگئے، اور آپؐ کا شانہ پکڑ کر عقبہ کے ہاتھ سے چھڑایا، اور کہا کہ اس شخص کو قتل کرتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے۔[1]

جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی مین نہایت سرگرم تھے اور رات دن اسی شغل مین رہتے تھے اُن کے نام جیسا کہ ابن سعد نے طبقات مین لکھے ہین حسب ذیل ہین:

"ابوجہل، ابولہب، اسود بن عبد یغوث، حارث بن قیس بن عدی، ولید بن المغیرہ، اُمیہ، اُبی بن خلف، ابوقیس بن فاکہہ بن المغیرہ، عاص بن وائل، نضر بن حارث، منبہ بن الحجاج، زہیر بن ابی امیہ، سائب بن صیفی، اسود بن عبد الاسد، عاص بن سعید بن العاص، عاص بن ہاشم، عقبہ بن ابی معیط، ابن الاصدی، ہذلی، الحکم بن ابی العاص، عدی بن حمراء"

یہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایہ اور ان مین سے اکثر صاحب جاہ و اقتدار تھے

یہ جو کچھ ہوا، گو نہایت دردانگیز اور حسرت خیز تھا لیکن تعجب انگیز نہ تھا، دنیا کی تاریخ مین کوئی ایسی مثال نہین ہے کہ نامانوس اور اجنبی صدائین بہ رغبت سن لی گئی ہون حضرت نوح علیہ السلام کو سیکڑون برس تک قوم کی نفرت اور وحشت کا سامنا رہا، یونان دنیا کی شایستگی کا معلم اوّل ہے، تاہم اسی حکمت کدہ مین سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام

[1] صحیح بخاری باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ بمکۃ الخ،

کو دار و رسن کا منظر پیش آیا، اس بنا پر عرب اور قریش نے جو کچھ کیا وہ سلسلۂ واقعات کی نیرنگی معمولی کڑی نہ تھی، لیکن غور طلب یہ ہے کہ اس کے مقابلہ مین سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا کیا؟ سقراط (زہر کا) پیالہ پی کر فنا ہو گیا، حضرت نوح علیہ السلام نے مخالفت سے تنگ آکر ایک قیامت خیز طوفان کی استدعا کی اور دنیا کا ایک بڑا حصہ برباد ہو گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس چالیس شخصون کی مختصر جماعت پیدا کر کے بروایت نصاریٰ سولی پر چڑھ گئے، لیکن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض ان سب سے بالاتر تھا، حضرت خبابؓ بن الارت نے جب قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین عرض کی کہ آپ اُن کے حق مین بد دعا کیون نہین فرماتے؟ تو آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، اور فرمایا کہ "تم سے پہلے وہ لوگ گذرے ہین جن کے سر پر آرے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے، تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے، خدا اس کام کو پورا کرے گا یہان تک کہ شتر سوار صنعا سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اُس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا۔"[1]

کیا یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری نہین ہوئی؟

---

[1] صحیح بخاری، باب مالقی النبی و اصحابہ من المشرکین، ذکر ایام جاہلیہ،

مدینۂ منوّرہ اور انصار

آفتاب کی روشنی دور پہنچ کر تیز ہوتی ہے شمیم گل باغ سے نکل کر عطر فشان بنتی ہی،
آفتاب اسلام طلوع مکہ مین ہوا، لیکن کرنین مدینہ کے افق پر چمکین،
مدینہ کا اصلی نام یثرب ہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہان آکر قیام کیا تو
اس کا نام مدینۃ النبی یعنی "پیغمبر کا شہر" پڑ گیا، اور پھر مختصر ہوکر مدینہ مشہور ہو گیا،
یہ شہر مدتون سے آباد ہے، بہت قدیم زمانہ مین یہودی یہان آکر آباد ہوئے،
اُن کی نسلین کثرت سے پھیلین اور مدینہ کے اطراف اُن کے قبضہ مین آگئے، انھون نے
مدینہ اور اس کے حوالی مین چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لئے تھے اور اُن مین سکونت رکھتے تھے،
(یہود کے متعلق زائد تحقیق آگے آئے گی)

انصار اصل مین یمن کے رہنے والے اور قحطان کے خاندان سے تھے، یمن مین
جب مشہور سیلاب آیا جس کو "سیل عرم" کہتے ہین، یہ لوگ یمن سے نکل کر مدینہ مین آباد ہوئے
یہ دو بھائی تھے، اوس اور خزرج، تمام انصار انہی دو کے خاندان سے ہین[1]، یہ خاندان
جب یثرب مین آیا تو یہود نہایت اقتدار اور اثر رکھتے تھے، آس پاس کے مقامات
اُن کے قبضہ مین تھے اور دولت و مال سے مالا مال تھے، چونکہ آل و اولاد کی کثرت سے
بیس اکیس قبیلے بن گئے تھے، اس لئے دور دور تک بستیان بسالی تھین، انصار کچھ زمانہ تک

[1] انصار کے نسب، اور مدینہ مین آباد ہونے کی پوری تفصیل وفاء الوفا، جلد اوّل صفحہ ۱۱۶ تا ۱۵۲ مین مذکور ہی،

اُن سے الگ رہے، لیکن اُن کا زور اور اثر دیکھ کر بالآخر اُن کے حلیف[1] بن گئے، ایک مدت
تک یہ حالت قائم رہی، لیکن اب انصار کا خاندان پھیلتا جاتا تھا، اور اقتدار حاصل کرتا جاتا تھا،
یہود نے پیش بینی کے لحاظ سے اُن سے معاہدہ توڑ دیا،

یہودیون مین ایک رئیس **فطیون** پیدا ہوا جو نہایت عیاش اور بدکار تھا، اُس نے
یہ حکم دیا کہ جو دوشیزہ لڑکی بیاہی جائے، پہلے اس کے شبستان عیش مین آئے، یہود نے اُسکو
گوارا کر لیا تھا لیکن جب انصار کی نوبت آئی تو اُنھون نے سرتابی کی، اس زمانہ مین انصار
کا سردار ایک شخص مالک بن عجلان تھا، اس کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے
دن گھر سے نکلی اور اپنے بھائی مالک بن عجلان کے سامنے سے بے پردہ گذری، مالک کو
غیرت آئی، اُٹھ کر گھر مین آیا اور بہن کو سخت ملامت کی، اُس نے کہا "ہان لیکن کل جو کچھ
ہوگا اس سے بھی بڑھ کر ہے" دوسرے دن حسب دستور جب مالک کی بہن دلہن بنکر
فطیون کی خلوت گاہ مین گئی تو مالک بھی زنانے کپڑے پہن کر سہیلیون کے ساتھ گیا، اور
فطیون کو قتل کر کے شام کو بھاگ گیا، یہان غسانیون کی حکومت تھی اور ابو جبلہ حکمران تھا،
اس نے یہ حالات سنے تو ایک فوج گران لے کر آیا، اور اوس اور خزرج کے رؤسا کو بلا کر
ان کو خلعت اور صلے دیئے، پھر رؤسائے یہود کی دعوت کی اور ایک ایک کو دھوکے سے
قتل کرا دیا، یہود کا زور اب ٹوٹ گیا، اور انصار نے نئے سرے سے قوت حاصل کی[2]،

---

[1] جو قبیلے آپس مین ایک دوسرے کی اعانت و شرکت کا (بحلف) معاہدہ کرتے تھے، وہ باہم حلیف کہلاتے تھے [2] وفاء الوفاء، یہ واقعہ مختلف صورتون مین بیان کیا گیا ہے، اور وفاء الوفاء مین یہ تمام روایتین مذکور ہین

انصار نے مدینہ اور حوالی مدینہ مین کثرت سے چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لئے، اوس اور خزرج ایک مدت تک باہم متحد رہے، لیکن پھر عرب کی فطرت کے موافق خانہ جنگیان شروع ہو گئین اور سخت خونریز لڑائیان ہوئین، سب سے اخیر لڑائی مین جس کو بعاث کہتے ہین اس زور کا معرکہ ہوا کہ دونون خاندانون کے تمام نامور لڑ لڑ کر مر گئے، انصار اب اس قدر ضعیف ہو گئے کہ انھون نے قریش کے پاس سفارت بھیجی کہ ہم کو حلیف بنا لیجئے، لیکن ابوجہل نے معاملہ درہم برہم کر دیا۔

انصار گو بت پرست تھے، تاہم چونکہ یہود سے میل جول تھا، اس لئے نبوت اور کتب آسمانی سے گوش آشنا تھے، یہود سے گو انصار اک گونہ رقابت رکھتے تھے لیکن اُن کے علمی فضل و کمال کے معترف تھے، یہود نے مدینہ مین جو علمی مدارس قائم کئے تھے اور جن کو بیت المدراس کہتے تھے (بخاری وغیرہ مین نام مذکور ہے[1]) ان مین توراۃ کی تعلیم ہوتی تھی، انصار جاہل تھے، اس لئے ان پر یہود کے علمی تفوق کا خواہ مخواہ اثر پڑتا تھا، یہان تک کہ انصار مین سے جس کے اولاد زندہ نہین رہتی تھی وہ منت مانتا تھا کہ بچہ زندہ رہے گا تو یہودی بنا دیا جائے گا[2]، یہودی عموماً یہ یقین رکھتے تھے کہ ایک پیغمبر ابھی اور آنے والا ہے، اس بنا پر انصار بھی ایک پیغمبر موعود کے نام سے آشنا تھے،

انصار مین ایک شخص سوید بن صامت جو شاعری اور جنگ آوری مین ممتاز تھا اس کو امثالِ لقمان کا نسخہ ہاتھ آگیا تھا جس کو وہ کتابِ آسمانی سمجھتا تھا، وہ ایک دفعہ

---

(۱) بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۷، کتاب الاکراہ باب فی بیع المکرہ ونحوہ فی الحق وغیرہ (۲) ص ۵۲ (کتاب تفسیر مین لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کی تفسیر دیکھو)

حج کو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حالات سُنے تو خود اس کے پاس تشریف لے گئے،
اُس نے امثال لقمان پڑھ کر سنایا، آپ نے فرمایا "میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے" یہ
کہہ کر قرآن مجید کی چند آیتین پڑھین، سوید نے تحسین کی[1]، اگرچہ وہ مدینہ واپس آکر جنگ بعاث
مین مارا گیا، لیکن اسلام کا معتقد ہو چکا تھا،

سوید شجاعت اور شاعری دونون مین کمال رکھتا تھا، ایسے شخص کو اہل عرب
"کامل" کہتے تھے، اور اسی بنا پر سوید اسی لقب سے پکارا جاتا تھا، سوید کے میلان اسلام کا ثم
انصار پر پڑ چکا تھا،

اَوس اور خزرج کے معرکون مین اَوس کو جب شکست ہوئی تو اَوس کے عماید
قریش کے پاس گئے کہ خزرج کے مقابلہ مین اُن کو حلیف بنائین، اس سفارت مین
ایاس بن معاذ بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگون کا آنا معلوم ہوا تو آپ
اُن کے پاس تشریف لے گئے اور قرآن مجید کی چند آیتین پڑھ کر سُنائین، ایاس نے
ساتھیون سے کہا کہ "خدا کی قسم تم جس غرض کے لئے آئے ہو یہ کام اس سے بھی بہتر ہے"
لیکن قافلہ سالار یعنی ابو الحیس نے کنکریان اٹھا کر اُن کے منہ پر مارین اور کہا کہ "ہم اس کام
کے لئے نہین آئے" اس کے بعد بعاث کا معرکہ پیش آگیا، اور ایاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے، لوگون کا بیان ہے کہ مرتے وقت ایاس کی زبان پر

[1] البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۷، [2] سوید کا ذکر ابن ہشام مین ہے لیکن روض الانف مین زیادہ
تفصیل ہے، اصابہ مین بھی اس کا حال ہے لیکن نسب مین اختلاف ہے اور امثال لقمان کا ذکر نہین ہے، طبری مین بھی
سوید کا پورا واقعہ مع اس کے اشعار کے مذکور ہے، دیکھو صفحہ ۱۲۰۶،

تکبیر جاری تھی،[1]

جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ حج کے زمانہ میں رؤسائے قبائل کے پاس جاکر تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے، اس سال (رجب ۱۱ نبوی) میں بھی آپ متعدد قبائل کے پاس تشریف لے گئے، عقبہ کے پاس (جہاں اب مسجد العقبہ ہے) خزرج کے چند اشخاص آپ کو نظر آئے، آپ نے ان سے نام و نسب پوچھا، انھوں نے کہا "خزرج" آپ نے ان کو دعوت اسلام دی، اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں، ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا "دیکھو، یہود ہم سے اس اولیت میں بازی نہ لے جائیں" یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا، یہ چھ شخص[2] تھے جن کے نام حسب[3] ذیل ہیں،

---

[1] طبری اور اصابہ میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے، اصابہ میں لکھا ہے کہ ایاس کا حال امام بخاری نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے، (البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۳ صفحہ ۱۴۸) [2] سن ۱۱ھ مدینہ منورہ کے یہ حضرات جو پہلے پہل اسلام لائے، بعض مصنفین سیرت نے ان کے اس قبول اسلام کے واقعہ کا تذکرہ بیعت عقبہ اولی کے عنوان سے کیا ہے، یہ عنوان کتب سیرت کے ناظرین کے لئے اس وقت پریشانی کا موجب بنتا ہے جب وہ دوسری کتابوں (مثلاً مستدرک حاکم ج ۲ صفحہ ۶۲۴ ابن کثیر علی حاشیہ فتح البیان ج ۹ صفحہ ۱۲۱) میں دیکھتے ہیں کہ بیعت عقبہ اولی میں بارہ آدمی تھے، اسی اختلاف روایت کے سبب سے بعض مصنفین سیرت بیعت عقبہ ثانیہ میں بارہ آدمی اور بعض ۷۳ آدمی بتلاتے ہیں،

حالانکہ اصل صورت یہ ہے کہ چھ یا آٹھ آدمی جو شروع شروع میں اسلام لائے، ان کے واقعۂ قبول اسلام کا عنوان بیعت عقبہ اولی نہیں بلکہ ابتدائے اسلام انصار ہونا چاہئے اور دوسرے سال جب کہ گیارہ بارہ آدمی حاضر خدمت ہوئے ہیں یہ بیعت عقبہ اولی ہے، حضرت عبادہ بن الصامت نے بصراحت فرمایا ہے کنا احد عشر فی العقبۃ الاولی من العام المقبل، اس روایت میں حضرت عبادہ العام المقبل میں بیعت عقبہ اولی کا ہونا فرماتے ہیں، اور اس میں گیارہ آدمیوں کے ہونے کی صراحت فرماتے ہیں، اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس سے پہلے جو لوگ اگر اسلام قبول کر چکے تھے تو اسکا تعلق بیعت عقبہ اولی سے نہ تھا، جن لوگوں نے انصار کے ابتدائی اسلام کے واقعہ کا نام بیعت عقبہ اولی رکھا ہے وہ تین بیعت عقبہ کا عنوان دیتے ہیں، یعنی ایک یہ بیعت عقبہ اولی، دوسری وہ بیعت عقبہ جس میں گیارہ یا بارہ آدمی اسلام لائے اور تیسری وہ بیعت عقبہ

۱- ابوالہیثم بن تیہان ،	
۲- ابوامامہ اسعد بن زرارہ	(صحابہ مین سب سے پہلے ان ہی نے) سلھ مین وفات پائی ،
۳- عوف بن حارث ،	(بدر مین شہادت پائی)
۴- رافع بن مالک بن عجلان ،	اس وقت تک جس قدر قرآن اتر چکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو عنایت فرمایا، جنگ اُحد مین شہید ہوے ،
۵- قطبہ بن عامر بن حدیدہ ،	(تینون عقبات مین شریک رہے)
۶- جابر بن عبداللہ (بن ریاب)	(یہ مشہور صحابی حضرت جابرؓ بن عبداللہ بن عمرو کے علاوہ تھے، بدر وغیرہ مین شریک تھے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲) جس مین ۳، ۷، افراد مشرف بہ اسلام ہوئے، اور یہ تینون واقعے ایک ایک سال کے فصل سے حج کے موسم مین پیش آئے، اور جن لوگون نے انصار کے ابتدائے اسلام کے واقعہ کو صرف ابتدائے اسلام انصار کے عنوان سے ذکر کیا ہی، انھون نے گیارہ آدمیون والی بیعت کو بیعت عقبۂ اولی اور ۷۳ آدمیون والی بیعت کو بیعت عقبۂ ثانیہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے، (ملاحظہ ہو تاریخ خمیس اوّل صفحہ ۳۰۶ تا ۳۱۶، صفحہ ۳۱۷ وزرقانی علی المواہب ج اوّل صفحہ ۳۶۲ و صفحہ ۳۶۷) "س"

سلہ یہ واقعات تمام تاریخون مین مذکور ہین، ہم نے زرقانی کو پیش نظر رکھا ہے کیونکہ اس نے تمام مختلف روایتین جمع کردی ہین، ان لوگون کی تعداد بعضون نے آٹھ بیان کی ہی، اسعد بن زرارہ اور ابوالہیثم کا پہلے سے موجود ہونا، ابن سعد نے طبقات مین لکھا ہی، دیکھو کتاب مذکور جزء ثالث، انصار بدریین، صفحہ ۲۲، واقدی کا بیان ہے کہ اسعد بن زرارہ اس واقعہ سے پہلے مکہ مین جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے، (بعضون نے ابوالہیثم بن تیہان کی جگہ عقبہ بن عامر بن نابی کا نام لیا ہی، اور بعض نے جابر بن ریاب کے بجاے عبادہ بن صامت کو جگہ دی ہے)
"س"

دوسرے سال بارہ شخص مدینہ منورہ سے آئے اور بیعت کی، اس کے ساتھ اس بات کی بھی خواہش کی کہ احکام اسلام کے سکھانے کے لئے کوئی معلم ان کے ساتھ کردیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب رضی ابن عمیر کو اس خدمت پر مامور فرمایا، مصعب رضی ہاشم بن عبدمناف کے پوتے اور سابقین اسلام میں سے تھے، غزوۂ بدر میں لشکر کی علم برداری کا منصب انہی کو ملا تھا، وہ مدینہ میں آکر اسعد بن زرارہ کے مکان پر ٹھہرے جو مدینہ کے نہایت معززرئیس تھے، روزانہ معمول تھا کہ انصار کے ایک ایک گھر کا دورہ کرتے، لوگون کو اسلام کی دعوت دیتے، اور قرآن مجید پڑھ کر سناتے، روزانہ ایک دو نئے آدمی اسلام قبول کرتے، رفتہ رفتہ مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا، صرف خطمہ، وائل، واقف کے چند گھرانے باقی رہ گئے، ابن سعد نے طبقات مین یہ واقعات تفصیل سے لکھے ہین،

قبیلۂ اوس کے سردار، حضرت سعد بن معاذ تھے، قبیلہ پر ان کا یہ اثر تھا کہ ہر کام مین اُن کے اشارون پر چلتے تھے، مصعب رضی نے جب اُن کے پاس جاکر اسلام کی دعوت دی تو انھون نے پہلے نفرت ظاہر کی لیکن جب مصعب رضی نے قرآن مجید کی چند آیتین پڑھین تو پتھر موم تھا، ان کا اسلام لانا تمام قبیلۂ اوس کا اسلام قبول کرلینا تھا،

اگلے سال بہتر شخص حج کے زمانہ مین آئے، اور اپنے ساتھیون سے (جو بت پرست تھے) چھپکر بمقام منیٰ (عقبہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، اس موقع پر حضرت عباس رضی بھی جو اس وقت تک اسلام نہین لائے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، انھون نے انصار سے خطاب کرکے کہا، گروہِ خزرج! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان

ہین معزز اور محترم ہین، دشمنون کے مقابلہ مین ہم ہمیشہ ان کے سینہ سپر رہے، اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہین، اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر، ورنہ ابھی سے جواب دیدو۔
حضرت براءؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب کرکے کہا "ہم لوگ تلوارون کی گود مین پلے ہین" وہ اسی قدر کہنے پائے تھے کہ ابوالہیثمؓ نے بات کاٹ کر کہا "یا رسول اللہ! ہم سے اور یہود سے تعلّقات ہین، بیعت کے بعد یہ تعلّقات ٹوٹ جائین گے، ایسا تو نہ ہو کہ جب آپ کو قوت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو آپ ہم کو چھوڑ کر اپنے وطن چلے جائین" آپ نے مسکرا کر فرمایا "نہین تمہارا خون میرا خون ہے، تم میرے اور مین تمہارا ہون"
آپ نے اس گروہ مین سے بارہ شخص نقیب انتخاب کئے، جن کے نام خود انصار نے پیش کئے تھے، اُن مین نو خزرج کے اور تین اوس کے تھے، اُن کے نام حسب روایت ابن سعد حسب ذیل ہین:۔

۱	اُسیدؓ بن حُضَیر	جنگ بعاث مین انہی کے باپ اوس کے سردار تھے،
۲	ابوالہیثمؓ بن تیہان،	
۳	سعدؓ بن خثیمہ،	جنگ بدر مین شہید ہوئے،
۴	اسعدؓ بن زرارہ،	ان کا ذکر اوپر گذر چکا، یہ امام نماز تھے،
۵	سعدؓ بن الربیع،	جنگ اُحد مین شہید ہوئے،
۶	عبد اللہؓ بن رواحہ	مشہور شاعر ہین، جنگ موتہ مین شہید ہوئے
۷	سعدؓ بن عبادہ،	معزز اور مشہور صحابی ہین، سقیفہ بنی ساعدہ مین

نام	حالات
	ان ہی نے پہلے خلافت کا دعویٰ کیا تھا،
منذر بن عمرو،	بیر معونہ میں شہید ہوئے،
بَراء بن مَعرُور،	بیعتِ عقبہ میں انہی نے انصار کی طرف سے تقریر کی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے،
عبداللہ بن عمرو،	جنگِ اُحد میں شہید ہوئے،
عُبادہ رضی بن الصامت،	مشہور صحابی ہیں، اُن سے اکثر حدیثیں مروی ہیں،
رافع بن مالک،	جنگِ اُحد میں شہید ہوئے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی یہ تھیں "شرک، چوری، زنا، قتلِ اولاد اور افترا، کے مرتکب نہ ہوں گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے جو اچھی بات کہیں گے، اس سے سرتابی نہ کریں[1] گے"

جب انصار بیعت کر رہے تھے تو سعد رضی بن زرارۃ نے کھڑے ہو کر کہا "بھائیو! یہ بھی خبر ہے؟ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب وعجم اور جن وانس سے اعلانِ جنگ ہے" سب نے کہا ہاں ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں،

بارہ ۱۲ شخص جو نقیب انتخاب کئے گئے رئیس القبائل تھے، اُن کا اسلام قبول کرنا تمام

[1] یہ صحیح بخاری کی روایت ہے، سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ عقبۂ اولیٰ کی شرائط ہیں، اخیر بیعت اس بات پر لی گئی تھی کہ انصار آپؐ کی جان کی حفاظت کریں گے،

انصار کا اسلام قبول کرنا تھا صبح کو اس بیعت کی اُڑتی سی خبر پھیلی، قریش انصار کے پاس آئے، اور شکایت کی، انصار کے ساتھ جو بُت پرست تھے اُن کو اس بیعت کی خبر نہ تھی، انھون نے تکذیب کی کہ "ایسا ہوتا تو ہم سے کیونکر چُھپ سکتا تھا"

مدینہ مین اسلام کو پناہ حاصل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائین، قریش کو معلوم ہوا تو انھون نے رُوک ٹوک شروع کی لیکن چوری چھپے لوگون نے ہجرت شروع کر دی، رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے، صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے، جو لوگ مفلسی سے مجبور تھے، وہ مدت تک نہ جا سکے، یہ آیت اُنہی کی شان مین ہے،

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ	کمزور مرد، عورتین اور بچے، جو یہ کہتے
وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ	ہین کہ اے خدا! ہم کو اس شہر سے نکال
اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ	کہ یہان کے لوگ ظالم ہین،
الظَّالِمِ اَهْلُهَا (نساء-۱۰)	

ہجرت

(اس وقت جبکہ دعوتِ حق کے جواب مین ہر طرف سے تلوار کی جھنکارین سنائی دے رہی تھین، حافظِ عالم نے مسلمانون کو دار الامانِ مدینہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا، لیکن خود وجودِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) جو اِن ستمگارون کا حقیقی ہدف تھا، اپنے لئے حکمِ خدا کا منتظر تھا، مکہ کے باہر اطراف مین جو صاحب اثر مسلمان ہو چکے تھے وہ جان نثارانہ اپنی حفاظت کی خدمت پیش کرتے تھے، قبیلہ دوس ایک محفوظ قلعہ کا مالک تھا، اس کے رئیس طفیل بن عمرو نے اپنا قلعہ پیش کیا کہ آپ یہان ہجرت کر آئین، لیکن آپ نے انکار فرمایا[1] اسی طرح بنی ہمدان کے ایک شخص نے بھی یہی خواہش کی تھی، بعد کو اس نے کہا کہ وہ اپنے قبیلہ کو مطلع کر کے آئندہ سال آئیگا[2] لیکن کارسازِ قضا وقدر نے یہ شرف صرف انصار کے لئے مخصوص کیا تھا، چنانچہ قبلِ ہجرت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خواب دیکھا کہ دار الہجرۃ ایک پر باغ وبہار مقام ہے، خیال تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہوگا، لیکن وہ شہر مدینہ نکلا[3])

نبوت کا تیرہوان سال شروع ہوا، اور اکثر صحابہ مدینہ پہنچ چکے تو وحی الٰہی کے مطابق

---

(1) صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۵۰ باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر (2) مستدرک ج ۲ صفحہ ۶۱۳ و زرقانی علی المواہب ج اول صفحہ ۳۵۹ (3) صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم " س "

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا، یہ داستان نہایت پر اثر ہے اور
اسی وجہ سے امام بخاری نے باوجود اختصار پسندی کے اس کو خوب پھیلا کر لکھا ہے اور
حضرت عائشہؓ کی زبانی لکھا ہے، حضرت عائشہؓ گو اس وقت سات آٹھ برس کی تھیں
لیکن ان کا بیان درحقیقت خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابوبکرؓ کا بیان
ہے کہ انہی سے سن کر کہا ہوگا، اور ابتدائے واقعہ مین وہ خود بھی موجود تھین،

قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ مین جا کر طاقت پکڑتے جاتے ہین اور وہان
اسلام پھیلتا جاتا ہے، اس بنا پر انھون نے دارالندوہ مین، جو دارالشوریٰ تھا، اجلاس
عام کیا، ہر قبیلہ کے رؤسا یعنی عتبہ، ابوسفیان، جبیر بن مطعم، نضر بن حارث بن کلدہ، ابوالبختری
ابن ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب، حکیم بن حزام، ابوجہل، نبیہ، ومنبہ، امیہ بن خلف
وغیرہ وغیرہ سب شریک تھے، لوگون نے مختلف رائین پیش کین، ایک نے کہا "محمدؐ کے
ہاتھ پانون مین زنجیرین ڈال کر مکان مین بند کر دیا جائے" دوسرے نے کہا "جلاوطن
کر دینا کافی ہے" ابوجہل نے کہا "ہر قبیلہ سے ایک شخص انتخاب ہو، اور پورا مجمع ایک ساتھ
مل کر تلوارون سے اُن کا خاتمہ کر دے، اس صورت مین اُن کا خون تمام قبائل مین
بٹ جائے گا، اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکین گے" اس اخیر رائے پر
اتفاق ہوگیا، اور جھٹ پٹے سے آکر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آستانہ مبارک کا محاصرہ
کر لیا، اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے، اس لئے باہر ٹھہرے رہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکلین تو یہ فرض ادا کیا جائے،

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قریش کو اس درجہ عداوت تھی، تاہم آپ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا، آپ ہی کے پاس لاکر رکھتا تھا، اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتین جمع تھین، آپ کو قریش کے ارادہ کی پہلے سے خبر ہوچکی تھی اس بنا پر حضرت علیؓ کو بلاکر فرمایا کہ "مجھکو ہجرت کا حکم ہوچکا ہے مین آج مدینہ روانہ ہوجاؤن گا تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو، صبح کو سب کی امانتین جاکر واپس دے آنا" یہ سخت خطرہ کا موقع تھا، حضرت علیؓ کو معلوم ہوچکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کرچکے ہین، اور آج رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے، لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا،

ہجرت سے دو تین دن پہلے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دوپہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر گئے، دستور کے موافق دروازہ پر دستک دی، اجازت کے بعد گھر مین تشریف لے گئے، حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا "کچھ مشورہ کرنا ہے، سب کو ہٹا دو" بولے کہ "یہان آپ کی حرم کے سوا اور کوئی نہین ہے" (اس وقت حضرت عائشہؓ سے شادی ہوچکی تھی) آپ نے فرمایا "مجھ کو ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے" حضرت ابوبکرؓ نے نہایت بیتابی سے کہا "میرا باپ آپ پر فدا ہو کیا مجھکو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا؟" ارشاد ہوا "ہان" حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کے لئے چار مہینہ سے دو اونٹنیان ببول کی پتیان کھلا کھلا کر تیار کی تھین عرض کی کہ ان مین سے ایک آپ پسند فرمائین، محسن عالم کو کسی کا احسان گوارا نہین ہوسکتا تھا ارشاد ہوا "اچھا، مگر بہ قیمت" حضرت ابوبکرؓ نے مجبوراً قبول کیا، حضرت عائشہؓ

اُس وقت کمسن تھین، اُن کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ نے جو حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی مان تھین، سفر کا سامان کیا، دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان مین رکھا، نطاق جس کو عورتین کمر سے لپیٹتی ہین، پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا، یہ وہ شرف تھا جس کی بنا پر آج تک اُن کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے[1]،

کفار نے جب آپؐ کے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گذر گئی تو قدرت نے اُن کو بے خبر کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے، کعبہ کو دیکھا اور فرمایا "مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھکو رہنے نہین دیتے" حضرت ابوبکرؓ سے پہلے سے قرارداد ہو چکی تھی، دونون صاحب پہلے جبل ثور کے غار مین جا کر پوشیدہ ہوئے یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہِ خلائق ہے[2] حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہؓ جو نوخیز جوان تھے، شب کو غار مین ساتھ سوتے، صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے، اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورے کر رہے ہین، جو کچھ خبر ملتی شام کو آکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کرتے، حضرت ابوبکرؓ کا غلام کچھ رات گئے بکریان چرا کر لاتا، اور آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ اُن کا دودھ پی لیتے، تین دن تک صرف یہی غذا تھی، لیکن ابن ہشام نے لکھا ہے کہ روزانہ شام کو حضرت اسماءؓ گھر سے کھانا پکا کر غار مین پہنچا آتی تھین، اسی طرح تین راتین غار مین گذرین[3]،

---

(1) صحیح بخاری باب الہجرۃ (2) یہ غار مکہ سے تین میل دہنی جانب ہے، پہاڑ کی چوٹی قریباً ایک میل بلند ہے، سمندر یہان سے دکھائی دیتا ہے، دیکھو زرقانی (ج ۱ صفحہ ۳۳۴) (3) پوری تفصیل صحیح بخاری باب الہجرۃ مین ہے، باب مناقب المہاجرین مین بعض مزید حالات ہین وہ بھی ہم نے شامل کر لئے ہین ،

صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں تو پلنگ پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بجائے حضرت علی تھے، ظالموں نے آپ کو پکڑا اور حرم میں لے جا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا، اور چھوڑ دیا،[1] پھر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تلاش میں نکلے ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانہ تک آگئے آہٹ پاکر حضرت ابوبکرؓ غمزدہ ہوئے، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کی کہ "اب دشمن اس قدر قریب آگئے کہ اگر اپنے قدم پر اُن کی نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لیں گے" آپ نے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ) گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے،

مشہور ہے کہ جب کفار غار کے قریب آگئے تو خدا نے حکم دیا، دفعۃً ببول کا درخت اُگا، اور اس کی ٹہنیوں نے پھیل کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھپا لیا، ساتھ ہی دو کبوتر آئے، اور گھونسلا بنا کر انڈے دیئے، حرم کے کبوتر انہی کبوتروں کی نسل سے ہیں، اس روایت کو مواہب لدنیہ میں تفصیل سے نقل کیا ہے، اور زرقانی نے بزاز وغیرہ سے اس کے ماخذ بتائے ہیں، لیکن یہ تمام روایتیں غلط ہیں، اس روایت کا اصلی راوی عون بن عمرو ہے، اس کی نسبت امام فن رجال یحییٰ بن معین کا قول ہے "لَا شَیْئَ" یعنی ہیچ ہے، امام بخاری نے کہا ہے کہ "وہ منکر الحدیث اور مجہول ہے" اس روایت کا ایک اور راوی ابو مصعب مکی ہے، وہ مجہول الحال ہے، چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں عون بن عمرو کے حال میں یہ تمام اقوال نقل کئے ہیں، اور خود اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے،[2]

---

[1] تاریخ طبری (ج ۳ ص ۱۲۳۴) "س" [2] سیرۃ النبی ج ۳ ص ۳۰۰، میں بہ ضمن "مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت" ان روایات پر مفصل تنقید کی گئی ہے "س"

بہرحال چوتھے دن آپ غار سے نکلے، عبداللہ بن اُریقط ایک کافر جس پر اعتماد تھا، رہنمائی کے لئے اُجرت پر مقرر کر لیا گیا، وہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا، ایک رات دن برابر چلے گئے۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہو گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سایہ میں آرام فرمالیں، چاروں طرف نظر ڈالی، ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا، سواری سے اُتر کر زمین جھاڑی، پھر اپنی چادر بچھادی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آرام فرمایا، تو تلاش میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو لائیں، پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا، اُس سے کہا ایک بکری کا تھن گرد و غبار سے صاف کردے، پھر اس کے ہاتھ صاف کرائے اور دودھ دوہایا، برتن کے منہ پر کپڑا لپیٹ دیا کہ گرد نہ پڑنے پائے، دودھ لے کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا، آپ نے پی کر فرمایا کہ "کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا؟" آفتاب اب ڈھل چکا تھا، اس لئے آپ وہاں سے روانہ ہوئے[1]

قریش نے اشتہار دیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکر کو گرفتار کر کے لائیگا، اس کو ایک خونبہا کے برابر (یعنی سَو اونٹ) انعام دیا جائے گا، سُراقہ بن جُعشُم نے سنا تو انعام کی اُمید میں نکلا، عین اس حالت میں کہ آپ روانہ ہو رہے تھے، اُس نے آپ کو دیکھ لیا، اور گھوڑا دوڑا کر قریب آگیا، لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، وہ گر پڑا، ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیئے یا نہیں؟ جواب میں "نہیں" نکلا، لیکن سَو اونٹوں کا گرانبہا معاوضہ

[1] یہ پوری تفصیل حرف بحرف صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین میں ہے، ہم نے تمام جزئیات اس لئے نقل کیں کہ اس سے حضرت ابوبکرؓ کی صفائی پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے [2] سراقہ بعد میں اسلام لائے اور جب ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے زیورات لوٹ میں آئے تو حضرت عمرؓ نے انہی کو وہ زیورات پہنا کر عالم کی نیرنگی کا تماشا دیکھا۔

ایسا نہ تھا کہ تیر کی بات مان لی جاتی، دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا، اور آگے بڑھا، ابکی گھوڑے کے پانون گھٹنون تک زمین مین دھنس گئے، گھوڑے سے اُتر پڑا اور پھر فال دیکھی اب بھی وہی جواب تھا، لیکن مکرر تجربہ نے اُس کی ہمّت پست کردی، اور یقین ہوگیا کہ یہ کچھ اور آثار ہین، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آکر قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا، اور درخواست کی کہ مجھ کو امن کی تحریر لکھدیجئے، حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہؓ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمانِ امن لکھدیا،[1]

حُسنِ اتفاق یہ کہ حضرت زبیرؓ شام سے تجارت کا سامان لے کر آرہے تھے، انھون نے آنحضرت (صلّی اللہ علیہ وسلّم) اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت مین چند بیش قیمت کپڑے پیش کئے، جو اس بے سرو سامانی مین غنیمت تھے،

ابن سعد نے طبقات مین اس مقدّس سفر کی تمام منزلین گنائی ہین، اگرچہ عرب کے نقشون مین آج ان کا نشان نہین ملتا، تاہم عقیدت مند صرف نام سے لذّت یاب ہوسکتے ہین؛ خرار، ثنیۃ المرۃ، لقف، مدلجۃ، مرجح، حدائد، اذاخر، رابغ (یہ مقام آج بھی حجاج کے رستہ مین آتا ہے، یہان آپ نے مغرب کی نماز پڑھی) ذا سلم، عثانیۃ، قاحہ، عرج، جدوات، رکوبۃ، عقیق، جثجاثہ،

تشریف آوری کی خبر مدینہ مین پہلے پہنچ چکی تھی، تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار تھا، معصوم بچے فخر اور جوش مین کہتے پھرتے تھے کہ پیغمبر (صلّی اللہ علیہ وسلّم) آرہے ہین؛ لوگ ہر روز تڑکے سے

[1] صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پریشانی مین بھی دوات قلم ساتھ رہتا تھا،

نکل نکلکر شہر کے باہر جمع ہوتے، اور دوپہر تک انتظار کرکے حسرت کے ساتھ واپس چلے آتے،
ایک دن انتظار کرکے واپس جاچکے تھے کہ ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھا اور قرائن سے
پہچان کر پکارا کہ "اہلِ عرب لو تم جس کا انتظار کرتے تھے وہ آگیا"، تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج
اٹھا، انصار ہتھیار سج سج کر بیتابانہ گھروں سے نکل آئے،

مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جو بالائی آبادی ہے اُس کو عالیہ اور قباء کہتے
ہیں، یہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے، ان میں سب سے زیادہ ممتاز عمرو بن عوف
کا خاندان تھا، اور کلثوم بن الہدم خاندان کے افسر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں
پہنچے تو تمام خاندان نے جوشِ مسرت میں اللہ اکبر کا نعرہ مارا، یہ فخر اُن کی قسمت میں تھا
کہ میزبانِ دوعالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہی کی مہمانی قبول کی، انصار ہر طرف سے جوق جوق آتے اور
جوشِ عقیدت کے ساتھ سلام عرض کرتے،[1]

اکثر اکابر صحابہؓ جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے مدینہ میں آچکے تھے، وہ بھی انہی
کے گھر میں اترے تھے، چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ، مقدادؓ، خبابؓ، سہیلؓ، صفوانؓ، عیاضؓ، عبداللہ
ابن مخرمہؓ، وہبؓ بن سعد، معمرؓ بن ابی سرح، عمیرؓ بن عوف، اب تک انہی کے مہمان تھے،[2]
جناب امیرؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روانہ ہونے کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے،
وہ بھی آگئے اور یہیں ٹھہرے، تمام مورخین اور اربابِ سیر لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے یہاں صرف چار دن قیام فرمایا، لیکن صحیح بخاری میں چودہ[4] دن ہے، اور یہی قرینِ قیاس ہے

[1] صحیح بخاری صفحہ ۵۶۰ طبقات ابن سعد سیرۃ نبوی صفحہ ۱۵۵ [2] ابن سعد تذکرۂ کلثوم بن ہدم،

یہاں آپؐ کا پہلا کام مسجد کا تعمیر کرنا تھا، حضرت کلثومؓ کی ایک افتادہ زمین تھی، جہاں کھجوریں سکھلائی جاتی تھیں، یہیں دستِ مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی، یہی مسجد ہے جس کی شان میں قرآن مجید میں ہے،

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ	وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن پرہیزگاری پر
اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ	رکھی گئی ہو وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس میں
فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا	کھڑے ہو، اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو صفائی
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (توبہ ۱۳)	بہت پسند ہے اور خدا صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے

مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ آپؐ خود بھی کام کرتے تھے، بھاری بھاری پتھروں کے اٹھاتے وقت جسم مبارک خم ہو جاتا تھا، عقیدت مند آتے اور عرض کرتے "ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ چھوڑ دیں ہم اٹھا لیں گے" آپؐ ان کی درخواست قبول فرماتے، لیکن پھر اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے،[1]

حضرت عبداللہ بن رواحہ شاعر تھے، وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک تھے، اور جس طرح مزدور کام کرنے کے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہیں، وہ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے،

اَفْلَحَ مَنْ يُّعَالِجُ الْمَسَاجِدَا	وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے
وَيَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ قَائِمًا وَّقَاعِدًا	اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے۔
وَلَا يَبِيْتُ اللَّيْلَ عَنْهُ رَاقِدًا	اور رات کو جاگتا رہتا ہے۔

[1] وفاء الوفاء بحوالہ طبرانی کبیر (ج ۱ ص ۱۸۰)

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے،

قُبا مین آپ کا داخلہ اسلام کے دورخاص کی ابتدا ہے، اس لئے مورخین نے اس تاریخ کو زیادہ اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا ہے، اکثر مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ آٹھ ربیع الاول سنہ ۱۳ نبوی (مطابق ۲۰ ستمبر سنہ ۶۲۲ء) تھی (محمد بن) موسیٰ خوارزمی نے لکھا ہے کہ جمعرات کا دن، اور فارسی ماہ تیر کی چوتھی تاریخ، اور رومی ماہ ایلول سنہ ۹۲۳ اسکندری کی دسوین تاریخ تھی[1]، مورخ یعقوبی نے ہیئت دانون سے یہ زائچہ نقل کیا ہے:-

آفتاب	برج سرطان مین	۲۳ درجہ ۶ دقیقہ پر
زحل	برج اسد مین	۲ درجہ
مشتری	برج حوت مین	۶ درجہ
زہرہ	برج اسد مین	۱۳ درجہ
عطارد	برج اسد مین	۱۵ درجہ

چودہ[2] دن کے بعد (جمعہ[3] کو) آپ شہر کی طرف تشریف فرما ہوئے، (راہ مین بنی سالم کے محلہ مین نماز کا وقت آگیا، جمعہ کی نماز یہین ادا فرمائی، نماز سے پہلے خطبہ دیا، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی نماز جمعہ اور سب سے پہلا خطبہ نماز تھا، لوگون کو جب تشریف آوری

[1] وفا، الوفا بحوالۂ ابن خیثمہ ج ۱ ص ۱۸۱ مصر [2] عینی شرح بخاری جلد دوم صفحہ ۳۵۴ (عینی مطبوعۂ قسطنطنیہ مین مطبع کی غلطی سے سنہ ۹۳۳ سبعمائیہ لکھا گیا ہے، اس کو تسعمائیہ پڑھنا چاہیے، رومی ماہ ایلول کی دسوین کے بجائے جدید طریقۂ حساب سے بیسوین ثابت ہوتی ہے، خوارزمی نے جمعرات کا دن بتایا ہے لیکن جدید حساب سے دوشنبہ کا دن آتا ہے) [3] خوارزمی کے حساب کے مطابق روز ورود (جمعرات) نہ لیا جاوے تو ۱۴ دن کے بعد جمعہ ہوگا،

کی خبر معلوم ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جوشِ مسرت سے پیشقدمی کے لئے دوڑے) آپ کے ننہالی رشتہ دار بنو نجار ہتھیار سج سج کر آئے[1]، قبا سے مدینہ تک دو رویہ جان نثاروں کی صفین تھین، راہ مین انصار کے خاندان آتے تھے، ہر قبیلہ سامنے آکر عرض کرتا "حضور! یہ گھر ہے، یہ مال ہے، یہ جان ہے" آپ منت کا اظہار فرماتے اور دعاے خیر دیتے، شہر قریب آگیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خاتونین چھتون پر نکل آئین اور گانے لگین،

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا	چاند نکل آیا ہے،
مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ	کوہ وداع کی گھاٹیون سے،
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا	ہم پر خدا کا شکر واجب ہے،
مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعِ	جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگین

معصوم لڑکیان دف بجا بجا کر گاتی تھین،

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ	ہم خاندانِ نجار کی لڑکیان ہین،
یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارِ	محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اچھا ہمسایہ ہے،

آپ نے ان لڑکیون کی طرف خطاب کرکے فرمایا "کیا تم مجھ کو چاہتی ہو؟" بولین "ہان" فرمایا کہ "مین بھی تم کو چاہتا ہون"

---

[1] یہ واقعہ بخاری کے متعدد ابواب مسجد ہجرت وغیرہ مین مذکور ہے، وفاء الوفا جلد اول صفحہ ۱۸۰، پہلے اشعار کے متعلق زرقانی مین نہایت محققانہ، محدثانہ بحث کی ہے، اور ابن قیمؒ کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ ثنیۃ الوداع شام کی طرف ہے نہ کہ مکہ کی طرف، مواہب مین لکھا ہے کہ یہ اشعار حلوانی نے شیخین کی شرط پر روایت کئے ہین، بخاری مین بھی یہ اشعار منقول ہین، مگر غزوۂ تبوک کے موقع پر، لیکن ان دونون روایتون مین کچھ تناقض نہین، ممکن ہے دونون موقعون پر یہ اشعار پڑھے گئے ہون،

جہان اب مسجد نبویؐ ہے، اس سے متصل حضرت ابوایوب انصاریؓ کا گھر تھا، کوکبۂ نبویؐ یہان پہنچا، سخت کشمکش تھی کہ آپؐ کی میزبانی کا شرف کس کو حاصل ہو؟ قرعہ ڈالا گیا اور آخر یہ دولت حضرت ابوایوبؓ[1] کے حصہ مین آئی،

حضرت ابوایوبؓ کا مکان دومنزلہ تھا، انھون نے بالائی منزل پیش کی لیکن آپؐ نے زائرین کی آسانی کے لیے نیچے کا حصہ پسند فرمایا، ابوایوبؓ دووقتہ آپؐ کی خدمت مین کھانا بھیجتے اور آپؐ جو چھوڑ دیتے، ابوایوبؓ اور ان کی زوجہ کے حصہ مین آتا، کھانے مین جہان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیون کا نشان پڑا ہوتا، ابوایوبؓ بھی تبرکاً وہین انگلیان ڈالتے،

ایک دن اتفاق سے بالائی منزل مین پانی کا برتن ٹوٹ گیا، اندیشہ ہوا کہ پانی بہ کر نیچے جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو، گھر مین اوڑھنے کا صرف ایک لحاف تھا، حضرت ابوایوبؓ نے اس کو ڈال دیا کہ پانی جذب ہو کر رہ جائے[2]،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سات مہینہ تک یہین قیام فرمایا، اس اثنا مین جب مسجد نبویؐ اور آس پاس کے حجرے تیار ہوگئے تو آپؐ نے نقلِ مکان فرمایا، تفصیل

---

[1] ابوایوبؓ کا نام خالد ہے، اصابہ فی احوال الصحابہ مین اسی نام سے ان کا ذکر کیا ہے اور وہین یہ واقعہ لکھا ہے، اکثر سیر اور تواریخ کی کتابون مین لکھا ہے کہ چونکہ ہر شخص اپنے گھر مین اتارنے کی درخواست کرتا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ "میری ناقہ کو چھوڑ دو وہ خدا کی طرف سے مامور ہے" چنانچہ ناقہ حضرت ابوایوبؓ کے گھر کے سامنے جاکر بیٹھ گیا، اس لئے آپؐ نے انہی کے گھر پر قیام فرمایا، لیکن صحیح مسلم باب الہجرہ مین ہے کہ جب لوگون مین آپؐ کی میزبانی کے متعلق جھگڑا ہوا تو آپؐ نے کہا کہ "مین بنونجار کے ہان اترونگا جو عبدالمطلب کے ماموں ہین"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمداً ایسا کیا تھا، حضرت ابوایوبؓ اسی خاندان سے تھے، امام بخاری نے تاریخ صغیر مین تصریح کی ہے، کہ ابوایوبؓ کے گھر اترنا اسی قرابت کی وجہ سے تھا،

[2] اصابہ ذکر ابوایوب، اور زرقانی بحوالۂ قاضی ابویوسف و حاکم و وفاء الوفاء،

آگے آتی ہے،

مدینہ میں آکر آپؐ نے حضرت زیدؓ (اور اپنے غلام ابو رافع) کو دو اونٹ اور پانسو درہم دے کر بھیجا کہ مکہ جاکر صاحبزادیوں اور حرم نبویؐ کو لے آئیں حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو لکھا کہ وہ بھی اپنی ماں اور بہنوں کو لے کر چلے آئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے حضرت رقیہؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھ حبش میں تھیں حضرت زینبؓ کو ان کے شوہر نے آنے نہ دیا، زیدؓ صرف حضرت فاطمہ زہراؓ (اور حضرت ام کلثومؓ) اور حضرت سودہؓ (زوجہ محترم نبوی) کو لے کر آئے، حضرت عائشہؓ اپنے بھائی عبداللہؓ کے ساتھ آئیں۔[1]

مسجد نبویؐ اور ازواج مطہرات کے حجروں کی تعمیر

مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانۂ خدا کی تعمیر تھی اب تک یہ معمول تھا کہ مویشی خانہ میں (یا جہاں موقع ملتا تھا) آپؐ نماز پڑھا کرتے تھے۔[2] دولت کدہ کے قریب خاندان نجار کی زمین تھی جس میں کچھ قبریں تھیں، کچھ کھجور کے درخت تھے، آپؐ نے ان لوگوں کو بلا کر فرمایا "میں یہ زمین قیمت لینا چاہتا ہوں" وہ بولے کہ "ہم قیمت لیں گے لیکن آپؐ سے نہیں بلکہ خدا سے" چونکہ اصل میں وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی آپؐ نے خود ان یتیموں کو بلا بھیجا، ان یتیم بچوں نے بھی اپنی کائنات نذر کرنی چاہی لیکن آپؐ نے گوارا نہ کیا، حضرت ابو ایوبؓ نے قیمت ادا کی، قبریں اکھڑوا کر زمین ہموار کر دی گئی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی، شہنشاہ دو عالم[2] پھر مزدوروں کے لباس میں تھا صحابہؓ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ابن سعد۔ (جزء نساء ص۴۳) (۲) ابو داؤد باب بناء المسجد)

بھی اُن کے ساتھ آواز ملاتے اور فرماتے،

اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃ — اے خدا! کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے

فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُھَاجِرَۃ — اے خدا! مہاجرین اور انصار کو بخش دے

یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی، یعنی کچی اینٹون کی دیوارین، برگِ خرما کا چھپر، کھجور کے ستون تھے، قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا، لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہوگیا تو شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کردیا گیا، فرش چونکہ بالکل خام تھا، بارش مین کیچڑ ہو جاتی تھی، ایک دفعہ صحابہ نماز کے لئے آئے تو کنکریان لیتے آئے اور اپنی اپنی نشستگاہ پر بچھالین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور سنگریزون کا فرش بنوادیا،

مسجد کے ایک سرے پر ایک مسقف چبوترہ تھا، جو صفہ کہلاتا تھا، یہ اُن لوگون کے لئے تھا جو اسلام لاتے تھے اور گھر بار نہین رکھتے تھے،

مسجد نبوی جب تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل ہی آپؐ نے ازواج مطہراتؓ کے لئے مکان بنوائے، اس وقت تک حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ عقدِ نکاح مین آچکی تھین، اس لئے دو ہی حجرے بنے، جب اور ازواجؓ آتی گئین تو اور مکانات بنتے گئے، یہ مکانات کچی اینٹون کے تھے، ان مین سے پانچ کھجور کی ٹٹیون سے بنے تھے، جو حجرے اینٹون کے تھے ان کے اندرونی حجرے بھی ٹٹیون کے تھے، ترتیب یہ تھی کہ

لہ بخاری باب المساجد و باب الہجرۃ ورج۔ و باب البیوع و عینی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۵ و زرقانی

حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت زینبؓ بنت جحش کے مکانات شامی جانب تھے اور حضرت عائشہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت سودہؓ مقابل جانب تھیں[1]، یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپؐ مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج مطہراتؓ گھر میں بیٹھے بیٹھے آپؐ کے بال دھو دیتی تھیں،

یہ مکانات چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے، چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا، دروازوں پر کمل کا پردہ پڑا رہتا تھا[2] راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے[3]،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہمسایہ میں جو انصار رہتے تھے اُن میں حضرت سعدؓ ابن عبادہ، حضرت سعدؓ بن معاذ، حضرت عمارہؓ بن حزم اور حضرت ابو ایوبؓ، رئیس اور دولت مند تھے، یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ بھیجا کرتے تھے اور اسی پر آپؐ بسر فرماتے تھے، حضرت سعدؓ بن عبادہ نے التزام کر لیا تھا کہ رات کے کھانے پر ہمیشہ اپنے ہاں سے ایک بڑا بادیہ بھیجا کرتے تھے، جس میں کبھی سالن، کبھی دودھ، کبھی گھی ہوتا تھا، حضرت انسؓ کی ماں حضرت ام انسؓ نے اپنی جائداد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں پیش کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما کر پھر وہ حضرت ام ایمنؓ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد سیرت نبوی صفحہ ۱۶۱، [2] منازل نبوی کا حال طبقات ابن سعد جزء ۸ صفحہ ۱۱۱ اور وفاء الوفا میں تفصیلاً ہے [3] بخاری باب الصلوٰۃ علی الفراش [4] طبقات ابن سعد جلد کتاب النساء صفحہ ۱۱۶،

کو دیدیا[1]، اور خود فقر و فاقہ اختیار فرمایا،

اذان کی ابتدا اسلام کے تمام عبادات کا اصلی مرکز وحدت و اجتماع ہے، اس وقت تک کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا، لوگ (وقت کا اندازہ کرکے آتے تھے، اور نماز پڑھتے تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند نہ تھا، آپ نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کردیئے جائیں جو وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلا لائیں، لیکن اس مین زحمت تھی، صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا، لوگوں نے مختلف رائیں دین، کسی نے کہا نماز کے وقت مسجد پر ایک علم کھڑا کردیا جائے، لوگ دیکھ دیکھ کر آتے جائیں گے، آپ نے یہ طریقہ ناپسند فرمایا، عیسائیوں اور یہودیوں کے یہاں اعلان نماز کے جو طریقے ہین وہ بھی آپ کی خدمت مین عرض کئے گئے لیکن آپ نے حضرت عمرؓ کی رائے پسند کی اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دین[2]، اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہوجاتی تھی، دوسری طرف دن مین پانچ دفعہ دعوت اسلام کا اعلان ہوجاتا تھا،

صحاح ستہ کی بعض کتابوں مین ہے کہ اذان کی تجویز عبداللہ بن زیدؓ نے پیش کی تھی جو انھوں نے خواب مین دیکھی تھی، ایک اور روایت مین ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی خواب مین توارد ہوا لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ مین کسی اور روایت کو ترجیح نہین دیجا سکتی[3]،

---

[1] صحیح بخاری ج۲ ص۴۳ باب فضل المنیحہ۔ [2] ابوداؤد باب بدء الاذان و بخاری باب الاذان، بخاری مین زید کے واقعہ کا ذکر نہین ہے۔ [3] یہ روایت صحیح بخاری کے علاوہ، صحیح مسلم، نسائی اور ترمذی میں بھی ہے لیکن تمام روایات کو اور علماء کی تحقیقات کو سامنے رکھنے سے مسئلہ کی صحیح صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے دوسرے لوگوں کی رایوں کے مقابلہ مین اپنی رائے یہ پیش کی تھی جیسا کہ بخاری کی روایت مین ہے کہ اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوٰۃ کہ ایک آدمی بھیجا جائے جو

بخاری مین صاف تصریح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بوق اور ناقوس کی تجویزین پیش کی گئین، لیکن حضرت عمرؓ نے اذان کی تجویز پیش کی، اور آپ نے اس کے موافق حضرت بلالؓ کو بلا کر اذان کا حکم دیا، خواب کا ذکر نہین،

مواخاۃ مہاجرین، مکہ معظمہ سے بالکل بے سروسامان آئے تھے، گو ان مین دولت مند اور خوشحال بھی تھے لیکن کافرون سے چھپ کر نکلے تھے، اس لئے کچھ ساتھ نہ لا سکے تھے،

اگرچہ مہاجرین کے لئے انصار کا گھر مہمان خانۂ عام تھا، تاہم ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی، مہاجرین نذر اور خیرات پر بسر کرنا پسند نہین کرتے تھے، وہ دست و بازو سے کام لینے کے خوگر تھے، تاہم چونکہ بالکل نکھرے تھے اور ایک حبّہ تک پاس نہ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ انصار اور ان مین رشتۂ اخوت قائم کر دیا جائے، جب مسجد کی تعمیر قریب ختم ہوئی تو آپ نے انصار کو طلب فرمایا حضرت انسؓ بن مالک جو اس وقت دس سالہ تھے ان کے مکان مین لوگ جمع ہوئے، مہاجرینؓ کی تعداد پینتالیسؓ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی طرف خطاب کرکے فرمایا "یہ تمہارے بھائی ہین" پھر مہاجرین اور انصار مین سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو، اور اب وہ درحقیقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۳) پکار کر نماز کا اعلان کر دے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے کو پسند فرمایا اور الصلوٰۃ جامعۃ کے لفظ سے اس کا اعلان کر دیا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اور بعض دوسرے صحابہ نے بھی خواب مین اذان کے مروجہ الفاظ کے ساتھ اذان کو خواب مین دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منجانب اللہ سمجھ کر قبول فرمایا، اور اسی کے مطابق اذان مروجہ جاری فرمائی گئی، فتح الباری و نووی و زرقانی و روض الانف باب بدء الاذان مین یہ تفصیلاً بحوالہ سند مذکور ہین، ("س")

بھائی بھائی تھے، انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جاکر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ دیدیا کہ آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے، سعد بن الربیع جو عبد الرحمٰن بن عوف کے بھائی قرار پائے ان کی دو بیویان تھین، عبد الرحمٰن سے کہا کہ ایک کو مین طلاق دیتا ہون آپ اس سے نکاح کر لیجئے، لیکن انھون نے احسان مندی کے ساتھ انکار کیا،[1]

انصار کا مال و دولت، جو کچھ تھا نخلستان تھے، روپے پیسے تو اس زمانہ مین تھے نہین[2] انھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یہ باغ ہمارے بھائیون مین برابر تقسیم کر دیئے جائین، مہاجرین تجارت پیشہ تھے اور اس وجہ سے کھیتی کے فن سے بالکل ناآشنا تھے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے انکار کیا، انصار نے کہا سب کاروبار ہم خود انجام دے لین گے جو کچھ پیداوار ہوگی اس مین نصف حصہ مہاجرین کا ہوگا، مہاجرین نے اس کو منظور کیا،[3]

یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بن گیا، کوئی انصاری مرتا تھا تو اس کی جائداد اور مال مہاجر کو ملتا تھا، اور بھائی بند محروم رہتے،[4] یہ اس فرمانِ الٰہی کی تعمیل تھی،

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا	جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ
وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ	مین مال و جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھون نے
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ	ان لوگون کو پناہ دی اور اُن کی مدد کی؛

---

[1] مواخاۃ کا ذکر اور ایک ایک کا نام، ابن ہشام صفحہ ۰۰ امین ہے، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کا واقعہ صحیح بخاری کتاب المناقب باب اخاء النبی مین ہے [2] صحیح بخاری صفحہ ۳۱۳، [3] ایضاً ۳۱۲ [4] صحیح بخاری کتاب التفسیر آیہ واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض،

اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط (انفال -- ۱۰) یہ لوگ باہم بھائی بھائی ہین،

جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت اُتری،

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ، (انفال -- ۱۰) ارباب قرابت ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہین،

اس آیت سے یہ قاعدہ جاتا رہا، چنانچہ کتب تفسیر وحدیث مین بہ تصریح مذکور ہے،

سنہ ۴ھ مین بنو نضیر جب جلا وطن ہوئے اور اُن کی زمین اور نخلستان قبضہ مین آئے تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ مہاجرین نادار ہین، اگر تمہاری مرضی ہو تو نئے مقبوضات تنہا اُن کو دیدیئے جائین، اور تم اپنے نخلستان واپس لے لو" انصار نے عرض کی کہ نہین ہمارے نخلستان بھائیون ہی کے قبضہ مین رہنے دیجئے اور نئے بھی انہی کو عنایت فرمایئے،[1]

دنیا انصار کے اس ایثار پر ہمیشہ ناز کرے گی لیکن یہ بھی دیکھو کہ مہاجرین رض نے کیا کیا؟ حضرت سعد رض بن الربیع نے جب حضرت عبد الرحمن بن عوف رض کو ایک ایک چیز کا جائزہ دے کر نصف لے لینے کی درخواست کی تو انھون نے کہا خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے، مجھ کو صرف بازار کا راستہ بتا دیجئے" انھون نے قینقاع کا، جو مشہور بازار تھا، جا کر راستہ بتا دیا، انھون نے کچھ گھی، کچھ پنیر خریدا، اور شام تک خرید و فروخت کی، چند روز

---

[1] فتوح البلدان، مطبوعۂ یورپ صفحہ ۲۰،

مین اتنا سرمایہ ہوگیا کہ شادی کرلی، رفتہ رفتہ اُن کی تجارت کو یہ ترقی ہوئی کہ خود اُن کا قول تھا کہ خاک پر ہاتھ ڈالتا ہون تو سونا بنجاتی ہے، اُن کا اسباب تجارت سات سات سو اونٹون پر لد کر آتا تھا اور جس دن مدینہ مین پہنچتا تمام شہر مین دھوم مچ جاتی تھی[1]،

بعض صحابہؓ نے دُکانین کھول لین حضرت ابوبکرؓ کا کارخانہ مقام سنح مین تھا جہان وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے[2] حضرت عثمانؓ بنو قینقاع کے بازار مین کھجور کی خرید فروخت کرتے تھے[3] حضرت عمرؓ بھی تجارت مین مشغول ہوگئے تھے[4]، اور شاید اُن کی اس تجارت کی وسعت ایران تک پہنچ گئی تھی[5]، اور صحابہؓ نے بھی اسی قسم کی چھوٹی بڑی تجارت شروع کردی تھی[6]،

صحیح بخاری مین روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ پر لوگون نے جب کثرت روایت کی بنا پر اعتراض کیا کہ اور صحابہؓ تو اس قدر روایت نہین کرتے تو انھون نے کہا اس مین میرا کیا قصور ہے، اور لوگ بازار مین تجارت کرتے تھے اور مین رات دن بارگاہ نبوت مین حاضر رہتا تھا،

پھر جب خیبر فتح ہوا تو تمام مہاجرین نے یہ نخلستان انصار کو واپس کردیئے، صحیح مسلم باب الجہاد مین ہے،

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ خیبر سے فارغ
لما فرغ من قتال اهل خیبر	ہوئے اور مدینہ واپس آئے تو مہاجرین نے

---

[1] صحیح بخاری مین دو مختلف موقعون پر یہ واقعہ مذکور ہے (کتاب البیوع' و باب کیف آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب اخاء النبی بین المہاجرین والانصار، باب الولیمۃ ولو بشاۃ) [2] (اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۳۱۴ و ۳۱۵ وغیرہ مین یہ واقعہ مذکور ہے [3] ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۳۰ [4] مسند امام حنبل جلد ا صفحہ ۶۲ [5] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۴۰۰ [6] ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۴۷،

وانصرف الی المدینة رد	انصار کے عطیے جو نخلستان کی صورت مین
المهاجرون الی الانصار	تھے، واپس کر دیئے،
منائحهم التی کانوا منحوهم من ثمارهم	

مہاجرین کے لئے مکانات کا یہ انتظام ہوا کہ انصار نے اپنے گھرون کے آس پاس جو افتادہ زمینین تھین اُن کو دیدین، اور جن کے پاس زمین نہ تھی انھون نے اپنے مسکونہ مکانات دیدیئے، سب سے پہلے حضرت حارثہ بن نعمانؓ نے اپنی زمین پیش کی، بنو زہرہ مسجد نبوی کے عقب مین آباد ہوئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے یہان ایک قلعہ (جس کو گڑھی کہنا زیادہ موزون ہوگا) بنوایا، حضرت زبیرؓ بن العوام کو ایک وسیع زمین ہاتھ آئی حضرت عثمانؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت عبیدؓ کو انصار نے اپنے مکانات کے پہلو مین زمینین دین[1]

مواخاۃ کے رشتہ سے، جو لوگ آپس مین بھائی بھائی بنے، ان مین سے بعض حضرات کے نام یہ ہین[2]:-

انصار	مہاجرین
حضرت خارجہ بن زید انصاریؓ	حضرت ابوبکرؓ
حضرت عتبانؓ بن مالک انصاری	حضرت عمرؓ
حضرت اوس بنؓ ثابت انصاری	حضرت عثمانؓ
حضرت سعد بنؓ معاذ انصاری۔	حضرت ابو عبیدہ جراحؓ

[1] یہ پوری تفصیل معجم البلدان مدینہ منورہ کے ذکر مین ہے [2] یہ تفصیل ابن ہشام صفحہ ۱۹۰ مین ہے،

انصار	مہاجرین
حضرت سلامہ بنؓ وقش،	حضرت زبیرؓ بن العوام،
حضرت ابوایوبؓ انصاری	حضرت مصعب بنؓ عمیر،
حضرت حذیفہ بن یمانؓ،	حضرت عمارؓ بنؓ یاسر،
حضرت منذر بنؓ عمرو،	حضرت ابوذر غفاریؓ،
حضرت ابودرداؓ،	حضرت سلمانؓ فارسی،
حضرت ابورویحہؓ،	حضرت بلالؓ،
حضرت عباد بنؓ بشر،	حضرت ابوحذیفہ بنؓ عتبہ بن ربیعہ،
حضرت ابی بن کعبؓ،	حضرت سعید بنؓ زید بن عمرو بن نفیل،

مواخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لئے قائم کیا گیا کہ بے خانمان مہاجرین کا چند روزہ انتظام ہوجائے، لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان اغراضِ اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا،

اسلام، تہذیبِ اخلاق وتکمیلِ فضائل کی شاہنشاہی ہے، اس سلطنتِ الٰہی کے لئے وزراء، اربابِ تدبیر، سپہ سالارانِ لشکر، ہر قابلیت کے لوگ درکار ہیں، شرفِ صحبت کی برکت سے مہاجرین میں ان قابلیتوں کا ایک گروہ تیار ہوچکا تھا، اور اُن میں یہ وصف پیدا ہوچکا تھا کہ اُن کی درسگاہِ تربیت سے اور ارباب استعداد بھی تربیت پاکر نکلیں؛ اس بنا پر جن لوگوں میں رشتۂ اخوت قائم کیا گیا، ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا

کہ استاد اور شاگرد مین وہ اتحادِ مذاق موجود ہو جو تربیت پذیری کے لیے ضرور ہے، تفحص اور استقصا سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا، دونون مین یہ اتحادِ مذاق ملحوظ رکھا گیا، اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کم مدّت مین سیکڑون اشخاص کی طبیعت اور فطرت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا، قریباً ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ شانِ نبوّت کی خصوصیات مین سے ہے،

حضرت سعیدؓ بن زید عشرۂ مبشرہ مین ہین، ان کے والد زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ملت ابراہیمی کے پیرو ہو چکے تھے، اور گویا اسلام کے مقدمۃ الجیش تھے، حضرت سعیدؓ نے اُن ہی کے دامنِ تربیت مین پرورش پائی تھی، اس لئے اسلام کا نام سننے کے ساتھ انھون نے لَبَّیْک کہا، اُن کی مان بھی اُن کے ساتھ یا ان سے پہلے اسلام لائین، حضرت عمرؓ انہی کے گھر مین اور اُن ہی کی ترغیب سے اسلام کی طرف مائل ہوئے تھے، علم وفضل کے لحاظ سے فضلاے صحابہ مین تھے، اُن کی اخوت حضرت ابی بن کعبؓ سے قائم کی گئی، جنھون نے یہ مرتبہ حاصل کیا کہ حضرت عمرؓ اُن کو سید المسلمین کہتے تھے، بارگاہِ نبوّت مین منصبِ انشا پر سب سے پہلے وہی ممتاز ہوئے، فنِ قرأت کے وہ امام تسلیم کیے جاتے ہین،

حضرت ابوحذیفہؓ عتبہ بن ربیعہ کے فرزند تھے، جو قریش کا رئیسِ اعظم تھا، اس مناسبت سے اُن کو حضرت عبادؓ بن بشر کا بھائی بنایا گیا جو قبیلۂ اشہل کے سردار تھے،

حضرت ابوعبیدہؓ جراح جن کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے امین الامۃ کا خطاب دیا تھا، ایک طرف تو فاتح شام ہونے کی قابلیت رکھتے تھے، دوسری طرف اسلام کے

مقابلہ مین پدری اور فرزندی کے جذبات اُن پر کچھ اثر نہین کر سکتے تھے، چنانچہ غزوۂ بدر مین جب اُن کے باپ اُن کے مقابلہ مین آئے تو انھون نے پہلے حقوقِ اُبوت کی مراعات کی لیکن بالآخر اسلام پر باپ کو نثار کر دینا پڑا، اُن کی تربیت مین حضرت سعدؓ بن معاذ دیئے گئے، جو قبیلۂ اوس کے رئیسِ اعظم تھے، اُن مین بھی ایثار کا یہ وصف نمایان طور پر نظر آتا ہے، بنو قریظہ ان کے حلیف تھے، اور عرب مین حلیف کا رشتہ اخوت اور اُبوت کے برابر ہوتا تھا، تاہم غزوۂ بنی قریظہ مین جب اسلام کا مقابلہ پیش آیا تو انھون نے اپنے چار سو حلیفون کو اسلام پر نثار کر دیا،

حضرت بلالؓ اور حضرت ابو رویحہؓ، حضرت سلمانؓ فارسی اور حضرت ابو درداءؓ، حضرت عمارؓ بن یاسر اور حضرت حذیفہؓ بن یمان، حضرت مصعبؓ اور حضرت ابو ایوبؓ مین وہ وحدت موجود تھی، جس کی بدولت نہ صرف شاگرد، بلکہ اُستاد بھی شاگرد سے اثر پذیر ہو سکتا تھا، حضرت عبد الرحمٰن بنؓ عوف مدینہ مین آئے تو پنیر سر پر رکھکر بیچتے تھے، حضرت سعدؓ بن الربیع کی صحبت مین جو امیر الامراء تھے دولت اور امارت کے جس درجہ پر پہنچے ہم اوپر لکھ آئے ہین،

انصار نے مہاجرین کی مہمانی اور ہمدردی کا جو حق ادا کیا دنیا کی تاریخ مین اس کی نظیر نہین مل سکتی، بحرین جب فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ مین اس کو انصار مین تقسیم کر دینا چاہتا ہون، انھون نے عرض کی کہ "پہلے ہمارے بھائی مہاجرون کو اتنی ہی زمین عنایت فرمایئے، تب ہم لینا منظور کرین گے"۔

ایک دفعہ ایک فاقہ زدہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آیا کہ سخت بھوکا

ہون، آپنے گھر مین دریافت فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب آیا کہ صرف پانی، آپ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کوئی ہے؟ جو اُن کو آج اپنا مہمان بنائے، حضرت ابو طلحہؓ نے عرض کی مین حاضر ہون" غرض وہ اپنے گھر لو اگئے، لیکن وہان بھی برکت تھی، بیوی نے کہا صرف بچون کا کھانا موجود ہے، انھون نے بیوی سے کہا چراغ بجھا دو، اور وہی کھانا مہمان کے سامنے لاکر رکھدو، تینون ساتھ کھانے پر بیٹھے، میان بیوی بھوکے بیٹھے رہے، اور اس طرح ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھا رہے ہین، اسی واقعہ کے بارہ مین یہ آیت اُتری ہے،

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْكَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر-۱) اور گو اُن کو خود تنگی ہو تاہم اپنے اوپر دوسرون کو ترجیح دیتے ہین،

صفہ اور اصحاب صفہ | اصحاب صفہ اسلامی لغت کا ایک متداول لفظ ہے، گو اس کی حقیقت سے لوگ اچھی طرح واقف نہین،

"صفہ" سائبان کو کہتے ہین، یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبویؐ کے ایک کنارہ پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا، صحابہؓ مین سے اکثر تو مشاغلِ دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت یا زراعت وغیرہ بھی کرتے تھے، لیکن چند لوگون نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت پذیری پر نذر کردی تھی، ان لوگون کے بال بچے نہ تھے، اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقہ سے نکل آتے تھے، اُن مین ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیان چُن لاتی اور بیچ کر اپنے بھائیون کے لئے کچھ کھانا مہیا کرتی،

یہ لوگ دن کو بارگاہِ نبوت مین حاضر رہتے اور حدیثین سنتے اور رات کو اسی چبوترہ (صفہ)

پڑے رہتے، حضرت ابوہریرہؓ بھی انہی لوگوں میں تھے، ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہمد دونوں چیزیں کبھی ساتھ مہیا نہ ہو سکیں، چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ رانوں تک لٹک آتی، اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور چھت میں لگا دیتے، کھجوریں جو ٹپک ٹپک کر گرتیں، یہ اٹھا کر کھا لیتے، کبھی دو دو دن کھانے کو نہیں ملتا تھا، اکثر ایسا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے، یہ لوگ آکر شریک نماز ہوتے لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے، باہر کے لوگ آتے اور ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ دیوانے ہیں[1]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو مسلم ان کے پاس بھیج دیتے، اور جب دعوت کا کھانا آتا تو ان کو بلا لیتے، اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے، اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مہاجرین اور انصار پر تقسیم کر دیتے، یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور ان کو کھانا کھلائے،

حضرت سعد بن عبادہ نہایت فیاض اور دولتمند تھے، وہ کبھی کبھی اسی اسی مہمانوں کو اپنے ساتھ لے کر جاتے[2]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ جب ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ زہراؓ نے درخواست کی کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے نیل پڑ گئے ہیں، مجھ کو ایک کنیز عنایت ہو تو فرمایا کہ "یہ

---

[1] صحیح ترمذی باب معیشۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] زرقانی (ج ۱ صفحہ ۳۰۴ مصر) ذکر اصحاب صفہ و مسجد نبوی،

نہین ہوسکتا کہ مین تم کو دون اور صفہ والے بھوکے رہین[3]"۔ راتون کو عموماً یہ لوگ عبادت کرتے اور قرآن مجید پڑھا کرتے، ان کے لئے ایک معلم مقرر تھا، اُس کے پاس جا کر پڑھتے[1]، اسی بنا پر ان مین سے اکثر "قاری" کہلاتے تھے، دعوت اسلام کے لئے کہین بھیجنا ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے تھے، غزوۂ معونہ مین انہی مین سے ستر آدمی اسلام سکھانے کے لئے بھیجے گئے تھے[2]

اُن کی تعداد گھٹتی اور بڑھتی رہتی تھی، کل مجموعی تعداد ۴۰۰ تک پہنچی تھی، لیکن کبھی ایک زمانہ مین اس قدر تعداد نہین ہوئی، نہ صفہ مین اس قدر گنجایش تھی، ان لوگون کا مفصل حال ابن الاعرابی احمد بن محمد البصری المتوفی ۳۴۰ھ (جو ابن مندہ کے استاد تھے) نے ایک الگ تصنیف مین لکھا ہے، سلمی نے بھی اُن کے حالات مین ایک الگ کتاب لکھی ہے،

مدینہ کے یہود اور اُن سے معاہدہ

مؤرخین عرب کا بیان ہے کہ مدینہ کے یہود نسلاً یہودی تھے اور اس تقریب سے عرب مین آئے تھے، کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے ان کو عمالقہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا تھا، لیکن تاریخی قرائن سے اُس کی تصدیق نہین ہوتی، یہود گو تمام دنیا مین پھیلے لیکن انھون نے اپنے نام کہین نہین بدلے، آج بھی وہ جہان ہین اسرائیلی نام رکھتے ہین، بخلاف اس کے عرب کے یہودیون کے نام، نضیر، قینقاع، مرحب، حارث وغیرہ ہوتے تھے، جو خالص عربی نام ہین، یہود عموماً بزدل اور دنی الطبع ہوتے

---

[1] زرقانی (ج اوّل صفحہ ۳۴۴ مصر) ذکر اصحاب صفہ [2] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۳۷ [3] (حافظ سیوطی نے دو صفحہ کا ایک رسالہ اصحاب صفہ کے نام مین لکھا ہے، اس رسالہ مین ستر آدمیون کے نام بترتیب ہجا مذکور ہین) اصحاب صفہ کا حال بخاری باب المغازی وغیرہ اور صحیح مسلم مین جستہ جستہ مذکور ہے، زرقانی نے اور کتابون سے لیکر اضافہ کیا ہے، مین نے یہ واقعات بخاری و مسلم کے علاوہ زرقانی ہی کے حوالہ سے لکھے ہین (نیز مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۱۲ مین بھی ہین)

ہیں، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے لڑنے کے لیے کہا تو بولے،

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا — تم مع اپنے خدا کے جاؤ اور لڑو، ہم یہاں
اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ. (مائدہ-۴) — بیٹھے رہیں گے،

بخلاف اس[1] کے مدینہ کے یہود نہایت دلیر، شجاع اور بہادر تھے،

ان قرائنِ عقلی کے علاوہ ایک بڑے مؤرخ (یعقوبی) نے صاف تصریح کی ہے کہ قریظہ اور نضیر عرب تھے جو یہودی بن گئے تھے،

ثم كانت وقعة بني النضير — پھر بنو نضیر کا معرکہ ہوا، یہ قبیلہ جذام کا ایک
وهم فخذ من جذام الا انهم — خاندان تھا لیکن یہودی ہو گیا تھا اور
تهوّدوا... وكذلك قريظة[2] — اسی طرح قریظہ بھی،

مورخ مسعودی نے بھی کتاب الاشراف والتنبیہ[3] میں ایک روایت لکھی ہے، کہ

"یہ جذام کے قبیلہ سے تھے، کسی زمانہ میں عمالقہ سے اور ان کی بُت پرستی سے بیزار ہو کر حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے اور شام سے نقل مکان کر کے حجاز چلے آئے"۔

یہ تین قبیلے تھے، بنو قینقاع، بنو نضیر اور قریظہ، مدینہ کے اطراف میں آباد تھے، اور مضبوط برج اور قلعے بنا لئے تھے،

انصار کے جو دو قبیلے تھے یعنی اوس اور خزرج، ان میں باہم جو اخیر معرکہ ہوا تھا (جنگ بعاث)

---

[1] مسٹر مرگولیوس نے یہود کے متعلق تفصیل سے محققانہ بحث کی ہے، ان کا میلانِ رائے یہ ہے اور غالباً صحیح ہے کہ یہودیوں کی اس بڑی آبادی میں ایک دو خاندان اصلی یہود بھی تھے، عرب جو یہودی ہوتے گئے وہ بھی ان میں شامل ہوتے گئے [2] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۹ [3] مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۴۸،

اس نے انصار کا زور بالکل توڑ دیا تھا، یہود اس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے، کہ انصار باہم کبھی متحد نہ ہونے پائین،

ان اسباب کی بنا پر جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ مین تشریف لائے تو پہلا کام یہ تھا کہ مسلمانون اور یہودیون کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائین آپ نے انصار اور یہود کو بلا کر حسبِ ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو دونون فریق نے منظور کیا،

یہ معاہدہ ابن ہشام مین پورا مذکور ہے، خلاصہ یہ ہے:-

۱- خونبہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا اب بھی قائم رہے گا،

۲- یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی، اور اُن کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہین کیا جائیگا،

۳- یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھین گے،

۴- یہود یا مسلمانون کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کریگا،

۵- کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا،

۶- مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا تو دونون فریق شریکِ یکدگر ہون گے،

۷- کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریکِ صلح ہوگا لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی،

واقعات متفرقہ | اس سال انصار مین سے دو نہایت معزز شخصون نے جو مقربین خاص مین تھے، وفات پائی حضرت کلثوم رضؓ بن ہدم اور حضرت اسعد بنؓ زرارہ، کلثوم رضؓ وہ شخص ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قبا مین تشریف لائے تو انہی کے مکان مین ٹھہرے

اکثر بڑے بڑے صحابہ بھی انہی کے گھر اُترے تھے، حضرت اسعدؓ بن زرارہ اُن چھ شخصون مین ہین جنھون نے سب سے پہلے مکہ مین جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور ابن سعد کی روایت کے موافق ان چھ شخصون مین جس نے سب سے پہلے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا' یہی اسعدؓ تھے، یہ فخر بھی انہی کو حاصل ہے کہ سب سے پہلے انہی نے مدینہ مین آکر جمعہ کی نماز قائم کی،

چونکہ یہ قبیلۂ بنی نجار کے نقیب تھے اس لئے اُن کی وفات کے بعد اس قبیلہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اُن کے بجائے کوئی شخص اس منصب پر مقرر کیا جائے، چونکہ یہ احتمال تھا کہ کوئی شخص مقرر ہوگا تو اورون کو رشک ہوگا اس لئے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ "مین خود تمہارا نقیب ہون[1]" چونکہ آپ کی ننہال اسی قبیلہ مین تھی، اس لئے اور قبائل کو رشک ور منافست کا موقع نہ تھا،

حضرت اسعدؓ کی وفات کا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہایت صدمہ ہوا منافقین اور یہود نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر پیغمبر ہوتے تو اُن کو یہ صدمہ کیون پہنچتا" آپ نے سُنا تو فرمایا،

لا املك لنفسي ولا لصاحبي	مین اپنے لئے اور اپنے ساتھیون کے لئے
من الله شيئاً۔ (طبری صفحہ ۱۲۶۱)	خدا کے ہان کوئی اختیار نہین رکھتا،

یہ عجب اتفاق ہے کہ عین اُسی زمانہ مین دو بڑے رئیسان کفر نے بھی وفات پائی یعنی ولید بن المغیرہ جو حضرت خالدؓ کا باپ تھا' اور عاص بن وائل سہمی جس کے بیٹے

[1] طبقہ صہ ۱۲

حضرت عمرو بن عاص ہیں، جو فاتح مصر اور حضرت امیر معاویہؓ کے وزیر اعظم تھے،

اسی زمانہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی ولادت ہوئی، ان کے والد حضرت زبیرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی تھے اور اُن کی والدہ (حضرت اسماءؓ) حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اور حضرت عائشہؓ کی بے مات بہن تھیں، اب تک مہاجرین میں سے کسی کے اولاد نہیں ہوئی تھی اس لئے یہ مشہور ہوگیا تھا کہ یہودیوں نے جادو کر دیا ہے، حضرت عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے تو مہاجرین نے خوشی کا نعرہ مارا،

اب تک نمازوں میں صرف دو رکعتیں تھیں، اب ظہر و عصر و عشا میں چار چار ہوگئیں، لیکن سفر کے لئے اب بھی وہی دو رکعتیں قائم رہیں،
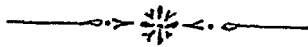
سنہ ۲ھ
تحویلِ قبلہ و آغازِ غزوات

(اس سال سے اسلام کی زندگی مین دو عظیم الشان واقعات پیدا ہوتے ہین، ایک یہ کہ اسلام اپنے لئے ایک خاص قبلہ قرار دیتا ہے جو اب ۴۵ کرور قلوب کا مرکز ہے، دوسرا یہ کہ دشمنانِ اسلام اب مخالفت کے لئے تلوار اٹھاتے ہین اور مسلمان اسکی مدافعت کے لئے تیار ہوتے ہین)

تحویل قبلہ، شعبان سنہ ۲ھ ہر گروہ، ہر قوم، اور ہر مذہب کے لئے ایک خاص امتیازی شعار ہوتا ہے، جس کے بغیر اُس قوم کی مستقل ہستی قائم نہین ہوسکتی، اسلام نے یہ شعار قبلۂ نماز قرار دیا جو اصل مقصد کے علاوہ اور بہت سے حکم و اسرار کا جامع ہے، اسلام کا خاص نمایان وصف مساواتِ عام، جمہوریت اور توحیدِ عمل ہے یعنی تمام مسلمان یکسان اور متحد الجہتہ نظر آئین، مذہب اسلام کا رکنِ اعظم نماز ہے، جس سے ہر روز پانچ وقت کام پڑتا ہے نماز کی اصلی صورت یہ ہے کہ جمعیت اور افراد کثیر کے ساتھ ادا کی جائے، لیکن اس طرح کہ ہزارون لاکھون اشخاص کی منفرد ہستیان مٹ کر ایک ہستی بن جائے، اسی بنا پر نماز جماعت مین ایک امام ہوتا ہے کہ مقتدیون کی ایک ایک حرکت اُس کے اشارون سے وابستہ ہوتی ہے، اس لئے ضرور ہے کہ سب کا مرجعِ عمل بھی ایک نظر آئے، یہی اصول ہے جس کی

بنا پر نماز کے لئے ایک قبلہ قرار پایا اور اس شعار کا دائرہ اس قدر وسیع کیا گیا کہ اس قبلہ کی طرف رُخ کرنا ہی کفر کے دائرہ سے نکل آنا ہے، اب صرف یہ بحث باقی تھی کہ قبلہ کس سمت قرار دیا جائے، یہودی اور عیسائی بیت المقدس کو قبلہ سمجھتے تھے، کیونکہ اُن کی قومی اور مذہبی ہستی بیت المقدس سے وابستہ تھی، لیکن ابراہیمؑ بت شکن کے جانشینؐ کے لئے صرف کعبہ قبلہ ہو سکتا تھا، جو اُس موحّدِ اعظم کی یادگار اور توحید خالص کا سب سے بڑا مظہر ہے،

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تک مکہ میں تھے دو ضرورتیں ایک ساتھ درپیش تھیں، ملت ابراہیمی کی تاسیس وتجدید کے لحاظ سے کعبہ کی طرف رخ کرنے کی ضرورت تھی، لیکن یہ مشکل تھی کہ قبلہ کی جو اصلی غرض ہے یعنی امتیاز اور اختصاص وہ نہیں حاصل ہوتی تھی، کیونکہ مشرکین اور کفار بھی کعبہ ہی کو اپنا قبلہ سمجھتے تھے، اس بنا پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مقام ابراہیم کے سامنے نماز ادا کرتے تھے، جس کا رُخ بیت المقدس کی طرف تھا، اس طرح دونوں قبلے سامنے آجاتے تھے، مدینہ میں دو گروہ آباد تھے، مشرکین جن کا قبلہ کعبہ تھا اور اہل کتاب جو بیت المقدس کی سمت نماز ادا کرتے تھے، شرک کے مقابلہ میں یہودیت اور نصرانیت دونوں کو ترجیح تھی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مدت یعنی تقریباً (۱۶) مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی، لیکن جب مدینہ میں اسلام زیادہ پھیل گیا تو اب کوئی ضرورت نہ تھی کہ اصل قبلہ کو چھوڑ کر دوسری طرف رخ کیا جاتا، اس بنا پر یہ آیت اتری اور دفعۃً قبلہ بدل گیا[1]،

---

[1] اس مضمون میں جس قدر واقعات ہیں وہ صحیح بخاری (حدیث قبلۂ نماز) اور فتح الباری شرح صحیح بخاری سے ماخوذ ہیں،

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ، (بقرہ-۱۸)	تو اپنا منھ مسجد الحرام کی طرف پھیرو، اور جہاں کہین رہو اسی طرف منھ پھیرو،

تحویل قبلہ نے یہودیون کو سخت برہم کر دیا، اُن کو مشرکین کے مقابلہ مین مذہبی تفوق کا دعویٰ تھا، اور اسلام سے پہلے مشرکین بھی اُن کے مذہبی امتیاز کے معترف تھے یہان تک کہ (جیسا ابو داؤد مین روایت ہی) جن لوگون کی اولاد زندہ نہین رہتی تھی وہ منتین مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہیگا تو ہم اس کو یہودی بنا ئین گے، اسلام نے ان کے اس مذہبی اعزاز کو صدمہ پہنچایا، تاہم چونکہ اب تک اسلام کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا اس لئے وہ فخر کرتے تھے کہ اسلام بھی انہی کے قبلہ کی طرف رُخ کرتا ہے، جب اسلام نے قبلہ بھی بدل دیا تو اُن کی ناراضی اور برہمی کا پیالہ بالکل لبریز ہوگیا، انھون نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چونکہ ہر بات مین ہماری مخالفت کرنا چاہتے ہین اس لئے قبلہ بھی مخالفت کے ارادہ سے بدل دیا ہے، دو دِلے اور ضعیف الایمان مسلمانون کو یہ بات کھٹکتی تھی کہ قبلہ بدلنے کی چیز نہین، اور اس سے بے استقلالی اور تزلزلِ اعتقاد کا اظہار ہوتا ہے، اس بنا پر قبلہ کی اصلیت، اور ضرورت اور تحویل قبلہ کے مصالح کی متعلق چند آتین اتر ین جن سے یہ مشکلین حل ہوتی ہین،

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا	سفہا یہ اعتراض کرینگے کہ مسلمانون کا جو قبلہ تھا، اس سے اُن کو کس نے پھیر دیا،

عَلَيْهَا قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ	کہدو کہ مشرق و مغرب سب خدا ہی کا ہی
وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ	تیرا جو پہلے قبلہ تھا (کعبہ) اس کو جو ہم نے
كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ	پھر قبلہ کر دیا تو اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ معلوم
يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ	ہو جائے کہ پیغمبر کا پیرو کون ہی اور پیچھے
عَلٰى عَقِبَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً	پھر جانے والا کون ہی، اور بے شبہہ یہ قبلہ
إِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ	نہایت گران اور ناگوار ہی بجز ان لوگون کے
(بقرہ-۱۷)	جن کو خدا نے ہدایت کی ہے،
لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ	پورب پچھم رخ کرنا یہی کوئی ثواب کی
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ	بات نہین ثواب تو یہ ہے کہ آدمی خدا پر،
الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	قیامت پر، ملائکہ پر، خدا کی کتابون پر،
الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ	پیغمبرون پر ایمان لائے، اور خدا کی محبت
وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ	مین عزیزون کو، یتیمون کو، مسکینون کو،
ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ	مسافرون کو، سائلون کو، غلامون کو
وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ	(آزاد کرانے مین) اپنی دولت
وَفِی الرِّقَابِ (بقرہ-۲۲)	دے،

ان آیتون مین خدا نے پہلے یہ بتایا کہ قبلہ خود کوئی مقصود بالذات چیز نہین، خدا کی
عبادت کے لئے پورب پچھم سب برابر ہین، خدا ہر جگہ ہے، ہر سمت سے، ہر طرف ہی پھر قبلہ

کی تعیین کی ضرورت بتائی کہ وہ اختصاصی شعار ہے، اور اصلی اور نمائشی مسلمانون کو الگ کردیتا ہے، بہت سے یہودی تھے جو منافقانہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور مسلمانون کے ساتھ نماز مین بھی شرکت کرتے تھے، یہ اسلام کے لئے مارِ آستین تھے، لیکن جب قبلہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ سے بدل گیا تو نفاق کا راز بالکل فاش ہوگیا، کوئی یہودی کسی طرح یہ گوارا نہین کرسکتا تھا کہ جو چیز اس کی قومیت، مذہب، بلکہ اس کی ہستی کی بنیاد ہے، (یعنی بیت المقدس) اسی سے اس کا رشتہ ٹوٹ جائے، پھر دوبارہ خدا نے اس نکتہ کو زیادہ واضح کردیا، کہ کسی خاص قبلہ کی طرف رُخ کرنا اصلی ثواب نہین بلکہ ثواب درحقیقت ایمان اور اعمالِ صالحہ کا نام ہے،

سلسلۂ غزوات[1]

کیا عجیب بات ہے، ارباب سیر مغازی کی داستان جس قدر زیادہ درازنفسی اور بلند آہنگی سے بیان کرتے ہین، یورپ اُسی قدر اس کو زیادہ شوق سے جی لگا کر سنتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ داستان اور پھیلتی جائے، کیونکہ اُس کو اسلام کے جور وستم کا جو مرقع آراستہ کرنا ہے اُس کے نقش ونگار کے لئے لہو کے چند قطرے نہین بلکہ چشمہ ہاے خون درکار ہین،

یورپ کے تمام مورخون نے سیرت نبوی کو اس انداز مین لکھا ہے کہ وہ لڑائیون کا ایک مسلسل سلسلہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ زبردستی مسلمان بنائے جائین،

لیکن یہ خیال چونکہ واقع مین غلط اور سرتاپا غلط ہے، اس لئے مغازی کی ابتدا سے پہلے ضرور ہے کہ اس بحث کا فیصلہ کیا جائے،

عام خیال یہ ہے کہ اسلام جب تک مکہ مین تھا مصائب گوناگون کا آماج گاہ تھا مدینہ مین آکر اس کی کلفتین دور ہوئین، مگر یہ خیال صحیح نہین، مکہ مین جو مصیبت تھی گو سخت تھی لیکن تنہا اور منفرد تھی، مدینہ مین آکر وہ متعدد اور گوناگون بن گئی، مکہ کل ایک قوم تھا

[1] غزوات کا سلسلہ جن اسباب سے پیدا ہوا، اور جس قسم کے واقعات غزوات مین پیش آئے اُن کے لئے ہم نے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے کیونکہ ضمنی طریقے سے وہ ادا نہین ہوسکتے تھے لیکن یہ عنوان اچھی طرح سے اسی وقت ذہن نشین ہوسکتا ہے کہ ایک دفعہ تمام غزوات سرسری نظر سے گذر جائین اس لئے ہم نے اس کو تمام غزوات کے بعد لکھا ہے ناظرین ابھی سے اس کا خیال رکھین،

مدینہ مین انصار کے ساتھ یہود بھی تھے، جو عادات، خصائل، مذہب اور دیانت مین انصار سے بالکل مختلف اور اُن کے حریف مقابل تھے، اس پر ایک تیسری قسم (منافقین) کا اضافہ ہوا، جو مارِ آستین ہونے کی وجہ سے دونون سے زیادہ خطرناک تھے، مکہ اگر قابو مین آجاتا تو حرم کی وسعتِ اثر کی وجہ سے تمام عرب کی گردنین خم ہوجاتین لیکن مدینہ کا اثر چار دیواری تک محدود تھا، مدینہ اب تک بیرونی خطرات سے بالکل مطمئن تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامگاہ ہونے نے اس کو قریش کے غیظ و غضب کا تاراج گاہ بنا دیا،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جب مکہ سے چلے آئے تو چند ہی روز کے بعد قریش نے عبداللہ بن اُبی کو جو واقعۂ ہجرت کے قبل رئیس الانصار تھا، اور انصار نے اس کی تاجپوشی کی شاہانہ رسم ادا کرنے کے لئے تیاری کر لی تھی[1] خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے،

انکم آویتم صاحبنا وانا نقسم	تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہان پناہ دی
باللہ لتقاتلنّہ او تخرجنّہ	ہے، ہم خدا کی قسم کھاتے ہین کہ یا تو تم لوگ
او لنسیرنّ الیکم باجمعنا	ان کو قتل کر ڈالو، یا مدینہ سے نکال دو،
حتّٰی نقتل مقاتلتکم و نستبیح	ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کرین گے،
نساءکم (سنن ابوداؤد صفحہ ۶۷	اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتون پر تصرف
جلد ۲ باب خبر النضیر)	کرین گے،

جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ عبداللہ کے پاس تشریف

[1] بخاری باب (التسلیم فی مجلس فیہ اخلاط من المسلمین والمشرکین) "س"

لے گئے، اس کو سمجھایا کہ "کیا تم خود اپنے بیٹون اور بھائیون سے لڑو گے"؟ چونکہ انصار اکثر مسلمان ہو چکے تھے اس لئے عبد اللہ اس نکتہ کو سمجھا اور قریش کے حکم کی تعمیل نہ کرسکا، بدر کے بعد پھر قریش نے اسی مضمون کا خط لکھا، چنانچہ اُس کی تفصیل آگے آئے گی،

(تاہم قریش کی شہ سے منافقین و یہود مدینہ کا سر پھر چکا تھا، اسی زمانہ مین یعنی بدر سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو الحارث بن خزرج کے محلہ مین سوار ہو کر تشریف لے گئے، ایک جگہ مشرکین و منافقین مدینہ، یہود اور بعض مسلمان بیٹھے تھے، گدہے کے چلنے سے گرد اڑی، تو عبد اللہ بن اُبی نے منھ پر کپڑا ڈال دیا، اور حقارت سے بولا "گرد نہ اڑاو" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع کو سلام کیا اور کچھ قرآن کی آیتین سنائین، عبد اللہ نے کہا "اے شخص مجھ کو یہ پسند نہین، اگر تمھاری بات سچ بھی ہو، تو ہماری مجلس مین آکر ہم کو نہ ستایا کرو، جو تمھارے پاس جائے اس سے بیان کیا کرو" مسلمان اس تحقیر سے برافروختہ ہوگئے اور قریب تھا کہ کشت و خون ہو جائے، آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونون کو ٹھنڈا کیا)[1]

اسی زمانہ کے قریب حضرت سعد بن معاذ جو قبیلۂ اوس کے رئیس الاعظم تھے، عمرہ کرنے کے لئے مکہ معظمہ گئے، اُمیہ بن خلف سے اور اُن سے مدت کا یارانہ تھا اور یہ تعلق اسلام کے بعد بھی قائم رہا، اس تعلق سے حضرت سعد اب بھی اُمیہ ہی کے مہمان ہوئے، ایک دن وہ اُمیہ کو لے کر کعبہ کے طواف کو نکلے، اتفاق سے ابوجہل سامنے سے آگیا، اُمیہ سے اُس نے پوچھا کہ یہ تمھارے ساتھ کون ہے؟ اُمیہ نے کہا "سعد ہین" ابوجہل نے کہا "تم لوگون نے

[1] صحیح مسلم صفحہ ۹۰ جلد ۲ و بخاری باب مذکور،

صابیون (کفار آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہل اسلام کو صابی یعنی مرتد کہتے تھے) کو پناہ دی ہے، میں کبھی یہ نہیں دیکھ سکتا کہ تم کعبہ میں آسکو، خدا کی قسم اگر تم اُمیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو بچ کر واپس نہیں جا سکتے تھے۔" حضرت سعدؓ نے کہا "اگر تم نے ہم کو حج سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ روک دیں گے۔" (یعنی شام کی تجارت کا راستہ)[1]

حرم کی تولیت اور مجاورت کی وجہ سے تمام عرب قریش کا احترام کرتا تھا، اور مکہ سے مدینہ تک جو قبائل پھیلے ہوئے تھے سب قریش کے زیر اثر تھے[2]، اس بنا پر قریش نے تمام قبائل کو اسلام کا مخالف بنا دیا، ہجرت کے چھٹے سال تک یمن وغیرہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں پہنچ سکتے تھے، چنانچہ ۵ھ میں جب بحرین سے عبد القیس کی سفارت آئی تو لوگوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں عرض کی کہ مضر کے قبائل ہم کو آپ تک پہنچنے نہیں دیتے، اس لئے ہم صرف ایام حج میں جب کہ لڑائی عموماً موقوف ہو جاتی ہے، آپ کی خدمت میں آسکتے ہیں[3]۔

قریش نے انہی باتوں پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ جیسا کہ اُنھوں نے عبداللہ بن اُبی کو لکھا تھا اُس کی تیاریاں کر رہے تھے کہ مدینہ پر حملہ کر کے اسلام کا استیصال کر دیں، مدت تک یہ حال رہا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) راتوں کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے صحیح نسائی میں ہے

---

[1] یہ پورا واقعہ مزید تفصیل کے ساتھ صحیح بخاری باب المغازی کی ابتدا میں مذکور ہے [2] ابن ہشام واقعات وفود میں ہے وذلك ان قريشا كانوا امام الناس .... وقادة العرب لا ينكرون ذلك وكانت قريش هي التي نصبت الحرب لرسول الله صلى الله عليه وسلم [3] وفد بنی عبد القیس کے ذکر میں صحیح بخاری اور دیگر تمام کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے،

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول جب مدینہ مین
ماقدم المدینۃ یسھر من اللیل	آئے تو راتون کو جاگا کرتے تھے،

صحیح بخاری باب الجہاد مین ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ "آج کوئی اچھا آدمی پہرہ دیتا" چنانچہ حضرت سعدؓ وقاص نے ہتھیار لگا کر رات بھر پہرہ دیا تب آپ نے آرام فرمایا، اس سے بڑھ کر حاکم کی روایت ہے جس کے یہ الفاظ ہین،

عن ابی بن کعب قال لما قدم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ	جب مدینہ آئے اور انصارؓ نے اُن کو
المدینۃ وآوتھم الانصار	پناہ دی تو تمام عرب ایک ساتھ
رمتھم العرب عن قوس واحدۃ	اُن سے لڑنے کو آمادہ ہو گئے صحابہؓ
وکانوا لا یبیتون الا بالسلاح	صبح تک ہتھیار باندھ کر سوتے
ولا یصبحون الا فیہ[1]	تھے،

مورخین مغازی کی ابتدا انہی واقعات سے کرتے ہین کہ اسی سال خدا نے جہاد کی اجازت دی، لیکن ایک دقیقہ بین انہی کی تصریحات سے پتہ لگا سکتا ہے کہ اصل واقعہ کیا تھا مواہب لدنیہ اور زرقانی مین لکھا ہے کہ خدا نے ۱۲ صفر ۲ھ مین جہاد کی اجازت دی، اس کی سند مین امام زہری کا قول نقل کیا ہے،

---

[1] لباب فی اسباب النزول للسیوطی سورۂ نور آیت وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ الخ مسند دارمی مین بھی یہ روایت مذکور ہے،

اوّل اٰیۃ نزلت فی الاذن	پہلی آیت جو قتال کی اجازت مین نازل ہوئی
بالقتال اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقَاتَلُوۡنَ	وہ یہ ہے اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ الخ یعنی جن سے
بِاَنَّھُمۡ ظُلِمُوۡا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی	لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب
نَصۡرِھِمۡ لَقَدِیۡرٌ (زرقانی بحوالہ صحیح	لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ اُن پر ظلم کیا
نسائی جلد ا صفحہ ۴۴۴)	جارہا ہے اور خدا اُن کی مدد پر یقیناً قادر ہے،

تفسیر ابن جریر مین ہے کہ قتال کے متعلق سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے،

وَقَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ	اور خدا کی راہ مین اُن لوگون سے لڑو جو تم سے
یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ، (بقرہ - ۲۴)	لڑتے ہین،

لیکن غور سے دیکھو کہ دونون آیتون مین انہی لوگون سے لڑنے کی اجازت ہے جو پہلے مسلمانون سے لڑنے آتے ہین اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان درحقیقت لڑنے پر مجبور کئے جاتے تھے،

بہرحال واقعہ یہ ہے کہ مدینہ مین آکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سب سے پہلا کام حفاظت خود اختیاری کی تدبیر تھی، نہ صرف اپنی اور مہاجرین کی بلکہ انصار کی بھی، کیونکہ اس جرم مین کہ انصار نے مسلمانون کو پناہ دی ہے، قریش نے مدینہ کی بربادی کا فیصلہ کرلیا، اور اپنے تمام قبائل متحدہ مین یہ آگ بھڑکا دی تھی، اس بنا پر آپ نے دو تدبیرین اختیار کین، اوّل یہ کہ قریش کی شامی تجارت جو اُن کا مایۂ غرور تھی بند کردی جائے تاکہ وہ صلح پر مجبور ہوجائین، اور یاد ہوگا کہ حضرت سعد بن معاذؓ نے مکہ مین ابوجہل کو اسی کی دھمکی دی تھی،

دوسرے یہ کہ مدینہ کے قرب وجوار کے جو قبائل ہین اُن سے امن وامان کا معاہدہ ہوجائے

(غرض اِن حالات کی بنا پر غزوۂ بدر سے پہلے سو سو پچاس پچاس کی ٹکڑیان مکہ کی طرف روانہ کی جانے لگین "ابوا" کی مہم سے پہلے بذاتِ خاص آپ نے کسی مہم مین شرکت نہین کی، اس "ابوا" کی مہم سے پہلے جو صفر ۲ھ مین واقع ہوئی اور جس مین آپ نے خود شرکت فرمائی تھی، اربابِ سیر نے تین مہم کا ذکر کیا ہے جن کو اُن کی زبان مین "سریہ" کہتے ہین، سریۂ حمزہؓ، سریۂ عبیدہ بن حارثؓ، سریۂ سعد بن ابی وقاص، لیکن ان مین سے کسی مہم مین کوئی کشت وخون نہین ہوا، یا بیچ بچاؤ ہوگیا، یا بچ کر نکل گئے، اربابِ سیر نے ان سرایا کا مقصد یہ بتایا ہے کہ یہ قریش کے تجارتی قافلہ کو چھیڑنے کے لئے بھیجے جاتے تھے یعنی حضرت سعدؓ کی تہدید کے مطابق اُن کی شامی تجارت کو بند کرنا مقصود تھا، مخالفین کہتے ہین کہ صحابہ کو غارت گری کی تعلیم دی جاتی تھی، لیکن یہ الزام کس قدر جہالت پر مبنی ہے، کہ اوّل تو اسلام کی شریعت مین یہ سخت ترگناہ ہے، ثانیاً واقعہ کیا بتاتا ہے؟ کیا ان مین سے کسی مہم مین بھی یہ مذکور ہے کہ صحابہؓ نے قافلہ کا مال لوٹ لیا؟ ثالثاً اگر ان سرایا کا مقصد لوٹنا اور ڈاکہ ڈالنا ہی ہوتا تھا تو قریش کے قافلۂ تجارت کے سوا یہ مقصد کہین اور نہین حاصل ہوسکتا تھا؟)

اطراف کے جن قبائل کے پاس معاہدہ کے لئے مہم بھیجی گئی، ان مین سب سے پہلے جُہینہ کا قبیلہ ہے، جہینہ کا قبیلہ مدینہ سے تین منزل پر آباد تھا اور اُن کا کوہستان دور تک پھیلا ہوا تھا، اُن سے معاہدہ ہوا کہ وہ فریقین سے یکسان[1] تعلقات رکھین گے، یعنی

[1] اس واقعہ کا ذکر مؤرخین نے مستقل طور پر نہین کیا بلکہ جہان سب سے پہلے سریۂ حمزہ کا ذکر کیا ہے وہان مجدی جہنی (رئیس قبیلہ) کی نسبت لکھا ہے، کان موادعا للفریقین، یعنی اس نے دونون فریق سے صلح کر رکھی تھی،

دونون سے الگ رہین گے،

صفر ۲ھ مین آپؐ ساٹھ مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے، اور ابوار تک گئے جس (کے قریب ہی غزوۂ ابوار یا غزوۂ وَدّان واقع ہوا) اور جہان آپؐ کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے، ابوار کا صدر مقام فرع ہے جو ایک وسیع قصبہ ہے اور جہان قبیلۂ مُزینہ آباد ہے، اور جو مدینہ سے تقریبًا ۸ منزل (۸۰ میل) ہے، یہ مدینہ کی اخیر سرحد ہے، ان اطراف مین قبیلۂ بنو ضمرہ آباد تھا اور یہ نواح اُن کی حدودِ حکومت مین داخل تھے، یہان آپؐ نے چند روز قیام کر کے بنو ضمرہ سے معاہدہ کیا، جن کا سردار مَخشی بن عمرو ضمری تھا، معاہدہ کے یہ الفاظ تھے:

هٰذا كتاب من محمد رسول الله	یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر ہے
لبنی ضمرة فانهم آمنون على	بنو ضمرہ کے لئے، اُن لوگون کا جان اور مال
اموالهم وانفسهم وان لهم	محفوظ رہیگا اور جو شخص ان پر حملہ کریگا
النصر على من رامهم الّا ان	اس کے مقابلہ مین ان کی مدد کی جائے گی
يحاربوا فی دين الله ما بلّ بحر	بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب
صوفة وان النبیّ اذا دعاهم	کے مقابلہ مین لڑین اور پیغمبر جب ان کو
لنصرة اجابوه الخ (روض الانف	مدد کے لئے بلائین گے، تو یہ مدد کو
ج ۲ ص ۵۹ و زرقانی جلد ۱ صفحہ ۴۵۹)	آئین گے،

تمام محدثین، مغازی کی ابتدا اسی واقعہ سے کرتے ہین، صحیح بخاری مین بھی اسی کو اوّل الغزوات قرار دیا ہے،

قریباً ایک مہینہ کے بعد کُرز بن جابر فہری نے جو مکہ کے رؤسا میں تھا، مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مویشی لوٹ لئے، اس کا تعاقب کیا گیا لیکن وہ بچ کر نکل گیا تھا، (کرز بعد کو مسلمان ہوئے اور فتح مکہ میں تنہا راہ چلتے شہید ہوئے)

جمادی الثانی یعنی اس واقعہ کے تیسرے مہینے آپؐ دو سو مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام ذوالعُشَیرۃ پہنچ کر بنو مدلج سے معاہدہ کیا، یہ مقام مدینہ سے ۹ منزل پر ینبوع کے نواحی میں ہے،

بنو مدلج، بنو ضمرہ کے حلیف تھے اور چونکہ بنو ضمرہ پہلے اسلام کے معاہدہ میں داخل ہو چکے تھے، اس لئے انھون نے آسانی سے یہ شرطین منظور کرلین[1]،

چند روز کے بعد یعنی رجب ۲ھ مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عبداللہؓ بن جحش کو بارہ[۱۲] آدمیون کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف بھیجا، یہ مقام مکہ اور طائف کے بیچ مین مکہ سے ایک شبانہ روز کی مسافت پر ہے، آپؐ نے حضرت عبداللہؓ کو

---

[1] اصابہ ذکر کرز فہری ۱۲ھ مین تسلیم کرتا ہون کہ مورخین نے دونون پہلے واقعون کی نسبت لکھا ہے کہ اُنکا مقصد قریش کے کاروان کا لوٹنا تھا لیکن اتفاق سے کاروان ہاتھ نہ آیا اور بچ کر نکل گیا" لیکن مین واقعات کا پابند ہون، رائے اور قیاس سے غرض نہین، اس قدر واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مقامات تک گئے اور وہان کے قبائل سے معاہدہ کیا، اس سے آگے مورخین کا قیاس ہے کہ قریش کے کاروان پر حملہ کرنا مقصد تھا، گو یہ مقصود نہ حاصل ہو سکا، اگر خدانخواستہ کاروان کا لوٹنا ہی مقصود ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عیاذاً باللہ اس قدر بے تدبیر فرض کرنا پڑے گا کہ ہر مرتبہ ناکامیابی ہوتی تھی، اور قافلہ بچ بچ کر نکل جاتا تھا، یہان تک کہ بار بار تجربہ کے بعد بھی بدر مین اسی قسم کی ناکامیابی ہوئی اور قافلہ صحیح و سلامت نکل گیا،

ایک خط دے کر فرمایا تھا کہ دو دن کے بعد اس کو کھولنا، حضرت عبداللہؓ نے خط کھولا تو لکھا تھا کہ "مقام نخلہ میں قیام کرو اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ، اور اطلاع دو" اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی جو شام سے تجارت کا مال لیے آتے تھے، سامنے سے نکلے حضرت عبداللہؓ نے اُن پر حملہ کیا، ان میں سے ایک شخص عمرو بن الحضرمی مارا گیا، دو گرفتار ہوئے اور مالِ غنیمت ہاتھ آیا، حضرت عبداللہؓ نے مدینہ میں آکر یہ واقعہ بیان کیا، اور غنیمت کی چیزیں پیش کیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میں نے تم کو یہ اجازت نہیں دی تھی" غنیمت کے قبول کرنے سے بھی آپؐ نے انکار فرمایا، صحابہؓ نے حضرت عبداللہؓ سے نہایت برہم ہو کر کہا،

صنعتم مالم تؤمروا به وقاتلتم	تم نے وہ کام کیا (قافلہ لوٹنا) جس کا تم کو حکم نہیں
فی الشهر الحرام ولم تؤمروا	دیا گیا تھا اور ماہِ حرام میں لڑے حالانکہ اس مہینہ
بقتال، (طبری صفحہ ۱۲۷۵)	میں تم کو لڑنے کا حکم نہ تھا،

جو لوگ گرفتار اور قتل ہوئے وہ بڑے معزز خاندان کے لوگ تھے، عمرو بن الحضرمی جو مقتول ہوا عبداللہ حضرمی کا بیٹا تھا، جو حرب بن امیہ (امیر معاویہ کا دادا) کا حلیف[1] تھا، حرب قریش کا رئیس اعظم تھا، اور عبدالمطلب کے بعد، ریاستِ عام اُسی کو حاصل ہوئی تھی، جو لوگ گرفتار ہوئے یعنی عثمان و نوفل دونوں مغیرہ کے پوتے تھے مغیرہ ولید کا باپ حضرت خالدؓ کا دادا، اور حرب کے بعد دوسرے درجے کا رئیس تھا، اس

---

[1] اصابہ ترجمہ علاء حضرمی۔ [2] طبری صفحہ ۱۲۷۴،

بنا پر اس واقعہ نے تمام قریش کو مشتعل کر دیا، اور ثار یعنی انتقامِ خون کی بنیاد قائم ہو گئی، معرکۂ بدر کا سلسلہ اسی واقعہ سے وابستہ ہے، حضرت عروہؓ بن زبیر حضرت عائشہؓ کے بھانجے تھے، انھوں نے تصریح کی ہے کہ غزوۂ بدر اور تمام لڑائیاں جو قریش سے پیش آئیں سب کا سبب یہی حضرمی کا قتل ہے، علامہ طبریؒ لکھتے ہیں :-

وکان الذی ھاج وقعۃ بدر	اور جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا،
وسائر الحروب التی کانت	وہ تمام لڑائیاں چھیڑ دیں، جو آنحضرت
بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین قریش میں
وبین مشرکی قریش فیما	پیش آئیں، سب کا سبب یہی
قال عروۃ بن الزبیر ما کان	تھا کہ واقد سہمی نے حضرمی کو
من قتل واقد بن عبد اللہ	قتل کر دیا تھا،
السھمی عمرو بن الحضرمی،	

چونکہ غزوۂ بدر تمام غزوات کی اصلی بنیاد ہے، اس لئے ہم پہلے اس واقعہ کو سادہ صورت میں لکھ کر پھر تفصیل سے اس کے متعلق گفتگو کریں گے،

(۱؎ ص ۱۲۸۴) س،
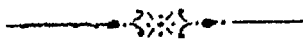
غزوۂ بدر

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

رمضان سنہ ۲ھ | بدر ایک گاؤن کا نام ہے جہان سال کے سال میلہ لگتا ہے، یہ مقام اس نقطہ کے قریب ہے جہان شام سے مدینہ جانے کا راستہ دشوار گذار گھاٹیون مین سے ہو کر گذرتا ہے، مدینۂ منورہ سے قریباً ۸۰ میل کے فاصلہ پر ہے،

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، قریش نے ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی تیاریان شروع کر دی تھین، عبداللہ بن اُبی کو انھون نے خط لکھ بھیجا کہ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دو، یا ہم آکر اُن کے ساتھ تمہارا بھی فیصلہ کر دیتے ہین، قریش کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیان مدینہ کی طرف گشت لگاتی رہتی تھین، کُرز فہری مدینہ کی چراگاہون تک آکر غارت گری کر گیا تھا،

حملہ کے لئے سب سے بڑی ضروری چیز مصارفِ جنگ کا بندوبست تھا، اس لئے اب کے موسم مین قریش کا جو کاروانِ تجارت شام کو روانہ ہوا، اس سر و سامان سے روانہ ہوا کہ مکہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی کل کی کل دے دی،[1]

[1] ابن سعد صفحہ ۲۷ مین ابوسفیان سردار قافلہ کا قول لکھا ہے واللہ ما بمکۃ من قرشی ولا قرشیۃ لہ نش وصاعداً الا بعث بہ معنا ہمارے مورخین کو اسبابِ نتائج کی جستجو نہین ہوتی اس لیے انھون نے اس واقعہ کو محض ایک واقعہ کی حیثیت سے لکھ دیا، لیکن ان کو احساس نہین کہ مکہ کو تمام سرمایہ کے اُگل دینے کی ضرورت کیا تھی،

نہ صرف مرد بلکہ عورتین جو کاروبار تجارت مین بہت کم حصہ لیتی ہین، اُن کا بھی ایک ایک فرد اس مین شریک تھا، قافلہ ابھی شام سے روانہ نہین ہوا تھا کہ حضرمی کے قتل کا اتفاقیہ واقعہ پیش آگیا، جس نے قریش کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا،

اسی اثنا مین یہ غلط خبر مکہ معظمہ مین پھیل گئی کہ مسلمان قافلہ کے لوٹنے کو آرہے ہین، قریش کے غیظ وغضب کا بادل بڑے زور شور سے اٹھا اور تمام عرب پر چھا گیا،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور واقعہ کا اظہار فرمایا، حضرت ابوبکرؓ وغیرہ نے جان نثارانہ تقریرین کین لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) انصار کی طرف دیکھتے تھے، کیونکہ انصار نے بیعت کے وقت صرف یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اس وقت تلوار اُٹھائین گے، جب دشمن مدینہ پر چڑھ آئین، حضرت سعدؓ بن عبادہ (سردار خزرج) نے اُٹھ کر کہا "کیا حضورؐ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ خدا کی قسم آپؐ فرمائین تو ہم سمندر مین کود پڑین"

یہ صحیح مسلم کی روایت ہے، بخاری مین ہے کہ حضرت مقدادؓ نے کہا کہ "ہم موسیٰؑ کی قوم کی طرح یہ نہ کہین گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑین، ہم لوگ آپؐ کے داہنے سے، بائین سے، سامنے سے، پیچھے سے، لڑین گے"، اُن کی اس تقریر سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چہرہ چمک اٹھا،

غرض ۱۲ رمضان ۲ھ کو آپؐ تقریباً تین سو جان نثارون کے ساتھ شہر سے نکلے ایک میل چل کر فوج کا جائزہ لیا، جو کم عمر تھے واپس کر دیئے گئے، کہ ایسے پُرخطر موقع پر بچون

کا کام نہین، عمیرؓ بن ابی وقاص ایک کمسن بچہ تھے، جب ان سے واپسی کو کہا گیا تو رو پڑے، آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی، عمیرؓ کے بھائی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے کمسن سپاہی کے گلے مین تلوار حمائل[1] کی، اب فوج کی کل تعداد ۳۱۳ تھی جس مین ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے، چونکہ غیبت کی حالت مین منافقین اور یہود کی طرف سے اطمینان نہ تھا، اس لئے ابولبابہ بن عبدالمنذر کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا، اور حکم دیا کہ مدینہ کو واپس جائین عالیہ (مدینہ کی بالائی آبادی) پر عاصم بن عدی کو مقرر فرمایا، ان انتظامات کے بعد آپ بدر کی طرف بڑھے، جدھر سے اہل مکہ کی آمد کی خبر تھی، دو خبر رسان بسبسہ اور عدی آگے روانہ کر دیئے گئے تھے کہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائین، ذو حار، منصرف، ذات اجذال، معلاۃ، اثیل سے گذرتے ہوے ۷ار رمضان کو بدر کے قریب پہنچے، خبر رسانون نے خبر دی کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک آگئے ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہین رک گئے اور فوجین اتر پڑین،

مکہ معظمہ سے قریش بڑے سر و سامان سے نکلے تھے، ہزار آدمی کی جمعیت تھی سنو سوارون کا رسالہ تھا، رؤسائے قریش سب شریک تھے، ابولہب مجبوری کی وجہ سے نہ آسکا تھا، اس لیے اپنی طرف سے اس نے قائم مقام بھیجدیا تھا، رسد کا یہ انتظام تھا کہ امرائے قریش یعنی عباس (بن مطلب) عتبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، ابوجہل، امیہ وغیرہ وغیرہ باری باری ہر روز دس دس اونٹ ذبح کرتے اور لوگون کو

---

[1] منتخب کنز العمال بہ روایت ابن عساکر، بدر،

کہلاتے تھے، عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا، فوج کا سپہ سالار تھا،

قریش کو بدر کے قریب پہنچکر جب معلوم ہوا کہ ابوسفیان کا قافلہ خطرہ کی زد سے نکل گیا ہے تو قبیلہ زہرہ اور عدی کے سرداروں نے کہا اب لڑنا ضرور نہیں لیکن ابوجہل نے نہ مانا، زہرہ اور عدی کے لوگ واپس چلے گئے، باقی فوج آگے بڑھی،

قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے، انھوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا تھا، بخلاف اس کے مسلمانوں کی طرف چشمہ یا کنواں تک نہ تھا، زمین ایسی ریتلی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں ریتی میں دھنس دھنس جاتے تھے، حضرت حبابؓ بن منذر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ جو مقام انتخاب کیا گیا ہے وحی کی رو سے ہے؟ یا فوجی تدبیر ہے؟ ارشاد ہوا کہ "وحی نہیں ہے" حضرت حبابؓ نے کہا تو بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور آس پاس کے کنوئیں بیکار کر دیئے جائیں،[2] آپ نے رائے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا گیا، تائید ایزدی اور حسن اتفاق سے مینھ برس گیا جس سے گرد جم گئی، اور جابجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنا لیئے گئے کہ وضو اور غسل کے کام آئیں، اس قدرتی احسان کا خدا نے قرآن مجید میں بھی ذکر کیا ہے،

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ	اور جبکہ خدا نے آسمان سے پانی برسایا
مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ ، (انفال-۲)	کہ تم کو پاک کرے،

---

[1] معارف ابن قتیبہ (باب اسماء المطعمین من قریش فی غزاۃ بدر و سیرۃ ابن اسحاق بروایت ابن ہشام غزوۂ بدر [2] ابن ہشام،

پانی پر اگرچہ قبضہ کرلیا گیا، لیکن ساقیِ کوثر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیض عام تھا اس لئے دشمنوں کو بھی پانی لینے کی عام اجازت تھی[۱]، یہ رات کا وقت تھا، تمام صحابہ نے کمر کھول کھول کر رات بھر آرام کیا، لیکن صرف ایک ذات تھی (ذات نبویؐ) جو صبح تک بیدار اور مصروف دعا رہی، صبح ہوئی تو لوگوں کو نماز کے لئے آواز دی، بعد نماز جہاد پر وعظ فرمایا[۲]،

قریش جنگ کے لئے بیتاب تھے، تاہم کچھ نیک دل بھی تھے، جن کے دل خونریزی سے لرزتے تھے، ان میں حکیم بن حزام (جو آگے چل کر اسلام لائے) نے سردار فوج عتبہ سے جاکر کہا "آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کی ابدی یادگار رہ جائے"، عتبہ نے کہا کیونکر؟ حکیم نے کہا قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے وہ صرف حضرمی کا خون ہے، وہ آپ کا حلیف تھا، آپ اس کا خون بہا ادا کر دیجئے"، عتبہ نیک نفس آدمی تھا، اس نے نہایت خوشی سے منظور کیا، لیکن چونکہ ابوجہل کا اتفاقِ رائے ضرور تھا، حکیم عتبہ کا پیغام لے کر گئے ابوجہل ترکش سے تیر نکال کر پھیلا رہا تھا، عتبہ کا پیغام سن کر بولا "ہاں عتبہ کی ہمت نے جواب دیدیا"، عتبہ کے فرزند حضرت ابوحذیفہؓ اسلام لا چکے تھے، اور اس معرکہ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ آئے تھے اس بنا پر ابوجہل نے یہ بدگمانی کی کہ عتبہ اس لئے لڑائی سے جی چراتا ہے، کہ اس کے بیٹے پر آنچ نہ آئے،

ابوجہل نے حضرمی کے بھائی عامر کو بلا کر کہا، دیکھتے ہو! تمہارا خون بہا تمہاری آنکھ کے سامنے آکر نکلا جاتا ہے، عامر نے عرب کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ ڈالے اور

---

[۱] ابن ہشام جلد ۲ ص ۱، [۲] منتخب کنز العمال غزوۂ بدر بہ روایت مسند ابن حنبل و ابن ابی شیبہ،

گرد اڑا کر واعمرواہ واعمرواہ کا نعرہ مارنا شروع کیا، اس واقعہ نے تمام فوج میں آگ لگادی
عتبہ نے ابوجہل کا طعنہ سنا تو غیرت سے سخت برہم ہوا، اور کہا میدان جنگ بتائے گا
کہ نامردی کا داغ کون اٹھاتا ہے، یہ کہہ کر مغفر مانگا، لیکن اس کا سر اس قدر بڑا تھا کہ کوئی
مغفر اس کے سر پر ٹھیک نہ اترا، مجبوراً سر سے کپڑا لپیٹا اور لڑائی کے ہتھیار سجے،
چونکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ہاتھ کو خون سے آلودہ کرنا پسند نہیں فرماتے
تھے اصحابؓ نے میدان کے کنارے ایک چھپر کا سائبان تیار کیا کہ آپؐ اس میں تشریف
رکھیں، حضرت سعد بن معاذ دروازہ پر تیغ بکف کھڑے ہوئے کہ کوئی ادھر نہ بڑھنے پائے
اگرچہ بارگاہ الٰہی سے فتح و نصرت کا وعدہ ہوچکا تھا، عناصر عالم آمادۂ مدد تھے ملائکہ
کی فوجیں ہمرکاب تھیں، تاہم عالم اسباب کے لحاظ سے آپؐ نے اصول جنگ کے مطابق
فوجیں مرتب کیں، مہاجرین کا علم حضرت مصعبؓ بن عمیر کو عنایت فرمایا، خزرج کے علمبردار
حضرت حبابؓ بن منذر اور اوس کے حضرت سعدؓ بن معاذ مقرر ہوئے،
صبح ہوتے ہوتے آپؐ نے صف آرائی شروع کی، دست مبارک میں ایک تیر تھا
اس کے اشارہ سے صفیں قائم کرتے تھے، کہ کوئی شخص تل بھر آگے یا پیچھے نہ رہنے پائے،
لڑائی میں شور و غل عام بات ہے لیکن منع کر دیا گیا کہ کسی کے منہ سے آواز تک نکلنے پائے
اس موقع پر بھی جبکہ دشمن کی عظیم الشان تعداد مقابل تھی اور مسلمانوں کی طرف
ایک آدمی بھی آکر بڑھ جاتا تو کچھ نہ کچھ مسرت ہوتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ تن وفا
تھے (حضرت) حذیفہؓ بن الیمان اور (حضرت) حسیلؓ دو صحابی کہیں سے آرہے تھے، راہ میں

کفار نے روکا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کو جا رہے ہو؟ انھون نے انکار کیا اور عدم شرکت کا وعدہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو صورت حال عرض کی، فرمایا ہم ہر حال مین وعدہ وفا کرین گے، ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے[1]،

اب دو صفین آمنے سامنے مقابل تھین، حق و باطل، نور و ظلمت، کفر و اسلام،

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ	جو لوگ باہم لڑے اُن مین تمہارے لئے
الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ	عبرت کا نشان ہی، ایک خدا کی راہ مین
وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ، (آل عمران - ۲)	لڑ رہا تھا اور دوسرا منکر خدا تھا،

یہ عجیب منظر تھا، اتنی بڑی وسیع دنیا مین **توحید** کی قسمت صرف چند جانون پر منحصر تھی، صحیحین مین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی دونون ہاتھ پھیلا کر فرماتے تھے "خدایا! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر" محویت اور بیخودی کے عالم مین چادر کندھے پر سے گر گر پڑتی تھی اور آپ کو خبر تک نہ ہوتی تھی، کبھی سجدہ مین گرتے تھے اور فرماتے تھے کہ "خدایا! اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائیگا"

اس بیقراری پر بندگان خاص کو رقت آگئی، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی "حضور خدا اپنا وعدہ وفا کرے گا" آخر روحانی تسکین کے ساتھ

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ	فوج کو شکست دی جائے گی، اور وہ
(قمر - ۳)	پشت پھیر دین گے،

[1] صحیح مسلم (باب الوفاء بالعہد، کتاب الجہاد والسیر) ص

پڑھتے ہوئے لب مبارک فتح کی پیشین گوئی سے آشنا ہوئے،

قریش کی فوجین اب بالکل قریب آگئین تاہم آپ نے صحابہؓ کو پیش قدمی سے روکا اور فرمایا کہ جب دشمن پاس آجائین تو تیر سے روکو،

یہ معرکہ ایثار اور جان بازی کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر تھا، دونون فوجین سامنے آئین تو لوگون کو نظر آیا کہ خود اُن کے جگر کے ٹکڑے تلوار کے سامنے ہین، حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے (جو اب تک کافر تھے) میدان جنگ مین بڑھے تو حضرت ابوبکرؓ تلوار کھینچکر نکلے، عتبہ میدان مین آیا تو حضرت حذیفہؓ (عتبہ کے فرزند تھے) اس کے مقابلہ کو نکلے، حضرت عمرؓ کی تلوار ماموں کے خون سے رنگین تھی،

لڑائی کا آغاز یون ہوا کہ سب سے پہلے عامر حضرمی جس کو بھائی کے خون کا دعویٰ تھا آگے بڑھا، مہجع حضرت عمرؓ کا غلام اس کے مقابلہ کو نکلا اور مارا گیا،

عتبہ جو سردار لشکر تھا، ابوجہل کے طعنہ سے سخت برہم تھا سب سے پہلے وہی بھائی اور بیٹے کو لے کر میدان مین نکلا، اور مبارزطلبی کی، عرب مین دستور تھا کہ نامور لوگ کوئی امتیازی نشان لگا کر میدان جنگ مین جاتے تھے، عتبہ کے سینہ پر شترمرغ کے پر تھے، حضرت عوفؓ، حضرت معاذؓ، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ مقابلہ کو نکلے، عتبہ نے نام پوچھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ انصارؓ ہین تو عتبہ نے کہا ہم کو تم سے غرض نہین، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب کرکے پکارا کہ محمدؐ! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہین ہیں، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد کے مطابق

لہ استیعاب ذکر عبدالرحمن بن ابی بکرؓ سہ سیرت ابن ہشام (۴۰۸ مطبع محمد علی مصر) سہ کتب حدیث

انصار ہٹ آئے اور حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبیدہؓ میدان مین آئے، چونکہ یہ لوگ خود پہنے تھے جس سے چہرے چھپ گئے تھے) عتبہ نے پوچھا تم کون ہو، سب نے نام و نسب بتائے، عتبہ نے کہا "ہان اب ہمارا جوڑ ہے"۔

عتبہ حضرت حمزہؓ سے اور ولید حضرت علیؓ سے مقابل ہوا، اور دونون مارے گئے، لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کیا، حضرت علیؓ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہؓ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین لائے، حضرت عبیدہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا مین دولت شہادت سے محروم رہا؟ آپؐ نے فرمایا "نہین تم نے شہادت پائی"۔ حضرت عبیدہؓ نے کہا آج ابوطالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق مین ہون[۲]،

ونسلمہ حتی نصرع حولہ — ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس وقت دشمنون کے حوالہ کرینگے

ونذھل عن ابنائنا والحلائل — جب ان کے گرد لڑ کر مرجائین، اور ہم اپنے بیٹون اور بی بیون سے بھلا نہ دیئے جائین،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۲) مین جو الفاظ ہین مختلف ہین، ابوداؤد (کتاب الجہاد) مین ہو کہ عتبہ نے کہا کہ ہم کو اپنے برادران عم زاد سے غرض ہو، تم سے کام نہین، انصاری محدثین نے اس کا مطلب یہ قرار دیا ہو کہ اس سے انصار کی توہین منظور نہ تھی بلکہ یہ غرض تھی کہ انتقام خون کا مطالبہ قریش سے ہو انصار سے نہین "لیکن اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ مکہ والے انصار کو اپنا ہمسر نہین سمجھتے تھے صحیح روایتون مین مذکور ہو کہ جب ابوجہل انصار کے ہاتھ سے مارا گیا تو مرتے وقت اس نے کہا کاش مجھ کو فلاحون (کاشتکار) کے سوا کسی اور نے مارا ہوتا، انصار کھیتی کا پیشہ کرتے تھے جو قریش کے نزدیک معیوب تھا[۱] (ابن سعد غزوۂ بدر و بدایہ و نہایہ ابن کثیر ج ۳ ص ۲۷۳ مصر) [۲] زرقانی ان واقعات مین روایتین مختلف ہین اور قریباً سب

سعید بن العاص کا بیٹا (عبیدۃ) سر سے پانون تک لوہے مین ڈوبا ہوا صف سے نکلا، اور پکارا کہ "مین ابوکرش ہون"۔ حضرت زبیرؓ اس کے مقابلہ کو نکلے، اور چونکہ صرف اُس کی آنکھین نظر آتی تھین، تاک کر آنکھ مین برچھی ماری، وہ زمین پر گرا اور مر گیا، برچھی اس طرح پیوست ہو گئی تھی کہ حضرت زبیرؓ نے اس کی لاش پر پانون اڑا کر کھینچا تو بڑی مشکل سے نکلی لیکن دونون سرے خم ہو گئے، یہ برچھی یادگار رہی یعنی حضرت زبیرؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگ لی، پھر چارون خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی، پھر حضرت عبد اللہ بن زبیر کے پاس آئی[1]،

حضرت زبیرؓ نے اس معرکہ مین کئی کاری زخم اٹھائے، شانہ پر جو زخم تھا اتنا گہرا تھا کہ اچھے ہو جانے پر اُس مین انگلی چلی جاتی تھی، چنانچہ اُن کے بیٹے (عروۃ) بچپن مین اُن زخمون سے کھیلا کرتے تھے، جس تلوار سے لڑے تھے، وہ لڑتے لڑتے کر گئی تھی چنانچہ جب حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ شہید ہوئے تو عبد الملک نے عروۃ سے کہا تم زبیر کی تلوار پہچان لوگے؟ انھون نے کہا ہان، عبد الملک نے پوچھا کیونکر؟ بولے کہ بدر کے معرکہ مین اس مین دندانے پڑ گئے تھے، عبد الملک نے تصدیق کی اور یہ مصرع پڑھا، بھن فلول من قراع الکتائب، عبد الملک نے تلوار عروہ کو دیدی، انھون نے اُس کی قیمت انکوائی تو تین ہزار ٹھہری، اس کے قبضہ پر چاندی کا کام تھا[2]،

اب عام حملہ شروع ہو گیا، مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے، لیکن ادھر سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) سر بسجدہ صرف خدا کی قوت کا سہارا ڈھونڈھ رہا تھا،

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ بدر مین پورا واقعہ منقول ہے۔ [2] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری غزوۂ بدر کے ذکر مین ہے،

ابوجہل کی شرارت اور دشمنیِ اسلام کا عام چرچا تھا، اس بنا پر انصار میں سے مُعَوِّذ اور مُعاذ دو بھائیوں نے عہد کیا تھا کہ یہ شقی جہاں نظر آجائے گا یا اس کو مٹا دیں گے یا خود مٹ جائیں گے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے کہ میں صف میں تھا کہ دفعۃً مجھ کو داہنے بائیں دو نوجوان نظر آئے، ایک نے مجھ سے کان میں پوچھا کہ ابوجہل کہاں ہے؟ میں نے کہا برادرزادہ! ابوجہل کو پوچھ کر کیا کرے گا؟ بولا کہ "میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ ابوجہل کو جہاں دیکھ لوں گا یا اُسے قتل کر دوں گا یا خود لڑ کر مارا جاؤں گا"، میں جواب نہیں دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے کانوں میں یہی باتیں کہیں، میں نے دونوں کو اشارہ سے بتایا کہ ابوجہل وہ ہے، بتانا تھا کہ دونوں باز کی طرح جھپٹے، اور ابوجہل خاک پر تھا، دونوں جوان عفراء کے بیٹے تھے[1]

"معوذ و معاذ" ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے عقب سے آکر معاذ کے بائیں شانہ پر تلوار ماری جس سے بازو کٹ گیا، لیکن تسمہ باقی لگا رہا، معاذ نے عکرمہ کا تعاقب کیا، وہ بچ کر نکل گیا، معاذ اسی حالت میں لڑ رہے تھے، لیکن ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہوتی تھی، ہات کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا کہ تسمہ بھی الگ ہو گیا، اور اب وہ آزاد تھے،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لڑائی سے پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ "کفار کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں، اُن میں ایسے بھی لوگ ہیں جو خوشی سے نہیں بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہیں"۔ اُن لوگوں کے نام بھی آپ نے بتا دیئے تھے، اُن میں ابوالبختری بھی تھا، مجذر کی نظر (جو انصار کے حلیف تھے) ابوالبختری پر پڑی، مجذر نے کہا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] بعض روایتوں میں معاذ بن عمرو و معاذ بن عفراء ہے،

نے تیرے قتل سے منع فرمایا ہے، اس لئے تجھ کو چھوڑ دیتا ہون، ابو البختری کے ساتھ اس کا ایک رفیق بھی تھا، ابو البختری نے کہا اس کو بھی؟ مجذر نے کہا نہین، ابو البختری نے کہا تو مین خاتونان عرب کا یہ طعنہ نہین سن سکتا کہ ابو البختری نے اپنی جان بچانے کے لئے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا، یہ کہکر ابو البختری یہ رجز پڑھتا ہوا مجذر پر حملہ آور ہوا، اور مارا گیا،

لن یسلم ابن حرۃ زمیلہ	شریف زادہ اپنے رفیق کو چھوڑ نہین سکتا
حتّٰی یموت اویریٰ سبیلہ	جبتک کہ مر نہ جائے یا وہ اپنا راستہ نہ دیکھ لے

عتبہ اور ابو جہل کے مارے جانے سے **قریش** کا پائے ثبات اکھڑ گیا، اور فوج مین بے دلی چھا گئی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید دشمن امیۃ بن خلف بھی جنگ بدر مین شریک تھا، حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف نے اس سے کسی زمانہ مین معاہدہ کیا تھا کہ وہ مدینہ مین آئیگا تو یہ اس کی جان کے ضامن ہون گے، بدر مین اس دشمن خدا سے انتقام لینے کا خوب موقع تھا، لیکن چونکہ عہد کی پابندی اسلام کا شعار ہے، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ وہ بچ کر نکل جائے، اس کو لے کر ایک پہاڑ پر چلے گئے، اتفاق یہ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا، انصار کو خبر کر دی، دفعۃً لوگ ٹوٹ پڑے، انھون نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا لوگون نے اس کو قتل کر دیا، لیکن اس پر بھی قناعت نہ کی اور امیہ کی طرف بڑھے، انھون نے امیہ سے کہا کہ تم زمین پر لیٹ جاؤ، یہ لیٹ گیا تو یہ اس پر چھا گئے کہ لوگ اس کو مارنے نہ پائین لیکن لوگون نے ان کی ٹانگون کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اس کو قتل کر دیا، حضرت عبد الرحمٰن

کی بھی ایک ٹانگ زخمی ہوئی اور زخم کا نشان مدتون تک قائم رہا[1]،

ابوجہل اور عتبہ وغیرہ کے قتل کے بعد قریش نے سپر ڈال دی اور مسلمانون نے ان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا،

حضرت عباسؓ، عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی) نوفل، اسود بن عامر، عبداللہ بن زمعہ اور بہت سے بڑے بڑے معزز لوگ گرفتار ہوے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کوئی شخص جا کر خبر لائے، ابوجہل کا کیا انجام ہوا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود نے جا کر لاشون مین دیکھا تو زخمی پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا، بولے تو ابوجہل ہے؟ اس نے کہا "ایک شخص کو اُس کی قوم نے قتل کر دیا تو یہ فخر کی کیا بات ہے"[2]

ابوجہل نے ایک دفعہ ان کو تھپڑ مارا تھا، انھون نے اس کے انتقام مین اس کی گردن پر پانون رکھا، ابوجہل نے کہا او بکری چرانے والے! دیکھ تو کہان پانون رکھتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کا سر کاٹ لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمون پر ڈالدیا[3]،

مغربی مورخین کو جن کے نزدیک عالم اسباب مین جو کچھ ہے صرف اسباب ظاہری کے نتائج ہین، حیرت ہے کہ تین سو پیدل آدمیون نے ایک ہزار جن مین سو سوارون کا رسالہ تھا، کیونکر فتح پائی، لیکن تائید آسمانی نے بارہا ایسے حیرت انگیز مناظر دکھائے ہین، تاہم اس واقعہ مین ظاہر بینون کے اطمینان کے سامان بھی موجود ہین، اوّل تو قریش مین باہم اتفاق نہ تھا، عتبہ سردار لشکر لڑنے پر راضی نہ تھا، قبیلۂ زہرہ کے لوگ بدر تک آکر واپس چلے گئے

[1] یہ پورا واقعہ صحیح بخاری مین ہے لیکن چونکہ کتاب المغازی مین نہین بلکہ کتاب الوکالہ مین ہے اس لئے ارباب سیر کی نظر نہین پڑی
[2] بخاری غزوۂ بدر) [3] ایضاً،

پانی برسنے سے موقعِ جنگ کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ قریش جہان صف آرا تھے وہان کیچڑ اور دلدل کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل تھا، قریش مرعوب ہو کر اسلامی فوج کا تخمینہ غلط کر رہے تھے، یعنی اپنی تعداد سے دوگنا، چنانچہ قرآن مجید مین ہے،

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ (آل عمران ۲)	وہ اپنی آنکھون سے مسلمانون کو اپنے آپ سے دوگنا دیکھ رہے تھے،

کفار کی فوج مین کوئی ترتیب اور صف بندی نہ تھی، بخلاف اس کے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود دستِ مبارک مین تیر لے کر نہایت ترتیب سے صفین درست کی تھین، مسلمان رات کو اطمینان سے سوئے تھے، صبح اٹھے تو تازہ دم تھے، بخلاف اس کے کفار بے اطمینانی کی وجہ سے رات کو سو نہ سکے تھے،

تاہم یہ اسباب ہین، اُن کا اجتماع اور تہیئہ بھی تائیدِ الٰہی ہے، پھر قریش اور مسلمانون کی فوج کا باہم مقابلہ کرو تو نظر آئے گا کہ عام فوجی نظر کیا مسلمانون کی فتح کی مقتضی تھی قریش کی فوج مین بڑے بڑے دولتمند تھے، جو تنہا تمام فوج کی رسد کا سامان کرتے تھے، مسلمانون کے پاس کچھ نہ تھا، قریش کی تعداد ایک ہزار تھی، مسلمان صرف ۳۰۰ تھے، قریش مین سو سوار تھے، مسلمانون کی فوج مین صرف دو گھوڑے تھے، مسلمانون مین بہت کم سپاہی تمام ہتھیارون سے پورے تھے، اور ادھر قریش کا ہر سپاہی لوہے مین غرق تھا،

بااین ہمہ خاتمۂ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانون مین سے صرف ۱۴ شخصون نے شہادت پائی، جن مین ۶ مہاجر اور باقی انصار تھے، لیکن دوسری طرف قریش کی اصلی طاقت ٹوٹ گئی،

اور رؤسائے قریش جو شجاعت مین نامور اور قبائل کے سپہ سالار تھے، ایک ایک کر کے مارے گئے، اُن مین شیبہ، عتبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام، اُمیہ بن خلف، منبہ بن الحجاج، قریش کے سرتاج تھے، قریباً ۷۰ آدمی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے اسیرانِ جنگ مین سے عقبہ اور نضر بن حارث قتل کر دیئے گئے، باقی گرفتار ہو کر مدینہ مین آئے ان مین حضرت عباسؓ، عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی) ابوالعاص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد) بھی تھے،

لڑائیون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جہان کوئی لاش نظر آتی تھی، آپؐ اس کو زمین مین دفن[1] کرا دیتے تھے، لیکن اس موقع پر کشتون کی تعداد زیادہ تھی اس لئے ایک ایک کا الگ الگ دفن کرانا مشکل تھا، ایک وسیع کنوان تھا، تمام لاشین آپؐ نے اس مین ڈلوا دین، لیکن اُمیہ کی لاش پھول کر اس قابل نہین رہی تھی کہ جگہ سے ہٹائی جاوے، اس لئے وہین خاک مین دبا دی گئی،

اسیرانِ جنگ جب مدینہ مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے آئے تو حضرت سودہؓ (آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زوجۂ محترمہ) بھی تشریف رکھتی تھین، ان قیدیون مین اُن کے عزیز سہیل بن عمر بھی تھے، اُن پر نگاہ پڑی تو بے ساختہ بول اٹھین کہ تم نے بھی عورتون کی طرح خود بیڑیان پہن لین، یہ نہ ہو سکا کہ لڑ کر مر جاتے[2]،

اسیرانِ جنگ دو دو، چار چار صحابہ کو تقسیم کر دیئے گئے، اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ

---

[1] روض الانف [2] ابن ہشام،

رکھے جائین، صحابہؓ نے اُن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ اُن کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے، ان قیدیون مین ابوعزیز بھی تھے، جو حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی تھے، اُن کا بیان ہے کہ مجھ کو جن انصاریون نے اپنے گھر مین قید کر رکھا تھا جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھدیتے اور خود کھجورین اٹھا لیتے، مجھ کو شرم آتی اور مین روٹی اُن کے ہاتھ مین دیدیتا، لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھی کو واپس دیتے، اور یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی تھی کہ قیدیون کیساتھ اچھا سلوک کیا جائے[1]،

(قیدیون مین ایک شخص سہیل بن عمرو تھا، جو نہایت فصیح اللسان تھا اور عام مجمعون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریرین کیا کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! اس کے دو نیچے کے دانت اکھڑوا دیجئے کہ پھر اچھا نہ بول سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مین اگر اس کے عضو بگاڑون گا (مثلہ) تو گو نبی ہون، لیکن خدا اس کی جزا مین میرے اعضا بھی بگاڑے گا[2]،)

حضرت عباسؓ (کے بدن پر کرتا نہ تھا، لیکن اُن) کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتہ اُن کے بدن پر ٹھیک نہین اترتا تھا، عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) نے کہ حضرت عباسؓ کا ہم قد تھا، اپنا کرتہ منگوا کر دیا، صحیح بخاری مین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کے کفن کے لئے جو اپنا کرتہ عنایت فرمایا تھا وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا[3]،

عام روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ مین آکر صحابہ سے مشورہ کیا کہ اسیرانِ جنگ

---

[1] طبری صفحہ ۱۳۳۷ [2] ایضاً ۱۳۴۴ [3] صحیح بخاری صفحہ ۴۲۲، (باب الکسوۃ للاساری)

کے معاملہ مین کیا کیا جائے، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ سب اپنے ہی عزیز اقارب ہین فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائین، لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک اسلام کے مسئلہ مین دوست دشمن، عزیز و بیگانہ، قریب و بعید کی تمیز نہ تھی، اس لئے انھون نے یہ رائے دی کہ سب قتل کر دیئے جائین اور ہم مین سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا، اس پر خدا کا عتاب آیا اور یہ آیت اتری،

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (انفال - ۹) اگر خدا کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ یہ عتاب ربانی سن کر رو پڑے،

یہ روایت تمام تاریخون مین مذکور اور احادیث مین بھی موجود ہے، لیکن سبب عتاب کے بیان مین اختلاف ہے، ترمذی مین جو روایت ہے اُس کا ماحصل یہ ہے کہ اس وقت تک مال غنیمت کے متعلق احکام نہین آئے تھے، عرب کے عام دستور کے موافق صحابہؓ غنیمت مین مصروف ہو گئے، اس پر عتاب آیا، لیکن چونکہ اس کے متعلق پہلے کوئی حکم نہین دیا گیا تھا، اس لیے یہ جرم معاف کر دیا گیا، اور حکم آیا کہ مال غنیمت جو ہاتھ آ چکا حلال ہے،

قرآن مجید مین عتاب کے بعد یہ الفاظ ہین،

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا، (انفال - ۹) تو جو تم نے لوٹا ہے اب کھاؤ کہ حلال طیب ہے،

اس آیت مین صاف تصریح ہے کہ مال جو ہاتھ آیا تھا وہ حلال کر دیا گیا، اور وہ

مالِ غنیمت تھا، غرض صحیح مسلم اور ترمذی دونون سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عتاب فدیہ لینے، یا مالِ غنیمت کے لوٹنے پر تھا، صحیح مسلم مین یہ الفاظ ہین، کہ جب عتاب کی آیت نازل ہوئی تو آپؐ رونے لگے اور جب حضرت عمرؓ نے سبب دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا ابکی الذی عرض علی اصحابک من اخذھم الفداء یعنی تمھارے ساتھیون نے جو فدیہ لیا اس پر جو خدا کی طرف سے پیش کیا گیا اس پر مین رو رہا ہون" عموماً لوگون نے غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ عتاب اس پر آیا کہ اسیرانِ جنگ کو قتل کیون نہین کر ڈالا، چنانچہ لوگون نے اس آیت سے استدلال کیا ہے،

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ — کسی نبی کو یہ مناسب نہین کہ بغیر اچھی طرح

أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ (انفال - ۹) — خونریزی کرنے کے لوگون کو قیدی بنائے،

لیکن اس آیت کا صرف یہ ماحصل ہے کہ میدانِ جنگ مین جب تک کافی خونریزی نہ ہو چکے، قیدی بنانا مناسب نہین، اس سے یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ اگر خونریزی سے پہلے لوگ گرفتار کر لئے گئے تو لڑائی کے بعد بھی وہ قتل کئے جا سکتے ہین،

بہرحال اسیرانِ جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا لیکن جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہین کر سکتے تھے، وہ چھوڑ دیئے گئے، ان مین سے جو لکھنا جانتے تھے اُن کو حکم ہوا کہ دس دس بچون کو لکھنا سکھا دین[۱] تو چھوڑ دیئے جائین گے، حضرت زیدؓ بن ثابت نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا[۲]،

---

[۱] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۴۷ [۲] طبقات ابن سعد صفحہ ۱۴،

انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین عرض کی کہ حضرت عباسؓ ہمارے بھانجے ہین، ہم اُن کا فدیہ چھوڑ دیتے ہین، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کی بنا پر گوارا نہین فرمایا[1] اور اُن کو بھی فدیہ ادا کرنا پڑا، فدیہ کی عام مقدار ۴۰۰۰ ہزار درہم تھی لیکن امراء سے زیادہ لیا گیا، حضرت عباسؓ دولتمند تھے، اس لئے اُن سے بھی زیادہ رقم وصول کی گئی، انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی لیکن اُن کو کیا معلوم تھا کہ اسلام نے جو مساوات قائم کی اس مین قریب وبعید، عزیز وبیگانہ، عام وخاص کے تمام تفرقے مٹ چکے تھے، (لیکن ایک طرف تو اداے فرض کی یہ مساوات تھی، دوسری طرف محبت کا یہ تقاضا تھا کہ حضرت عباسؓ کی کراہ سُن کر رات کو آپؐ آرام نہ فرما سکے، لوگون نے اُنکی گرہ کھولی تو آپؐ نے آرام فرمایا)

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے داماد ابوالعاص بھی اسیرانِ جنگ مین آئے تھے اُن کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو (جو ان کی زوجہ تھین اور مکہ مین تھین) کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیجدین، حضرت زینبؓ کا جب نکاح ہوا تھا تو حضرت خدیجہؓ نے جہیز مین اُن کو ایک قیمتی ہار دیا تھا حضرت زینبؓ نے زرِ فدیہ کے ساتھ وہ ہار بھی گلے سے اُتار کر بھیجدیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو ۲۵ برس کا محبت انگیز واقعہ یاد آگیا، آپؐ بے اختیار رو پڑے اور صحابہ سے فرمایا کہ تمھاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کردو، سب نے تسلیم کی گردنین جھکادین اور وہ ہار

---

[1] بخاری صفحہ ۵۷۲، (ج اوّل کتاب المغازی)

واپس کردیا،[1]

(ابو العاص رہا ہوکر مکہ آئے اور حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیجدیا، ابو العاص بہت بڑے تاجر تھے، چند سال کے بعد بڑے سروسامان سے شام کی تجارت لے کر نکلے، واپسی میں مسلمان دستون نے اُن کو مع تمام مال واسباب گرفتار کرلیا، اسباب ایک ایک سپاہی پر تقسیم ہوگیا، یہ چھپ کر حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے، انھون نے پناہ دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگون سے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو ابو العاص کا اسباب واپس کردو، پھر تسلیم کی گردنین جھک گئین اور سپاہیون نے ایک ایک دھاگا تک لا لا کر واپس کردیا، اب یہ وار ایسا نہ تھا جو خالی جاتا، ابو العاص مکہ آئے اور تمام شرکا، کو حساب سمجھا کر دولت اسلام سے فائز ہوئے، اور کہدیا کہ مین اس لئے یہان آکر اور حساب سمجھا کر جاتا ہون تاکہ یہ نہ کہو کہ ابو العاصؓ ہمارا روپیہ کھا کر تقاضے کے ڈر سے مسلمان ہوگیا)[2]

بدر کی خبر مکہ مین پہنچی تو گھر گھر ماتم تھا لیکن غیرت کی وجہ سے قریش نے منادی کرادی کہ کوئی شخص رونے نہ پائے، اس لڑائی مین اسود کے تین لڑکے مارے گئے تھے، اس کا دل اُمنڈا آتا تھا، لیکن قومی عزت کے خیال سے رو نہین سکتا تھا، اتفاق یہ کہ ایک دن کسی طرف سے رونے کی آواز آئی، سمجھا کہ قریش نے رونے کی اجازت دے دی ہے، نوکر سے کہا دیکھنا کون روتا ہے؟ کیا رونے کی اجازت ہوگئی، میرے سینہ مین آگ لگ رہی ہے جی کھول کر رو لون تو تسکین ہوجائے، آدمی نے آکر کہا ایک عورت کا

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۱۳۴۸ و ابو داؤد، [2] تاریخ طبری)

اونٹ گم ہوگیا ہے اس کے لیے رُو رہی ہے، اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکلے،

اتبکی ان یضلّ لہا بعیر	اونٹ کے گم ہونے پر روتی ہے،
ویمنعہا من النوم السھود	اور اس کو نیند نہیں آتی ؛ اونٹ
ولاتبکی علی بکرو لکن	پر مت رو، بدر پر آنسو بہا، جہان
علی بدر تقاصرت الجدود	قسمت نے کمی کی، تجھ کو رونا ہو،
فبکی ان بکیت علی عقیل	تو عقیل پر رو، اور حارث پر رو
وبکی حارثا اسد الاسود	جو شیرون کا شیر تھا"

(عمیر بن وہب قریش مین اسلام کا سخت دشمن تھا، وہ اور صفوان بن اُمیہ حجر مین بیٹھے ہوئے مقتولین بدر کا ماتم کر رہے تھے، صفوان نے کہا "خدا کی قسم اب جینے کا مزہ نہین" عمیر نے کہا سچ کہتے ہو، اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بچون کا خیال نہ ہوتا تو مین سوار ہو کر جاتا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر آتا، میرا بیٹا بھی وہان قید ہی، صفوان نے کہا تم قرض کی اور بچون کی فکر نہ کرو، اُن کا مین ذمہ دار ہون، عمیر نے گھر آکر تلوار زہر مین بجھائی اور مدینہ پہنچا، حضرت عمرؓ نے اس کے تیور دیکھ لئے، گلا دبائے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین لائے، آپؐ نے فرمایا عمر! چھوڑ دو، عمیر قریب آجاؤ، پوچھا کس ارادہ سے آئے جواب دیا کہ بیٹے کو چھڑانے آیا ہون، فرمایا تلوار کیون حمائل ہی؟ عمیر نے کہا آخر تلوارین بدر مین کس کام آئین، فرمایا کیون نہین، تم نے اور صفوان نے حجر مین بیٹھکر میرے قتل کی سازش نہین کی ہ؟ عمیر یہ بات سُن کر سناٹے مین آگیا، بے اختیار ہو کر بولا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

بیشک تم پیغمبر ہو، بخدا میرے، اور صفوان کے سوا اس معاملہ کی کسی کو خبر نہ تھی، قریش جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر سننے کے منتظر تھے انھون نے عمیر کے مسلمان ہونے کی خبر سُنی

حضرت عمیرؓ مسلمان ہوکر بہادرانہ مکہ مین آئے یہان کا ہر ذرّہ اس وقت مسلمانون کے خون کا پیاسا تھا، اُن کو اسلام کے دوستون سے جس شدت کے ساتھ عداوت تھی، اسی شدت سے وہ اب دشمنانِ اسلام کے دشمن تھے، یہان پہنچکر انھون نے اسلام کی دعوت کو پھیلایا اور ایک مجمع کثیر کو اس روشنی سے منور کردیا[1])

غزوۂ بدر کا بیان قرآن مین (اس غزوہ کو دیگر غزوات پر جو امتیازات حاصل ہین اُن مین ایک یہ بھی ہے کہ خود خدا نے اپنے کلام پاک مین اس کا مفصل ذکر کیا ہے اور ایک خاص سورہ (انفال) بدر کے احسانات و نعم کی تفصیل اور بعض مسائل متعلقۂ بدر کی توضیح کے لئے مخصوص کردیا ہے، واقعہ کی اصل حقیقت جاننے کے لئے آسمان کے نیچے اس سے زیادہ کوئی صحیح ماخذ موجود نہین،

(۱) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا	مومن وہ ہین کہ جب خدا کا نام لیا جائے
ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ	تو اُن کے دل دہل جائین، اور جب اسکی
وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ	آیتین پڑھ کر سنائی جائین تو اُن کا ایمان
زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ	بڑھ جاتا ہی اور وہ اپنے خدا پر بھروسہ
یَتَوَکَّلُوْنَ ج الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ	کرتے ہین، جو نماز بہ پابندی پڑھتے ہین،

[1] یہ تمام واقعات تاریخ طبری مین بحوالۂ عروہ بن زبیرؓ مذکور ہین، صفحہ ۱۳۵)

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ
كَرِيْمٌ ۝ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ
مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ
فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ
يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا
تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى
الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَ
اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى
الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ
اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ
لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ
بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ
لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ
وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ
رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ

اور خدا نے جو اُن کو روزی دی ہے اس سے
راہ خدا میں بھی کچھ دیتے ہیں۔ یہی ہیں سچے
مومن، اُن کے لئے خدا کے پاس رتبے ہیں
بخشش ہے، اور اچھی روزی ہے، جس طرح اے
پیغمبر تیرا خدا تجھ کو حق پر تیرے گھر سے (بدر) تک
نکال لایا، حالانکہ مسلمانوں کا ایک گروہ
اس سے ناخوش تھا، وہ تجھ سے حق ظاہر ہوئے
پیچھے بھی جھگڑتا ہے، گویا کہ وہ موت کی طرف
ہنکائے جا رہے ہیں، اور وہ موت کو دیکھ
رہے ہیں، اور جب خدا تم سے قریش کے قافلہ
اور قریش کی فوج میں سے ایک کا وعدہ کرتا
ہے کہ وہ تمہارے لئے ہے، تم چاہتے ہو کہ بے خرخشہ
والا گروہ تم کو مل جائے (یعنی قافلہ) اور
خدا یہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنے حکم سے ثابت کرے
اور باطل کو مٹائے، گو گنہگار اس سے رنجیدہ
ہوں، یاد کرو جب تم اپنے پروردگار سے
فریاد کر رہے تھے، اس نے تمہاری سنی (اور کہا)

بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ
وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى
وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ
اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ ۝ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً
مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ
عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ
عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ
اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ
مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ
فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ
فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا
مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ
يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ
اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكُمْ

مین تمہاری لگاتار ہزار فرشتون سے مدد کرونگا
خدا نے یہ صرف مسلمانون کی خوشی اور اطمینان
قلب کے لئے کیا اور فتح تو صرف خدا کے پاس ہے
خدا غالب و دانا ہے، یاد کرو جب تمہارے چین
کے لئے اپنی طرف سے اونگھ تم پر طاری کر رہا تھا
اور آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ تم کو پاک کرے
اور شیطان کی ناپاکی تم سے دور کرے اور تمہارے
دل مضبوط کرے اور ثابت قدم رکھے، یاد کرو
جب خدا فرشتون کو حکم دے رہا تھا کہ مین تمہارے
ساتھ ہون مسلمانون کو ثابت قدم رکھنا،
مین کافرون کے دل مین رعب ڈال دونگا
کافرون کی گردنین مارو اور ہر جوڑ پر مارو،
یہ اس لئے کہ انھون نے خدا اور خدا کے رسول
سے دشمنی کی ہے، اور جو خدا اور خدا کے رسول
سے دشمنی کرے گا خدا اس کو سخت عذاب دینے والا
ہوا یہ ہے عذاب، اس کا مزہ چکھو، کافرون کیلئے
عذاب دوزخ ہے، مسلمانو جب میدان جنگ

آیات	ترجمہ
فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ	ہیں کافرون کے مقابل آؤ تو پشت نہ پھیرو،
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ	اور بجز اس کے کہ لڑنے کے لئے مڑے یا کسی دستہ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ	کی طرف پھرے، جو کوئی پشت پھیرے وہ خدا
الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ	کا غضب لائیگا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور
دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا	کیا برا ٹھکانا ہے، مسلمانو! ان کافرون کو تم نے
اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ	نہیں مارا لیکن خدا نے مارا، اور اے محمدؐ!
وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ	تم نے نہیں پھینکا جب تم نے پھینکا لیکن خدا نے پھینکا،
فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ	تاکہ اپنی طرف سے اہل ایمان کو اچھا
وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ	انعام دے، خدا دانا اور بینا ہے، اور
اللّٰهَ رَمٰى ۝ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ	کافرون کے داؤ پیچ کو کمزور کرنے والا
مِنْهُ بَلَاۗءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ	ہے، اگر فتح چاہتے تھے، تو فتح آچکی اب
عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ	اگر رک جاؤ تو بہتر ہے، اور تم پھر مخالفت
كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا	پر آمادہ ہوگے تو ہم پھر مسلمانون کی
فَقَدْ جَاۗءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا	مدد کرینگے، یاد رکھو کہ تمہاری جمعیت
فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا	کچھ مفید نہیں، گو وہ کتنی ہی کثیر ہو،
نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ	اور خدا مومنون کے ساتھ ہے،
شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ	(انفال - ۲)

(۲) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ
فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ
وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى
وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۝
اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ
اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ
يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اِذْ اَنْتُمْ
بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ
الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ
مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ
فِي الْمِيْعٰدِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ
اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ
مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى
مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۝ وَاِنَّ اللّٰهَ
لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ
فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۝ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ

(۲) اور جان لو کہ جو مالِ غنیمت ملے تو اس کا
پانچوان حصّہ خدا کے لئے اور اس کے رسول
کے لئے، اہلِ قرابت کے لئے، یتیمون کیلئے،
مسکینون کے لئے اور مسافرون کے لئے ہے
اگر خدا پر تم ایمان لا چکے ہو، اور حق و باطل
مین فرق کر دینے والے دن مین (یعنی
بدر مین) خدا نے اپنے بندہ پر جو (فتح) اتاری،
اس کو مان چکے، جب دونون فوجین آمنے
سامنے آ گئین، اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے
جب تم قریب کے میدان مین اور قریش کی فوج
دور کے میدان مین اور قافلہ تم سے نیچے تھا، اگر تم
ایک دوسرے سے وقت مقرر کر کے آتے تو
وقت مین اختلاف ہو جاتا، لیکن (خدا نے یہ
اس لئے کر دیا) تاکہ جو ہونے والا تھا، خدا
اس کو کر دے، تاکہ جس کو مرنا ہو وہ بھی
دلیل دیکھ کے مرے، اور جس کو زندہ رہنا
ہے وہ بھی دلیل دیکھ کے زندہ رہے، اور

كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ
الصُّدُورِ ۝ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ
إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا
وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ
أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللّٰهِ
تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا
وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ
تُفْلِحُونَ ۝ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَ
رَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا
وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۖ وَاصْبِرُوا ۚ
إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَا
تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن
دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ
وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ
وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ (انفال)

سننے والا اور جاننے والا ہے، یاد کرو جب خدا
تم کو جنگ کی حالت مین ان کو تھوڑا دکھا
رہا تھا، اگر زیادہ کرکے دکھاتا تو تم سُست
پڑ جاتے اور باہم جھگڑے پڑتے لیکن خدا نے
محفوظ رکھا وہ سینوں کے بھید سے واقف
ہے، جب تمہاری نظر مین خدا ان کو تھوڑا
دکھا رہا تھا اور تم کو اُن کی نگاہ مین تاکہ جو
ہونے والا ہے خدا اس کو پورا کرے اور
اسی کی طرف تمام معاملے پھرتے ہین مسلمانو
جب کسی دستہ فوج سے مقابلہ آپڑے تو
ثابت قدم رہو اور خدا کو اکثر یاد کیا کرو،
تاکہ کامیاب ہو، اور خدا اور اس کے رسول
کی اطاعت کرو، اور جھگڑا نہ کرو، ورنہ سُست
پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی، مستقل
رہو، خدا مستقل لوگون کے ساتھ ہے، اور ان لوگون
(یعنی قریش) کی طرح نہ ہو جو اپنے گھرون سے
مغرورانہ، نمائش اور دکھاوے کیساتھ اور خدا کی
راہ سے روکنے کو نکلے، اور جو کچھ یہ کرتے ہین خدا اس کو احاطہ کئے ہوئے ہے،

(۳) مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۔ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۔ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۔ (انفال ۹)

(۳) پیغمبر کے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ اُس کے پاس قیدی ہون تا آنکہ خوب زمین میں زنہ لے، تم دنیا کی دولت چاہتے ہو (قیدی ہونگے تو فدیہ ہاتھ آئیگا) اور خدا آخرت چاہتا ہے، خدا دانا اور توانا ہے، اگر خدا کی تقدیر پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو تم نے جو قیدیون سے لیا، اس پر دردناک عذاب پہنچتا، اب جو کچھ تم کو غنیمت مین ملا، کھاؤ، وہ حلال طیب ہے، اور خدا سے ڈرا کرو،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۔ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۔ (انفال ۹)

خدا آمرزگار اور مہربان ہے، اے پیغمبر تمہارے ہاتھ مین جو قیدی ہین اُن سے کہو کہ خدا اگر تمہارے دلون مین کچھ نیکی دیکھیگا تو تم سے جو لیا گیا ہے اس کے بدلہ وہ نیکی عطا کریگا، اور تمھین معاف کریگا، وہ بخشش اور مہربانی والا ہے، اور اگر یہ قیدی تجھ سے خیانت کرنا چاہتے ہین تو اس سے پہلے وہ خدا کے ساتھ خیانت کرچکے ہین، اسی لئے تو خدا نے اُن کو تمہارے قابو مین دیا ہے۔

خدا نے اسی احسان کو اُحد کے موقع پر یاد دلایا ہے،

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۔ (آل عمران ۱۳)

یقیناً خدا نے تمہاری بدر مین مدد کی جب تم کمزور تھے، تو خدا سے ڈرو تاکہ تم شکر گذار بنجاؤ،

غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر

سادہ واقعات بیان کرنے کے بعد اب وقت آیا ہے کہ محققانہ طور سے اس بات پر بحث کی جائے کہ غزوۂ بدر کا مقصد جیسا کہ عام مورخین نے بیان کیا ہے، کاروانِ تجارت کو لوٹنا تھا، یا قریش کے حملہ کا دفاع تھا،

مین اس بات سے خوب واقف ہون کہ تاریخ اور محکمۂ عدالت مین فرق ہے، مجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ تاریخ کا اندازِ بیان مقدمۂ دیوانی یا فوجداری کے فیصلہ لکھنے سے بالکل مختلف ہے، مین اس کو بھی تسلیم کرتا ہون کہ میرا منصب واقعہ نگاری ہو، فیصلہ نویسی نہین لیکن موقع ایسا آپڑا ہے کہ ایک واقعۂ تاریخی نے مقدمۂ عدالت کی حیثیت حاصل کرلی ہے، اس لئے مجھ کو اپنے منصب سے ہٹ کر فصلِ مقدمہ کا قلم ہاتھ مین لینا پڑتا ہے،

اس بات کا مجھ کو مطلق خوف نہین کہ اس فیصلہ مین عام مورخین اور اربابِ سیر میرے حریفِ مقابل ہین، نہایت جلد نظر آجائے گا کہ حق اکیلا تمام دنیا پر فتح پاسکتا ہو، سلسلۂ کلام کے اچھی طرح پیشِ نظر رکھنے کے لئے سب سے پہلے ہم کو بتا دینا چاہئے کہ (ہماری تحقیقات کے روسے) واقعہ کی اصلی صورت کیا تھی،

واقعہ یہ ہے کہ حضرمی کے قتل نے تمام مکہ کو جوشِ انتقام سے لبریز کر دیا تھا، اور اس سلسلہ مین چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی پیش آگئین، دونون فریق ایک دوسرے سے پرحذر

رہتے تھے، اور جیسا کہ ایسی حالتون مین عام قاعدہ ہے غلط خبرین خود بخود مشہور ہو کر پھیل جاتی ہین، اسی اثنا مین ابوسفیان قافلۂ تجارت کے ساتھ شام گیا، اور ابھی وہ شام مین تھا کہ یہ خبر وہان مشہور ہوگئی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہین، ابوسفیان نے وہین سے مکہ کو آدمی دوڑایا کہ قریش کو خبر ہوجائے، قریش نے لڑائی کی تیاریان شروع کردین، مدینہ مین یہ مشہور ہوا کہ قریش ایک جمعیتِ عظیم لے کر مدینہ آرہے ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدافعت کا قصد کیا اور بدر کا معرکہ پیش آیا،

اس بحث کے فیصلہ کے لئے سب سے پہلے اُن واقعات کو یکجا لکھدینا چاہئے، جن پر دونون فریق کا اتفاق ہے تاکہ وہ انفصالِ بحث مین اصولِ موضوعہ کے طور پر کام آئین، وہ یہ ہین،

(۱) قرآن مجید مین اگر کسی واقعہ کا صاف ذکر ہے تو اُس کے مقابلہ مین کسی روایت یا تاریخ کا اعتبار نہ کیا جائے گا؟

(۲) کتبِ حدیث مین صحت کے لحاظ سے باہم جو فرقِ مراتب ہے اس کا لحاظ رکھا جائیگا،

اس قدر عموماً مسلّم ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ قریش بڑی تیاری کے ساتھ مکہ سے نکلے ہین، تو آپ نے صحابہؓ سے مخاطب ہوکر اُن کا استمزاج کیا، مہاجرین نے نہایت جوش کے ساتھ آمادگی ظاہر کی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی مرضی دریافت کرنا چاہتے تھے، یہ دیکھ کر سعدؓ یا اور کوئی معزز انصاری اُٹھے اور کہا، یارسول اللہ! کیا آپ کا روے سخن ہماری طرف ہے؟ ہم وہ لوگ نہین ہین جنھون نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا خدا دونون جاکر لڑو ہم یہین بیٹھے رہین گے، خدا کی قسم اگر آپؐ حکم دین تو ہم آگ اور سمندر مین

کو دو پڑین،

یہ بھی مسلّم ہے کہ صحابہ مین کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو شرکت سے ہچکچاتے تھے، چنانچہ خود قرآن مجید مین تصریح ہے،

وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکَارِھُوْنَ (انفال-۱) اور مسلمانون کا ایک گروہ قطعاً ناخوش تھا،

عموماً ارباب سیر اور محدثین نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی رضا مندی جو خاص طور پر دریافت کی اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار نے مکہ مین جب آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تو صرف یہ اقرار کیا تھا کہ "جب کوئی دشمن خود مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو انصار مقابلہ کرینگے" یہ اقرار نہ تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر بھی لڑین گے، ان واقعات کے بعد اب مرکز بحث یہ ہے کہ "یہ واقعات کہان پیش آئے" ارباب سیر لکھتے ہین کہ مدینہ سے جب آپ نکلے تو صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود تھا، دو چار منزل چل کر معلوم ہوا کہ قریش فوجین لیئے چلے آتے ہین، اُس وقت آپ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا کہ ان کا عندیہ دریافت فرمائین آگے کے واقعات یہین پیش آئے، لیکن کتب سیر، تاریخ، اور تمام دیگر شہادتون سے بالاتر ایک اور چیز ہمارے پاس موجود ہے (قرآن) جس کے آگے ہم سب کو گردن جھکا دینی چاہیئے،

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ	جس طرح تجھ کو تیرے خدا نے تیرے گھر سے حق پر
بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	نکالا در آنحالیکہ مسلمانون کا ایک گروہ اس کو
لَكٰرِهُوْنَ ۙ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ	پسند نہین کرتا تھا، یہ لوگ حق کے ظاہر ہوئے
بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ	پیچھے تجھ سے حق بات مین جھگڑا کرتے تھے گویا

اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَ	کہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہین، اور موت
اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ	کو آنکھون سے دیکھ رہے ہین، اور جبکہ خدا تم سے
اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ	یہ وعدہ کرتا تھا کہ دو جماعتون مین کوئی جماعت
الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ	تم کو ہاتھ آئے گی، اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے کھٹکے
اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ	والی جماعت تم کو ہاتھ آجائے اور اللہ یہ چاہتا
دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (انفال ع-۱)	تھا کہ حق کو اپنی باتون سے قائم کر دے اور کافرون کی جڑ کاٹ دے

(۱) ترکیب نحوی کے رو سے وَاِنَّ مین جو واو ہے، حالیہ ہے جس کے یہ معنی ہین، کہ مسلمانون کا ایک گروہ جو لڑائی سے جی چراتا ہے، یہ موقع عین وہ موقع تھا جب آپ مدینہ سے نکل رہے تھے، نہ کہ مدینہ سے نکل کر جب آپ آگے بڑھے، کیونکہ واو حالیہ کے لحاظ سے خروج من البیت، اور اس گروہ کے جی چرانے کا وقت اور زمانہ ایک ہی ہونا چاہیے،

(۲) آیت مذکورہ مین بہ تصریح مذکور ہے کہ یہ جس وقت کا واقعہ ہے اُس وقت دو گروہ سامنے تھے، ایک کاروانِ تجارت، اور ایک قریش کی فوج جو مکہ سے آرہی تھی، ارباب سیر کہتے ہین کہ آیت قرآنی مین یہ اس وقت کا واقعہ مذکور ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے قریب پہنچ چکے تھے، لیکن بدر کے قریب پہنچکر تو کاروانِ تجارت صحیح سلامت بچ کر نکل گیا تھا اس وقت یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ "دونون مین سے ایک کا وعدہ ہے"، اس لئے یہ بالکل ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے نص کے مطابق یہ واقعہ اس وقت کا ہونا چاہیے جب دونون گروہ کے ہاتھ آنے کا احتمال ہو سکتا ہو، اور یہ صرف وہ وقت ہو سکتا ہے جب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ مین تھے، اور دونون طرف کی خبرین آگئی تھین کہ ادھر ابوسفیان کاروانِ تجارت لیکر چلا ہے اور ادھر قریش جنگ کے سروسامان کے ساتھ مکہ سے نکل چکے ہین،

(۳) سب سے زیادہ قابلِ لحاظ یہ امر ہے کہ قرآن مجید کی آیتِ مذکورۂ بالا مین کفار کے دو فریق کا خدا نے بیان کیا ہے، ایک قافلۂ تجارت اور دوسرا صاحبِ شوکت یعنی کفارِ قریش جو مکہ سے لڑنے کے لئے آرہے تھے، آیت مین تصریح ہے کہ مسلمانون کی ایک جماعت ایسی تھی جو چاہتی تھی کہ کاروانِ تجارت پر حملہ کیا جائے، خدا نے ان لوگون پر ناراضی ظاہر کی اور فرمایا،

وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ	اور تم چاہتے ہو کہ بے خرخشہ والا گروہ تم کو ہاتھ
تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ	آجائے، اور خدا یہ چاہتا ہے کہ اپنی باتون
يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ	سے حق کو قائم کردے اور کافرون کی جڑ
الْكَافِرِيْنَ ، (انفال ع-۱)	کاٹ دے،

ایک طرف وہ لوگ ہین جو قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا چاہتے ہین، دوسری طرف خدا ہے، جو چاہتا ہے کہ حق کو قائم کردے اور کافرون کی جڑ کاٹ دے، اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو مین سے کس کے ساتھ ہین؟ عام روایتون کے مطابق اس سوال کا کیا جواب ہوگا، مین اس تصور سے کانپ اٹھتا ہون،

(۴) اب واقعہ کی نوعیت پر غور کرو، واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے اس سروسامان کے ساتھ نکل رہے ہین کہ تین سو سے زیادہ جانباز مہاجر و انصار ساتھ

اور روکھا وے کی کیا بات تھی، اور خدا کی راہ سے لوگون کو روکنا کیا تھا؟ البتہ چونکہ درحقیقت وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے نکلے تھے، جس سے مقصود اپنے زور اور قوت کا اعلان ونمایش اور اسلام کی ترقی کا انسداد تھا، اس لئے خدا نے اس کو غرور ونمایش اور صد عن سبیل اللہ کہا،

(قرآن مجید کے بعد احادیثِ نبوی کا درجہ ہے، احادیث کی متعدد کتابون مین غزوۂ بدر کا مفصل ومجمل ذکر ہے لیکن حضرت کعبؓ بن مالک والی حدیث کے سوا، اور کسی حدیث مین یہ واقعہ میری نظر سے نہین گذرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر مین قریش کے قافلۂ تجارت کے لوٹنے کے لئے نکلے تھے،

حضرت کعبؓ کی حدیث یہ ہے،

عن عبد اللہ بن کعب قال کعب	کعبؓ کہتے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لم اتخلف عن رسول اللہ صلعم	کو چھوڑ کر کسی غزوہ سے پیچھے نہین رہا بجز
فی غزوۃ غزاھا الا غزوۃ تبوک	غزوۂ تبوک کے، اور ہان غزوۂ بدر مین بھی
غیر انی کنت تخلفت فی غزوۃ	شریک نہ تھا، اور جو اس مین شریک نہ ہوا
بدر، ولم یعاتب احد تخلف	اس پر کچھ عتاب نہین ہوا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ
عنھا، انما خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم	علیہ وسلم قریش کے قافلہ کے لئے نکلے تھے کہ خدا نے
یرید عیر قریش حتی جمع اللہ	دونون فریق کو اچانک مقابل
بینہ وبینھم علی غیر میعاد،	کردیا،

اس کے برخلاف حضرت انسؓ کی حدیث ہے جو صحیح مسلم مین ہی،

١- عن انس ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم
شاور حین بلغہ اقبال ابی سفیان
قال فتکلم ابوبکر فاعرض عنہ
ثم تکلم عمر فاعرض عنہ فقام
سعد بن عبادۃ فقال ایانا
ترید یا رسول اللہ والذی
نفسی بیدہ لو امرتنا ان نخیضھا
البحر لاخضناھا۔ ولو امرتنا
ان نضرب اکبادھا الی برک
الغماد لفعلنا قال فندب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم الناس فانطلقوا حتی
نزلوا بدرا،

١- انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو جب ابوسفیان کے آنے کی خبر معلوم ہوئی
تو آپؐ نے مشورہ طلب کیا حضرت ابوبکرؓ
بولے تو آپؐ نے توجہ نہ فرمائی، پھر حضرت عمرؓ
بولے آپؐ نے اُن کی طرف بھی توجہ نہ کی پھر
حضرت سعدؓ بن عبادہ کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ!
کیا آپؐ کا روئے خطاب ہم انصار کی طرف
ہے، خدا کی قسم اگر دریا میں سواری ڈالنے کا
آپؐ حکم دیں تو ہم ڈال دیں گے، اور اگر
برک الغماد تک جانے کا حکم دیں گے تو ہم
کرینگے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپؐ نے
لوگوں کو شرکت جنگ کی دعوت دی، لوگ
اٹھ کر بدر میں جا اترے

٢- ووردت علیھم روایا قریش و
فیھم غلام اسود لبنی الحجاج
فاخذوہ فکان اصحاب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یسألونہ عن ابی سفیان
واصحابہ فیقول مالی علم بابی

٢- اور (پہلے) قریش کا ہراول آکر اترا، اس میں
بنی حجاج کا ایک حبشی غلام تھا، مسلمانوں نے
اس کو گرفتار کر لیا، اور اس سے ابوسفیان کا
حال پوچھنے لگے، وہ کہتا تھا مجھے ابوسفیان کی
خبر نہیں لیکن یہ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف

سفیان ولکن ھذا ابوجھل	آ رہے ہین، جب وہ یہ کہتا تو لوگ اس کو مارتے
وعتبۃ وشیبۃ وامیۃ بن خلف	وہ کہتا اچھا ابوسفیان کو بتاتا ہون تب اسکو
فاذا قال ذلک ضربوہ فقال	چھوڑ دیتے، تو پھر پوچھتے تو وہ کہتا مجھ کو ابوسفیان
نعم انا اخبرکم ھذا ابوسفیان	کی خبر نہین لیکن ابوجہل، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف
فاذا ترکوہ فسألوہ فقال مالی بابی	رؤساے قریش آ رہے ہین، لیکن جب وہ یہ کہتا
سفیان علم ولکن ھذا ابوجھل	تب بھی اس کو مارتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز مین
وعتبہ وشیبہ وامیہ بن	مین مشغول تھے، آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا قسم ہے
خلف فی الناس فاذا قال	اس ذات کی جس کے ہاتھ مین میری جان ہے
ھذا ایضاً ضربوہ ورسول اللہ	جب وہ سچ کہتا ہے تو تم اس کو مارتے ہو اور
صلی اللہ علیہ وسلم قائم یصلی	جب جھوٹ بولتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو،

حدیث کے پہلے ٹکڑے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ابوسفیان کے آنے کا حال معلوم ہوا اسی وقت آپ نے مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا اور انصار سے اعانت کی خواہش کی، اور یہ متفقاً ثابت ہے کہ ابوسفیان کی آمد کا حال مدینہ ہی مین معلوم ہو چکا تھا، اس بنا پر یہ محقق طور پر ثابت ہو گیا کہ اس غزوہ کی شرکت کے لئے آپ نے انصار سے مدینہ ہی مین خواہش کی تھی، ورنہ اگر باہر نکل کر یہ معاملہ پیش آتا جیسا کہ کتب سیرت مین مذکور ہے تو اس وقت انصار وہان کہان ہوتے؟ اور نیز اسی ٹکڑے مین مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کے بعد لوگون کو شرکت کی دعوت دی، حالانکہ ارباب سیر کے

مطابق واقع یہ ہونا چاہیئے، کہ انصار معاہدہ اور معمولِ سابق کے خلاف شرکت کے لیے نکلے!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کا عندیہ دریافت فرمایا! اور اس کے بعد شرکت کے لئے آمادہ

کیا! ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک مجنونانہ بات ہے،

حدیث کے دوسرے ٹکڑے سے بہ وضاحت تمام محقق ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو وحی کے ذریعہ سے یا کسی اور طریقہ سے یہ پہلے ہی سے معلوم تھا کہ تجارتی قافلہ کا نہیں بلکہ جنگی

فوج کا مقابلہ ہے، گو عام لوگون کو یہ معلوم نہ ہو،

اس حدیث مین ایک گرہ اور کھولنا ہے، اگر پہلے صرف ابوسفیان کا آنا معلوم

ہوا تھا اور قریش کے حملہ کی خبر نہ تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اصرار اور سر وسامان سے

کیون اجتماع کا اہتمام فرماتے؟ اس لئے ابوسفیان کی آمد کے بجاے موقع کا اقتضا یہ ہے

کہ یہ ہو کہ "جب مشرکین مکہ کی آمد کی خبر معلوم ہوئی"؛ چنانچہ اسی واقعہ کو ان ہی الفاظ کے ساتھ

امام احمد بن حنبل نے مسند[1] مین، ابن ابی شیبہ نے مصنف[2] مین، ابن جریر نے تاریخ[3] مین اور

بیہقی نے دلائل مین روایت کیا ہے، اور اس کو "صحیح" کہا ہے اور اس کے راوی معرکۂ بدر کے

ہیرو اسد اللہ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہین،

عن علی قال لما قدمنا المدینۃ	حضرت علیؓ فرماتے ہین کہ جب ہم مدینہ آئے تو
اصبنا من ثمارہا فاجتویناہا	وہان پھل کھانے کو ملے جو ہمارے ناموافق
واصابنا بہا وعک وکان النبی صلعم	مزاج تھے، اس لئے ہم لوگ بیمار ہو گئے، آنحضرت

[1] جلد اول صفحہ ۱۱۷ [2] منتخب کنز العمال غزوۂ بدر [3] جلد ۳ صفحہ ۱۲۸۹،

یتخبر عن بدر فلما بلغنا ان	صلی اللہ علیہ وسلم بدر کو پوچھا کرتے تھے، جب
المشرکین قد اقبلوا سار	ہم کو خبر ملی کہ مشرکین آرہے ہیں تو رسول اللہ
رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الی بدر و	صلی اللہ علیہ وسلم بدر کو چلے، بدر ایک کنویں
بدر بئر فسبقنا المشرکین	کا نام ہے، جہاں ہم مشرکین سے پہلے پہنچ
الیھا (اس کے بعد بدر کے تمام واقعات)	گئے۔

اس میں صاف تصریح ہے کہ مشرکین مکہ کے حملہ کی خبر سن کر آپ نکلے تھے اور بدر آکر قیام فرمایا تھا، اس پوری حدیث میں ابوسفیان کے قافلۂ تجارت کا ذکر تک نہیں ہے)

ان قطعی نصوص کے بعد اگرچہ کسی اور استدلال کی ضرورت نہیں لیکن لیطمئن قلبی کے طور پر واقعات ذیل پر لحاظ کرنا چاہئے؛

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے قریش کے قافلوں پر حملہ کرنے کے لئے جس قدر سرایا بھیجے اور جن میں بیس تیس آدمی سے لیکر سو سو، دو دو سو تک کی جمعیت تھی، ان میں کبھی کسی انصاری کو نہیں بھیجا، ارباب سیر اس خاص امر کو بہ تصریح لکھتے ہیں اور اس تصریح کی اس لئے ضرورت سمجھتے ہیں کہ انصار نے بیعت کے وقت مدینہ سے باہر نکلنے کا اقرار نہیں کیا تھا، اس بنا پر اگر اس دفعہ بھی مدینہ سے نکلنے کے وقت صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو انصار ساتھ نہ ہوتے، حالانکہ اس واقعہ میں انصار کی تعداد مہاجرین سے زیادہ تھی یعنی کل فوج ۳۰۵ تھی، جن میں ۷۴ مہاجرین اور باقی سب انصار تھے،

یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ جس وقت مدینہ سے آپ نکلے یہ خبر آچکی تھی کہ قریش

مدینہ پر آرہے ہیں، اسی بنا پر آپؐ نے انصار کو مخاطب کیا کیونکہ معاہدۂ بیعت کے موافق اب انصار سے کام لینے کا وقت آچکا تھا،

(۲) مکہ سے جو قافلہ تجارت کے لیے شام کو جایا کرتا تھا، مدینہ کے پاس سے ہو کر گذرتا تھا، مدینہ سے مکہ تک جس قدر قبائل آباد تھے عموماً قریش کے زیر اثر تھے، بخلاف اس کے مدینہ سے شام تک کے حدود تک قریش کا اثر نہ تھا، اس بنا پر اگر کاروانِ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو شام کی طرف بڑھنا تھا، یہ بالکل خلافِ قیاس ہے، کہ کاروانِ تجارت شام سے آرہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو چکی ہے اور آپؐ بجائے اس کے کہ شام کی طرف بڑھیں مکہ کی طرف جاتے ہیں اور پانچ منزل مکہ کی طرف جا کر خبر آتی ہے کہ قافلہ بچ کر نکل گیا اور قریش سے جنگ پیش آجاتی ہے،

(۳) واقعات کی ترتیب یہ ہے:

۱۔ قریش نے عبد اللہ بن اُبی کو خط لکھا کہ "محمدؐ اور اُن کے رفقا کو مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم مدینہ آکر تم کو بھی برباد کر دیں گے۔" (بحوالۂ سنن ابی داؤد اوپر گذر چکا)

۲۔ ابو جہل نے سعد بن معاذ سے کہا کہ تم نے ہمارے مجرموں کو پناہ دی ہے، اگر اُمیہ کی ضمانت نہ ہوتی تو میں تم کو قتل کر دیتا،

۳۔ کرز بن جابر نے جمادی الثانی ۲ھ میں مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اونٹ لوٹ لیے،

۴۔ اس کے بعد ہی رجب ۲ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن جحش کو

تجسس کے لئے بھیجا کہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائین،

۵- عبداللہ بن حجش نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف) قریش کا ایک مختصر سا قافلہ لوٹ لیا اور ایک آدمی قتل اور دو اسیر کئے،

قریش نے مکہ مین جو کچھ مسلمانون کے ساتھ کیا تھا اس کو پیشِ نظر رکھو، پھر یہ خیال کرو کہ اُن کا جوشِ انتقام کسی طرح کم نہین ہوتا اور وہ عبداللہ بن اُبی کو لکھتے ہین کہ ہم مدینہ آکر تم کو اور محمد دونون کو فنا کردین گے، کرز فہری مدینہ پر چھاپہ مارتا ہے، اسی اثنا مین قریش کا اشتعال اس سے اور بڑھ جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حجش نے اُن کا قافلہ لوٹ لیا، اور ان کے دو معزز خاندان کے ممبر اسیر کرلئے، ان تمام باتون کے ساتھ قریش صبر کرتے ہین اور کسی قسم کے انتقام کا ارادہ نہین کرتے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے قافلہ کو جس مین مکہ کی کل کائنات تھی لوٹنے کے لئے نکلتے ہین، تب مجبوراً اُن کو مدافعت کے لئے نکلنا پڑتا ہے، اس پر بھی بدر کے قریب پہنچکر جب اُن کو معلوم ہوتا ہے کہ قافلہ بچ کر نکل گیا تو اُن کے بڑے بڑے سردار اور خود عتبہ جو سالارِ لشکر تھا رائے دیتا ہے کہ اب لڑنے کی ضرورت نہین واپس چلنا چاہئے، کیا واقعات کا یہ نقشہ قریش کے جوشِ عداوت اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شانِ نبوت کے موافق ہے؟

(۴) اربابِ سیر عموماً لکھتے ہین کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ مین صحابہؓ کو کاروانِ تجارت پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تو لوگون نے چندان مستعدی ظاہر نہین کی، کیونکہ لوگ سمجھے کہ کوئی مہم اور معرکہ وجہاد نہین ہے، بلکہ صرف تحصیلِ غنیمت ہے، اس لئے جن

لوگون کو مال کی حاجت تھی وہ گئے، لیکن ہم دیکھتے ہین کہ انصار مین جس قدر اعیانِ قوم اور سربر آوردہ
تھے سب گئے، زر و مال کے محتاج اگر تھے تو مہاجرین تھے لیکن جانے والون مین انصار کی تعداد
مہاجرین سے دگنی تگنی ہی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استمزاج کے جواب مین جن لوگون نے جان نثارانہ فقرے
کہے تھے، مہاجرین مین حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و مقدادؓ تھے، اور انصار مین حضرت سعد بن عبادہؓ تھے
حضرت سعد بن عبادہ غزوۂ بدر مین شریک ہو سکے تھے اور مدینہ سے باہر نہین جا سکے تھے اس لئے قطعاً یہ تسلیم
کرنا پڑیگا کہ حضرت سعدؓ نے یہ جواب مدینہ ہی مین دیا تھا اور وہین قریش کے حملہ کا حال معلوم
ہو گیا تھا اور اس لئے یہ قطعی ہے کہ مدینہ ہی مین اس بات کی ضرورت پیش آئی تھی کہ انصار
کا استمزاج لیا جائے،

۸- عام اربابِ سیر بلکہ احادیث کی کتابون مین بھی منقول ہی کہ غزوۂ بدر مین جب
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگون کو چلنے کی ترغیب دی تو کچھ لوگ آمادہ نہ ہوئے اور کچھ نے آمادگی ظاہر کی
جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتے تھے کہ جہاد یا غزوہ نہین ہے، صرف قافلہ کا مال لوٹنا ہے،
اس لئے یہ اپنی مرضی پر موقوف ہی جس کا جی چاہے جائے جس کا جی چاہے نہ جائے، طبری مین ہے،

قالوا لما سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	لوگون نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت
بابی سفیان مقبلاً من الشام	صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کا شام سے روانہ ہونا
ندب المسلمین الیھم و	سنا تو مسلمانون کو بلایا اور فرمایا کہ یہ قریش کا

سلہ صحیح مسلم و صحیح بخاری غزوۂ بدر،

وقال ھذہ عیر قریش فیھا اموالھم	قافلہ آرہا ہے، جس مین ان کا مال ہے، چلو
فاخرجوا الیھا لعل اللہ ان	شاید خدا تم کو اس مین سے مال غنیمت دلوا دے
ینفلکموھا فانتدب الناس	لوگ آمادہ ہوئے، لیکن بعضون نے پہلو تہی
فخف بعضھم وثقل بعضھم	کی، کیونکہ وہ سمجھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
وذلک انھم لم یظنوا ان	کو کوئی لڑائی تو پیش نہین آئے گی،

(ابن ہشام [illegible])

لیکن یہ واقعات صریح آیات قرآنی کے خلاف ہین، قرآن مجید مین یہ تصریح موجود ہے، کہ جو لوگ مدینہ سے نکلتے ہوئے کسمساتے تھے، وہ عدم ضرورت کی وجہ سے نہین بلکہ اس وجہ سے کہ اُن کو یہ نظر آتا تھا کہ موت کے منہ مین جا رہے ہین،

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	اور مسلمانون کا ایک فریق نکلنے سے ناراض
لَكَارِهُوْنَ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ	تھا، وہ تجھ سے حق کے متعلق جھگڑتا تھا، بعد
بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ	اس کے کہ حق ظاہر ہوگیا تھا، وہ گویا موت
اِلَى الْمَوْتِ ۔ (انفال - ۱)	کی طرف ہنکائے جا رہے ہین،

(۶) تمام کتب احادیث اور سیر مین تصریح ہے کہ مدینہ منورہ سے ایک میل چل کر (مقام بیر ابی عنبہ مین) آپؐ نے فوج کا جائزہ لیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ اس بنا پر واپس بھیجدیئے گئے کہ اُن کی عمرین پندرہ برس سے کم تھین، یا یہ کہ سن بلوغ کو نہین پہنچے تھے، اگر صرف قافلہ کا لوٹنا مقصود ہوتا تو یہ کام نوخیز نوجوان زیادہ خوبی سے انجام دے سکتے ہین، لیکن چونکہ واقع مین جہاد مقصود تھا جو ایک فریضہ الٰہی ہے، اور اس کیلئے بلوغ کی

قید ہے اس لئے نابالغ لوگ واپس کر دیئے گئے کہ ابھی اس کے اہل نہین،

(۷) حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب[1] مین روایت کی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگون کو قافلۂ قریش پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تو خثیمہؓ نے جو ایک انصاری تھے اپنے بیٹے سعدؓ سے کہا کہ مجھے جانے دو، اور تم یہان مستورات کی خبرگیری کرو، سعدؓ نے کہا "حضور! اگر کوئی اور موقع ہوتا تو ضرور مین آپ کو اپنے اوپر ترجیح دیتا، لیکن یہ شہادت کا درجہ ہے مین اس کو کیونکر چھوڑ سکتا ہون" چنانچہ قرعہ اندازی ہوئی اور سعدؓ کے نام قرعہ نکلا، سعدؓ شریک جنگ ہو کر شہید ہوئے،

اس سے صاف ثابت ہے کہ قافلہ لوٹنا نہین بلکہ جہاد پیشِ نظر تھا، اور لوگون کو دولتِ شہادت کے حاصل ہونے کی آرزو ہے،

غزوۂ بدر کا اصلی سبب | عرب کا خاصۂ قومی تھا کہ جب کسی قبیلہ کا کوئی آدمی کسی طریقہ سے کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تھا تو ایک سخت ہنگامۂ کارزار قائم ہو جاتا تھا، دونون طرف بڑی دل اُمنڈ آتا تھا اور خون کی ندیان بہ جاتی تھین، یہ لڑائیان مدتون تک قائم رہتی تھین قبیلے کے قبیلے کٹ جاتے تھے، تاہم یہ سلسلہ بند نہین ہوتا تھا، عرب لکھے پڑھے نہ تھے تاہم مقتول کا نام کاغذ پر درج ہو کر، خاندان مین وراثۃً چلا آتا تھا، بچون کو یہ نام یاد کرایا جاتا تھا کہ بڑے ہو کر اس خون کا انتقام لینا ہے، داحس اور بسوس کی قیامت خیز لڑائیان جو چالیس چالیس برس قائم رہین اور جن مین ہزارون لاکھون جانین برباد ہو گئین، اسی بنا پر ہوئین،

[1] استیعاب تذکرۂ سعد بن خثیمہ اصابہ اور طبقات مین یہ واقعہ بہ اختلاف الفاظ منقول ہے،

عربی زبان میں اس انتقام کو ثار کہتے ہیں، اور یہ عرب کی قومی تاریخ کا سب سے بڑا اہم لفظ ہے، جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، حضرت عبداللہ بن جحش[1] کے واقعہ میں عمرو بن حضرمی قتل کر دیا گیا تھا، حضرمی عتبہ بن ربیعہ کا حلیف تھا جو تمام قریش کا سردار تھا، بدر اور تمام غزوات کا سلسلہ اسی خون کا انتقام تھا، عروہ بن زبیر (حضرت عائشہؓ کے بھانجے) نے اس واقعہ کو بتصریح بیان کیا ہے،

وکان الذی ھاج وقعۃ بدر	جس چیز نے غزوۂ بدر اور دیگر وہ تمام لڑائیاں
وسائر الحروب التی کانت بین	برپا کیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین مشرکی	عرب کے درمیان واقع ہوئیں، وہ جیسا کہ
قریش فیما قال عروۃ بن الزبیر	عروہ بن زبیر کا بیان ہے، عمرو بن حضرمی کا
ماکان من قتل واقد بن عبداللہ	قتل کیا جانا ہے جس کو واقد بن عبداللہ

التمیمی عمرو بن الحضرمی، (تاریخ طبری ۱۲۸۴) تیمی نے قتل کر دیا تھا،

ایک عام غلطی جس نے واقعۂ بحث طلب میں غلطی پیدا کر دی ہے یہ ہے کہ سب سے پہلے جو لڑائی کفار سے ہوئی وہ بدر تھی، حالانکہ بدر سے پہلے لڑائیاں شروع ہو چکی تھیں، عروہ بن الزبیر نے غزوۂ بدر کے متعلق عبدالملک کو جو خط لکھا تھا اس کے ابتدائی فقرے یہ ہیں،

[1] عبداللہ بن جحش جن کی سرداری میں یہ قتل واقع ہوا حضرت حمزہؓ کے بھانجے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں زاد بھائی تھے، قاتل یعنی واقد بن عبداللہ حضرت عمرؓ کے خاندان کے حلیف تھے اور حضرت عمرؓ کے آغاز خلافت تک زندہ رہے، دیکھو طبقات ابن سعد ذکر عبداللہ بن جحش و واقد بن عبداللہ،

ان ابا سفیان بن حرب اقبل	ابوسفیان بن حرب تقریباً ستر سوار کے ساتھ
من الشام فی قریب من سبعین	شام سے آرہا تھا، جو کل کے کل قریشی تھے،
راکبا من قبائل قریش فذکروا	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے اس کا
الرسول صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ	تذکرہ ہوا، اور دونوں فریق میں لڑائی
وقد کانت الحرب بینھم	شروع ہو چکی تھی، اور اُدھر کے چند لوگ
فقتلت قتلی وقتل ابن الحضرمی	جن میں ابن حضرمی بھی تھا، مارے جا چکے
فی اناس بنخلۃ واسرت اساری	تھے، اور کچھ قید بھی ہو چکے تھے ......
من قریش ... وکانت	.... اور اسی واقعہ
تلک الوقعۃ ھاجت الحرب	نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش
بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین	میں جنگ برپا کر دی تھی اور یہی سب سے
قریش واول ما اصاب بہ	پہلا واقعہ تھا جس میں دونوں فریق نے
بعضھم بعضاً من الحرب و	ایک دوسرے کو صدمہ پہنچایا، اور یہ
ذالک قبل مخرج ابی سفیان	لڑائی ابوسفیان کی روانگی شام سے
واصحابہ الی الشام (طبری ص ۱۲۸۵)	پہلے وقوع میں آچکی تھی،

اس میں تصریح ہے کہ ابوسفیان جب شام کو روانہ بھی نہیں ہوا تھا، اُسی وقت لڑائی شروع ہو چکی تھی، غزوۂ بدر ابوسفیان کی واپسی شام کے بعد واقع ہوا ہے، اصلیت واقعہ کی تحقیق کا سب سے بڑا اصلی ذریعہ یہ ہے کہ خود حریفان جنگ کی

شہادت بہم پہنچائی جائے، اس قسم کی شہادتین بہت کم ہاتھ آسکتی ہین، لیکن خوش قسمتی سے یہان اس قسم کی شہادت موجود ہے، حضرت حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) غزوۂ بدر مین شریک تھے اور اُس وقت تک کافر تھے، وہ عمر مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پانچ برس بڑے تھے، اور گو زمانۂ جاہلیت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت رکھتے تھے اور نبوت کے بعد بھی یہ محبت قائم رہی تاہم فتح مکہ تک ایمان نہین لائے، وہ رؤسائے قریش مین تھے، حرم کا ایک بڑا منصب یعنی رفادہ ان ہی کے ہاتھ مین تھا، دارالندوہ کے مہتمم اور مالک بھی وہی[1] تھے، وہ مروان بن حکم کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہے، ایک دفعہ وہ مروان سے ملنے گئے، مروان نے نہایت تعظیم و تکریم کی، صدر مجلس سے اُٹھ کر اُن کے پاس آبیٹھا اور کہا بدر کا واقعہ بیان کیجئے، انھون نے واقعہ کے ابتدائی حالات بیان کر کے کہا کہ جب ہماری فوجین میدان مین اُترین تو مین عتبہ کے پاس گیا، اور مین نے اس سے یہ کہا،

یا ابا الولید ھل لک ان تذھب	اے ابو الولید! کیا تم چاہتے ہو کہ تمام عمر کے لئے
بشرف ھذا الیوم ما بقیت، قال	ساری نیکنامی تم ہی کو ہاتھ آئے؟ عتبہ نے
وفعل ماذا؟ قلت انکم لا تطلبون	کہا کیونکر؟ مین نے کہا، تم (یعنی قریش) محمد
من محمد الا دم ابن الحضرمی وھو	سے ابن حضرمی کے خون کے سوا اور کچھ نہین
حلیفک فتحمل دیتہ فترجع	چاہتے اور وہ تمہارا حلیف تھا، اس لئے تم اس کا
بالناس[2]،	خون بہا ادا کر دو کہ سب لوگ واپس چلے جائین

---

[1] اصابہ تذکرۂ حکیم بن حزام [2] طبری صفحہ ۱۳۱۲ (و سیرۃ ابن ہشام بمضاہ ذکر غزوۂ بدر) "س"

عاصم نے یہ تجویز پسند کی، لیکن ابوجہل نے نہ مانا، اور حضرمی کے بھائی عامر حضرمی کو بلا کر کہا خون کا بدلا سامنے ہے، کھڑے ہو کر قوم سے دہائی دو، عامر عرب کے دستور کے موافق ننگا ہو گیا اور پکارا[1]،

واعمراہ واعمراہ — ہائے عمر (حضرمی) ہائے عمر!

آغاز جنگ کے وقت سب سے پہلے جو شخص میدان جنگ مین نکلا، وہ یہی عامر حضرمی تھا، حکیم بن حزام، اور عامر حضرمی غزوۂ بدر تک کافر تھے، عتبہ و ابوجہل جو سرداران قریش تھے، کفر پر تادم مرگ قائم رہے، اگر اس درجہ کے لوگ غزوۂ بدر کو حضرمی کے خون کا انتقام سمجھتے تھے اور سمجھتے رہے، تو ہم کو کچھ پروا نہین کرنی چاہئے کہ اورون نے جو اس کے سیکڑون برس بعد پیدا ہوئے اس کا سبب قافلۂ تجارت کا بچانا سمجھا، و شتان بینھما،

ایک ضروری نکتہ | گو یہ امر اب قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ غزوۂ بدر کا سبب کاروان تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا، تاہم اس گرہ کا کھولنا ضرور ہے کہ ایسے صاف اور صریح واقعہ کے متعلق تمام ارباب سیر نے متفقاً کیون غلطی کی؟ اور صحیح بخاری وغیرہ مین یہ تصریحات کیون پائی جاتی ہین کہ بدر کی ابتدا قافلہ ہی پر حملہ کرنے کی غرض سے ہوئی تھی،

اصل یہ ہے کہ اصول جنگ کے موافق، اکثر غزوات مین یہ ظاہر نہین کیا جاتا تھا کہ کدھر جانا اور کس غرض سے جانا مقصود ہے؟ صحیح بخاری (غزوۂ تبوک) مین حضرت کعب بن مالک جو مشہور صحابی ہین، اُن کا قول نقل کیا ہے،

---

[1] پوری تفصیل طبری صفحہ ۱۳۱۴ تا ۱۳۱۶ مین ہے،

ولم یکن رسول اللہ صلّی اللہ — اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم جب کسی

علیہ وسلم یرید غزوۃ الا ورّیٰ — غزوہ کا ارادہ فرماتے تھے تو کسی اور موقع

بغیرھا، — کا توریہ فرماتے تھے،

"توریہ" کے معنی شارحین بخاری نے یہ لکھے ہین کہ "آپ ایسے موقع پر مبہم اور محتمل المعنیین الفاظ استعمال فرماتے تھے"؛ گو میرے نزدیک یہ کلیہ اس معنی مین صحیح نہین تاہم واقعات کے استقصا سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ بعض موقعون پر واقعہ اس طرح مبہم رکھا جاتا تھا کہ لوگ مختلف قیاس پیدا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر مین سعد بن خثیمہ کو پہلے ہی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ قافلہ نہین بلکہ فوج کا مقابلہ ہے، بخلاف اس کے صحیح بخاری مین ان ہی کعب بن مالک کا قول منقول ہو کہ بدر مین صرف قافلہ سے تعرض کرنا مقصود تھا،

دیباچہ مین ہم لکھ آئے ہین کہ راوی (جس مین صحابہؓ بھی داخل ہین) بہت سے موقعون پر جو واقعہ بیان کرتا ہے، وہ حقیقت مین واقعہ نہین بلکہ اُس کا استنباط ہوتا ہے یعنی اس نے اس کو یون ہی سمجھا، بدر مین بھی یہی صورت پیش آئی اور اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہین کہ صحابہؓ نے مختلف قیاس کئے اور جو قیاس مذاق عام کے مناسب تھا وہی پھیل گیا،

بدر کے نتائج بدر کے معرکہ نے مذہبی اور ملکی حالت پر گوناگون اثرات پیدا کئے، اور حقیقت مین یہ اسلام کی ترقی کا قدم اوّلین تھا، قریش کے تمام بڑے بڑے رؤسا جن مین سے ایک ایک اسلام کی ترقی کی راہ مین سدِّ آہن تھا، فنا ہو گئے، عتبہ اور ابوجہل کی موت نے قریش کی ریاست عامہ کا تاج ابوسفیان کے سر پر رکھا، جس سے دولت اموی کا آغاز ہوا لیکن

قریش کے اصلی زور وطاقت کا معیار گھٹ گیا،

مدینہ مین اب تک عبداللہ بن ابی بن سلول علانیہ کافر تھا لیکن اب بظاہر وہ اسلام کے دائرہ مین آگیا، گو تمام عمر منافق رہا، اور اسی حالت مین جان دی، قبائل عرب جو سلسلۂ واقعات کا رُخ دیکھتے تھے اگرچہ رام نہین ہوے لیکن سہم گئے،

ان موافق حالات کے ساتھ مخالف اسباب مین بھی انقلاب شروع ہوگیا، یہود سے معاہدہ ہوچکا تھا کہ وہ ہر معاملہ مین یک سو رہین گے، لیکن اس فتح نمایان نے اُن مین حسد کی آگ بھڑکادی اور وہ اس کو ضبط نہ کرسکے، چنانچہ اس کی تفصیل یہودیون کے واقعات مین بالتفصیل آتی ہے،

قریش کو پہلے صرف حضرمی کا رونا تھا، بدر کے بعد ہر گھر ماتم کدہ تھا، اور مقتولین بدر کے انتقام کے لیے مکہ کا بچہ بچہ مضطر تھا، چنانچہ سَویق کا واقعہ اور اُحُد کا معرکہ اسی جوش کا مظہر تھا،

غزوۂ سویق، ذی الحجہ ۲ھ

ابوسفیان اب قریش کا رئیس تھا، اور اس منصب کا سب سے بڑا فرض، غزوۂ بدر کا انتقام تھا، اُس نے بدر سے مشرکین کی واپسی پر منّت مانی تھی کہ جب تک مقتولانِ بدر کا انتقام نہ لے گا، نہ غسل جنابت کرے گا، نہ سر مین تیل ڈالیگا، چنانچہ دو سو شتر سوارون کے ساتھ مدینہ پر بڑھا، یہود کی نسبت معلوم تھا کہ وہ مسلمانون کے مقابلہ مین مدد دین گے، اس لئے پہلے حُیَیّ بن اخطب کے پاس گیا، لیکن اُس نے دروازہ نہ کھولا، مایوس ہوکر سلّام بن مِشکَم کے پاس آیا، وہ یہود بنو نضیر کا سردار تھا، اور تجارتی خزانہ اسی کے زیر اہتمام رہتا تھا، اُس نے بڑے جوش سے استقبال کیا، خوشگوار کھانے کھلائے،

شراب پلوائی، مدینہ کے مخفی راز بتائے، صبح کو ابوسفیان عُریض پر حملہ آور ہوا، جو مدینہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر ہے، ایک انصاری کو جن کا نام سعدؓ بن عمرو تھا قتل کیا، چند مکانات اور گھانس کے انبار جلا دیئے، ان باتون سے اُس کے نزدیک قسم پوری ہوگئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ نے تعاقب کیا، ابوسفیان کے پاس رسد کا سامان صرف ستو تھا، گھبراہٹ مین ستو کے بورے پھینکتا گیا جو مسلمانون کے ہاتھ آئے، عربی مین ستو کو سویق کہتے ہین، اس لئے یہ واقعہ غزوۂ سویق کے نام سے مشہور ہو،

حضرت فاطمۂ زہرا کی شادی ذیحجہ ۲ ھ

حضرت فاطمہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیون مین سب سے کمسن تھین اب اُن کی عمر ۱۸ برس کی ہو چکی تھی، اور شادی کے پیغام آنے لگے تھے، ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، آپؐ نے فرمایا کہ جو خدا کا حکم ہوگا، پھر حضرت عمرؓ نے جرأت کی، ان کو بھی آپؐ نے کچھ جواب نہین دیا، بلکہ وہی الفاظ فرمائے، لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہین معلوم ہوتی، حافظ ابن حجر نے اصابہ مین ابن سعد کی اکثر روایتین حضرت فاطمہؓ کے حال مین روایت کی ہین، لیکن اس کو نظر انداز کر دیا ہے،

بہرحال حضرت علیؓ نے جب درخواست کی تو آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کی مرضی دریافت کی، وہ چپ رہین، یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا، آپؐ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمھارے پاس مہر مین دینے کے لئے کیا ہے، بولے کچھ نہین، آپؐ نے فرمایا" اور وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی (جنگ بدر مین ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہے، آپؐ نے فرمایا بس وہ کافی ہے،

ناظرین کو خیال ہوگا کہ بڑی قیمتی چیز ہوگی، لیکن اگر وہ اس کی مقدار جاننا چاہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ صرف سوا سو روپئے[1] زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علیؓ کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی، حضرت علیؓ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہراؓ کے نذر کیا، حضرت علیؓ اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس رہتے تھے، شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر لیں، حضرت حارثہؓ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے، جن میں سے وہ کئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کرچکے تھے، حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ انہی سے کوئی اور مکان دلوا دیجئے، آپؐ نے فرمایا کہ کہاں تک؟ اب اُن سے کہتے شرم آتی ہے، حضرت حارثہؓ نے سنا تو دوڑے آئے کہ حضور میں اور میرے پاس جو کچھ ہے، سب آپؐ کا ہی، خدا کی قسم میرا جو مکان آپؐ لے لیتے ہیں مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہجائے، غرض انھوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا، حضرت فاطمہؓ اس میں اُٹھ گئیں،

شہنشاہِ کونینؐ نے سیدۂ عالم کو جو جہیز دیا، وہ بان کی چارپائی، چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں، اور دو مٹی کے گھڑے،

حضرت فاطمہؓ جب نئے گھر میں جالیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس تشریف لے گئے، دروازہ پر کھڑے ہو کر اذن مانگا، پھر اندر آئے، ایک برتن میں پانی منگوایا، دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علیؓ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا، پھر حضرت

[1] غلطی سے پہلے اور دوسرے اڈیشن میں سوا روپیہ چھپ گیا ہی، اس کی تصحیح کر لی جائے، س)

فاطمہؓ کو بلایا، وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں، اُن پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل تر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے[1]،

واقعات متفرقہ ۲ھ رمورخین کے بیان کے مطابق اسی سال رمضان مبارک کے روزے فرض ہوئے،

صدقہ عیدالفطر کا حکم بھی اسی سال سے جاری ہوا، پہلے آپؐ نے ایک خطبہ دیا جس میں اس صدقہ کے فضائل بیان فرمائے، پھر صدقہ کا حکم دیا،

عیدالفطر کی نماز باجماعت عیدگاہ میں بھی اسی سال ادا فرمائی، اس سے پہلے عید کی نماز نہیں ہوتی تھی،

ارباب سیر کی ترتیب کے مطابق غزوۂ بنی قینقاع کا ذکر بھی اسی سال کے واقعات میں ہونا چاہئے تھا، لیکن اتصال و تسلسل واقعہ کی بناپر وہ آئندہ مذکور ہوگا)

---

[1] یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد اور اصابہ سے ماخوذ ہے،
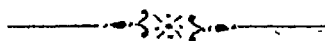
غزوۂ اُحُد[1]

(وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران)[2]

عرب مین صرف ایک شخص کا قتل لڑائی کا ایک سلسلہ چھیڑ دیتا تھا جو سینکڑون برس تک ختم نہین ہو سکتا تھا طرفین مین سے جس کو شکست ہوتی تھی وہ انتقام کو ایسا فرض مؤبّد جانتا تھا جس کے ادا کئے بغیر اس کی ہستی قائم نہین رہ سکتی تھی، بدر مین قریش کے ستّر آدمی مارے گئے تھے جن مین اکثر وہ تھے جو قریش کے تاج و افسر تھے، اس بنا پر تمام مکّہ جوشِ انتقام سے لبریز تھا،

قریش کا کاروانِ تجارت جو جنگ بدر کے زمانے مین نفع کثیر کے ساتھ شام سے واپس آرہا تھا، اس کا راس المال حصہ دارون کو تقسیم کر دیا گیا تھا لیکن زرِ منافع امانت کے طور پر محفوظ تھا،

قریش کو کشتگانِ بدر کے ماتم سے فرصت ملی تو اس فرض کے ادا کا خیال آیا، چند سردارانِ قریش جن مین ابو جہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا، اُن لوگون کو جن کے عزیز و اقارب

---

[1] مدینہ منورہ سے شمالی جانب قریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ کا نام ہے [2] (صحیح بخاری باب غزوۂ اُحُد مین ہے کہ یہ آیت غزوۂ اُحُد مین نازل ہوئی)

جنگ بدر مین قتل ہوچکے تھے، ساتھ لے کر ابوسفیان کے پاس گئے، اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
نے ہماری قوم کا خاتمہ کر دیا، اب انتقام کا وقت ہے، ہم چاہتے ہین کہ مال تجارت کا جو نفع
اب تک جمع ہے، وہ اس کام مین صرف کیا جائے، یہ ایک ایسی درخواست تھی جو پیش
ہونے سے پہلے قبول کرلی گئی تھی، لیکن قریش کو اب مسلمانون کے قوت وزور کا اندازہ
ہوچکا تھا، وہ جانتے تھے کہ جنگ بدر مین جس سامان سے وہ گئے تھے اُس سے اب کچھ
زیادہ درکار ہے، عرب مین جوش پھیلانے اور دلون کے گرمانے کا سب سے بڑا آلہ شعر
تھا، قریش مین دو شاعر، شاعری مین مشہور تھے، عمرو جمحی اور مسافع، عمرو جمحی غزوۂ بدر مین
گرفتار ہوگیا تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقتضاے رحم سے اس کو رہا کر دیا تھا،
قریش کی درخواست پر، وہ اور مسافع مکہ سے نکلے اور تمام قبائل قریش مین اپنی آتش بیانی
سے آگ لگا آئے،

لڑائیون مین ثابت قدمی اور جوش جنگ کا بڑا ذریعہ خاتونان حرم تھین، جس لڑائی
مین خاتونین ساتھ ہوتی تھین، عرب جانون پر کھیل جاتے تھے کہ شکست ہوگی تو عورتین
بے حرمت ہونگی، بہت سی عورتین ایسی تھین جن کی اولاد جنگ بدر مین قتل ہوچکی تھی،
اس لئے وہ خود جوش انتقام سے لبریز تھین اور انھون نے منتین مانی تھین کہ اولاد کے
قاتلون کا خون پی کر دم لین گے، غرض جب فوجین تیار ہوئین تو بڑے بڑے معزز گھرانون
کی عورتین بھی فوج مین شامل ہوئین، اُن مین سے بعض کے نام حسب ذیل ہین[۱]،

---

(۱) طبری (ج ۳ ق ۱ ص ۱۳۸۶) زرقانی (ج ۲ ص ۳۰) نے ان چھ خواتین کے سوا اسلا فہ بنت سعد اور عمرہ بنت علقمہ دو اور خاتون

۱- ہند ،	عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ماں
۲- اُمِّ حکیم ،	عکرمہ (فرزند ابوجہل) کی بیوی ،
۳- فاطمہ (بنت ولید)	حضرت خالدؓ کی بہن ،
۴- بَرزَہ ،	مسعود ثقفی جو طائف کا رئیس تھا، اسکی بیٹی
۵- رَیطہ ،	عمرو بن العاص کی زوجہ ،
۶- خناس ،	حضرت مُصعَبؓ بن عُمیر کی ماں ،

حضرت حمزہؓ نے ہند کے باپ عتبہ کو بدر میں قتل کیا تھا جبیر بن مطعم کا چچا بھی حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا، اس بنا پر ہند نے وحشی کو جو جبیر کا غلام اور حربہ اندازی میں کمال رکھتا تھا، حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگذاری کے صلہ میں وہ آزاد کردیا جائے گا ،

حضرت عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا گو اسلام لاچکے تھے، لیکن اب تک مکہ ہی میں مقیم تھے، انھوں نے تمام حالات لکھ کر ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجے، اور قاصد کو تاکید کی کہ تین رات دن میں مدینہ پہنچ جائے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں پہنچیں تو آپؐ نے پانچویں شوال ۳ھ کو دو خبررسان جن کے نام انس اور مونس تھے، خبر لانے کے لئے بھیجے، انھوں نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا اور مدینہ کی چراگاہ (عریض) کو ان کے گھوڑوں نے صاف کردیا ۔

آپ نے حبابؓ بن منذر کو بھیجا کہ فوج کی تعداد کی خبر لائیں، انھون نے آکر صحیح تخمینہ سے اطلاع دی، چونکہ شہر پر حملہ کا اندیشہ تھا، ہر طرف پہرے بٹھا دیئے گئے، حضرت سعدؓ بن عبادہ، اور حضرت سعدؓ بن معاذ ہتھیار لگا کر تمام رات مسجد نبوی کے دروازہ پر پہرہ دیتے

صبح کو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا، مہاجرین نے عموماً اور انصار مین سے اکابر نے رائے دی کہ عورتین باہر قلعون مین بھیجدی جائین اور شہر مین پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے عبد اللہ بن ابی بن سلول جو اب تک کبھی شریک مشورہ نہین کیا گیا تھا اس نے بھی یہی رائے دی، لیکن ان نوخیز صحابہ نے جو جنگ بدر مین شریک نہ ہو سکے تھے، اس بات پر اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر حملہ کیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر مین تشریف لے گئے اور زرہ پہنکر باہر تشریف لائے، اب لوگون کو ندامت ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاف مرضی نکلنے پر مجبور کیا، سب نے عرض کی کہ ہم اپنی رائے سے باز آتے ہین، ارشاد ہوا کہ پیغمبر کو زیبا نہین کہ ہتھیار پہن کر اُتار دے،

قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچے اور کوہ اُحد پر پڑاؤ ڈالا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھکر ایک ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے نکلے، عبد اللہ بن اُبی تین سو کی جمعیت لے کر آیا تھا لیکن یہ کہکر واپس چلا گیا کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میری رائے نہ مانی" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اب صرف سات سو صحابہؓ رہ گئے، ان مین ایک سو زرہ پوش تھے، مدینہ سے نکل کر فوج کا جائزہ لیا گیا، اور جو

ط طبری (ج ۳ ص ۱۳۸۹، مطبوعہ یورپ) س (۵) زرقانی ج ۲ ص ۲۵) س

لوگ کمسن تھے واپس کر دیئے گئے، ان مین حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت براءؓ بن عازب، حضرت ابوسعید خدری، حضرت عبداللہؓ بن عمر اور حضرت عرابہؓ اوسی بھی تھے، لیکن جان نثاری کا یہ ذوق تھا کہ نوجوانون مین سے جب حضرت رافعؓ بن خدیج سے کہا گیا کہ تم عمر مین چھوٹے ہو واپس جاؤ، تو وہ انگوٹھون کے بل تن کر کھڑے ہو گئے کہ قد اونچا نظر آئے، چنانچہ ان کی یہ ترکیب چل گئی اور وہ لے لئے گئے[1] سمرہؓ ایک نوجوان، جو ان کے ہمسن تھے، انھون نے یہ دلیل پیش کی کہ مین رافع کو لڑائی مین پچھاڑ لیتا ہون اس لئے اگر ان کو اجازت ملتی ہے تو مجھ کو بھی ملنی چاہیئے، دونون کا مقابلہ کرایا گیا اور سمرہؓ نے رافعؓ کو زمین پر دے مارا، اس بنا پر ان کو اجازت مل گئی،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُحد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی حضرت مصعبؓ بن عمیر کو علم عنایت کیا، حضرت زبیرؓ بن العوام رسالے کے افسر مقرر ہوئے، حضرت حمزہؓ کو اس حصۂ فوج کی کمان ملی جو زرہ پوش نہ تھے، پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن اُدھر سے آئین اس لیے پچاس تیراندازون کا ایک دستہ متعین فرمایا اور حکم دیا کہ گو لڑائی فتح ہو جائے تاہم وہ جگہ سے نہ ہٹین[2] حضرت عبداللہؓ بن جبیر ان تیراندازون کے افسر مقرر ہوئے،

قریش کو بدر مین تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے انھون نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی،

---

[1] طبری جلد ۲ صفحہ ۱۳۹۱ (یہ طبری کی روایت ہے لیکن بعض دوسری روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رافعؓ کو اجازت مل جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس نوجوانی ہی مین تیراندازی مین کمال رکھتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کا یہ حال معلوم ہوا تو ان کو شرکت کی اجازت دیدی، ابن ہشام ذکر غزوۂ اُحد، و زرقانی ج ۲ ص ۲۹ و بدایہ ابن کثیر ج ۴ ص ۱۵)

[2] ایضاً ص ۱۳۹۴،

میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا، میسرہ عکرمہ کو دیا جو ابوجہل کے فرزند تھے، سواروں کا دستہ صفوان بن اُمیّہ کی کمان میں تھا، جو قریش کا مشہور رئیس تھا، تیراندازوں کے دستے الگ تھے جن کا افسر عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا، طلحہ علمبردار تھا، دو سو گھوڑے کوتل رکاب میں تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئیں،

سب سے پہلے طبلِ جنگ کے بجائے خاتونانِ قریش دف پر اشعار پڑھتی ہوئی بڑھیں جن میں کشتگانِ بدر کا ماتم اور انتقامِ خون کے رجز تھے، ہند (ابوسفیان کی بیوی) آگے آگے اور چودہ عورتیں ساتھ ساتھ تھیں، اشعار یہ تھے،

نحنُ بناتُ طارق	ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں
نَمْشِی علی النمارق	ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں
ان تقبلوا نعانق	اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گے،
اَوْتُدبِروا نُفارِق	اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائینگے۔

لڑائی کا آغاز اس طرح ہوا کہ ابو عامر جو مدینہ منورہ کا ایک مقبولِ عام شخص تھا، اور مدینہ چھوڑ کر مکہ میں آباد ہو گیا تھا، ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ میدان میں آیا، اسلام سے پہلے زہد اور پارسائی کی بنا پر تمام مدینہ اس کی عزت کرتا تھا، چونکہ اُس کو خیال تھا کہ انصار جب اُس کو دیکھیں گے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دیں گے، میدان میں آکر پکارا "مجھ کو پہچانتے ہو؟ میں ابو عامر ہوں"۔ انصار نے کہا "ہاں او بدکار! ہم تجھ کو پہچانتے ہیں خدا تیری آرزو بر نہ لائے"۔

قریش کا علم بردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا "کیوں مسلمانو تم میں کوئی ہے؟ کہ یا مجھ کو جلد دوزخ میں پہنچا دے یا خود میرے ہاتھوں بہشت میں پہنچ جائے[1]، حضرت علی مرتضیٰ نے صف سے نکل کر کہا "میں ہوں"۔ یہ کہہ کر تلوار ماری اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی۔ طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان نے جس کے پیچھے پیچھے عورتیں اشعار پڑھتی آتی تھیں، علم ہاتھ میں لیا اور رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا

اِنَّ عَلٰی اَھْلِ اللِّوَاءِ حَقًّا	علم بردار کا فرض ہے کہ نیزہ کو خون
اَنْ تَخْضِبَ الصَّعْدَةَ اَوْتَنْدَقَّا	میں رنگ دے، یا وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے

حضرت حمزہ مقابلہ کو نکلے اور شانہ پر تلوار ماری کہ کمر تک اتر آئی، ساتھ ہی اُن کی زبان سے نکلا کہ "میں ساقیِ حجاج کا بیٹا ہوں"

اب عام جنگ شروع ہو گئی، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو دجانہؓ، فوجوں کے دل میں گھسے اور صفیں کی صفیں صاف کر دیں، حضرت ابو دجانہؓ عرب کے مشہور پہلوان تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دستِ مبارک میں تلوار لے کر فرمایا "کون اس کا حق ادا کرتا ہے؟" اس سعادت کے لئے دفعۃً بہت سے ہاتھ بڑھے، لیکن یہ فخر حضرت ابو دجانہؓ کے نصیب میں تھا، اس غیر متوقع عزت نے اُن کو بادۂ شجاعت سے مست کر دیا، سر پر سرخ رومال باندھا اور اکڑتے تنتے ہوئے فوج سے نکلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "یہ چال خدا کو سخت ناپسند ہے لیکن اس وقت پسند ہے"۔ حضرت ابو دجانہ فوجوں کو چیرتے لاشوں پر لاشے گراتے بڑھتے چلے جاتے تھے، یہاں تک کہ ہند سامنے آگئی، اس کے

[1] یہ اس بات پر طنز تھا کہ مسلمان ایسا سمجھتے ہیں،

سر پر تلوار رکھ کر اٹھالی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار اس قابل نہیں کہ عورت پر آزمائی جائے

حضرت حمزہؓ دو دستی تلوار مارتے جاتے تھے اور جس طرف بڑھتے تھے صفین کی صفین صاف ہو جاتی تھیں، اسی حالت میں سباغ غبشانی سامنے آگیا، پکارے کہ "او ختانۃ النسا کے بچے! کہاں جاتا ہے" یہ کہہ کر تلوار ماری وہ خاک پر ڈھیر تھا،

وحشی جو ایک حبشی غلام تھا، اور جس سے جبیر بن مطعم اس کے آقا نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حمزہ کو قتل کردے تو آزاد کر دیا جائے گا، وہ حضرت حمزہؓ کی تاک میں تھا حضرت حمزہ برابر آئے تو اس نے چھوٹا سا نیزہ جس کو حربہ کہتے ہیں اور جو حبشیوں کا خاص ہتھیار ہے پھینک مارا، جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا، حضرت حمزہؓ نے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے، اور روح پرواز کر گئی[1]

کفار کے علم بردار لڑ لڑ کر قتل ہو جاتے تھے، تاہم علم گرنے نہیں پاتا تھا، ایک کے گرنے سے پہلے دوسرا جانباز بڑھ کر علم کو ہاتھ میں لیتا تھا، ایک شخص نے جس کا نام صواب تھا جب علم ہات میں لیا تو کسی نے بڑھ کر اس زور سے تلوار ماری کہ دونوں ہاتھ ساتھ کٹ کر گر پڑے لیکن وہ قومی علم کو اپنی آنکھوں سے خاک پر نہیں دیکھ سکتا تھا علم کے گرنے کے ساتھ سینہ کے بل زمین پر گرا، اور علم کو سینہ سے دبالیا، اسی حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا کہ "میں نے اپنا فرض ادا کر دیا"[2] علم دیر تک خاک پر پڑا رہا، آخر ایک بہادر خاتون (عمرۃ بنت علقمہ) دلیرانہ بڑھی اور علم کو ہاتھ میں لے کر بلند کیا، یہ دیکھ کر ہر طرف سے قریش سمٹ آئے اور اکھڑے ہوئے پاؤں پھر جم گئے،

---

[1] صحیح بخاری باب قتل حمزہ، صفحہ ۵۸۳ [2] ابن ہشام وطبری (ج ۳ ص ۱۴۰۱) س ن

ابوعامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا لیکن اس کے بیٹے حضرت حنظلہؓ اسلام لا چکے تھے، انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باپ کے مقابلہ مین لڑنے کی اجازت مانگی، لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے، حضرت حنظلہؓ نے کفار کے سپہ سالار (ابوسفیان) پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ اُن کی تلوار ابوسفیان کا فیصلہ کر دے دفعۃً پہلو سے شداد بن الاسود نے جھپٹ کر اُن کے وار کو روکا اور اُن کو شہید کر دیا، تاہم لڑائی کا پلہ مسلمانون ہی کی طرف بھاری تھا، علم بردارون کے قتل اور حضرت علیؓ اور حضرت ابودجانہؓ کے بے پناہ حملون سے فوج کے پانون اکھڑ گئے، بہادر نازنینین جو رجز سے دلون کو ابھار رہی تھین بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹین اور مطلع صاف ہو گیا، لیکن ساتھ ہی مسلمانون نے لوٹ شروع کر دی، یہ دیکھ کر تیرانداز جو پشت پر مقرر کئے گئے تھے وہ بھی غنیمت کی طرف جھکے،

حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے بہت روکا لیکن وہ رک[1] نہ سکے، تیراندازون کی جگہ خالی دیکھ کر خالد نے عقب سے حملہ کیا، عبداللہ بن جبیرؓ چند جانبازون کے ساتھ جم کر لڑے لیکن سب کے سب شہید ہوئے، اب راستہ صاف تھا، خالد نے سوارون کے دستہ کے ساتھ نہایت بے جگری سے حملہ کیا، لوگ لوٹنے مین مصروف تھے، مڑ کر دیکھا تو تلوارین برس رہی تھین، بدحواسی مین دونون فوجین اس طرح باہم مل گئین کہ خود مسلمان مسلمانون کے ہاتھ سے مارے گئے، حضرت مصعب بن عمیرؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ اُحد، صفحہ ۵۷۹۔

مین مشاہ اور علم بردار تھے، ابن قمیہ نے اُن کو شہید کر دیا، اور غل مچ گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی، اس آواز سے عام بدحواسی چھا گئی، بڑے بڑے دلیرون کے پانون اکھڑ گئے، بدحواسی مین اگلی صفین پچھلی صفون پر ٹوٹ پڑین اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی حضرت حذیفہؓ کے والد (یمان) اس کشمکش مین آ گئے اور اُن پر تلوارین برس پڑین، حضرت حذیفہؓ چلاتے رہے کہ میرے باپ ہین، لیکن کون سنتا تھا، غرض وہ شہید ہو گئے، اور حضرت حذیفہؓ نے ایثار کے لہجہ مین کہا "مسلمانو! خدا تم کو بخش دے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا تو صرف گیارہ جان نثار پہلو مین ہین جن مین حضرت علی مرتضیؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت ابودجانہؓ، حضرت طلحہؓ کا نام بہ تخصیص معلوم ہے، صحیح بخاری مین یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ رہ گئے تھے،

اس ہلچل اور اضطراب مین، اکثرون نے تو بالکل ہمت ہار دی، لیکن جانبازون کا بھی زور نہین چلتا تھا، جو جہان تھا وہین گھر کر رہ گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی کو خبر نہ تھی، حضرت علیؓ تلوار چلاتے اور دشمنون کی صفین الٹتے جاتے تھے لیکن کعبۂ مقصود (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا پتہ نہ تھا، حضرت انسؓ کے چچا ابن نضر لڑتے بھڑتے موقع سے آگے نکل گئے، دیکھا تو حضرت عمرؓ[1] نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیا ہے، پوچھا یہان کیا کرتے ہو؟ بولے "اب لڑ کر کیا کرین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو شہادت پائی"۔ ابن نضر نے کہا اُن کے

[1] صحیح بخاری غزوۂ اُحد ص ۵۸۱ یہ عام ارباب سیر کی روایت ہے صحیح بخاری مین یہ واقعہ مذکور ہے لیکن حضرت عمرؓ کا نام نہین،

بعد ہم زندہ رہ کر کیا کرینگے" یہ کہہ کر فوج مین گھس گئے اور لڑکر شہادت پائی، لڑائی کے بعد جب اُن کی لاش دیکھی گئی تو اسّی سے زیادہ تیر، تلوار، اور نیزے کے زخم تھے، کوئی شخص پہچان تک نہ سکا، اُن کی بہن نے انگلی دیکھ کر پہچانا،

جان نثاران خاص برابر لڑتے جاتے تھے لیکن نگاہین سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ڈھونڈھتی تھین، سب سے پہلے حضرت کعبؓ بن مالک کی نظر پڑی، چہرۂ مبارک پر مغفر تھا لیکن آنکھین نظر آتی تھین، حضرت کعبؓ نے پہچان کر پکارا "مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہین" یہ سُن کر ہر طرف سے جان نثار ٹوٹ پڑے، کفار نے اب ہر طرف سے ہٹ کر اسی رُخ پر زور دیا، دَل کا دَل ہجوم کرکے بڑھتا تھا، لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا، ایک دفعہ ہجوم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کون مجھ پر جان دیتا ہے؟" زیاد بن سکن پانچ انصاری لے کر اس خدمت کے ادا کرنے کے لئے بڑھے، اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑکر جانین فدا کردین، حضرت زیادؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اُن کا لاشہ قریب لاؤ، لوگ اٹھا کر لائے، کچھ کچھ جان باقی تھی، قدمون پر منہ رکھدیا، اور اسی حالت مین جان دی

مجنون از رفتہ باشد زجہان نیاز مندے   کہ بوقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

(ایک بہادر مسلمان اس عالم مین بھی بے پروائی کے ساتھ کھڑا کھجورین کھا رہا تھا،

(سلہ صحیح بخاری غزوۂ اُحد صفحہ ۵۷۹ و صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۰۔ باب ثبوت الجنۃ للشہید) س ۵۲ صحیح مسلم غزوۂ اُحد مین ہے کہ سات انصاری تھے اور ساتون نے باری باری اپنی جانین فدا کین)

اُس نے بڑھ کر پوچھا کہ "یا رسول اللہ! اگر مین مارا گیا تو کہان ہون گا" آپ نے فرمایا "جنت مین" اس بشارت سے بیخود ہو کر وہ اس طرح کفار پر ٹوٹ پڑا کہ مارا گیا[1])

عبداللہ بن قمیئہ جو قریش کا مشہور بہادر تھا صفون کو چیرتا پھاڑتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آگیا اور چہرۂ مبارک پر تلوار ماری، اس کے صدمہ سے مغفر کی دو کڑیان چہرۂ مبارک مین چبھ کر رہ گئین، چارون طرف سے تلوارین اور تیر برس رہے تھے، یہ دیکھ کر جان نثارون نے آپ کو دائرہ مین لے لیا، ابو دجانہؓ جھک کر سپر بن گئے، اب جو تیر آتے تھے اُن کی پیٹھ پر آتے تھے، حضرت طلحہؓ نے تلوارون کو ہاتھ پر روکا، ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا، بے دردِ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر تیر برسا رہے تھے، اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے،

ربِّ اغفر قومی فانھم لا یعلمون[2] اے خدا میری قوم کو بخشدے وہ جانتے نہین

حضرت ابو طلحہؓ جو حضرت انسؓ کے علاتی باپ تھے، مشہور قدر انداز تھے، انھون نے اس قدر تیر برسائے کہ دو تین کمانین اُن کے ہاتھ مین ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئین، انھون نے سپر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر اوٹ کر لیا تھا کہ آپ پر کوئی وار نہ آنے پائے، آپ کبھی گردن اٹھا کر دشمنون کی فوج کی طرف دیکھتے تو عرض کرتے کہ آپ گردن نہ اٹھائین، ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے، یہ میرا سینہ سامنے ہے[3]، (حضرت سعدؓ وقاص بھی مشہور تیر انداز تھے، اور اس وقت آپ کے رکاب مین حاضر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ترکش اس کے آگے ڈال دیا، اور فرمایا "تم پر میرے مان باپ قربان"

[1] بخاری غزوۂ اُحد صفحہ ۵۷۹، [2] صحیح مسلم غزوۂ اُحد ج ۲ ص ۹۰، [3] صحیح بخاری غزوۂ اُحد صفحہ ۵۸۱،

تیر مارتے جاؤ۔[1]

اسی حالت میں آپ کی زبان سے عبرت کے لہجہ میں یہ لفظ نکلا "وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے جو اپنے پیغمبر کو زخمی کرتی ہے"۔ بارگاہ خداوندی میں یہ الفاظ پسند نہ آئے اور یہ آیت اتری۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ[2] تم کو اس معاملہ میں کچھ اختیار نہیں۔

چنانچہ صحیح بخاری غزوۂ اُحُد میں یہ واقعہ مذکور ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت قدموں کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے، کہ دشمن ادھر نہیں آسکتے تھے، ابوسفیان نے دیکھ لیا، فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا، لیکن حضرت عمرؓ اور چند صحابہؓ نے پتھر برسائے جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکا۔[3]

آپ کی وفات کی خبر مدینہ میں پہنچی تو اخلاص شعار نہایت بے تابی کے ساتھ دوڑے، جناب فاطمہ زہراؓ نے آکر دیکھا تو ابھی تک چہرۂ مبارک سے خون جاری ہے، حضرت علیؓ سپر میں بھر کر پانی لائے، جناب سیدہؓ دھوتی تھیں لیکن خون نہیں تھمتا تھا، بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا، اور زخم پر رکھدیا، خون فوراً تھم گیا۔[4]

ابوسفیان سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر پکارا کہ یہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ آپ نے حکم دیا کوئی جواب نہ دے، ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کا نام لے کر پکارا، اور جب کچھ آواز نہ آئی تو پکار کر بولا سب مارے گئے، حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا، بول اُٹھے، "او دشمنِ خدا! ہم سب زندہ ہیں"۔

ابوسفیان نے کہا،

اعل ھبل[1] — اے ہبل تو اونچا رہ،

صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کہا،

اللہ اعلیٰ واجل — خدا اونچا اور بڑا ہے،

ابوسفیان نے کہا

لنا العزّیٰ ولا عزّیٰ لکم — ہمارے پاس عزّیٰ[2] ہے، تمہارے پاس نہیں،

صحابہؓ نے کہا،

اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم، — خدا ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہیں،

ابوسفیان نے کہا آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے، فوج کے لوگوں نے مُردوں کے ناک کان کاٹ لئے ہیں، میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا، لیکن مجھ کو معلوم ہوا تو کچھ رنج بھی نہیں ہوا[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مستورات اور بچوں کو حضرت یمانؓ اور حضرت ثابتؓ کی حفاظت میں مدینہ کے پاس کے قلعوں میں بھیج دیا تھا، ان لوگوں کو شکست کی خبر معلوم ہوئی تو سب کو چھوڑ کر اُحد کی طرف بڑھے، حضرت ثابتؓ مشرکوں کے ہاتھ سے مارے گئے، حضرت یمانؓ کو مسلمان ہجوم عام میں پہچان نہ سکے، اُن پر تلواریں برس پڑیں، اُن کے صاحبزادے حضرت حذیفہؓ نے ہر چند "ہاں ہاں" کہا اور پہچنوایا کہ میرے باپ ہیں لیکن ہنگامہ میں کون سنتا تھا، حذیفہؓ یہ کہہ کر رہ گئے کہ "مسلمانو! خدا تمہارے اس گناہ کو بخشدے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یمانؓ کا خونبہا مسلمانوں کی طرف سے ادا کرنا چاہا، لیکن

---

[1] بُت کا نام [2] بُت کا نام ہے لفظی معنی عزت کے ہیں [3] یہ تمام تفصیل بخاری غزوۂ احد کے ذکر میں ہے،

حضرت حذیفہؓ نے معاف کر دیا، ابن ہشام میں یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے، صحیح بخاری میں بھی ہے لیکن مختصر ہے،

خاتونانِ قریش نے انتقامِ بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا، ان کے ناک کان کاٹ لیے، ہند (حضرت امیر معاویہؓ کی ماں) نے ان پھولوں کا ہار بنایا، اور اپنے گلے میں ڈالا، حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئی اور اُن کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا، اور چبا گئی، لیکن گلے سے اتر نہ سکا، اس لیئے اگل دینا پڑا، تاریخوں میں ہند کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا ہے، اسی بنا پر لکھا جاتا ہے، ہند فتح مکہ میں ایمان لائی، لیکن جس طرح ایمان لائی وہ عبرت خیز ہے تفصیل آگے آئے گی،

اس غزوہ میں اکثر خاتونانِ اسلام نے بھی شرکت کی، حضرت عائشہؓ اور حضرت اُمِّ سلیمؓ جو حضرت انسؓ کی ماں تھیں زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ اور اُمِّ سلیمؓ کو دیکھا کہ پائینچے چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، مشک خالی ہو جاتی تھی تو جا کر بھر لاتی تھیں[1]، ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت اُمِّ سلیطؓ نے بھی جو حضرت ابو سعید خدریؓ کی ماں تھیں یہی خدمت انجام دی[2]،

عین اس وقت جبکہ کافروں نے عام حملہ کر دیا تھا، اور آپؐ کے ساتھ صرف چند جاں نثار رہ گئے تھے، حضرت اُمِّ عمارہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہو گئیں کفار

---

[1] صفحہ ۵۸۱ کتاب المغازی غزوۂ اُحد) [2] صحیح بخاری صفحہ ۴۰۳ ذکر ام سلیطؓ،

جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں، ابن قمیئہ جب دراتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارہؓ نے بڑھ کر روکا، چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا، انھوں نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دُہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لئے کارگر نہ ہوئی،[1]

حضرت صفیہؓ (حضرت حمزہؓ کی بہن) شکست کی خبر سن کر مدینہ سے نکلیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ کو بلا کر ارشاد کیا کہ حمزہ کی لاش نہ دیکھنے پائیں، حضرت زبیرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا، بولیں کہ میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں، لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی، لاش پر گئیں، خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے لیکن اناللہ وانا الیہ راجعون، کہہ کر چپ ہو رہیں اور مغفرت کی دعا مانگی،[2]

انصار میں سے ایک عفیفہ کے باپ، بھائی، شوہر سب اس معرکہ میں مارے گئے تھے، باری باری تین سخت حادثوں کی صدا اس کے کانوں میں پڑتی جاتی تھی لیکن وہ ہر بار صرف یہی پوچھتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیر ہیں اس نے پاس آکر چہرۂ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھی،[3]

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ   تیرے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں،

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا   اے شہِ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

(مسلمانوں کی طرف ستر آدمی مارے گئے جن میں زیادہ تر انصار تھے، لیکن

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۸۰، مطبع محمد علی مصر) [2] طبری (۱۴۲۱) [3] طبری ص ۱۴۲۵،

مسلمانون کے افلاس کا یہ حال تھا کہ اتنا کپڑا بھی نہ تھا کہ شہدا کی پردہ پوشی ہوسکتی، حضرت مُصْعَبؓ بن عمیر ایک صحابی تھے کہ ان کا پانون چھپایا جاتا تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تو پانون کھل جاتا، آخر پانون اذخر کی گھاس سے چھپا دیئے گئے، یہ وہ حیرت انگیز منظر تھا کہ بعد کو بھی یہ واقعہ مسلمانون کو یاد آجاتا تو آنکھین تر ہو جاتین، شہدا بے غسل اسی طرح خون مین لتھڑے ہوئے دو دو ملا کر ایک ایک قبر مین دفن کئے گئے، جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اس کو مقدم کیا جاتا، ان شہدا پر نماز جنازہ بھی اس وقت نہین پڑھی گئی[1]، آٹھ برس کے بعد وفات سے ایک دو برس پہلے جب آپؐ ادھر سے گذرے تو بے اختیار آپؐ پر رقت طاری ہوئی، اور اس طرح آپؐ نے پُر درد کلمات فرمائے جیسے کوئی زندون اور مردون سے رخصت ہو رہا ہو، اور اس کے بعد آپؐ نے ایک خطبہ دیا کہ "مسلمانو! تم سے یہ خوف نہین کہ پھر مشرک بنجاؤ گے لیکن یہ ڈر ہے کہ دنیا مین نہ پھنس جاؤ"[2]

دونون فوجین جب میدان سے الگ ہوئین تو مسلمان زخم سے چور تھے تاہم یہ خیال کر کے کہ ابوسفیان مسلمانون کو مغلوب سمجھ کر دوبارہ حملہ آور نہ ہو، آپؐ نے مسلمانون کی طرف روے خطاب کر کے فرمایا کہ کون اُن کا تعاقب کرے گا، فوراً

---

[1] یہ صحیح بخاری کی روایت ہے لیکن دوسری کتابون مین بعض ایسی روایتین بھی ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ پر تو خصوصیت کے ساتھ اور دوسرے شہدا پر بھی نماز جنازہ پڑھی یہ شہدا ایک ایک کر کے اور بعض مین ہے کہ دس دس کر کے لائے جاتے تھے اور آپؐ اُن پر نماز جنازہ پڑھتے تھے، اور حضرت حمزہؓ کی لاش مبارک پر ہر جماعت کیساتھ گویا ستر دفعہ یا سات دفعہ نماز ادا کی گئی، شرح معانی الآثار طحاوی باب الصلوٰۃ علی الشہداء ونصب الرایہ زیلعی باب احادیث الصلوٰۃ علی الشہید و مغازی واقدی صفحہ ٣٠٠ مطبوعہ کلکتہ [2] ص ٢٠٠ یہ تمام واقعات صحیح بخاری غزوۂ اُحد کے متفرق ابواب مین ہین ،

ستر آدمیون کی ایک جماعت اس مُہم کے لئے تیار ہو گئی جن مین حضرت ابو بکرؓ و زبیرؓ بھی داخل تھے،

ابوسفیان اُحد سے روانہ ہو کر جب مقام روحا پہنچا یہان خیال آیا کہ کام ناتمام رہ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے گمان تھا، دوسرے ہی دن آپ نے اعلان کرادیا کہ کوئی واپس نہ جائے، چنانچہ حمراء الاسد تک جو مدینہ سے ۸میل ہے تشریف لے گئے قبیلۂ خزاعہ اس وقت تک ایمان نہین لایا تھا لیکن در پردہ اسلام کا طرفدار تھا، اس کا رئیس معبد خزاعی شکست کی خبر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوا، اور واپس جا کر ابوسفیان سے ملا، ابوسفیان نے اپنا ارادہ ظاہر کیا، معبد نے کہا مین دیکھتا آتا ہون محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سروسامان سے آرہے ہین کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے" غرض ابوسفیان واپس گیا، یہی واقعہ ہے جس کو مورخین نے تکثیر غزوات کے شوق مین ایک نیا غزوہ بنالیا ہے، اور حمراء الاسد کا ایک نیا عنوان قائم کیا ہے،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ مین تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا، آپ جس طرف سے گذرتے تھے گھرون سے ماتم کی آوازین آتی تھین، آپ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہین لیکن حمزہؓ کا کوئی نوحہ خوان نہین ہے، رقت کے جوش مین آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا،

امّا حمزۃ فلا بواکی لہٗ، لیکن حمزہ کا کوئی رونے والا نہین،

انصارؓ نے یہ الفاظ سُنے تو تڑپ اُٹھے، سب نے جا کر اپنی بیویون کو حکم دیا کہ دو لتکدہ

(۱؎ صحیح بخاری صفحہ ۵۸۴) ۲؎ س" ۵؎ طبری صفحہ ۱۴۲۸-۱۴۲۹ (۳؎ مسند احمد ج ۲ ص ۸۴) "س"

پر جا کر حضرت حمزہؓ کا ماتم کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینانِ انصار کی بھیڑ تھی، اور حضرت حمزہؓ کا ماتم بلند تھا، اُن کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا میں تمہاری ہمدردی کا شکر گذار ہوں، لیکن مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں، (عرب میں دستور تھا کہ مُردوں پر عورتیں زور زور سے نوحہ اور بین کرتی تھیں، کپڑے پھاڑ لیتی تھیں، گال نوچتی گالوں پر تھپڑ مارتی تھیں اور چیختی چلاتی تھیں، یہ رسم بد اسی دن سے بند کر دی گئی، اور فرمایا گیا کہ آج سے کسی مُردہ پر نوحہ نہ کیا جائے[1]، یہ بھی بعد کو ارشاد ہوا کہ اس طرح ماتم کرنا مسلمان کی شان نہیں[2])

(قرآن مجید میں سورۂ آل عمران میں غزوۂ اُحد کا مفصل ذکر موجود ہے)

واقعاتِ متفرقہ ۳ھ اس سال یعنی ۳ھ حضرت امام حسن (رضی اللہ عنہ) کی ولادت ہوئی، رمضان کی پندرہویں تاریخ تھی، اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے جو حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں اور غزوۂ بدر کے زمانہ میں بیوہ ہو گئی تھیں نکاح کیا، اسی سال حضرت عثمانؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے شادی کی،

وراثت کا قانون بھی اسی سال نازل ہوا، اب تک وراثت میں ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہ تھا، اُن کے حقوق کی بھی تفصیل کی گئی، مشرکہ کا نکاح مسلمان سے اب تک جائز تھا، اس سال اس کی بھی تحریم نازل ہوئی)

---

[1] ابن ہشام (غزوۂ اُحد) اور مسند احمد (ج ۲ ص ۴۰) [2] صحیح بخاری کتاب الجنائز "س"

سلسلۂ[1] غزوات و سرایا

تمام قبائل عرب، بجز ایک دو کے، اسلام کے دشمن تھے، دشمنی زیادہ تر اس بنا پر تھی کہ ہر قبیلہ بت پرستی کو اپنا دین و آئین سمجھتا تھا، اسلام اسی کو مٹاتا تھا، اس کے ساتھ قریش کا اثر تمام عرب پر تھا، حج کے زمانہ مین تمام قبائل مکہ مین جمع ہوتے تھے اور قریش ان کو اسلام کی دشمنی پر برانگیختہ کرتے تھے، ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ تمام قبائل کی وجہ معاش لوٹ اور غارتگری تھی، اور اسلام اس کو نہ صرف قولاً بلکہ عملاً بھی روکتا تھا، اس لئے وہ جانتے تھے کہ اسلام اگر قائم ہوگیا تو ہمارے ذرائع معاش بند ہو جائین گے، تاہم بدر کی فتح نے ایک عام رعب بٹھا دیا تھا، جس کی وجہ سے تمام قبیلے اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھ گئے، لیکن اُحد کی شکست نے حالت بدل دی اور دوبارہ تمام قبائل دفعۃً اٹھ کھڑے ہوئے، سیرت نبویؐ مین سرایا (چھوٹی چھوٹی لڑائیان) کا جو ایک وسیع سلسلہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے، اسی زنجیر کی کڑیان ہین، عام مورخون نے اگرچہ اپنی عادت کے موافق ان لڑائیون کے ذکر مین ان کے اسباب سے بحث نہین کی، لیکن ابن سعد نے

---

[1] غزوہ اور سریہ مین جو فرق ہے اس کی نسبت علمائے سیرت مختلف الرائے ہین، زیادہ مقبول رائے یہ ہے کہ جس واقعہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک ہوئے وہ غزوہ کے نام سے موسوم ہے اور جسمین صحابہ افسر مقرر کرکے بھیجدیئے جاتے تھے وہ سریہ کہلاتا تھا،

طبقات میں، اور اور ائمہ فن نے قریباً ہر واقعہ کا سبب لکھدیا ہے یعنی کسی خاص قبیلہ نے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدافعت کے لئے فوجیں بھیجیں،

۱- سب سے پہلے محرم ۴ھ میں طلحہ اور خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو فید کے کوہستانی علاقہ قطن میں رہتا تھا، مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے حضرت ابوسلمہ کو ایک سو پچاس مہاجرین اور انصار کے ساتھ اس طرف روانہ کیا، یہ خبر سن کر ان کی جماعت منتشر ہو گئی،[1]

۲- اس کے بعد محرم ۴ھ میں سفیان بن خالد جو قبیلہ لحیان کا تھا اور جو کوہستان عرنہ کا رئیس تھا، مدینہ پر حملہ کا قصد کیا، اس کے مقابلہ کے لئے آپ نے حضرت عبداللہ بن انیس کو بھیجا جنھوں نے لطائف الحیل سے موقع حاصل کیا اور سفیان کو قتل کر دیا،[2]

صفر ۴ھ میں ابو براء کلابی[3] جو قبیلہ کلاب کا رئیس تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور درخواست کی کہ چند لوگوں کو میرے ساتھ کر دیجئے کہ میری قوم کو اسلام کی دعوت دیں، آپ نے فرمایا "مجھ کو نجد کی طرف سے ڈر ہے"[4] ابو براء نے

---

[1] ابن سعد صفحہ ۳۵ (ج ۲ قسم اول) اصل عبارت یہ ہے بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان طلیحۃ وسلمۃ ابنی خویلد قد سارا فی قومھما ومن اطاعھما یدعونھم الی حرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [2] طبقات ابن سعد صفحہ ۳۶ - اصل عبارت یہ ہے وذلک انہ بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سفیان بن خالد الہذلی ... قد جمع الجموع لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [3] ابو براء بعد کو اسلام لائے یا نہیں اس میں اہل علم کا اختلاف ہے ذہبی کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ اسلام نہیں لائے، اصابہ میں ہے کہ ان کے قبول اسلام کی کوئی روایت نہیں ہے، تاہم بعض روایات کی بنا پر ایک جماعت کا خیال ہے کہ اسلام لائے تھے، زرقانی ج ۲ صفحہ ۸۵ [4] (اور یہ کچھ بیجا بھی نہ تھا عامر بن طفیل جو ان اطراف کا رئیس تھا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میرے تمہارے درمیان تین باتیں ہیں، بادیہ کے مالک تم ہو، اور شہروں کا میں ہوں، یا اپنے بعد مجھ کو اپنا جانشین بناؤ، ورنہ غطفان

کہا ان کا مین ضامن ہون" آپ نے منظور فرمایا، اور ستر انصار ساتھ کر دیئے، یہ لوگ نہایت مقدس اور درویش تھے، اور اکثر اصحاب صفہ مین سے تھے، اُن کا معمول تھا کہ دن بھر لکڑیان چنتے شام کو فروخت کر کے کچھ اصحاب صفہ کے نذر کرتے، کچھ اپنے لئے رکھتے،

ان لوگون نے بیر معونہ پہنچکر قیام کیا، اور حرام بن ملحان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دیکر عامر بن طفیل (بن مالک بن جعفر کلابی عامری) کے پاس بھیجا، جو قبیلہ کا رئیس تھا، عامر نے حرام کو قتل کر دیا، اور آس پاس کے جو قبائل تھے، یعنی عُصَیّہ، رعل، ذکوان، سب پاس آدمی دوڑا دیئے کہ تیار ہو کر آئین، ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا، اور عامر کی سرداری مین آگے بڑا، صحابہ حرام کی واپسی کے منتظر تھے، جب دیر لگی تو خود روانہ ہوئے، راستہ مین عامر کی فوج کا سامنا ہوا، کفار نے اُن کو گھیر لیا، اور سب[1] کو قتل کر دیا، صرف عمرو[2] بن امیہ کو عامر نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ "میری مان نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی مین تجھ کو آزاد کرتا ہون" یہ کہہ کر اُن کی چوٹی کاٹی اور چھوڑ دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس قدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر کبھی نہین ہوا، مہینہ بھر نماز فجر مین ان ظالمون کے حق مین بددعا کی، حضرت عمرو بن امیہ نے (واپسی مین راستہ مین بنی عامر کے) دو آدمیون کو قتل کر دیا تھا، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امان دے چکے تھے، مگر حضرت عمرو بن امیہ کو اس کا علم نہ تھا، وہ یہ سمجھے کہ ہم نے

(۱) صحابہ کی اس جماعت مین حضرت کعب بن زید بھی تھے، کفار نے سمجھا کہ یہ بھی شہید ہو گئے ہین، لیکن ان مین جان باقی تھی، اور بعد کو زندہ بچ گئے، اور غزوۂ خندق مین شہید ہوئے، زرقانی ج ۲ ص۸۷۔ س،

(۲) حضرت عمرو بن امیہ اور حضرت منذر بن محمد عقبہ انصاری پیچھے تھے، جب یہ مقام حادثہ پر پہنچے تو حضرت منذر کو شہید کر دیا گیا، اور حضرت عمرو بن امیہ کو قید کر لیا گیا اور بعد کو وہ چھوڑ دیئے گئے، زرقانی ج ۲ ص۸۷۔ س،

بنی عامر سے اُن کی اس بے وفائی کا بدلہ لیا جو انھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کیساتھ کیا ہی[1] (جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو) اس پر آپ نے ناراضی ظاہر فرمائی اور دونون کے خونبہا ادا کردینے کا اعلان فرمایا،

انھی دنون عضل اور قارہ جو دو مشہور قبیلے ہین، اُن کے چند آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کرلیا ہے، چند لوگون کو ہمارے ہان بھیجئے کہ اسلام کے احکام اور عقائد سکھائین، آپ نے دس شخص ساتھ کردیئے، جن کے سردار حضرت عاصمؓ بن ثابت تھے، یہ لوگ جب مقام رجیع پر پہنچے جو عسفان اور مکہ کے وسط مین ہی تو ان غدارون نے بدعہدی کی، اور قبیلہ بنو لحیان کو اشارہ کیا کہ ان کا کام تمام کردین، بنو لحیان دو سو آدمی لے کر جن مین ایک سو تیرانداز تھے، ان لوگون کے تعاقب مین چلے، اور ان کے قریب آگئے، ان لوگون نے بڑھ کر ایک ٹیکرے پر پناہ لی، تیراندازون نے اُن سے کہا کہ "اُترآؤ ہم تم کو امن دیتے ہین" حضرت عاصمؓ نے کہا "مین کافر کی پناہ مین نہین آتا" یہ کہہ کر خدا سے خطاب کیا کہ "اپنے پیغمبر کو خبر پہنچادے" غرض وہ مع سات آدمیون کے لڑکر تیراندازون کے ہاتھ سے شہید ہوئے، قریش نے چند آدمیون کو بھیجا کہ عاصمؓ کے بدن کا ایک لوتھڑا کاٹ لائین کہ اُن کی شناخت ہو، قدرت خداوندی نے شہید مسلم کی یہ تحقیر گوارا نہ کی، شہد کی مکھیون نے لاش پر پڑاؤ ڈال دیا، قریش ناکام پھر گئے، لیکن تین شخصون[2] نے جن

---

(1) البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۴ صفحہ ۷۳ زرقانی ج ۲ صفحہ ۹۲ (2) بخاری (کتاب المغازی) نے اس موقع پر جن تیسرے بزرگ کا ذکر کیا ہی، ان کا نام نہین لکھا ہی، ابن اسحاق نے ان کا نام حضرت عبداللہؓ بن طارق بتلایا ہی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہی کہ حضرت عبداللہؓ اسی وقت اسی موقع پر شہید کردیئے گئے، لیکن دوسری روایتون مین ہی کہ یہان سے آگے چل کر مکہ کے راستہ مین بمقام ظہران ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، زرقانی ج ۲ صفحہ ۷۶ ملخص،

(مین سے دو) کے نام حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ بن الدثنہ) تھے، کافرون کے وعدہ پر اعتماد کیا اور ٹیکرے سے اُتر آئے، کافرون نے بدعہدی کرکے اُن کی مشکین کس لین، اور مکہ مین لیجا کر بیچ ڈالا، حضرت خبیبؓ نے جنگ اُحد مین حارث بن عامر کو قتل کیا تھا، اس لئے اُن کو حارث کے لڑکون نے خریدا کہ باپ کے بدلہ مین قتل کرینگے، چند روز انہی کے گھر مین رہے، ایک دن حارث کی نواسی کو کھلا رہے تھے، اتفاق سے ہاتھ مین چھری تھی، بچی کی ماں اتفاقاً کہین سے آگئی، دیکھا کہ حضرت خبیبؓ کے ہاتھ مین ننگی چھری ہے، کانپ اٹھی حضرت خبیبؓ نے کہا "کیا تو یہ سمجھی کہ مین اس کو قتل کر دون گا؟ ہمارا یہ کام نہین"۔ خاندانِ حارث ان کو حرم کے حدود سے باہر لے گیا، اور قتل کرنا چاہا، انھون نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی قاتلون نے اجازت دی، انھون نے دو رکعت نماز پڑھ کر کہا "دیر تک پڑھنے کو جی چاہتا تھا لیکن تم کو خیال ہوگا کہ موت سے ڈرتا ہون" پھر یہ اشعار پڑھے،

وما ان ابالی حین اقتل مسلما	جب مین اسلام کے لئے قتل کیا جا رہا ہون
علی ای شق کان للہ مصرعی	تو مجھ کو اس کی پروا نہین کہ کس پہلو قتل کیا جاونگا،
وذلک فی ذات الالٰہ ان یشأ	یہ جو کچھ ہو خالصاً خدا کے لئے ہے اگر وہ چاہیگا تو
یبارک علی اوصال شلو ممزع	جسم کے اُن پارہ پارہ ٹکڑون پر برکت نازل کریگا،

اسی زمانہ سے دستور ہے کہ کسی کو قتل کرتے ہین تو مقتول پہلے دو رکعت نماز ادا

---

(۱) حارث کے بیٹے ابو سروعہ جنھون نے حضرت خبیبؓ کو شہید کیا تھا بعد کو مسلمان ہوئے اور شرفِ صحابیت سے سرفراز ہوئے، زرقانی ج ۲ صفحہ ۸) "اس" (کہ صحیح بخاری مین استرہ لکھا ہے) "اس"

کرلیتا ہے[2]، (اور یہ مستحب[3] سمجھا جاتا ہے)

دوسرے صاحب حضرت زیدؓ تھے، ان کو صفوان بن امیہ نے قتل کے ارادے سے خریدا تھا، ان کے قتل کے وقت قریش کے معزز سردار تماشا دیکھنے آئے، جن میں ابوسفیان بھی تھا، جب قاتل نے تلوار ہاتھ میں لی تو ابوسفیان نے کہا، "سچ کہنا اس وقت تمہارے بدلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کئے جاتے تو کیا تم اس کو اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے؟" بولے خدا کی قسم میں تو اپنی جان کو اس کے برابر بھی عزیز نہیں رکھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوؤں میں کانٹا چبھ جائے" صفوان کے غلام نسطاس[4] نے اُن کی گردن ماردی،

ان لڑائیوں کا سلسلہ یہود کی لڑائیوں سے مل جاتا ہے، اور چونکہ یہود کے واقعات اور ان کی سرگذشت تاریخ اسلام سے گوناگوں تعلقات رکھتی ہے، اس لئے ہم اُن کے واقعات مستقل حیثیت سے لکھتے ہیں اور اس غرض کے لئے کسی قدر ہم کو پچھلے زمانہ کی طرف واپس آنا پڑے گا،

---

[1] طبری صفحہ ۱۴۳۵ وطبقات ابن سعد، اشعار اور اکثر جزئیات واقعہ صحیح بخاری غزوۃ الرجیع سے لئے گئے ہیں نیز صحیح بخاری باب ہل یستاسر ومن لم یستاسر وصلی رکعتین عند القتل، (سلہ اس نماز کے استحباب کی اصل وجہ یہ ہو کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خبیبؓ کے اس فعل کی اطلاع ملی تو آپؐ نے اس کو پسند فرمایا (شرح سیر کبیر سرخسی اول ص۱۵۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس استحسان نے اس نماز کو استحباب کا درجہ عطا فرمایا، (الروض الانف ج۲) محدثین کی اصطلاح میں اس صورت حال کو تقریر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں یعنی حضور کے سامنے کوئی فعل کیا گیا ہو یا حضورؐ کی عدم موجودگی میں کیا گیا ہو اور حضورؐ کو اس کی اطلاع ملی ہو، مگر آپ نے اس پر انکار نہ فرمایا ہو تو اس سے بھی اس فعل کا مسنون و مستحب یا جائز ہونا سمجھا جائیگا) "س" [4] نسطاسؓ نے بعد کو اسلام قبول کیا، زرقانی ج۲ ص۷۴) "س"

واقعات متفرقہ سنہ | اسی سال شعبان میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی،

اسی سال ازواجِ مطہرات رضؓ میں سے حضرت زینب رضؓ بنت خزیمہ نے انتقال فرمایا آپ سے

اسی سال نکاح بھی ہوا تھا،

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو حکم دیا کہ وہ عبرانی زبان لکھنا پڑھنا سیکھ لیں، اور فرمایا کہ مجھ کو یہود پر اطمینان نہیں، تاریخوں میں لکھا ہے کہ حضرت زیدؓ نے صرف پندرہ دن میں عبرانی زبان سیکھ لی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں عبری زبان سے لوگ بہت کچھ آشنا تھے،

اسی سال شوال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا،

اسی سال یہودیوں نے آپ کے سامنے ایک یہودی کا مقدمہ پیش کیا، اور آپؐ نے توراۃ کے مطابق رجم کا حکم دیا، (تفصیل ان واقعات کی دوسرے حصوں میں آئیگی)

بعض مورخوں کے نزدیک شراب کی حرمت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا لیکن اس میں روایتیں نہایت مختلف ہیں، پوری تحقیق احکامِ شرعیہ کے ذکر میں آئے گی،

یہودیون کیساتھ معاہدہ اور جنگ

۲ھ و ۳ھ و ۴ھ

اوپر گذر چکا ہے کہ یہود، مدت دراز سے مدینہ پر فرمان روا تھے، انصار نے اگر اُن کے ساتھ تعلقات پیدا کئے اور رفتہ رفتہ حریفانہ اقتدار حاصل کیا، لیکن جنگ بعاث نے اُن کی قومی طاقت توڑ دی اور اب وہ اس قابل نہین رہے تھے کہ یہود سے ہمسری کا دعویٰ کر سکتے،

یہود کے تین قبیلے تھے، قینقاع، نضیر، قریظہ، یہ سب مدینہ کے اطراف اور حوالی مین آباد تھے، اور عموماً زمیندار، دولتمند، تجارت پیشہ اور صناع تھے، قینقاع زرگری کا پیشہ کرتے تھے، اور چونکہ سب سے زیادہ بہادر اور شجاع تھے اس لئے ہمیشہ اُن کے پاس اسلحہ جنگ کے ذخیرے مہیا رہتے تھے، انصار عموماً اُن کے مقروض اور زیر بار تھے، ملکی اور تجارتی افسری کے ساتھ اُن لوگون کا مذہبی اور علمی اثر بھی تھا، انصار عموماً بت پرست اور جاہل تھے، اس بنا پر وہ یہود کو عزت کی آنکھ سے دیکھتے، اور ان کو اپنے سے زیادہ مہذب اور شایستہ سمجھتے تھے، جن لوگون کے بچے زندہ نہین رہتے تھے، وہ منت مانتے تھے کہ ہمارا بیٹا زندہ رہے گا تو ہم اس کو یہودی بنا دین گے، چنانچہ مدینہ مین اس قسم کے بہت سے جدید الیہودیۃ موجود تھے[1]،

یہود مین امتداد زمانہ سے نہایت اخلاقِ ذمیمہ پیدا ہو گئے تھے، اُن کے امتیازی خصائص

---

[1] ابو داؤد (ج ۲ ص ۹) کتاب الجہاد باب الاسیر،

زندگی یہ تھے کہ ہر طرف لین دین کا کاروبار پھیلا رکھا تھا، اور تمام آبادی اُن کے قرضون مین زیر بار تھی اور چونکہ تنہا وہی صاحب دولت تھے اس لئے نہایت بے رحمی سے سود کی بڑی شرحین مقرر کرتے تھے اور قرضہ کی کفالت مین لوگون کے بال بچے یہان تک مستورات کو رہن رکھواتے تھے، کعب اشرف نے خود اپنے انصاری دوستون سے یہی درخواست کی تھی،[1] اور مختلف طریقون سے لوگون کے مال اور جائداد پر تصرف کرتے تھے،

طماعی اور حرص کی شدت سے یہ حالت تھی کہ معصوم بچون کو دو چار روپیے کے زیور کے لئے پتھر سے مار ڈالتے تھے،[2] دولت کی بہتات سے زنا اور بدکاری کا عام رواج تھا، اور چونکہ زیادہ تر امرا اس کے مرتکب ہوتے تھے اس لئے ان کو سزا نہین دے سکتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہاری شریعت مین زنا کی سزا صرف دُرہ مارنا ہے؟ اس نے کہا نہین بلکہ سنگسار کرنا ہے لیکن ہمارے شرفا مین زنا کی کثرت ہوگئی اور جب کوئی شریف اس جرم مین پکڑا جاتا تو ہم اس کو چھوڑ دیتے تھے، البتہ عام آدمیون کو یہ سزا دیتے تھے، بالآخر یہ قرار پایا کہ سنگسار کرنے کی سزا دُرہ سے بدل دی جائے تاکہ شریف اور رذیل سب کو یکسان سزا دیجا سکے،[3]

اسلام مدینہ مین آیا تو یہود کو نظر آیا کہ اب اُن کا جابرانہ اور خودغرضانہ اقتدار قائم نہین رہ سکتا، اسلام جس قدر روز بروز مدینہ مین پھیلتا جاتا تھا اسی قدر یہودیون کے مذہبی وقار

---

[1] بخاری و مسلم ذکر قتل کعب اشرف، [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۶ (کتاب الدیات، باب اذا قتل بحجر او بعصا) [3] اسباب النزول، واحدی صفحہ ۱۴۰ مصر (و صحیح مسلم ص ۹۴، ذکر رجم الیہود) مس۔

جو اُن کو مدتون سے حاصل تھا، زوال ہوتا جاتا تھا، مدینہ کے مشرکین مین یہودیت جو تدریجاً پھیل رہی تھی دفعۃً رک گئی، نئے نئے فتوحات کی بدولت انصار جس قدر دولتمند ہوتے جاتے تھے یہودیون کے قرض کے شکنجون سے آزاد ہوتے جاتے تھے، یہودیون مین جو اخلاق بد عموماً پھیلے ہوے تھے اور جن پر دولتمندی اور مذہبی پیشوائی نے پردہ ڈال رکھا تھا، اب ان کا راز فاش ہونے لگا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ ان سے معاہدہ کیا تھا کہ اُن کے جان ومال سے کچھ تعرض نہین کیا جائے گا، اور اُن کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی لیکن منصب نبوت کی حیثیت سے، ذمائم اخلاق پر وعظ اور تذکیر آپ کا فرضِ نبوت تھا، قرآن مجید مین ان کے اخلاق کی پردہ دری پر صاف صاف آیتین نازل ہوتی تھین،

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۔ (مائدہ - ۶)	وہ جھوٹ باتون کے سننے والے، اور مال حرام کے بڑے کھانے والے ہین،
وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ (مائدہ - ۹)	اور تو ان مین سے اکثرون کو دیکھیگا کہ گناہ اور تعدی کی طرف بڑی تیزی سے بڑھتے ہین،
وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (نساء - ۲۲)	اور چونکہ یہ سود خوری کرتے ہین حالانکہ ان کو سود سے منع کر دیا گیا تھا، اور چونکہ یہ لوگون کا مال خورد برد کر جاتے ہین،

ان اسباب نے تمام یہودیون مین اسلام کی طرف سے سخت ناراضی پھیلا دی،

انھون نے طرح طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتین دینی اور اسلام کے خلاف کوششین کرنی شروع کین لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا کہ اُن کی ہر طرح کی ایذا رسانیون کی برداشت کرین۔

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَٰبَ	اور اہل کتاب اور مشرکون سے تم بہت
مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوٓا۟	سی ایذا (کی باتین) سنوگے، اور اگر
أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِن تَصْبِرُوا۟ وَتَتَّقُوا۟	صبر کئے رہو، اور پرہیزگاری پر قائم

فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ (آل عمران ۱۹) رہو تو یہ ہمت کے کام ہین،

یہودیون نے معمول کر لیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام علیکم کرتے تو بجاے السلام علیک کے السام علیک کہتے تھے جس کے معنی یہ ہین کہ "تجھ کو موت آئے" ایک دفعہ حضرت عائشہؓ بھی موجود تھین، انھون نے سنا تو اُن کو سخت غصہ آیا، اور بے اختیار ہو کر بول اٹھین کہ "کمبختو! تم کو موت آئے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نرمی سے کام لو" حضرت عائشہؓ نے کہا "آپ نے کچھ سنا بھی کہ ان لوگون نے کیا کہا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہان لیکن یہ کافی ہے کہ مین نے علیک کہہ دیا،[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف مجاملت اور درگذر ہی پر اکتفا نہین فرماتے تھے، اکثر معاشرت کی باتون مین یہود کے ساتھ اتفاق فرماتے اور ان کی مذہبی توقیر قائم رکھنا چاہتے تھے، اہل عرب کی عادت تھی کہ بالون مین مانگ نکالتے تھے، بخلاف اس کے یہودی بالون کو یون ہی چھوڑ دیتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہودیون ہی کی موافقت کرتے تھے

[1] یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب مین مذکور ہے،

صحیح بخاری مین ہے،

وکان یحب موافقۃ اھل الکتاب	اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن چیزون مین جن مین
فیما لم یؤمر فیہ بشیٔ (بخاری	کوئی خاص حکم الٰہی نہین ہوتا تھا، اہل کتاب
کتاب اللباس باب الفرق) (ج ۲ ص ۸۷۷)	کی موافقت پسند فرماتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ مین تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے، آپ نے بھی حکم دیا کہ لوگ عاشورہ کا روزہ رکھین[1] کسی یہودی کا جنازہ گذرتا تو آپ تعظیماً کھڑے[2] ہوجاتے،

ایک دفعہ ایک یہودی نے حضرت موسیٰ کی فضیلت اس طرح بیان کی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہین، اس پر ایک انصاری کو غصہ آگیا، انھون نے اُس کو تھپڑ مارا، یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی آپ نے فرمایا مجھ کو اور پیغمبرون پر (ایسی) فضیلت نہ دو (جس سے ان کا نقص لازم آئے) قیامت کے دن لوگ بیہوش ہوجائین گے اور سب سے پہلے مجھ کو ہوش آئے گا، اس وقت مین دیکھون گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہین[3]"

احکام الٰہی جو قرآن مجید مین نازل ہورہے تھے اسرتاپا اہل کتاب کے ساتھ مدارات اور معاشرت کی ترغیب مین تھے،

---

[1] بخاری جلد اوّل صفحہ ۵۶۲ (باب اتیان الیہود النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین قدم المدینۃ) "ص" [2] بخاری (ج ۱ ص ۱۷۵) "ص" "کتاب الجنائز" [3] بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۶۰ تفسیر سورۂ اعراف،

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ	اور اہل کتاب کا کھانا تمھارے لئے حلال
حِلٌّ لَّكُمْ ، (مائدہ - ۱)	ہے ،

عموماً اُن کی قدر و منزلت کا خیال دلایا جاتا تھا ،

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ	اے بنی اسرائیل! میری نعمتوں کا خیال
الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ (بقرہ - ۶)	کرو جو میں نے تم کو دیں اور یہ کہ میں نے
فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۔	تم کو تمام عالم پر فضیلت دی ہے ،

تبلیغ اسلام کی حیثیت سے جو کچھ اس وقت اُن کے سامنے پیش کیا جاتا تھا صرف اس قدر تھا ،

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا	کہدو کہ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات
اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ	کی طرف آؤ جس کو ہم تم دونوں یکساں
اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ	مانتے ہیں، وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ
بِهٖ شَيْـًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا	پوجیں اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائیں
بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ	اور ہم میں سے کوئی خدا کو چھوڑ کر کسی کو اپنا
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا	رب نہ بنائے تو اگر وہ منہ پھیر لیں تو
بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ، (آل عمران - ۷)	تم کہدو کہ اچھا تم گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں

ان باتوں میں سے ایک بھی اُن کے معتقدات اور مزعومات کے خلاف نہ تھی لیکن ان تمام مہربانیوں اور اظہار لطف و مدارات کا جو صلہ تھا یہ تھا کہ انھوں نے ہر طرح سے

کر رہے تھے، چند یہودیون نے اس صحبت مین جا کر جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑا، یہ وہ لڑائی تھی جس مین انصار کے یہ دونون قبیلے آپس مین لڑے تھے، اور اسی لڑائی نے اُن کی تمام قوت برباد کر دی تھی، اس لڑائی کے تذکرہ نے دونون کو پرانے واقعے یاد دلائے اور دفعۃً عداوت کی دبی ہوئی آگ بھڑک اٹھی، لعن وطعن سے گذر کر تلوارین کھنچ گئین، حسن اتفاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی، آپ نے فوراً موقع پر پہنچکر وعظ وپند سے دونون فریق کو ٹھنڈا کیا، اس پر یہ آیت اتری[1]،

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِنْ تُطِیْعُوْا	مسلمانو! اگر تم اہل کتاب کے بعض لوگون
فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ	کا کہا مانو گے تو وہ تم کو ایمان لائے بعد
یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ (اٰل عمران)	پھر کافر بنا دین گے،

منافقین کا ایک گروہ پہلے سے موجود تھا، جو اگرچہ بظاہر مسلمان ہوگیا تھا لیکن درحقیقت اسلام کا سخت دشمن تھا، اس گروہ کا سردار عبداللہ بن اُبی بن سلول تھا، یہودیون نے اس کو نہایت آسانی سے درپردہ ملا لیا، اور اُن کے ساتھ مل کر سازش شروع کی، اتفاق یہ کہ عبداللہ بن اُبی پہلے سے بھی بنی نضیر کا حلیف اور ہم پیمان تھا،

قریش نے بدر سے پہلے عبداللہ بن اُبی کو لکھا تھا کہ "مسلمانون کو نکال دو، ورنہ ہم آکر تمہارا استیصال کر دین گے لیکن جب اس مین کامیابی نہین ہوئی جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے تو بدر کے بعد انھون نے یہود کو خط لکھا،

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ للحافظ ابن حجر العسقلانی مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۸۰،

انکم اهل الحلقة والحصون	تم لوگون کے پاس اسلحۂ جنگ اور قلعجات
وانکم تقاتلن صاحبنا او لنفعلن	ہین، تم ہمارے حریف (محمد صلی اللہ علیہ وسلم)
کذا وکذا، ولا یحول بیننا	سے لڑو ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ یہ کرینگے
وبین خدم نسائکم شیٔ[1]	اور یہ کوئی چیز ہم کو تمہاری عورتون کے
	گرون تک پہنچنے سے روک نہ سکے گی،

ابوداؤد نے چونکہ بنونضیر کے ذکر مین اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، اس لئے صرف بنونضیر کا نام لیا ہے، ورنہ قریش کا خط عام یہود کے نام تھا اور نتیجہ بھی عام تھا، اسی بنا پر محدث حاکم نے بنونضیر اور قینقاع دونون کے واقعہ کو ایک ہی واقعہ خیال کیا ہے، غرض آب حالت یہ ہوگئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راتون کو گھر سے نکلتے تھے تو یہودیون کی وجہ سے جان کا خطرہ رہتا تھا، حضرت طلحہؓ بن برا ایک صحابی تھے، (انھون نے انتقال کے وقت) وصیت کی کہ اگر مین رات کے وقت مرون تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہ کرنا اس لئے کہ یہود کی طرف سے ڈر ہے، ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے آپ پر حادثہ گذر جائے، چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ مین ابوداؤد وغیرہ کی سند سے پورا واقعہ نقل کیا ہے[2]،

شوال ۲ھ
غزوۂ بنی قینقاع

بدر کی فتح نے یہود کو زیادہ اندیشہ ناک کر دیا، ان کو علانیہ نظر آیا کہ اسلام اب ایک طاقت بنا جاتا ہے اور چونکہ قبائل یہود مین سب سے زیادہ جری اور بہادر قینقاع تھے[3]، اس لئے سب سے پہلے انہی نے اعلان جنگ کی

---

[1] سنن ابی داؤد، ذکر نضیر (کتاب الخراج والامارہ) ج ۲ص ۔ [2] دیکھو اصابہ ترجمہ طلحہ بن برا ۔ [3] طبقات ابن سعد ج ۲ قسم اول ص ۱۱ ۔

جرأت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معاہدہ کیا تھا سب سے پہلے انہی نے اس کی عہد شکنی کی، ابن ہشام وطبری نے ابن اسحاق کی روایت سے عاصم بن قتادہ انصاری کی روایت نقل کی ہے،

انّ بنی قینقاع کانوا اوّل یهود	بنو قینقاع پہلے یہود تھے جنہوں نے اس
نقضوا ما بینهم وبین رسول اللّٰه	معاہدہ کو جو اُن میں اور آنحضرت صلی اللہ
صلی اللّٰه علیه وسلّم وحاربوا فیما بین	علیہ وسلم میں تھا توڑ ڈالا، اور بدر اور
بدرٍ واُحدٍ،	اُحد کے درمیانی زمانہ میں مسلمانوں سے لڑے

ابن سعد نے غزوہ بنو قینقاع کے ذکر میں لکھا ہے،

فلمّا کانت وقعة بدرٍ اظهروا البغی والحسد ونبذوا العهد والمدة، (ابن سعد جلد مغازی صفحہ ۱۹)	واقعہ بدر میں یہودیوں نے شورش اور حسد ظاہر کیا اور عہد کو توڑ دیا،

ایک اتفاقیہ سبب پیش آگیا جس نے اس آگ کو اور بھڑکا دیا، ایک انصاری (کی بیوی) مدینہ کے بازار میں ایک یہودی کی دکان میں (نقاب پوش آئیں) یہودیوں نے اُن کی بے حرمتی کی، ایک مسلمان یہ دیکھ کر غیرت سے بیتاب ہو گیا اور اس نے یہودی کو مار ڈالا، یہودیوں نے مسلمان کو قتل کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو اُن کے پاس تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ "خدا سے ڈرو، ایسا نہ ہو تم پر بھی بدر والوں کی طرح عذاب آئے" بولے کہ "ہم قریش نہیں ہیں، ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی اس کا نام ہے" چونکہ ان کی طرف سے نقض عہد اور اعلانِ جنگ ہو گیا تھا مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کی، وہ قلعہ بند ہوئے، پندرہ دن تک محاصرہ رہا، بالآخر اس پر راضی ہوئے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ کرین گے، اُن کو منظور ہوگا، عبداللہ بن اُبی ان کا حلیف تھا، اس نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے درخواست کی کہ وہ جلاوطن کر دیئے جائین، غرض وہ اذرعات مین جو شام کے علاقہ مین ہے، جلاوطن کر دیئے گیے، یہ سات سو شخص تھے جن مین تین سو زرہ پوش تھے، یہ شوال سـ۲ـہ کا واقعہ ہے،

قتل کعب بن اشرف ربیع الاول سـ۳ـہ

یہودیون مین کعب بن اشرف ایک مشہور شاعر تھا، اس کے باپ اشرف نے جو قبیلۂ طے سے تھا، مدینہ مین بنو نضیر کا حلیف ہو کر اس قدر عزت اور اعتبار پیدا کیا، کہ ابو رافع ابن ابی الحقیق جو یہود کا مقتدا اور تاجر الحجاز جس کا خطاب تھا، اُس کی لڑکی سے شادی کی، کعب اس کے بطن سے پیدا ہوا، اس دوطرفہ رشتہ داری کی بنا پر کعب یہود اور عرب سے برابر کا تعلق رکھتا تھا، اور شاعری کی وجہ سے قوم پر اُس کا عام اثر تھا، رفتہ رفتہ دولتمندی کی وجہ سے تمام یہودیانِ عرب کا رئیس بن گیا، یہودی علماء اور پیشوایانِ مذہب کی تنخواہین مقرر کین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ مین تشریف لائے، اور علماے یہود اس سے ماہوارین لینے آئے تو اُس نے اُن لوگون سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رائے دریافت کی، اور جب اپنا ہمخیال بنا لیا تب اُن کے مقررہ روزینے جاری کئے،

ا عام ارباب سیر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو قتل کر دینا چاہتے تھے، عبداللہ ابن اُبی کے اصرار سے مجبور ہو گئے، لیکن سنن ابی داؤد مین جس طرح یہ واقعہ مذکور ہے، اس سے اس قیاس کی غلطی ثابت ہوتی ہے ۲ صحیح بخاری باب قتل الناکم المشرک ۳ الخمیس صفحہ ۴۰۴ ۴ زرقانی (ج ۲ ص ۹) بحوالہ ابن اسحاق وغیرہ،

اسکو اسلام سے سخت عداوت تھی، بدر کی لڑائی مین سرداران قریش مارے گئے، تو اُس کو نہایت صدمہ ہوا، تعزیت کے لئے مکہ گیا، کشتگان بدر کے پُر درد مرثیے جن مین انتقام کی ترغیب تھی، لوگون کو جمع کر کے نہایت درد سے پڑھتا اور روتا اور رُلاتا تھا،

ابن ہشام نے ان واقعات کے ساتھ اشعار بھی نقل کئے ہین، اگرچہ اس قسم کے اشعار اکثر مصنوعی ہین، تاہم جہان تک اس زمانہ کی زبان معلوم ہوتی ہے ہم ایک دو شعر نقل کرتے ہین

طحنت رحی بدر لمھلک اھلہ	جنگ بدر کی چکی نے اہل بدر کو پیس ڈالا،
ولمثل بدر تستھل وتدمع	بدر جیسے واقعات کے لئے رونا پیٹنا چاہئے،
کم قد اُصیب بہ من ابیض ماجد	کتنے شریف سپید و بارونق چہرے جن کے
ذی بھجۃ تأوی الیہ الضیع	یہان اہل حاجت پناہ لیتے تھے مارے گئے،

مدینہ مین واپس آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو مین اشعار کہنا، اور لوگون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف برانگیختہ کرنا شروع کیا،[1]

عرب مین شاعری کا وہ اثر تھا جو آج یورپ مین بڑے بڑے ملکی مدبرون کی پرجوش تقریرون اور نامور اخبارات کی تحریرون کا ہوتا ہے تنہا ایک شاعر قبیلہ کے قبیلہ مین شعر کے اثر سے آگ لگا دیتا تھا،

---

[1] ابوداؤد مین ہے، وکان کعب بن الاشرف یہجو النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویحرض علیہ کفار قریش، (ابوداؤد جلد دوم باب کیف کان اخراج الیھود کتاب الخراج والامارۃ) اور ابن سعد مین ہے کان رجلا شاعرا یہجو النبی واصحابہ ویحرض علیہم (تفسیر ابن جریر طبری ج ۵ صفحہ ۷۰) مین ہے، ان کعب بن اشرف انطلق الی المشرکین من کفار قریش فاستجاشھم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وامرھم ان یغزوہ الخ

ایک روایت مین ہے کہ مکہ مین چالیس آدمی لے کر گیا، وہان ابوسفیان سے ملا، اور اس کو بدر کے انتقام پر برانگیختہ کیا، اور ابوسفیان سب کو لے کر حرم مین آیا سب نے حرم کا پردہ تھام کر معاہدہ کیا کہ بدر کا انتقام لین گے[1]،

اس پر اکتفا نہ کر کے قصد کیا کہ چپکے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرا دے، علامہ یعقوبی اپنی تاریخ مین بنو نضیر کے واقعہ مین لکھتے ہین،

کعب بن الاشرف الیھودی الذی	کعب بن اشرف یہودی جس نے آنحضرت
اراد ان یمکر برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکے مین قتل کر دینا چاہا،

اس روایت کی تائید اُس روایت سے ہوتی ہے جو حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین[2] (ذکر کعب اشرف) مین عکرمہ کی سند سے نقل کی ہے کہ کعب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت مین بلایا اور لوگون کو متعین کر دیا، کہ جب آپ تشریف لائین تو دھوکے سے آپ کو ہلاک کر دین، حافظ ابن حجر نے گو لکھا ہے کہ اس روایت کی سند مین ضعف ہے، لیکن جب قرائن اور دیگر شواہد موجود ہین تو یہ ضعف رفع ہو جاتا ہے،

فتنہ انگیزی کا زیادہ اندیشہ ہوا تو آپ نے بعض صحابہؓ سے شکایت کی اور آپ کی مرضی سے حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے بہ مشورۂ روسائے اوس جا کر اُس کو ربیع الاول ۳؁ھ مین قتل کر دیا، ارباب روایت نے لکھا ہے کہ حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے آپ کی خدمت مین یہ بھی عرض کیا تھا کہ "ہم کو کچھ کہنے کی اجازت دی جائے" ارباب سیر نے اس کے معنی یہ لگائے ہین کہ انھون نے

---

[1] خمیس صفحہ ۱۰۵ غالباً یہ وہی پہلا واقعہ ہو، ابن خمیس نے اس کے متعلق مزید تفصیل بیان کی ہو[2] ج ۲ ص ۲۵۹ تا ۲۵۰ "
[2] ابن سعد، مغازی صفحہ ۲۱،

جھوٹ باتین کہنے کی اجازت مانگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی کیونکہ الحرب خدعۃ یعنی لڑائی مین دھوکا دینا جائز ہے، لیکن بخاری کی روایت مین صرف یہ لفظ ہے،

فاذن لی ان اقول، ہم کو اجازت دی جائے کہ ہم گفتگو کرین؛

اس سے غلط گوئی کی اجازت کہان نکلتی ہے؟ لیکن جو گفتگو ہوئی اُس سے کعب اور عموماً یہود کے اخلاق اور دلی خیالات کا پتہ چلتا ہے، حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا "ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دے کر تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا، اور ہم سے بار بار صدقہ مانگا جاتا ہے، اب تمھین سے کچھ رکھکر قرض لینا ہے" کعب نے کہا تم خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اکتا جاؤگے، اچھا قرض کے لئے اپنی بیویون کو رہن رکھو" محمد بن مسلمہ نے کہا "تمھارے اس حسن وجمال کے سبب سے ہم کو اپنی بیویون پر وفاداری کا یقین نہین"؛ اس نے کہا "اچھا اپنے بچون کو گرو رکھو" انھون نے کہا اس سے تو تمام عرب مین ہماری بدنامی ہوگی، ہم اپنے ہتھیار گرو رکھین گے، اور تم جانتے ہو آجکل ان کی جیسی ضرورت ہے"؛

صحیح بخاری مین جو روایت ہے اس مین قتل کا واقعہ اس طرح منقول ہے کہ ان لوگون نے دوستانہ طریقہ سے اس کو گھر سے باہر بلایا، پھر بال سونگھنے کے بہانہ سے اس کی چوٹی پکڑلی اور قتل کرڈالا، لیکن روایت مین یہ مذکور نہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتون کی اجازت دی تھی، اس وقت تک عرب مین ان طریقون سے قتل کرنا معیوب بات نہ تھی، آگے چل کر نہایت مفصل طور سے ایک مستقل عنوان مین یہ بحث آئے گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح تدریج کے ساتھ عرب کے ان طریقون کی اصلاح کی،

غزوۂ بنو نضیر
ربیع الاول ۴ھ

حضرت عمروؓ بن امیہ نے قبیلۂ عامر کے (جو) دو آدمی قتل کر دیئے تھے اور جن کا خونبہا اب تک واجب الادا تھا، اور جس کا ایک حصہ معاہدہ کی رو سے یہود بنی نضیر پر واجب الادا تھا، اس کے مطالبہؓ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے، انھون نے قبول کیا، لیکن درپردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے بالاخانہ پر چڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر گرا دے، اتفاق سے اُس وقت آپؐ بالاخانہ کی دیوار کے سایہ مین کھڑے تھے، عمرو بن حجاش ایک یہودی اس ارادہ سے کوٹھے پر چڑھا آپؐ کو اس کے ارادہ کا حال معلوم ہوگیا، اور آپؐ فوراً مدینہ واپس چلے آئے،[1]

اوپر گذر چکا ہے کہ قریش نے بنو نضیر کو کہلا بھیجا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دو ورنہ ہم خود آکر تمہارا ابھی استیصال کر دین گے، بنو نضیر پہلے سے اسلام کے دشمن تھے قریش کے پیغام نے ان کو اور زیادہ آمادہ کیا، بنو نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپؐ تین آدمیون کو لے کر آئین، ہم بھی اپنے احبار لے کر آئین گے، آپؐ کا کلام سُن کر اگر ہمارے احبار آپؐ کی تصدیق کرین گے تو ہم کو بھی کچھ عذر نہ ہوگا، چونکہ وہ بغاوت کی تیاری کر چکے تھے، آپؐ نے

(ملہ بنی نضیر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کے متعلق جو گفتگو فرمائی اس کی دو تشریحین کی گئی ہین، ایک تشریح تو وہ ہے جس کو مصنف نے اختیار فرمایا ہے، دوسری تشریح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر سے جو گفتگو فرمائی تھی اس کا ماحصل یہ ہے کہ قبیلۂ عامر کو دیت کس طرح ادا کی جائے اور ان کے یہان دیت کا دستور کیا ہے، بنی نضیر اور قبیلۂ عامر کے باہم تعلقات اچھے تھے اس لئے ان سے اس مسئلہ مین گفتگو قرین قیاس بھی ہے (سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص ۲) "ش" ملہ یہ روایت ابن ہشام وغیرہ مین مذکور ہے، زرقانی نے موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے جو صحیح ترین مغازی ہے یہ عبارت نقل کی ہے، وکانوا اقد دسّوا الی قریش فی قتال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحضوھم علی القتال ودلوھم علی العورۃ (زرقانی صفحہ ۹۳ جلد ۲) یعنی ان لوگون نے قریش سے درپردہ سازش کر کے ان کو آمادۂ جنگ کیا اور ان کو مخفی موقع بتائے،

کہلا بھیجا کہ جب تک تم ایک معاہدہ نہ لکھدو مین تم پر اعتماد نہین کرسکتا، لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوے، آپؐ یہود بنی قریظہ کے پاس تشریف لے گئے، اور ان سے تجدید معاہدہ کی درخواست کی، انھون نے تعمیل کی، بنو نضیر کے لئے یہ نظیر موجود تھی کہ اُن کے برادران دینی نے معاہدہ لکھدیا ہے، لیکن وہ کسی طرح معاہدہ کرنے پر راضی نہ ہوے[1]، بالآخر انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین پیغام بھیجا کہ آپؐ تین آدمی لے کر آئین، ہم بھی تین عالم ساتھ لے کر آتے ہین، یہ علما، اگر آپؐ پر ایمان لائین گے تو ہم بھی لائین گے، آپؐ نے منظور فرمایا، لیکن راہ مین آپؐ کو ایک صحیح ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہود تلوارین باندھ کر تیار ہین کہ جب آپؐ تشریف لائین تو آپؐ کو قتل کردین[2]،

بنو نضیر کی سرکشی کے مختلف اسباب تھے، وہ نہایت مضبوط قلعون مین پناہ گزین تھے، جن کا فتح کرنا آسان نہ تھا، اس کے ساتھ عبد اللہ بن اُبیّ نے کہلا بھیجا تھا کہ تم اطاعت نہ کرنا، بنو قریظہ تمھارا ساتھ دین گے، اور مین دو ہزار آدمی لے کر تمھاری اعانت کو آؤنگا۔

قرآن مجید مین ہے،

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ	تم نے دیکھا! منافق اپنے کافر بھائیون سے

---

[1] یہ تمام تفصیل سنن ابی داؤد (خبر النضیر کتاب الخراج والامارہ ص ") مین ہے، تعجب ہے کہ ارباب سیرت ابو داؤد کی اس روایت سے بالکل بے خبر ہین [2] فتح الباری واقعۂ غزوہ بنو نضیر جلد سابع صفحہ ۲۵۵، فتح الباری مین یہ روایت ابن مردویہ سے نقل کی ہے، اور لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، صحیح بخاری سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنو نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قسم کی عیاری کا ارادہ کیا تھا، بخاری مین ترجمۃ الباب یہ ہے باب حدیث بنی النضیر و مخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیھم فی دیۃ الرجلین وما ارادوا من الغدر برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ   کہتے ہیں کہ تم نکلو گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ

اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ   نکلیں گے، اور ہم تمہارے باب میں کسی کا کہنا

مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا   نہ مانیں گے، اور اگر تم سے کوئی لڑا تو ہم بھی

وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ، (سورۂ حشر-۲)   تمہاری مدد کو آئیں گے،

لیکن بنو نضیر کے تمام خیالات غلط نکلے، بنو قریظہ نے ان کا ساتھ نہیں دیا، اور منافق علانیہ اسلام کے مقابلہ میں آنہیں سکتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کیا، قلعہ کے گرد جو ان کے نخلستان تھے اُن کے چند درخت کٹوا دیئے، سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے کہ سب نخلستان نہیں کاٹا گیا، بلکہ صرف لینتہ جو ایک خاص قسم کی کھجور ہے، اور عرب کی عام خوراک نہیں ہے اُس کے درخت کٹوا دیئے گئے تھے، قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر ہے،

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا   تم نے لینتہ کے جو درخت کٹوائے اور جس قدر

قَآئِمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ   قائم رہنے دیئے سب خدا کے حکم سے تھا،

وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ، (سورۂ حشر-۱)   تاکہ خدا فاسقوں کو رسوا کرے،

ممکن ہے کہ درختوں کے جھنڈ سے کمین گاہ کا کام لیا جاتا ہو اس لئے وہ صاف کرا دیئے گئے کہ محاصرہ میں کوئی چیز حائل نہ ہو،[1]

(۱) مصنف کے اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام احمدؒ کے نزدیک درخت وغیرہ میدان جنگ میں اسی وقت کاٹے جاتے ہیں جبکہ ان کے بغیر چارہ کار نہ ہو، محدثین نے امام احمد کا یہ قول اسی واقعہ کے ضمن میں لکھا ہے، نیز اس موقع پر یہ بھی لکھا ہے کہ اسحاق کا قول ہے کہ اگر دشمن درختوں (کے آڑ) میں ہو تو ان میں آگ لگا دینا سنت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان ائمہ کے نزدیک اس موقع پر درخت کا کاٹنا جنگی ضرورت کا اقتضا تھا، (عمدۃ القاری ج ۸ صفحہ ۱۹۱) (س)

بالآخر بنو نضیر اس شرط پر راضی ہوئے کہ جس قدر مال و اسباب اونٹون پر لے جا سکین لے جائین، اور مدینہ سے باہر نکل جائین چنانچہ سب گھرون کو چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے، ان مین سے معزز رؤسا مثلاً سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع، حیی بن اخطب خیبر چلے گئے، وہان لوگون نے اُن کا اس قدر احترام کیا کہ خیبر کا رئیس تسلیم کر لیا[1]، اس واقعہ کو اس غرض سے یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ غزوۂ خیبر کی داستان کا دیباچہ ہے،

بنو نضیر اگرچہ وطن چھوڑ کر نکلے، لیکن اس شان سے نکلے کہ جشن کا دھوکا ہوتا تھا، اونٹون پر سوار تھے، ساتھ ساتھ باجا بجتا جاتا تھا، مطربہ عورتین دف بجاتی اور گاتی تھین، عروۃ بن الورد عبسی مشہور شاعر کی بیوی کو یہود نے خرید لیا تھا، وہ بھی ساتھ ساتھ تھی، اہل مدینہ کا بیان ہے کہ اس سروسامان کی سواری کبھی اُن کی نظر سے نہین گذری تھی[2]، ہتھیارون کا ذخیرہ جو ان لوگون نے چھوڑا، اس مین پچاس زرہین، پچاس خود، اور تین سو چالیس تلوارین تھین،

ان کے جانے کے بعد یہ جھگڑا پیش آیا کہ انصار کی اولاد جنھون نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا، اور یہودی ان کو اتحادِ مذہب کی وجہ سے ساتھ لئے جاتے تھے، انصار نے ان کو روک لیا کہ ہم ان کو نہ جانے دین گے، اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری،

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ، یعنی مذہب مین زبردستی نہین ہے،

ابو داؤد نے کتاب الجہاد "باب فی الاسیر یکرہ علی الاسلام" کے عنوان کے نیچے اس واقعہ کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے نقل کیا ہے،

---

[1] طبری صفحہ ۱۴۵۲، [2] یہ تفصیل طبری مین ہے، (ص ۱۴۵۲) "س"

۵ھ

غزوۂ مریسیع، واقعۂ افک، و غزوۂ احزاب

قریش اور یہود کی متفقہ سازش نے اب مکہ سے لیکر مدینہ تک آگ لگادی، جس قدر قبائل تھے سب نے مدینہ پر حملہ کی تیاریان شروع کردین، سب سے پہلے انمار اور ثعلبہ نے یہ ارادہ کیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی، ۱۰ محرم ۵ھ کو آپ مدینہ سے چار سو صحابہ کو لے کر نکلے اور ذات الرقاع تک تشریف لے گئے لیکن آپ کی آمد سُن کر وہ پہاڑون مین بھاگ گئے،[1]

ربیع الاول ۵ھ مین یہ خبر آئی کہ دومۃ الجندل مین کفار کی ایک عظیم الشان فوج جمع ہو رہی ہے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ہزار کی جمعیت لے کر مدینہ سے نکلے اُن کو خبر ہوئی تو وہ بھاگ گئے،

غزوۂ مریسیع، یا بنی مصطلق شعبان ۵ھ[2]

خزاعہ ایک قبیلہ تھا جو قریش کا حلیف اور ہم عہد تھا، قریش کو ایک زمانہ مین یہ خیال آیا کہ ہم ابراہیمؑ کی نسل سے ہین، اس لئے ہم کو اور ون سے

---

[1] ابن سعد غزوۂ ذات الرقاع صفحہ ۴۳ (صحیح بخاری سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع خندق کے بعد واقع ہوا، صلوٰۃ الخوف سب سے پہلے اسی غزوہ مین ادا کی گئی) ([2] ابن اسحاق نے جس کی پیروی طبری اور ابن ہشام نے بھی کی ہو، اس غزوہ کو ۶ھ مین ذکر کیا ہے موسیٰ بن عقبہ کی روایت ہو کہ ۵ھ مین واقع ہوا، امام بخاری نے

ہر باب مین ممتاز ہونا چاہیئے، حج کا ایک بڑا رکن عرفات کے میدان مین قیام کرنا ہے، لیکن چونکہ یہ میدان، حرم کی حدود سے باہر ہے، قریش نے یہ قاعدہ قرار دیا کہ لوگ عرفات جائین لیکن ہم کو عرفات کے بجاے مزدلفہ مین ٹھہرنا چاہیئے، جو حدود حرم کے اندر ہے، اسی قسم کی اور امتیازی باتین قائم کین، ان خصائص کی بنا پر اپنا لقب احمس رکھا، لیکن اس قدر فیاضی کی کہ جو لوگ ان پابندیون کو قبول کر لیتے تھے ان کو بھی یہ لقب دیدیتے، اور ان سے رشتہ ناتہ کرتے تھے، قبیلہ خزاعہ[1] کو بھی یہ شرف عطا کیا تھا،

خزاعہ کا ایک خاندان بنو المصطلق کہلاتا تھا، وہ مقام مریسیع مین جو مدینہ منورہ سے ۹ منزل ہے، آباد تھا، اس خاندان کا رئیس حارث بن ابی ضرار تھا، اس نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریان شروع کین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ہوئی تو مزید تحقیقات کے لئے حضرت زیدؓ بن خصیب کو بھیجا، انھون نے واپس آکر خبر کی تصدیق کی آپ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا، ۲ رشعبان کو فوجین مدینہ سے روانہ ہوئین، مریسیع مین خبر پہنچی تو حارث کی جمیعت منتشر ہوگئی، اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا، لیکن مریسیع مین جو لوگ آباد تھے، انھون نے صف آرائی کی اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے، مسلمانون نے دفعۃً ایک ساتھ حملہ کیا تو اُن کے پانون اکھڑ گئے (دس آدمی مارے گئے، اور باقی گرفتار ہوگئے، جن کی تعداد تقریباً ۶۰۰ سو تھی، غنیمت مین دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریان ہاتھ آئین[2]) یہ ابن سعد کی روایت ہے، صحیح بخاری[3] اور صحیح مسلم[4] مین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] یہ واقعات ابن ہشام نے تفصیل سے لکھے ہین (ص ۶۴ جلد اول) [2] ... [3] باب العتق [4] کتاب الجہاد والسیر،

نے بنو المصطلق پر اس حالت مین حملہ کیا کہ وہ بالکل بے خبر اور غافل تھے، اور اپنے مویشیون کو پانی پلا رہے تھے، ابن سعد[1] نے اس روایت کو بھی نقل کیا ہے لیکن لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے، اس پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین لکھا کہ صحیحین کی روایت پر سیرت کی روایتون کو ترجیح نہین ہوسکتی لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحیحین کی روایت بھی اصول حدیث کے روسے قابلِ حجت نہین کہ اس روایت کا سلسلہ نافع تک پہنچکر ختم ہوجاتا ہے، اور جنگ مین شریک ہونا تو ایک طرف، نافع نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھی نہ تھا، اس لئے یہ روایت اصطلاح محدثین مین منقطع ہے،

یہ لڑائی ایک معمولی لڑائی تھی لیکن اتفاق سے بعض شہرت پذیر واقعات ایسے پیش آئے، جن کی وجہ سے اس لڑائی کا خاص عنوان قائم کیا جاتا ہے، اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ غنیمت کے لالچ سے بہت سے منافقین بھی فوج مین داخل ہوگئے تھے، یہ بد باطن ہر موقع پر فتنہ گری کی کوشش کرتے تھے، ایک دن چشمہ سے پانی لینے پر ایک مہاجر اور انصاری مین جھگڑا ہوگیا، انصاری نے عرب کے قدیم طریقہ پر یاللانصار کا نعرہ مارا، (انصار کی جے) مہاجر نے بھی یا معاشر المہاجرین کے نعرہ سے جواب دیا، نعرے سن کر قریش وانصار نے تلوارین کھینچ لین، اور قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے لیکن چند لوگون نے بیچ بچاؤ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد مغازی ق ۲ ص ۴۵ ۔ ۲ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے صرف آغاز سند کو ملاحظہ فرما کر اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے، ورنہ متن حدیث کے بعد تصریح ہے کہ حدثنی ھذا الحدیث عبد اللہ ابن عمر وکان فی ذالک الجیش یعنی نافع نے اس روایت کو حضرت عبد اللہ بن عمر سے سنا جو اس لڑائی مین شریک تھے، (مسلم کتاب الجہاد و بخاری کتاب العتق) اس تصریح کے بعد یہ روایت منقطع نہین باقی رہتی ہے) "س"

کرادیا، عبداللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا، اس کو موقع ہاتھ آیا، انصار سے مخاطب ہو کر کہا "تم نے پالا خود مول لی، مہاجرین کو تم نے بلا کر اتنا کر دیا کہ اب وہ خود تم سے برابر کا مقابلہ کرتے ہیں، اب بھی ہاتھ سے نہیں گیا ہے، تم دستگیری سے ہاتھ اٹھا لو تو وہ خود یہاں سے نکل جائیں گے"!

یہ واقعہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، غصہ سے بیتاب ہو گئے اور عرض کی کہ کسی کو ارشاد ہو اس منافق کی گردن اڑا دے، آپ نے فرمایا کہ کیا تم یہ چرچا پسند کرتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھ والوں کو قتل کر دیا کرتے ہیں۔[1]

یہ عجیب بات ہو کہ عبداللہ بن اُبی جس درجہ کا منافق اور دشمن اسلام تھا، اس کے صاحبزادے کہ ان کا نام بھی عبداللہ تھا، اسی قدر اسلام کے جان نثار تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کی بنا پر یہ خبر پھیل گئی تھی کہ آپ عبداللہ بن اُبی کے قتل کا حکم دینے والے ہیں، یہ سن کر وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ دنیا جانتی ہے کہ میں باپ کا کس قدر خدمت گزار ہوں لیکن اگر یہ مرضی ہے تو مجھی کو حکم ہو میں ابھی اس کا سر کاٹ لاتا ہوں، ایسا نہ ہو کہ آپ کسی اور کو حکم دیں اور میں غیرت و محبت کے جوش میں آکر قاتل کو قتل کر دوں"۔ آپ نے اطمینان دلایا کہ قتل کی بجائے میں اس پر مہربانی کروں گا۔[2] یہ ارشاد اس طرح پورا ہوا کہ جب وہ مرا تو کفن کے لئے آپ نے خود پیراہن مبارک عنایت فرمایا۔

---

[1] دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۷۲۸ [2] یہ تمام واقعات نہایت تفصیل سے ابن سعد اور طبری نے لکھے ہیں اور صحیح بخاری کے مختلف ابواب میں بھی مذکور ہیں،

جنازہ کی نماز پڑھائی، حضرت عمرؓ نے دامن تھام لیا کہ منافق کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں، لیکن دریاے کرم کا بہاو کون روک سکتا تھا،

حضرت جویریہؓ کا واقعہ | لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوئے، اُن میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں، جو حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں، ابن اسحاق کی روایت ہے، جو بعض حدیث کی کتابوں میں بھی ہے کہ تمام اسیران جنگ لونڈی غلام بنا کر تقسیم کر دیئے گئے، حضرت جویریہؓ حضرت ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں، انھوں نے حضرت ثابتؓ سے درخواست کی کہ "مکاتبت کر لو یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو" حضرت ثابتؓ نے منظور کیا، حضرت جویریہؓ کے پاس روپیہ نہ تھا، چاہا کہ لوگوں سے چندہ مانگ کر یہ رقم ادا کر دیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی آئیں، حضرت عائشہؓ بھی وہاں موجود تھیں،

ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ کی زبانی روایت کی ہے جو یقیناً اُن کی ذاتی راے ہے کہ چونکہ حضرت جویریہؓ نہایت شیریں ادا تھیں میں نے اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے دیکھا تو سمجھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اُن کے حسن و جمال کا وہی اثر ہوگا جو مجھ پر ہوا، غرض وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں، آپؐ نے فرمایا اگر اس سے بہتر برتاو تمھارے ساتھ کیا جائے تو قبول کرو گی، انھوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا تمھاری طرف سے میں روپیہ ادا کر دوں اور تم کو اپنی زوجیت میں لے لوں، حضرت جویریہؓ نے کہا میں نے منظور کیا" آپؐ نے تنہا وہ تمام رقم ادا کر دی، اور ان سے شادی کر لی"

یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جو ابن ہشام اور ابوداؤد، دونوں میں موجود ہے،

لیکن دوسرے طریق روایت مین اس سے زیادہ واضح بیان مذکور ہے،

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہؓ کا باپ (حارث) رئیس عرب تھا حضرت جویریہ جب گرفتار ہوئین تو حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آیا، اور کہا کہ میری بیٹی کنیز نہین بن سکتی، میری شان اس سے بالاتر ہے، آپ اُس کو آزاد کردین، آپ نے فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ خود جویریہ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے، حارث نے جاکر جویریہ سے کہا کہ محمدؐ نے تیری مرضی پر رکھا، دیکھنا مجھ کو رسوا نہ کرنا، انھون نے کہا مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین رہنا پسند کرتی ہون" چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے شادی کرلی،

یہ روایت حافظ ابن حجر نے اصابہ مین، ابن مندہ سے نقل کرکے لکھا ہے کہ "اس کی سند صحیح ہے" ابن سعد مین بھی یہ روایت مذکور ہے، ابن سعد نے طبقات مین یہ روایت بھی کی ہے کہ حضرت جویریہؓ کے والد نے اُن کا زرِ فدیہ ادا کیا، اور جب وہ آزاد ہوگئین تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے نکاح کیا،

حضرت جویریہؓ سے جب آپ نے نکاح کیا تو تمام اسیران جنگ جو اہل فوج کے حصہ مین آگئے تھے دفعۃً رہا کر دیئے گئے، فوج نے کہا کہ جس خاندان مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کرلی وہ غلام نہین ہوسکتا[1]،

واقعۂ افک | واقعۂ افک یعنی حضرت عائشہؓ پر منافقین نے جو تہمت لگائی تھی، وہ اسی لڑائی سے واپسی مین پیش آیا تھا، احادیث اور سیر کی کتابون مین اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے

[1] سنن ابی داؤد کتاب العتق (باب فی بیع المکاتب اذ فسخت المکاتبۃ) ۱۲ س

نقل کیا ہے، لیکن جس واقعہ کی نسبت قرآن مجید مین صاف مذکور ہو، کہ سننے کے ساتھ لوگون نے یہ کیون نہیں کہدیا کہ "بالکل افترا ہے"۔ اس کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چندان ضرورت نہین، البتہ اس واقعہ سے یہ اندازہ کرنا چاہئے کہ محض جھوٹ اور بیہودہ خبر بھی کس طرح پھیل جاتی ہے، یہ خبر اصل مین منافقین نے مشہور کی تھی لیکن بعض مسلمان بھی دھوکے مین آگئے جن کو تہمت لگانے کی سزا دی گئی، جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ مین مذکور ہے،

آجکل کے عیسائی مورخون نے بھی قدیم منافقون کی طرح اس واقعہ کو اس جوشِ مسرت سے لکھا ہے کہ خود بخود اُن کے قلم مین روانی آگئی ہے، لیکن ہم اُن سے توقع بھی یہی کر سکتے تھے،

یہ تمام لڑائیان اُس عام جنگ کا پیش خیمہ تھین جو تمام عرب اور یہود متفقہ قوت سے کرنا چاہتے تھے اور جس کو جنگِ **احزاب** کہتے ہین،

غزوۂ احزاب
یعنی تمام عرب کی متحدہ جنگ
ذوقعدہ ۵ھ

بنو نضیر مدینہ سے نکل کر خیبر پہنچے تو انھون نے ایک نہایت عظیم الشان سازش شروع کی، اُن کے رؤسا مین سے سلام بن ابی الحُقیق، حُیَیّ بن اَخطب، کنانہ بن الربیع وغیرہ مکہ معظمہ گئے[1] اور قریش سے مل کر کہا "اگر ہمارا ساتھ دو تو اسلام کا

[1] طبری میں ہو کان الذی جرّ غزوۃ رسول اللہ الخندق فیما قیل ما کان من اجلاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی النضیر عن دیارھم (ج ۳ ص ۱۴۶۳) مغازی کی سب سے زیادہ معتبر کتاب مغازی موسیٰ بن عقبہ ہو، حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ج ۷ ص ۳۰۱) غزوۂ احزاب کے ذکر میں اس کی یہ عبارت نقل کی ہو، خرج حُیی بن اخطب بعد قتل بنی النضیر الی مکۃ یحرض قریشا علی حرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخرج کنانۃ بن الربیع بن ابی الحقیق یسعی فی بنی غطفان ویحضھم علی قتال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ان لھم نصف تمر خیبر فاجابہ عیینۃ بن حصن بن حذیفۃ بن بدر الفزاری الی ذلک وکتبوا الی حلفائھم من بنی اسد فاقبل الیھم طلحۃ بن خویلد فیمن اطاعہ، الخ،

استیصال کر دیا جا سکتا ہے" قریش اس کے لئے ہمیشہ تیار تھے، قریش کو آمادہ کر کے یہ لوگ
قبیلۂ غطفان کے پاس گئے اور ان کو لالچ دیا کہ خیبر کا نصف محاصل اُن کو ہمیشہ دیا کرینگے،
(اور یہ پہلے سے بھی تیار تھے، قصۂ غزوۂ معونہ مین یاد ہوگا کہ عامر رئیس قبیلہ نے اسی غطفان کے
حملہ کی دھمکی دی تھی[1]، اس لئے یہ فوراً تیار ہوگئے) بنو اسد غطفان کے حلیف تھے، غطفان
نے ان کو لکھ بھیجا کہ تم بھی فوجین لے کر آؤ، قبیلۂ بنو سُلَیم سے قریش کی قرابت تھی، اس تعلق
سے انھون نے بھی ساتھ دیا، بنو سعد کا قبیلہ یہود کا حلیف تھا، اس بنا پر یہود نے اُن کو
بھی آمادہ کیا، غرض تمام قبائل عرب سے لشکر گران تیار ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا، فتح البا ری
مین تصریح ہے کہ اُن کی تعداد (دس ہزار) تھی[2]،

یہ لشکر تین مستقل فوجون مین تقسیم (تھا) غطفان کی فوجین[3] عُیَینہ بن حصین فزاری کی کمان
مین تھین جو عرب کا مشہور سردار تھا، بنو اسد طُلَیحہ کی افسری مین تھے، اور ابو سفیان (بن حرب)
سپہ سالار کل تھا[4]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبرین سُنین تو صحابہ سے مشورہ کیا حضرت سلمان فارسی ایرانی
ہونے کی وجہ سے خندق کے طریقہ سے واقف تھے، انھون نے رائے دی کہ کھلے میدان مین

---

[1] صحیح بخاری غزوۃ الرجیع (۲؎ طبقات ابن سعد ج ۲ قسم اول ص ۴۷ و فتح الباری ج ۷ ص ۳۱۰) "س"
(۳؎ طبقات ابن سعد ج ۲ قسم اوّل ص ۴۷) "س" (۴؎ افسرون کی یہ تفصیل پورے لشکر کی نہین ہو بلکہ مصنف نے صرف
مشہور قبائل کے فوجی افسرون کا تذکرہ کر دیا ہے" اس سلسلہ مین مورخین نے دوسرے قبائل کے فوجی افسرون کے نام بھی
بتائے ہین، چنانچہ بنو سلیم سفیان بن عبد شمس کی افسری مین تھے، قبیلۂ اشجع کا سردار مسعود بن رخیلہ تھا، بنو فزارہ حارث بن
عوف کے ماتحت تھے، (حارث اور طُلَیحہ بعد کو مسلمان ہو گئے تھے زرقانی ج ۲ ص ۱۲۱، طبقات ابن سعد ج ۲ قسم اول ص ۴۷ "س")
۵؎ طبقات ابن سعد ج ۲ قسم اوّل ص ۴۷) "س"

نکل کر مقابلہ کرنا مصلحت نہین، ایک محفوظ مقام مین لشکر جمع کیا جائے اور گرد خندق کھود دی جائے

خندق دراصل فارسی کندہ کا معرب ہی جس کے معنی کھودے گئے کے ہین، کاف، خ، سے اور ہائے ہوز

قاف سے بدل گئی ہے، جس طرح پیادہ سے بیدق ہوگیا ہے،

تمام لوگون نے اس رائے کو پسند کیا، اور خندق کھودنے کے آلات مہیا کئے گئے،

مدینہ مین تین جانب مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا، جو شہر پناہ کا کام دیتا تھا، صرف

شامی رُخ کھلا ہوا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر اسی

مقام مین خندق کی تیاریان شروع کین، یہ ذو قعدہ ۵ھ کی ۸ تاریخ تھی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود خود قائم کئے، داغ بیل ڈال کر دس دس آدمیون پر

دس دس گز زمین تقسیم کی، خندق کا عمق پانچ گز رکھا گیا، بیس دن مین ۳ ہزار متبرک ہاتھون سے

انجام پائی،

یاد ہوگا کہ جب مسجد نبوی بن رہی تھی تو سرور دو جہان مزدورون کی صورت مین تھے،

آج بھی وہی عبرت انگیز منظر ہے، جاڑے کی راتین ہین، تین تین دن کا فاقہ ہے، مہاجرین اور

انصار اپنی پیٹھون پر مٹی لاد لاد کر پھینکتے ہین، اور جوش محبت مین ہم آواز ہو کر کہتے ہین،

نحن الذین بایعوا محمدا — علی الجھاد ما بقینا ابدا

سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی مٹی پھینک رہے ہین شکم مبارک پر گرد اَٹ گئی ہے، اسی حالت مین

یہ رجز زبان پر ہے،

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا — ولا تصدقنا ولا صلّینا

فانزلن سکینۃ علینا　　وثبت الاقدام ان لاقینا

ان الاُلی قد بغوا علینا　　اذا ارادوا فتنۃً ابینا

اَبَیْنَا کا لفظ جب آتا تھا تو آواز زیادہ بلند ہو جاتی تھی، اور مکرر کہتے تھے[1]، اس کے ساتھ انصار کے حق مین دعا بھی دیتے جاتے تھے اور یہ موزون الفاظ زبان پر آتے تھے،

اللّٰھم انہ لاخیر الاخیر الاٰخرۃ　　فبارک فی الانصار والمھاجرۃ

پتھر کھودتے کھودتے اتفاقاً ایک سخت چٹان آگئی کسی کی ضرب کام نہین دیتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تین دن کا فاقہ تھا اور پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا، آپؐ نے دستِ مبارک سے پھاوڑا مارا تو چٹان ایک تودۂ خاک تھی[2]،

سَلع کی پہاڑی کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی گئی، مستورات شہر کے محفوظ قلعون مین بھیج دی گئین، اور چونکہ بنو قریظہ کے حملہ کا اندیشہ تھا، اس لئے حضرت سلمہ بن اسلم ۲۰۰ آدمیون کے ساتھ متعین کئے گئے کہ ادھر سے حملہ نہ ہونے پائے،

بنو قُریظہ کے یہود اب تک الگ تھے لیکن بنو نضیر نے ان کے ملا لینے کی کوشش کی، حُیَیّ بن اخطب (حضرت صفیہؓ کا باپ) خود قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا، اُس نے ملنے سے انکار کیا، حُیَیّ نے کہا مین فوجون کا دریاے بیکران لایا ہون، قریش اور تمام عرب اُمنڈ آیا ہے، اور ایک محمدؐ کے خون کا پیاسا ہے، یہ موقع ہاتھ سے دینے کے قابل نہین، اب اسلام کا خاتمہ ہے"، کعب اب بھی راضی نہ تھا، اس نے کہا مین نے محمدؐ کو

[1] صحیح بخاری غزوۂ احزاب [2] ایضاً،

ہمیشہ صادق الوعد پایا، اُن سے عہد شکنی کرنا خلاف مروت ہے لیکن حیی کا جادو رائگان نہیں جاسکتا تھا،
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حال معلوم ہوا، تو تحقیق اور اتمام حجت کے لئے سعد بن معاذ اور حضرت
سعد بن عبادہ کو بھیجا اور فرمایا کہ اگر درحقیقت بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے، تو وہاں سے آکر
اس خبر کو مبہم لفظوں میں بیان کرنا کہ لوگوں میں بے دلی نہ پھیلنے پائے، دونوں صاحبوں نے
بنو قریظہ کو معاہدہ یاد دلایا، تو انھوں نے کہا ہم نہیں جانتے محمد کون ہیں اور معاہدہ کیا چیز ہے،
غرض بنو قریظہ نے اس بے شمار فوج میں اور اضافہ کر دیا، قریش، یہود، اور قبائل عرب
کی دس ہزار فوجیں تین حصوں میں تقسیم ہو کر مدینہ کے تین طرف اس زور و شور سے حملہ آور ہوئیں
کہ مدینہ کی زمین دہل گئی،

اس معرکہ کی تصویر خود اللہ تعالیٰ نے کھینچی ہے،

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ	جبکہ دشمن اوپر کی طرف اور نشیب کی طرف
مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ	سے آ پڑے اور جب آنکھیں ڈگنے لگیں،
وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ	اور کلیجے منہ میں آگئے، اور تم خدا کی نسبت
تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ	طرح طرح کے گمان کرنے لگے تب مسلمانوں
ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا	کی جانچ کا وقت آگیا، اور وہ بڑے زور
زِلْزَالًا شَدِيْدًا، (سورۂ احزاب - ۲)	کے زلزلے میں ڈال دیئے گئے،

فوج اسلام میں منافقوں کی تعداد بھی شامل تھی، جو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے لیکن
موسم کی سختی، رسد کی قلت، متواتر فاقے، راتوں کی بیخوابی، بیشمار فوجوں کا ہجوم، ایسے واقعات تھے،

جنھون نے اُن کا پردہ فاش کردیا، آ آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگنی شروع کی کہ ہمارے گھر محفوظ نہین، ہم کو شہر مین واپس چلے جانے کی اجازت دی جائے،

يَقُولُونَ اِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُرِيدُونَ اِلَّا فِرَارًا، (احزاب-۲)	کہتے ہین کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہین اور وہ کھلے نہین بلکہ اُن کو بھاگنا مقصود ہو،

لیکن جان نثارانِ اسلام کا طلاے اخلاص اسی کسوٹی پر آزمانے کے قابل تھا،

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُونَ الْاَحْزَابَ	جب مسلمانون نے قبائل کی فوجین دیکھین
قَالُوا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ	تو بول اُٹھے کہ یہ وہی ہو جس کا وعدہ خدا نے
وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَمَا	اور اس کے رسول نے کیا تھا اور خدا اور
زَادَهُمْ اِلَّا اِيمَانًا وَّتَسْلِيمًا،	اُس کا رسول دونون سچے تھے اور اس بات
(احزاب-۳)	نے اُن کے یقین اور اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا

قریبًا ایک مہینہ تک اس سختی سے محاصرہ قائم رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ پر تین تین فاقے گذر گئے، ایک دن صحابہ نے بیتاب ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے شکم کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے ہین، لیکن جب آپ نے شکم مبارک کھولا، تو ایک کے بجائے دو پتھر تھے،[1] محاصرہ اس قدر شدید اور پرخطر ہوگیا تھا کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگون سے خطاب کرکے فرمایا کہ کوئی ہے، جو باہر نکل کر محاصرین کی خبر لائے؟ تین دفعہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے، لیکن حضرت زبیرؓ کے سوا اور کوئی صدا نہین آئی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے

---

[1] شمائل ترمذی، عرب کی عادت تھی کہ سخت بھوک مین پتھر باندھتے تھے جس سے کمر نہین جھکنے پاتی تھی،

اسی موقع پر حضرت زبیرؓ کو حواری کا لقب دیا[1]،

محاصرین نے اُدھر تو خندق کا محاصرہ کر رکھا تھا، ادھر دوسری سمت اس غرض سے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے اہل و عیال یہین قلعون مین پناہ گزین تھے

محاصرین خندق کو عبور نہین کر سکتے تھے، اس لیے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے مختلف حصّون پر فوجین تقسیم کر دی تھین جو محاصرین کے حملون کا مقابلہ کرتی تھین، ایک حصّہ خود آپؐ کے اہتمام مین تھا،

محاصرہ کی سختی دیکھ کر آپؐ کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو انصار ہمت ہار جائین، اس لئے آپؐ نے غطفان سے اس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک ثلث اُن کو دیدیا جائے، حضرت سعدؓ بن عبادہ، اور حضرت سعدؓ بن معاذ کو جو رؤسائے انصار تھے بلا کر مشورہ کیا، دونون نے عرض کی کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہین لیکن اگر رائے ہے تو یہ عرض ہے کہ کفر کی حالت مین بھی کوئی شخص ہم سے خراج مانگنے کی جرأت نہ کر سکا اور اب تو اسلام نے ہمارا پایہ بہت بلند کر دیا ہے، یہ استقلال دیکھ کر آپؐ کو اطمینان ہوا، حضرت سعدؓ نے معاہدہ کا کاغذ ہاتھ مین لے کر تمام عبارت مٹا دی[2] اور کہا ان لوگون سے جو بن آئے

[1] صحیح بخاری ذکر غزوۂ احزاب (و صحیح مسلم کتاب الفضائل) لیکن ابن ہشام مین اس موقع پر حضرت حذیفہؓ بن یمان کا نام ہے، اس لئے محدثین مین ان دونون نامون کے واقعون کی تطبیق مین اختلاف ہے، حافظ ابن حجر اور زرقانی نے بدلائل یہ ثابت کیا ہے کہ محاصرین مین سے قریش کی تحقیق حال کے لئے حضرت حذیفہؓ اور بنو قریظہ کی تحقیق خبر کے لئے حضرت زبیرؓ گئے تھے، یہ تفصیل واقدی اور نسائی نے اپنی روایتون مین کی ہے۔ فتح الباری ج ۷ صفحہ ۳۱۲ زرقانی ج ۲ صفحہ ۱۳۵ (تس[1]) [2] طبری صفحہ ۱۴۷۴ (ج ۳)

کر دکھائین،

اب مشرکون کی طرف سے حملہ کا یہ انتظام کیا گیا کہ قریش کے مشہور جنرل یعنی ابوسفیان خالد بن ولید، عمرو بن العاص، ضرار بن الخطاب، ہبیرہ کا ایک ایک دن مقرر ہوا، ہر جنرل اپنی باری کے دن پوری فوج کو لے کر لڑتا تھا، خندق کو عبور نہین کر سکتے تھے، لیکن خندق کا عرض چونکہ زیادہ نہ تھا، اس لئے باہر سے پتھر اور تیر برساتے تھے،

چونکہ اس طریقہ مین کامیابی نہین ہوئی اس لئے قرار پایا کہ اب عام حملہ کیا جائے، تمام فوجین یکجا ہوئین، قبائل کے تمام سردار آگے آگے تھے، خندق ایک جگہ سے اتفاقاً کم عریض تھی، یہ موقع حملہ کے لئے انتخاب کیا گیا، عرب کے مشہور بہادرون یعنی ضرار، ہبیرہ، نوفل، عمرو بن عبدوُد نے خندق کے اس کنارے سے گھوڑون کو مہمیز کیا تو اس پار تھے، ان مین سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدوُد تھا، وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا، جنگ بدر مین زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لون گا بالون مین تیل نہ ڈالون گا۔ اس وقت اس کی عمر ۹۰ برس کی تھی، تاہم سب سے پہلے وہی آگے بڑھا، اور عرب کے دستور کے موافق پکارا کہ مقابلہ کو کون آتا ہے، حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا "مین"، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے، حضرت علیؓ بیٹھ گئے، لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہین آتا تھا، عمرو دوبارہ پکارا، اور پھر وہی صرف ایک صدا جواب مین تھی، تیسری دفعہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے، تو حضرت علیؓ نے عرض کی ہان مین جانتا ہون کہ یہ عمرو ہے، الغرض آپ نے اجازت دی، خود دست مبارک

سے تلوار عنایت کی، سر پر عمامہ باندھا،

عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا مین اگر مجھ سے تین باتون کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کرون گا، حضرت علیؓ نے عمرو سے پوچھا کہ کیا واقعی یہ تیرا قول ہے، پھر حسبِ ذیل گفتگو ہوئی،

حضرت علیؓ	مین درخواست کرتا ہون کہ تو اسلام لا،
عمرو،	یہ نہین ہوسکتا،
حضرت علیؓ	لڑائی سے واپس چلاجا،
عمرو	مین خاتونانِ قریش کا طعنہ نہین سُن سکتا،
حضرت علیؓ	مجھ سے معرکہ آرا ہو،

عمرو ہنسا، اور کہا مجھکو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائے گی، حضرت علیؓ پیادہ تھے، عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا، گھوڑے سے اُتر آیا اور پہلی تلوار گھوڑے کے پانون پر ماری کہ کونچین کٹ گئین، پھر پوچھا کہ تم کون ہو، آپنے نام بتایا، اس نے کہا مین تم سے لڑنا نہین چاہتا، آپ نے فرمایا "ہان" لیکن مین چاہتا ہون" عمرو اب غصہ سے بیتاب تھا، پرتلے سے تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر وار کیا، حضرت علیؓ نے سپر پر روکا، لیکن تلوار سپر مین ڈوب کر نکل آئی، اور پیشانی پر لگی، گو زخم کاری نہ تھا، تاہم طغرا آپ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا، قاموس مین لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پیشانی پر دو زخمون کے نشان تھے، ایک عمرو کے ہاتھ کا

اور ایک ابن ملجم کا، دشمن کا وار ہوچکا تو حضرت علیؓ نے وار کیا، اُن کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اُتر آئی، ساتھ ہی حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا، اور فتح کا اعلان ہوگیا، عمرو کے بعد ضرار اور جبیرۃ نے حملہ کیا، لیکن جب ذوالفقار کا ہاتھ بڑھا تو پیچھے ہٹنا پڑا، حضرت عمر فاروقؓ نے ضرار کا تعاقب کیا، ضرار نے مڑ کر برچھے کا وار کرنا چاہا، لیکن روک لیا اور کہا عمر! اس احسان کو یاد رکھنا،

نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا صحابہ نے تیر مارنے شروع کئے، اُس نے کہا مسلمانو! میں شریفانہ موت چاہتا ہوں" حضرت علیؓ نے درخواست منظور کی اور خندق میں اُتر کر تلوار سے مارا کہ شریفوں کے شایان تھا[1]

حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا، تمام دن لڑائی رہی، کفار ہر طرف سے تیر اور پتھروں کا مینھ برسا رہے تھے اور ایک دم کے لئے یہ بارش تھمنے نہ پاتی تھی یہی دن ہے جس کا ذکر احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متصل[2] چار نمازیں قضا ہوئیں متصل تیر اندازی اور سنگ باری سے جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا،

مستورات جس قلعہ میں تھیں بنو قریظہ کی آبادی سے متصل تھا، یہودیوں نے یہ دیکھکر کہ تمام جمعیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے قلعہ پر حملہ کیا، ایک یہودی قلعہ کے

---

[1] یہ حالات اگرچہ اجمالاً تمام کتابوں میں ہیں لیکن ہم نے جو تفصیل لکھی ہے ابن سعد اور خمیس سے ماخوذ ہے [2] اس امر میں محدثین میں سخت اختلاف ہو کہ چار نمازیں قضا ہوئیں یا ایک، اور چار قضا ہوئیں تو ایک ہی دن یا کئی دن، یا کئی دن کی ملاکر، زرقانی میں یہ بحث مفصل ہے،

پھاٹک تک پہنچ گیا، اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈھ رہا تھا حضرت صفیہؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی) نے دیکھ لیا، مستورات کی حفاظت کے لئے حضرت حسانؓ (شاعر) متعین کر دیئے گئے تھے، حضرت صفیہؓ نے اُن سے کہا کہ اُتر کر اس کو قتل کر دو، ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دے گا، حضرت حسانؓ کو ایک عارضہ ہو گیا تھا جس نے ان میں اس قدر جبن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، اس بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا کہ میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا، حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ لی اور اُتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا، حضرت صفیہؓ چلی آئیں اور حسانؓ سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ، حسانؓ نے کہا جانے بھی دیجئے مجھ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں، حضرت صفیہؓ نے کہا اچھا جاؤ اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو کہ یہودی مرعوب ہو جائیں، لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہؓ ہی کو انجام دینا پڑی، یہودیوں کو یقین ہوا کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج متعین ہے، اس خیال سے پھر انھوں نے حملہ کی جرأت[1] نہ کی،

محاصرہ کو جس قدر طول ہوتا جاتا تھا محاصرہ کرنے والے ہمت ہارتے جاتے تھے، دس ہزار آدمیوں کو رسد پہنچانا آسان کام نہ تھا، پھر باوجود سردی کے موسم کے اس زور کی ہوا چلی کہ طوفان آگیا، خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں کھانے کے دیگچے چولھوں پر اُلٹ اُلٹ جاتے تھے، اس واقعہ نے فوجوں سے بڑھ کر کام دیا، اسی بنا پر قرآن مجید نے اس بادِ صرصر کو عسکرِ الٰہی سے تعبیر کیا ہے،

---

[1] زرقانی بحوالہ طبرانی و بزار و ابو یعلی بہ سند حسن) دیکھو صفحہ ۱۲۹ جلد ۲، و ابن ہشام،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا	مسلمانو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو،
نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ	جب کہ تم پر فوجین آئین تو ہم نے اُن پر
جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَّ	آندھی بھیجی اور فوجین بھیجین جو تم کو دکھائی
جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا، (احزاب ۲)	نہین دیتی تھین،

نعیم بن مسعود اشجعی ایک غطفانی رئیس تھے، قریش اور یہود دونون اُن کو مانتے تھے، وہ اسلام لا چکے تھے لیکن کفار کو ابھی اس کا علم نہ تھا، انھون نے قریش اور یہود سے الگ الگ جا کر اس قسم کی باتین کین جس سے دونون مین پھوٹ پڑ گئی،

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ نعیم نے اس تفرقہ اندازی مین دونون سے (ایسی باتین کہین جن سے دونون ایک دوسرے سے بدگمان ہو جائین) اور اس بنا پر کہین کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ کی تعلیم کی تھی، لیکن ابن اسحاق نے روایت کی سند نہین نقل کی، اور اگر کرتے بھی تو ابن اسحاق کا یہ پایہ نہین کہ ایسا واقعہ محض اُن کی سند سے قبول کر لیا جائے، اس کے علاوہ واقعات اس قسم کے جمع تھے کہ دونون فریقون کا اتحاد بغیر اس کے توڑ دیا جا سکتا تھا، کہ کوئی غلط بات بیان کی جائے، ابن اسحاق کی روایت مین بھی اس قدر مذکور ہے کہ نعیم نے یہود سے کہا کہ قریش تو چار دن کے بعد یہان سے چلے جائین گے تمہارا اور مسلمانون کا ہموطنی کا ساتھ ہے، اس لئے تم کیون بیچ مین پڑ کر ہمیشہ کے لئے لڑائی مول لیتے ہو! اور اگر اس پر آمادہ ہی ہو تو قریش سے کہو کہ وہ کچھ معزز آدمی ضمانت کے طور پر تمہارے ہان بھجوا دین کہ اگر قریش لڑائی کا فیصلہ کئے بغیر جانا چاہین

توتم ان لوگوں کو روک لینا،

یہ بھی ظاہر ہے کہ یہود بنو قریظہ اوّل اوّل نقض عہد پر راضی نہ تھے اور کہتے تھے کہ ہم محمدؐ سے معاہدہ کیوں توڑیں، لیکن حیی بن اخطب نے اسی شرط پر ان کو راضی کیا تھا کہ "قریش چلے گئے تو میں خیبر چھوڑ کر تمہارے پاس آجاؤں گا" قریش اس قسم کی ضمانت نہیں منظور کر سکتے تھے، اس لئے جب انھوں نے انکار کیا ہوگا تو دونوں میں خود پھوٹ پڑگئی ہوگی، اس لئے ایک صحابی کو دروغ بیانی کی کیا ضرورت تھی[1]،

بہرحال موسم کی سختی، محاصرہ کا امتداد، آندھی کا زور، رسد کی قلت، یہود کی علیحدگی، یہ تمام اسباب ایسے جمع ہوگئے تھے کہ قریش کے پائے ثبات اب ٹھہر نہیں سکتے تھے ابوسفیان نے فوج سے کہا، رسد ہو چکی، موسم کا یہ حال ہے، یہود نے ساتھ چھوڑ دیا، اب

---

(۱) مصنف کے اس قیاس کی تائید مغازی موسیٰ بن عقبہ کی روایت سے ہوتی ہے جس کو مختصراً مصنف ابن ابی شیبہ میں اور تفصیل کے ساتھ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے، اس روایت کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنو قریظہ نے اس جنگ میں شرکت اسی شرط کے ساتھ کی تھی کہ قریش ضمانت کے طور پر اپنے کچھ معزز آدمی بنو قریظہ کے سپرد کریں گے، لیکن انھوں نے اپنی یہ شرط پوری نہیں کی اور اس لئے ان کے دل میں قریش کی طرف سے بے اطمینانی پیدا ہوئی، اور انھوں نے خفیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط کے ساتھ مصالحت کا پیغام بھیجا کہ بنو نضیر کو جو خیبر کو جلا وطن کر دیئے گئے تھے پھر مدینہ آنے کی اجازت دے دی جائے، نُعیم بن مسعود ثقفی جو اسی موقع پر مسلمان ہونے آئے تھے ایک ایسے آدمی تھے جو پیٹ کے ہلکے تھے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دانستہ راز کے طور پر بنو قریظہ کے اس مخفی پیغام کا ذکر فرما دیا، انھوں نے جا کر یہ قریش تک پہنچا دیا، اس سے قریش کو بنو قریظہ سے بدگمانی پیدا ہوگئی، اور اس طرح قریش اور بنو قریظہ کے اتفاق کا رشتہ ٹوٹ گیا، دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ کتاب المغازی باب غزوۂ خندق و البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۴ ص ۱۱۳ مصر "س"

محاصرہ بے کار ہے، یہ کہہ کر طبل رحیل بجنے کا حکم دیا، غطفان بھی اس کے ساتھ روانہ ہوگئے، بنو قریظہ محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے آئے اور مدینہ کا افق ۲۰-۲۲ دن تک غبار آلودہ کر صاف ہو گیا

وَرَدَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِغَیْظِھِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا وَکَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ ، (احزاب - ۳)

اور خدا نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کو کچھ ہاتھ نہ آیا اور مسلمانوں کو لڑنے کی نوبت نہ آنے دی،

اس معرکہ میں فوجِ اسلام کا جانی نقصان کم ہوا، لیکن انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا یعنی حضرت سعدؓ بن معاذ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے زخمی ہوئے اور پھر جان بر نہ ہو سکے ان کے زخم کھانے کا واقعہ مؤثر اور عبرت انگیز ہے،

حضرت عائشہؓ جس قلعہ میں پناہ گزین تھیں، حضرت سعدؓ بن معاذ کی ماں بھی وہیں ان کے ساتھ تھیں، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں قلعہ سے نکل کر باہر پھر رہی تھی، عقب سے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی، مڑ کر دیکھا تو سعد ہاتھ میں حربہ لئے جوش کی حالت میں بڑی تیزی سے بڑھے جا رہے ہیں اور یہ شعر زبان پر ہے،

لَبِّثْ قَلِیْلًا یَلْحَقُ الْھَیْجَا جَمَلْ[1] لَا بَأْسَ بِالْمَوْتِ اِذَا الْمَوْتُ نَزَلْ

ذرا ٹھہر جاؤ کہ لڑائی میں ایک اور شخص پہنچ جائے وقت جب آگیا تو موت سے کیا ڈر ہو

حضرت سعدؓ کی ماں نے سنا تو پکاریں بیٹا دوڑ کر جا تو نے دیر لگا دی، سعدؓ کی زرہ اس قدر چھوٹی تھی کہ ان کے دونوں ہاتھ باہر تھے، حضرت عائشہؓ نے سعدؓ کی ماں سے کہا کاش سعدؓ کی

---

[1] ابن ہشام و طبری وغیرہ،

زرہ لمبی ہوتی، اتفاق یہ کہ ابن العرقہ نے تاک کر کھلے ہوئے ہاتھ پر تیر مارا جس سے اکحل کی رگ کٹ گئی، خندق کا معرکہ ہو چکا تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن کے لئے مسجد کے صحن میں ایک خیمہ کھڑا کرایا اور اُن کی تیمارداری شروع کی۔[1] اس لڑائی میں رفیدہ ایک خاتون شریک تھین جو اپنے پاس دوائین رکھتی تھین، اور زخمیون کی مرہم پٹی کرتی تھین، یہ خیمہ اُنہی کا تھا اور وہ علاج کی نگران تھین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دستِ مبارک مین مشقص لیکر داغا لیکن پھر ورم کر آیا، دوبارہ داغا لیکن پھر فائدہ نہ ہوا کئی دن کے بعد یعنی بنو قریظہ کی ہلاکت کے بعد زخم کھل گیا اور انھون نے وفات پائی۔

بنو قریظہ کا خاتمہ

اوپر گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آغازِ قیام مین یہود کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور ان کو جان و مال و مذہب ہر چیز مین امن و آزادی بخشی لیکن جب قریش نے ان کو تحریض و تہدید کا خط لکھا تو وہ آمادۂ بغاوت ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگون سے تجدیدِ معاہدہ کرنی چاہی، بنو نضیر نے انکار کیا، اور وہ جلا وطن کر دیئے گئے، لیکن بنو قریظہ نے نئے سرے سے معاہدہ کر لیا،[2] چنانچہ اُن کو امن دیدیا گیا، صحیح مسلم مین ان واقعات

---

[1] یہ خمیس کا بیان ہے، حافظ ابن حجر نے اصابہ (ذکر رفیدہ) مین امام بخاری کی ادب المفرد سے نقل کیا ہے کہ رفیدہ ایک خاتون تھین جو زخمیون کا علاج کرتی تھین، حضرت سعدؓ انہی کے پاس علاج کے لئے رکھے گئے تھے، ابن سعد نے رفیدہ کے ذکر مین لکھا ہے کہ ان کا ایک خیمہ مسجد نبویؐ کے پاس تھا، اسی مین وہ بیمار دن اور زخمیون کا علاج کرتی تھین، صحیح بخاری مین بھی رفیدہ کے خیمہ اور ان کے جراح خانہ کا ذکر ہے، [2] مسلم باب الشداوی [3] واقدی نے حیی بن اخطب کی زبانی بنو قریظہ کے اس معاہدہ کر کے ٹھہر جانے کے واقعہ کو اُن کی سازشی چال ظاہر کیا ہے، حیی ابن اخطب نے کہا کہ وہ اس لئے ٹھہر گئے ہین، تاکہ موقع پا کر کفار سے مل کر مسلمانون پر حملہ کر سکین، مغازی واقدی صفحہ ۳۶۲، کلکتہ) "س"

کو اختصار کے ساتھ ان الفاظ مین بیان کیا ہے،

عن ابن عمر ان یھود بنی النضیر	حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ
وقریظۃ حاربوا رسول اللہ	بنو نضیر اور قریظہ کے یہود نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم فاجلی رسول اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کی تو آپ نے بنونضیر
صلی اللہ علیہ وسلم بنی النضیر واقر	کو جلا وطن کر دیا، اور قریظہ کو رہنے دیا
قریظۃ ومنّ علیھم (صحیح مسلم	اور اُن پر احسان کیا،

(باب اجلاء الیہود من الحجاز)

بنو نضیر جب جلا وطن ہوئے تو اُن کے رئیس الاعظم حُیَیّ بن اخطب، ابو رافع سلام ابن ابی الحُقَیق خیبر مین جا کر آباد ہوئے اور وہان ریاست عام حاصل کر لی، جنگ احزاب اُن ہی کی کوششون کا نتیجہ تھی، قبائل عرب مین دورہ کر کے تمام ملک مین آگ لگا دی اور قریش کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے، اس وقت تک قریظہ معاہدہ پر قائم تھے لیکن حُیَیّ بن اخطب نے ان کو بہکا کر توڑ لیا اور اُن سے وعدہ کیا کہ خدانخواستہ اگر قریش حملہ سے دست بردار ہو کر چلے گئے تو مین خیبر چھوڑ کر یہین آرہون گا، چنانچہ اُس نے یہ عہد وفا کیا،

قریظہ نے احزاب مین علانیہ شرکت[1] کی اور شکست کھا کر ہٹ آئے تو اسلام کے سب سے بڑے دشمن حُیَیّ بن اخطب کو ساتھ لائے[2]،

---

[1] سر ولیم میور صاحب ارباب سیر کی یہ روایت تسلیم نہین کرتے کہ بنو قریظہ نے اس جنگ مین کوئی عملی حصہ لیا تھا ان کا استدلال یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو قرآن مجید مین جہان احزاب کا ذکر ہے وہان اس کا ذکر ضرور ہوتا، لیکن قرآن مین صاف یہ الفاظ ہین، وانزل الذین ظاھروھم من اھل الکتاب، مظاہرۃ (امداد) سے بڑھکر اور کون لفظ درکار ہے، [2] طبری (ج ۳ ص ۱۴۸۰ (سن) وابن ہشام صفحہ ۶۹۴ جلد دوم،

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا آخری فیصلہ کیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب سے فارغ ہو کر حکم دیا کہ ابھی لوگ ہتھیار نہ کھولیں اور قریظہ کی طرف بڑھیں، قریظہ اگر صلح و آشتی سے پیش آتے تو قابل اطمینان تصفیہ کے بعد اُن کو امن دیا جاتا، لیکن وہ مقابلہ کا فیصلہ کر چکے تھے، فوج سے آگے بڑھ کر جب حضرت علیؓ اُن کے قلعوں کے پاس پہنچے تو انھوں نے علانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیں[۱]، غرض اُن کا محاصرہ کیا گیا، اور تقریباً ایک مہینے محاصرہ رہا، بالآخر انھوں نے درخواست پیش کی، کہ حضرت سعد بن معاذ جو فیصلہ کریں ہم کو منظور ہے،

حضرت سعدؓ بن معاذ اور ان کا قبیلہ (اوس)، قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا، عرب میں یہ تعلق ہم نسبی سے بڑھ کر تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی درخواست منظور کی،

قرآن مجید میں جب تک کوئی خاص حکم نہیں آتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توراۃ کے احکام کی پابندی فرماتے تھے، چنانچہ اکثر مسائل مثلاً قبلۂ نماز، رجم، قصاص، بالمثل وغیرہ وغیرہ میں جب تک خاص وحی نہیں آئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توراۃ ہی کی پابندی فرمائی، حضرت سعدؓ نے جو فیصلہ کیا یعنی یہ کہ لڑنے والے قتل کئے جائیں، عورتیں اور بچے قید ہوں، مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے[۲]، توراۃ کے مطابق تھا، توراۃ کتاب تثنیہ، اصحاح ۲۰- آیت ۱۰ میں ہے

---

[۱] (طبری ج ۳ ص ۱۴۸۶) میں ہے حتی اذا دنا من الحصون سمع منہا مقالۃ قبیحۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہم ۔

[۲] صحیح مسلم جلد (۲) ص ۹۳ (باب جواز قتال من نقض العہد و جواز انزال اہل الحصون علی حکم حاکم عدل اہل للحکم ص ۹۴) اور نیز بخاری (باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب ص ۵۹۱) میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے، مارگولیس صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ سعدؓ بن معاذ کو اس جنگ میں ایک قریشی نے تیر سے زخمی کیا تھا جس سے وہ بالآخر ہلاک ہو گئے اس لیے انھوں نے بنو قریظہ کی نسبت ایسا بیرحمانہ فیصلہ کیا

"جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے، اگر وہ صلح تسلیم کرلیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے، لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو اُن پر قبضہ دلادے تو جس قدر مرد ہوں، سب کو قتل کردے باقی بچے، عورتیں، جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گی"

احادیث میں مذکور ہے کہ سعد نے جب یہ فیصلہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ آسمانی فیصلہ کیا، یہ اسی توراۃ کے حکم کی طرف اشارہ تھا، یہودیوں کو جب یہ حکم سنایا گیا تو جو فقرے اُن کی زبان سے نکلے، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اسی فیصلہ کو حکم الٰہی کے موافق سمجھتے تھے،

حُیَی بن اخطب جو ان تمام فتن کا بانی تھا مقتل میں لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس نے نظر اٹھا کر دیکھا اور یہ فقرے کہے،

اما واللہ ما لمت نفسی فی عداوتک	ہاں خدا کی قسم مجھ کو اس کا افسوس نہیں کہ میں نے
ولکنہ من یخذل اللہ یخذل	کیوں تیری عداوت کی لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص خدا کو چھوڑ دیتا ہے خدا بھی اس کو چھوڑ دیتا ہے

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا،

ایھا الناس انہ لا باس بامر اللہ	لوگو! خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ مضائقہ
کتاب وقدر وملحمۃ کتبہا اللہ	نہیں، یہ ایک حکم الٰہی تھا، یہ لکھا ہوا تھا، یہ

علیٰ بنی اسرائیل[1]، سزا تھی جو خدا نے بنو اسرائیل پر لکھی تھی،

حُیَی بن اخطب کی نسبت یہ بات خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہو کہ جب وہ جلاوطن ہو کر خیبر جارہا تھا تو اُس نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کسی کو مدد نہ دیگا[2] اس معاہدہ پر اُس نے خدا کو ضامن کیا تھا لیکن احزاب مین اس نے اس معاہدہ کی جس طرح تعمیل کی اس کا حال ابھی گذر چکا،

بنو قریظہ کے متعلق مخالفینِ اسلام نے بڑے زور کے ساتھ ظلم و بے رحمی کا اعتراض کیا ہے لیکن واقعات حسب ذیل ہین :-

۱- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ مین آکر اُن کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا جس مین اُنکے مذہب کو پوری آزادی دی گئی اور جان و مال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا،

۲- بنو قریظہ رتبہ مین بنو نضیر سے کم تھے یعنی بنو نضیر کا کوئی آدمی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تھا تو اُس کو صرف آدھا خونبہا دینا پڑتا تھا بخلاف اس کے بنو قریظہ پورا خونبہا ادا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ پر یہ احسان کیا کہ اُن کا درجہ بنو نضیر کے برابر کر دیا[3]،

۳- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کی جلاوطنی کے وقت بنو قریظہ سے دوبارہ تجدید معاہدہ کی،

۴- باوجود ان باتون کے عہد شکنی کی اور جنگِ احزاب مین شریک ہوئے،

---

[1] یہ دونون عبارتین ابن ہشام (غزوۂ بنی قریظہ) مین ہین، طبری مین بھی قریباً یہی الفاظ ہین [2] بلاذری مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۲ (یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ کتاب المغازی باب بنی قریظہ مین بھی مذکور ہے) "س" [3] ابوداؤد (ج ۲ کتاب الدیات باب النفس بالنفس) "س"

۵- ازواج مطہراتؓ قلعہ مین حفاظت کے لیے بھیجدی گئی تھین ان پر حملہ کرنا چاہا،

۶- حُیَیّ بن اخطب جو بغاوت کے جرم مین جلاوطن کر دیا گیا تھا جس نے تمام عرب کو برانگیختہ کرکے جنگِ احزاب قائم کردی تھی، اس کو اپنے ساتھ لائے جو آتشِ جنگ کے اشتعال کا دیباچہ تھا،

ان حالات کے ساتھ بنو قریظہ کے ساتھ اور کیا سلوک کیا جاسکتا تھا،

یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ عرب مین محالفت کا معاہدہ اخوتِ حقیقی کے برابر تھا، بنو قریظہ انصار کے حلیف تھے اور اسی بنا پر تمام انصار (اوس) نے ان کی نہایت الحاح کیساتھ سفارش کی حضرت سعدؓ بن معاذ اوس کے سردار تھے اور دراصل معاہدہ کے وہی ذمہ دار تھے، وہ سخت کشمکش مین تھے، اُن کے حلیفون کی موت وحیات کا مسئلہ تھا جن کی حمایت پر کل انصار (اوس) مصر تھے، لیکن حضرت سعدؓ بن معاذ اس فیصلہ کے سوا اور کیا کر سکتے تھے ؟

مقتولین کی تعداد ارباب سیر نے ۶۰۰ سے زائد بیان کی ہے لیکن صحاح مین ۴۰۰ ہے، ان مین صرف ایک عورت تھی اور وہ اس قصاص مین ماری گئی تھی کہ اُس نے قلعہ پر سے ایک پتھر گرا کر ایک مسلمان (خلادؓ) کو قتل کر دیا تھا، اس عورت نے جس جرأت اور دلیری سے جان دی، سنن ابی داؤد مین وہ حسبِ ذیل حیرت انگیز طریقہ سے مذکور ہے،

اُس کو معلوم ہو چکا تھا کہ مقتولین کی فہرست مین اُس کا نام بھی ہے، قتل گاہ مین مجرم آتے اور عدم کو روانہ ہوتے جاتے تھے، ایک ایک کا نام پکارا جا رہا تھا اور یہ ہوش ربا صدا بار بار اس کے کانون مین آتی تھی لیکن وہ بے تکلف حضرت عائشہؓ سے باتین کرتی جاتی

اور بات بات پر ہنستی جاتی تھی، دفعۃً قاتل نے اس کا نام پکارا، وہ بے تکلف اٹھ کھڑی ہوئی حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہاں؟ بولی مین نے ایک جرم کیا تھا اس کی سزا اٹھانے جاتی ہون، خوشی خوشی قتل گاہ مین آئی اور تلوار کے نیچے سر رکھدیا،

حضرت عائشہؓ جب اس واقعہ کو بیان کرتی تھین تو نہایت حیرت کے لہجہ مین بیان کرتی تھین،

ریحانہ کا غلط واقعہ | متعدد ارباب سیر نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ کے قیدیون مین سے ایک یہودی عورت جس کا نام ریحانہ تھا اس کی نسبت حکم دیا کہ الگ کرلی جائے، اور پھر چند روز کے بعد اس کو اپنے حرم مین داخل کرلیا، چنانچہ جن مورخین نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لونڈیون سے بھی متمتع ہوتے تھے، انھون نے دو مثالین پیش کی ہین، ایک یہی ریحانہ اور دوسری ماریہ قبطیہ، عیسائی مورخون نے اس واقعہ کو صحیح قرار دے کر نہایت ناگوار صورت مین دکھایا ہے، ایک مورخ نہایت طعن آمیز الفاظ مین لکھتا ہے کہ" بانیِ اسلام جب سات سو مقتولین کی لاشون کے تڑپنے کا تماشا دیکھ چکا تو گھر پر آکر تفریحِ خاطر کے لئے.....

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرے سے یہ واقعہ ہی غلط ہے،

ریحانہ کے حرم مین داخل ہونے کی جس قدر روایتین ہین سب واقدی یا ابن اسحاق سے ماخوذ ہین، لیکن واقدی نے بتصریح بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تھا، ابن سعد نے واقدی کی جو روایت نقل کی ہے اس مین خود ریحانہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہین:-

فاعتقنی وتزوج بی،	پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو آزاد کردیا، اور مجھ سے نکاح کرلیا،

حافظ ابن حجر نے اصابہ مین محمد بن الحسن کی تاریخ مدینہ سے جو روایت نقل کی ہے، اس کے یہ الفاظ ہین:-

وکانت ریحانۃ القرظیۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسکنہ	اور ریحانہ قرظیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوج (محترم) تھین اس مکان مین رہتی تھین،

حافظ ابن مندہ کی کتاب (طبقات الصحابہ) تمام محدثین مابعد کا ماخذ ہے، اس مین یہ الفاظ ہین[1]

واستسری ریحانۃ من بنی قریظۃ ثم اعتقھا فلحقت باھلھا واحتجبت وھی عند اھلھا،	ریحانہ کو گرفتار کیا اور پھر آزاد کر دیا تو وہ اپنے خاندان مین چلی گئین اور وہین پردہ نشین ہو کر رہین،

حافظ ابن حجر اس عبارت کو نقل کرکے لکھتے ہین:-

وھذہ فائدۃ جلیلۃ اغفلھا ابن الاثیر،

حافظ ابن مندہ کی عبارت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو آزاد کر دیا تھا، اور وہ اپنے خاندان مین جا کر بیویون کی طرح پردہ نشین ہو کر رہین،

ہمارے نزدیک محقق واقعہ یہی ہے، اور اگر یہی مان لیا جائے کہ وہ حرم نبوی مین آئین، تب بھی قطعاً وہ منکوحات مین تھین کنیز نہ تھین[2]،

[1] دیکھو اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر ریحانہؓ (ج ۴ ص ۳۰۹) [2] ص (ن) حضرت ریحانہ کے متعلق کتب سیر مین تین قسم کی روایتین ہین، ایک یہ کہ آپ نے اُن کو آزاد کر دیا اور وہ اپنے خاندان والون کے پاس جا کر پردہ نشین ہو کر رہین، یہ روایت ابن مندہ کی ہے مگر اس کی تائید مین کوئی دوسری روایت نہین، دوسری قسم کی روایت یہ ہے کہ آپ نے اُن کو آزاد کرکے مثل دیگر امہات المومنین کے رکھنا چاہا، مگر انھون نے اس کی غیر معمولی ذمہ داری محسوس کرکے باندی بن کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین رہنا م

حضرت زینبؓ سے نکاح ۵ھ | اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا، نکاح ایک معمولی بات ہے اور اس کی تفصیل کا موقع ازواج مطہراتؓ کا عنوان ہے، لیکن اس واقعہ مین ایسے حالات جمع ہو گئے جنھون نے مخالفین کے نزدیک اس کو ایک اہم بالشان مسئلہ بنا دیا، عیسائی مورخون نے اس واقعہ کو نہایت آب و رنگ سے لکھا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص و نکتہ چینی (عیاذاً باللہ) کے لئے ان کے نزدیک اور کوئی واقعہ کارآمد نہین ہو سکتا،

ہم اس واقعہ کو تفصیل سے لکھتے ہین جس سے اس نکتہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات پر نکتہ چینی کا موقع جو دشمنون کو ہاتھ آتا ہے، اس کا اصلی مخرج کیا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ کو جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے متبنّٰی بنا لیا تھا، جب وہ سن بلوغ کو پہنچے تو آپ نے اُن کی شادی حضرت زینبؓ سے کرنی چاہی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی بہن تھین، (اُن کی ماں اُمیمہ عبد المطلب کی بیٹی تھین) لیکن چونکہ وہ غلام رہ چکے تھے اس لئے حضرت زینبؓ کو یہ نسبت گوارا نہ تھی،

وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اراد	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنے
ان یزوجھا زید بن حارثۃ	غلام زید سے کر دینا چاہا، تو انھون نے
مولاہ فکرھت ذلک[1]،	ناپسند کیا،

[1] فتح الباری تفسیر سورۂ احزاب، بحوالہ ابن ابی حاتم،

لیکن بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ارشاد کے لحاظ سے راضی ہوگئیں، قریباً ایک سال تک حضرت زیدؓ کے نکاح میں رہیں، لیکن دونوں میں ہمیشہ شکررنجی رہتی تھی، یہاں تک کہ زید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر شکایت کی اور اُن کو طلاق دینا چاہا،

جاء زید بن حارثہ فقال یا	زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے
رسول اللہ ان زینب اشتد علی	اور عرض کی کہ زینبؓ مجھ سے زبان درازی
لسانھا وانا ارید ان اطلقھا[1]	کرتی ہیں اور میں اُن کو طلاق دینا چاہتا ہوں

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اُن کو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دیں، قرآن مجید میں ہے:

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ	اور جبکہ تم اُس شخص سے جس پر خدا نے اور تم نے
وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ	احسان کیا تھا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح
زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ (احزاب ۵)	میں لئے رہو، اور خدا سے خوف کرو،

لیکن کسی طرح صحبت برآرنہ ہوسکے اور آخر حضرت زیدؓ نے اُن کو طلاق دیدی، حضرت زینبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن تھیں اور آپ ہی کی تربیت میں پلی تھیں، آپ کے فرمانے سے انھوں نے یہ رشتہ منظور کرلیا تھا جو اُن کے نزدیک اُن کے خلافِ شان تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو مساواتِ اسلامی قائم کرنا چاہتے تھے اس میں آزاد و غلام کی کوئی تمیز نہ تھی، بہرحال جب وہ مطلقہ ہوگئیں تو آپ نے اُن کی دلجوئی کے لئے خود اُن سے نکاح کرلینا چاہا، لیکن عرب میں اس وقت تک متبنیٰ اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا، اس لئے عام لوگوں کے خیال سے

[1] فتح الباری تفسیر سورۂ احزاب، بحوالۂ روایت عبدالرزاق از معمر از قتادہ،

آپ تامل فرماتے تھے لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کا مٹانا مقصود تھا، اس لئے یہ آیت نازل ہوئی،

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ	اور تم اپنے دل مین وہ بات چھپاتے ہو جس کو
وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ	خدا ظاہر کر دینے والا ہے اور تم لوگون سے
تَخْشٰهُ (احزاب)	ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہئے،

غرض آپ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا، اور جاہلیت کی ایک قدیم رسم کہ متبنّٰی اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے، مٹ گئی، اس پر منافقون اور بدگویون نے بہت طعنے دیئے، لیکن امر حق کے اجراء مین مطاعن کا آماجگاہ بننا لازمی ہے،

واقعہ کی اصلی اور سادہ حقیقت یہ تھی، مخالفون نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے، گو سرتاپا کذب و افترا ہے، لیکن ہم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انھون نے رنگ آرائی کے لئے سیاہی ہمارے ہی ہان سے مستعار لی ہی،

تاریخ طبری مین ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زید سے ملنے کے لئے اُن کے گھر گئے، زید نہ تھے، حضرت زینبؓ کپڑے پہن رہی تھین، اسی حالت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو دیکھ لیا اور یہ الفاظ کہتے ہوئے باہر نکل آئے،

سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ سُبْحَانَ اللّٰہِ	پاک ہے خدا ئے برتر، پاک ہے وہ خدا
مُصَرِّفُ الْقُلُوْبِ[1]،	جو دلون کو پھیر دیتا ہے،

---

[1] تاریخ طبری آغاز واقعات ۵ ہجری،

حضرت زیدؓ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین عرض کی کہ زینبؓ اگر آپ کو پسند آگئی ہون تو مین اُن کو طلاق دیدون،

مین نے یہ بیہودہ روایت اپنے دل پر سخت جبر کرکے نقل کی ہے نقل کفر کفر نباشد یہی روایت ہے جو عیسائی مورخون کا مایۂ استناد ہے، لیکن ان غریبون کو یہ معلوم نہین کہ اصول فن کے لحاظ سے یہ روایت کس پایہ کی ہے، مورخ طبری نے یہ روایت واقدی کے ذریعہ سے نقل کی ہے جو مشہور کذاب اور دروغگو ہے، اور جس کا مقصد اس قسم کی بیہودہ روایتون سے یہ تھا کہ عباسیون کی عیش پرستی کے لئے سند ہاتھ آئے،

طبری کے علاوہ اور لوگون نے بھی اسی قسم کی بیہودہ روایتین نقل کی ہین لیکن محدثین نے ان کو اس قابل نہین سمجھا کہ اُن سے تعرض کیا جائے، حافظ ابن حجر سخت روایت پرست ہین تاہم فتح الباری (سورۂ احزاب کی تفسیر) مین جہان اس واقعہ سے بحث کی ہے لکھتے ہین،

ووردت آثار اخری اخرجها	اور اور بہت سی روایتین آئی ہین جن کو
ابن ابی حاتم والطبری ونقلها	ابن ابی حاتم اور طبری نے روایت کیا ہے
کثیر من المفسرین لاینبغی	اور اکثر مفسرین نے اُن کو نقل کردیا ہو
التشاغل بها،	ان روایتون مین مشغول نہ ہونا چاہئے

حافظ ابن کثیر جو مشہور محدثین مین ہین اپنی تفسیر مین لکھتے ہین:-

ذکر ابن ابی حاتم وابن جریر ههنا	ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے اس موقع پر
آثارًا عن بعض السلف رضی اللہ عنہم	بعض اسلاف سے چند روایتین نقل کی ہین

أحببنا ان نضرب عنها صفحاً لعدم صحتها فلا نوردها وقد روى الامام احمد ههنا ايضاً من رواية حماد بن زيد عن ثابت عن انس رضی الله عنه فيه غرابة تركنا سياقه

جن کو ہم اس لئے نظر انداز کر دینا چاہتے ہین کہ وہ غلط ہین، اور امام احمد نے بھی اس واقعہ کے متعلق انس سے ایک روایت نقل کی ہے جو غریب ہے، ہم نے اس کا ذکر بھی چھوڑ دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اُس وقت منافقون کا بہت زور تھا حضرت عائشہؓ پر لوگون نے جو تہمت لگائی وہ بھی اسی سال کا واقعہ ہے، منافقین ان خبرون کو اس طرح پھیلاتے تھے کہ بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتی تھین، یہان تک کہ حضرت عائشہؓ کی تہمت مین خود چند مسلمان بھی آلودہ ہوگئے، جن کو شریعت کے موافق **قذف** کی سزا دیگئی، یہی روایتین ہین جو بچی کھچی غیر محتاط کتابون مین باقی رہ گئین، لیکن وہ محدثین جن کا معیار تحقیق بلند ہے اور عدالت روایت کے حاکمان مجاز ہین، مثلاً امام بخاری، امام مسلم وغیرہ، اُن کے ہان، ان روایتون کا ذکر تک نہین آیا،

واقعات متفرقہ سنہ ۵ھ اس سال کی تاریخ مذہبی مین سب سے اہم واقعات عورتون کے متعلق متعدد اصلاحی احکام کا نزول ہے، اب تک مسلمان عورتین عام جاہلانہ طریق سے چلتی پھرتی تھین، اور اسی قسم کے لباس وزیور پہنتی تھین، اب حکم ہوا کہ شریف عورتین گھر سے نکلین تو ایک بڑی چادر اوڑھ کر گھونگھٹ نکال لیا کرین جس سے منھ بھی چھپ جائے، آنچل سینہ پر ڈال کر چلین پانون جھنک جھنک کر نہ چلین، پردہ کی اوٹ سے بولین، تصنع اور بناؤ کی بولی نہ بولین، ازواجِ مطہراتؓ کے لئے غیر مردون کے سامنے آنا قطعاً ممنوع ہوا،

منھ بولے لڑکے کی بیوی سے جاہلیت مین بیاہ ناجائز تھا، اس رسم کی اصلاح بھی اسی سال ہوئی، زنا کی سزا سو کوڑے بھی اسی سال نازل ہوئی عفیف عورتون پر الزام لگانا جاہلیت کا ایک معمولی فعل تھا، اور ان کمزورون کے پاس اس حملہ کے روکنے کے لئے کوئی قانونی سپر نہ تھی، اس سال حدِ قذف نازل ہوئی جس کی رو سے بغیر شہادت کے تنہا اتہام جرم قرار دیا گیا بصورتِ عدم وجودِ شہادت **لعان** کا طریقہ بتایا گیا یعنی زن و شو دونون اپنی سچائی اور فریقِ ثانی کی دروغگوئی کا بحلف اظہار کرین اور اس کے بعد ان مین تفرقہ کر دیا جائے[1]،

عرب مین ایک قسم کی طلاق جاری تھی جس کو ظہار کہتے ہین، اس سال اس قسم کی طلاق غیر مؤثر قرار دی گئی اور اس کے لئے کفّارہ مقرر کیا گیا،

پانی نہ ملنے کی حالت مین تیمم کی مشروعیت بھی اسی سال کا حکم ہے، بروایتِ صحیحہ نمازِ خوف کا حکم قرآن مجید مین اسی سال نازل ہوا جس کی تفصیل مناسب موقع پر آئے گی)

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۷۰۰ و سیرت گازرونی قلمی، ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۱۲ - نیز فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۱۱۰۶ دیکھنا چاہئے، یہ تمام احکام سورۂ نور مین بتقریب واقعۂ افک ۵ھ مین نازل ہوئے،

مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے جس کو حدیبیہ کہتے ہیں، گانوں بھی اسی کوئیں کے نام سے مشہور ہو گیا، چونکہ معاہدہ صلح یہیں لکھا گیا اس لئے اس واقعہ کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں،

تاریخ اسلام میں یہ واقعہ نہایت اہم یعنی اسلام کی تمام آیندہ کامیابیوں کا دیباچہ ہے، اور اسی بنا پر باوجود اس کے کہ وہ صرف ایک صلح کا معاہدہ تھا اور صلح بھی بظاہر مغلوبانہ تھی، تاہم خدا نے قرآن مجید میں اس کو فتح کا لقب دیا ہے،

کعبہ اسلام کا اصلی مرکز تھا، اسلام کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ نے قائم کی تھی اور یہ لقب اسلام بھی انہی کی ایجاد ہے،

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (الحج - ۱۰) ابراہیم ہی ہے جس نے تمہارا نام مسلمان رکھا،

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو شریعت ملی وہ کوئی نئی شریعت نہ تھی، بلکہ وہی ابراہیمی شریعت تھی،

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (الحج - ۱۰) تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب،

زمانہ کے امتداد سے گو اُنہی کی اولاد بت پرست بن گئی تھی تاہم کعبہ جو ابراہیمی یادگار تھا عرب کا قبلہ گاہِ عام تھا، تمام عرب اس کو اپنا مشترک ورثہ آبائی سمجھتا تھا، نہ صرف وہ لوگ جو حضرت ابراہیمؑ کے خاندان سے تھے، بلکہ وہ بھی جو قحطانی تھے اور جن کا سلسلۂ نسب اس خاندان سے الگ تھا، عرب کے قبائل سال بھر آپس میں لڑتے رہتے تھے اور یہی غارتگریاں ان کی بقائے زندگانی کا ذریعہ تھیں، کیونکہ اُن کی معاش بھی اسی پر منحصر تھی، تاہم چار مہینے تک جو اشہر حرم کہلاتے تھے تمام لڑائیاں بند ہوجاتی تھیں، قبائل عرب دُور دُور سے سفر کرکے آتے اور اس قبلہ گاہِ عام میں عبادت اور عقیدت کے رسوم بجالاتے تھے، وہ قبائل جن میں سے ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہوتا تھا، اب یکجا جمع نظر آتے تھے اور شیر و شکر ہوکر ملتے تھے، گویا بھائی بھائی ہیں، مسلمان بہ جبر مکہ سے نکالے گئے تھے، لیکن یہ خیال ان کے دل سے نہیں گیا تھا، اور نہ جاسکتا تھا کہ کعبہ پر ان کا بھی کم از کم اسی قدر حق ہے جس قدر اور قبائل کا ہے، اس کے ساتھ مکہ سے مسلمانوں کو گوناگون تعلقات تھے، وہ ان کا قدیم اور محبوب وطن تھا، مکہ کی یاد ایک پھانس تھی جو ہر وقت اُن کے کلیجے میں کھٹکتی رہتی تھی، حضرت بلالؓ مکہ میں اس قدر ستائے گئے تھے تاہم ان کو جب مکہ یاد آتا تو روتے تھے، اور پکار کر یہ اشعار پڑھتے تھے،

اَلَا لَیْتَ شِعْرِیْ هَلْ اَبِیْتَنَّ لَیْلَۃً	آہ! کیا پھر کبھی وہ دن آسکتا ہے کہ میں مکہ کی وادی
بِوَادٍ وَّحَوْلِیْ اِذْخِرٌ وَّجَلِیْلٌ	میں ایک رات بسر کروں اور میرے پاس اذخر
وَهَلْ اَرِدَنْ یَوْمًا مِیَاہَ مَجَنَّۃٍ	اور جلیل ہوں، اور کیا وہ دن بھی ہوگا کہ میں مجنہ
وَهَلْ یَبْدُوَنْ لِیْ شَامَۃٌ وَّطَفِیْلٌ	کے چشموں پر اتروں اور شامہ و طفیل مجھ کو دکھائی دیں

اکثر مہاجرین جان بچا کر نکل آئے تھے، لیکن خاندان اور بال بچے وہیں رہ گئے تھے،

اسلام کے فرائض چہارگانہ میں حجِ کعبہ ایک رُکنِ اعظم ہے، غرض مختلف اسباب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کا ارادہ کیا اور اس غرض سے کہ قریش کو کوئی اور احتمال نہ ہو، عمرہ[1] کا احرام باندھا اور قربانی کے اونٹ ساتھ لئے، یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ آئے صرف تلوار جو عرب میں سفر کا ضروری آلہ سمجھی جاتی تھی پاس رکھ لی جائے، اس میں بھی یہ شرط ہے کہ نیام میں بند ہو،

چونکہ مہاجرین عموماً اور اکثر انصار اس سعادت کے منتظر تھے.. ہم شخص اس سفر میں ہمرکاب ہوئے، مقام ذوالحلیفہ میں پہنچ کر قربانی کی ابتدائی رسمیں ادا ہوگئیں، یعنی قربانی کے اونٹ ساتھ تھے، ان کی گردنوں میں قربانی کی علامت کے طور پر لوہے کے نعل لگا دیئے گئے،

احتیاط کے لئے قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص جس کے اسلام لانے کا حال قریش کو معلوم نہ تھا پہلے بھیج دیا گیا کہ قریش کے ارادہ کی خبر لائے، جب قافلہ عُسفان کے قریب پہنچا اس نے آکر خبر دی کہ قریش نے تمام قبائل (احابیش) کو یکجا کر کے کہدیا ہے کہ محمدؐ مکہ میں کبھی نہیں آسکتے،

غرض قریش نے بڑے زور و شور سے مقابلہ کی تیاری کی، قبائل متحدہ کے پاس پیغام بھیجا، وہ جمعیت عظیم لے کر آئے، مکہ سے باہر بلدح ایک مقام پر فوجیں فراہم ہوئیں، خالد بن ولید جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے دو سو سوار لے کر جن میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے بڑھے اور غمیم تک پہنچ گئے جو رابغ اور جحفہ کے درمیان ہے،

---

[1] وساق معہ الھدی واحرم بالعمرۃ لیامن الناس من حربہ (ابن ہشام)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش نے خالد کو طلیعہ بنا کر بھیجا ہے اور وہ مقام غمیم تک آ گئے ہیں اس لیے کترا کر داہنی طرف سے چلو، فوج اسلام جب غمیم کے قریب پہنچ گئی، تو خالد کو گھوڑوں کی گرد اڑتی نظر آئی، وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے گئے اور قریش کو خبر کی کہ لشکر اسلام غمیم تک آگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور حدیبیہ میں پہنچکر مقام کیا، یہاں پانی کی قلت تھی، ایک کنواں تھا وہ پہلے ہی آمد میں خالی ہوگیا، لیکن اعجاز نبوی سے اس میں اس قدر پانی آگیا کہ سب سیراب ہوگئے،

قبیلۂ خزاعہ نے اب تک اسلام نہیں قبول کیا تھا لیکن اسلام کے حلیف اور رازدار تھے، قریش اور عام کفار جو منصوبے اسلام کے خلاف کیا کرتے تھے وہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس سے مطلع کر دیا کرتے تھے، اس قبیلہ کے رئیس اعظم بُدیل بن ورقا تھے (فتح مکہ میں اسلام لائے) اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا معلوم ہوا تو چند آدمی ساتھ لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ قریش کی فوجوں کا سیلاب آ رہا ہے، وہ آپ کو کعبہ میں نہ جانے دینگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش سے جاکر کہدو کہ ہم عمرہ[1] کی غرض سے آئے ہیں، لڑنا مقصود نہیں، جنگ نے قریش کی حالت زار کر دی ہے اور ان کو سخت نقصان پہنچایا ہے، ان کے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک مدت معین کے لئے معاہدۂ صلح کر لیں اور مجھ کو عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں، اس پر بھی اگر وہ راضی نہیں تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے

---

[1] عمرہ گویا ایک چھوٹا سا حج ہے جس میں حج کی اکثر رسمیں ادا کی جاتی ہیں، (یعنی اس میں حرم کے باہر میقات سے احرام باندھ کر صرف صفا اور مروہ کے درمیان سعی، اور کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے اور بال منڈوائے یا کتروائے جاتے ہیں)

مین یہان تک لڑون گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کر دے۔ بدیل نے جاکر قریش سے کہا کہ مین محمدؐ کے پاس سے پیغام لے کر آیا ہون اجازت دو تو کہون۔ چند شریر بول اٹھے کہ ہم کو محمدؐ کے پیغام سننے کی ضرورت نہین لیکن سنجیدہ لوگون نے اجازت دی، بدیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرطین پیش کین، عروۃ بن مسعود ثقفی نے اٹھ کر کہا "کیون قریش کیا مین تمھارا باپ اور تم میرے بچے نہین" بولے ہان عروۃ نے کہا میری نسبت تم کو کوئی بدگمانی تو نہین، سب نے کہا نہین، عروۃ نے کہا اچھا تو مجھ کو اجازت دو کہ مین خود جاکر معاملہ طے کرون محمدؐ نے معقول شرطین پیش کی ہین" غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آئے، قریش کا پیغام سنایا اور کہا محمدؐ فرض کرو کہ تم نے قریش کا استیصال کر دیا تو کیا اس کی اور بھی کوئی مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کر دیا ہو، اس کے سوا اگر لڑائی کا رخ بدلا تو تمھارے ساتھ جو یہ بھیڑ ہے گرد کی طرح اڑ جائے گی، حضرت ابوبکرؓ کو اس بدگمانی پر اس قدر غصہ آیا کہ گالی دے کر کہا کہ کیا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائینگے، عروۃ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یہ کون ہین؟ آپؐ نے فرمایا ابوبکرؓ، عروۃ نے کہا مین اُن کی سخت کلامی کا جواب دیتا لیکن ان کا ایک احسان میری گردن پر ہے، جس کا بدلا ابھی تک مین ادا نہین کر سکا،

عروۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تکلفانہ طریقہ سے گفتگو کر رہا تھا، اور جیسا کہ عرب کا قاعدہ ہے کہ بات کرتے کرتے مخاطب کی داڑھی پکڑ لیتے ہین، وہ ریش مبارک پر بار بار ہاتھ ڈالتا تھا، حضرت مغیرۃؓ بن شعبہ جو ہتھیار لگائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر کھڑے تھے اس جرأت کو گوارا نہ کر سکے، عروۃ سے کہا "اپنا ہاتھ ہٹا لے ورنہ یہ ہاتھ بڑھ کر واپس

دجا سکےگا" عروہ نے حضرت مغیرہ کو پہچانا اور کہا "او دغاباز! کیا میں تیری دغابازی کے معاملہ میں تیرا کام نہیں کر رہا ہوں" (حضرت مغیرہؓ نے چند آدمی قتل کر دیئے تھے، جن کا خونبہا عروہ نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا)

عروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی حیرت انگیز عقیدت کا جو منظر دیکھا اس نے اس کے دل پر عجب اثر کیا، قریش سے جا کر کہا کہ میں نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، یہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے، کوئی شخص اُن کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا، وہ وضو کرتے ہیں تو پانی جو گرتا ہے اُس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے، بلغم یا تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور چہرہ اور ہاتھوں میں مل لیتے ہیں۔[۱]

چونکہ معاملہ ناتمام رہ گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خراشؓ بن اُمیہ کو قریش کے پاس بھیجا، لیکن قریش نے اُن کی سواری کے اونٹ کو جو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کا تھا مار ڈالا اور خود اُن پر بھی یہی گذرنے والی تھی، لیکن قبائلِ متحدہ کے لوگوں نے بچا لیا اور وہ کسی طرح جان بچا کر چلے آئے،

اب قریش نے ایک دستہ بھیجا کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو، لیکن یہ لوگ گرفتار کر لیے گئے، گو یہ سخت شرارت تھی، لیکن رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دامنِ عفو اس سے زیادہ وسیع تھا، آپ نے سب کو چھوڑ دیا اور معافی دیدی، قرآن مجید کی اس آیت میں اسی واقعہ کی

---

(۱) بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط ۱۲ س

طرف اشارہ[1] ہے،

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ	اور وہی خدا ہے جس نے مکہ میں ان لوگون
وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ	کا ہاتھ تم سے اور تمھارا ہاتھ اُن سے روک دیا،
مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ (فتح)	بعد اس کے کہ تم کو اُن پر قابو دیدیا تھا

بالآخر آپ نے گفتگوے صلح کے لئے حضرت عمرؓ کو انتخاب کیا لیکن انھون نے معذرت کی کہ قریش میرے سخت دشمن ہین اور مکہ مین میرے قبیلہ کا ایک شخص بھی نہین کہ مجھ کو بچا سکے، آپ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا وہ اپنے ایک عزیز (ابان بن سعید) کی حمایت مین مکہ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا، قریش نے اُن کو نظر بند کر لیا لیکن عام طور پر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ وہ قتل کر ڈالے گئے، یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ عثمانؓ کے خون کا قصاص لینا فرض ہے، یہ کہہ کر آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہؓ سے جان نثاری کی بیعت لی، تمام صحابہؓ نے جن مین زن و مرد دونون شامل تھے ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دست مبارک پر جان نثاری کا عہد کیا، یہ تاریخ اسلام کا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے، اس بیعت کا نام بیعۃ الرضوان ہے، سورۂ فتح مین اس واقعہ کا اور درخت کا ذکر ہے،

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ	خدا مسلمانون سے راضی تھا جب کہ وہ تیرے
إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (فتح)	ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے

[1] ان آیتون کی شان نزول مین سخت اختلاف ہے، لیکن زیادہ معتبر یہی روایت ہے،

مَا فِي قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ	سو خدا نے جان لیا جو کچھ ان لوگون کے
عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ،	دلون مین تھا، تو خدا نے اُن پر تسلی نازل
(فتح - ۳)	کی اور عاجلانہ فتح دی ،

لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی،

قریش نے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا، وہ نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے، چنانچہ لوگون نے ان کو "خطیب قریش" کا خطاب دیا تھا، قریش نے ان سے کہدیا صلح صرف اس شرط پر ہو سکتی ہے، کہ محمدؐ اس سال واپس چلے جائین،

سہیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئے اور دیر تک صلح کے شرائط پر گفتگو رہی، بالآخر چند شرطون پر اتفاق ہوا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلا کر حکم دیا کہ معاہدہ کے الفاظ قلمبند کرین، حضرت علیؓ نے عنوان پر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھا عرب کا قدیم طریقہ تھا کہ خطوط کی ابتدا مین "باسمک اللھم" لکھتے تھے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے وہ آشنا نہ تھے، اس بنا پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بجائے وہی قدیم الفاظ لکھے جائین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا، آگے کا فقرہ تھا ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ "یعنی" وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم کیا "سہیل نے کہا" اگر ہم آپ کو پیغمبر ہی تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا کیا تھا، آپ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائین "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گو تم تکذیب کرتے ہو، لیکن خدا کی قسم مین خدا کا پیغمبر ہون"، یہ کہہ کر آپؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اچھا خالی میرا نام لکھو، حضرت علیؓ سے

زیادہ کون فرمان گذار ہو سکتا تھا لیکن عالم محبت مین ایسے مقام بھی پیش آتے ہین، جہان فرمانبری
سے انکار کرنا پڑتا ہے، حضرت علیؓ نے کہا مین ہرگز آپ کا نام نہ مٹاؤن گا، آپ نے فرمایا اچھا
مجھ کو دکھاؤ، میرا نام کہان ہے، حضرت علیؓ نے اُس جگہ پر انگلی رکھدی، آپ نے "رسول اللہ"
کا لفظ مٹا دیا،[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھنا نہین آتا تھا، اسی بنا پر آپ کو "امی" کہتے ہین، یہ واقعہ مسلم مین
جہان منقول ہے، لکھا ہے کہ آپ نے رسول اللہ کا لفظ مٹا کر ابن عبداللہ لکھدیا، بخاری مین
چونکہ یہ واقعہ عام روایت کے خلاف ہے اس لئے ایک معرکۃ الآرا مباحثہ بن گیا، لیکن حقیقت
یہ ہے کہ لکھنے پڑھنے کا کام روزمرہ جب نظر سے گذرتا رہتا ہے تو ناخواندہ شخص بھی اپنے نام
سے حرف آشنا ہو جاتا ہے، اس سے اُمیت مین فرق نہین آتا، بے شبہہ امی ہونا آپ کا فخر ہو
اور خود قرآن مجید مین یہ وصف، شرف و عزت کے موقع پر استعمال ہوا ہے، اَلَّذِيْنَ
يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ، (اعراف - ۱۹)

شرائطِ صلح یہ تھے،

۱- مسلمان اس سال واپس چلے جائین،

۲- اگلے سال آئین اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائین،

۳- ہتھیار لگا کر نہ آئین، صرف تلوار ساتھ لائین، وہ بھی نیام مین اور نیام بھی جلبان

---

[1] صحیح بخاری کی اس روایت مین حضرت علیؓ کا نام اور اُن کی گفتگو مذکور نہین، یہ تصریح بخاری کی اس روایت مین ہر جو کہ کتاب المغازی باب عمرۃ القضا مین مذکور ہے، صحیح مسلم مین بھی یہ واقعہ منقول ہے،

(تھیلا وغیرہ) مین،

۴- مکہ مین جو مسلمان پہلے سے مقیم ہین ان مین سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائین، اور مسلمانون مین سے کوئی مکہ مین رہ جانا چاہے تو اُس کو نہ روکین،

۵- کافرون یا مسلمانون مین سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ مین جائے[1] تو وہ واپس نہین کیا جائے گا،

۶- قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین مین سے جس کے ساتھ چاہین معاہدہ مین شریک ہوجائین

یہ شرطین بظاہر مسلمانون کے سخت خلاف تھین، اتفاق یہ کہ عین اس وقت جبکہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا، سہیل کے صاحبزادے (حضرت ابوجندلؓ) جو اسلام لا چکے تھے اور مکہ مین کافرون نے اُن کو قید کر رکھا تھا اور طرح طرح کی اذیتین دیتے تھے کسی طرح بھاگ کر پاؤن مین بیڑیان پہنے ہوئے آئے، اور سب کے سامنے گر پڑے، سہیل نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے، اس (ابوجندلؓ) کو شرائطِ صلح کے مطابق مجھ کو واپس دیدو" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابھی معاہدہ قلمبند نہین ہو چکا" سہیل نے کہا تو ہم کو صلح بھی منظور نہین" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا ان کو یہین رہنے دو، سہیل نے نامنظور کیا، آپ نے چند دفعہ اصرار کیا، لیکن سہیل کسی طرح راضی نہ ہوا، مجبوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کرنا پڑا، ابوجندلؓ کو کافرون نے اس قدر مارا تھا کہ اُن کے جسم پر نشان تھے، مجمع کے سامنے تمام زخم دکھائے، اور کہا، برادرانِ اسلام! کیا پھر مجھ کو اسی حالت مین دیکھنا چاہتے ہو؟ مین اسلام لا چکا ہون

[1] یہ تمام شرائط کتب سیر کے علاوہ صحیح مسلم (صلح الحدیبیہ) مین بھی ہین،

کیا پھر مجھ کو کافرون کے ہاتھ مین دیتے ہو، تمام مسلمان تڑپ اٹھے، حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آئے اور کہا، یا رسول اللہ! کیا آپ پیغمبر برحق نہین ہین؟ آپ نے ارشاد فرمایا "ہان ہون" حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم حق پر نہین؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہان ہم حق پر ہین، حضرت عمرؓ نے کہا تو ہم دین مین یہ ذلت کیون گوارا کرین، آپ نے فرمایا "مین خدا کا پیغمبر ہون اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہین کر سکتا، خدا میری مدد کرے گا" حضرت عمرؓ نے کہا کیا آپ نے نہین فرمایا تھا کہ ہم لوگ کعبہ کا طواف کرین گے؟ آپ نے فرمایا "لیکن یہ تو نہین کہا تھا کہ اسی سال کرین گے" حضرت عمرؓ اٹھ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور وہی گفتگو کی، حضرت ابوبکرؓ نے کہا وہ پیغمبر خدا ہین جو کچھ کرتے ہین خدا کے حکم سے کرتے ہین[1]،

حضرت عمرؓ کو اپنی ان گستاخانہ معروضات کا جو بے اختیاری مین اُن سے سرزد ہوئین تمام عمر سخت رنج رہا اور اس کے کفارہ کے لئے انھون نے نمازین پڑھین، روزے رکھے خیرات کی، غلام آزاد کئے، بخاری مین اگرچہ ان اعمال کا ذکر اجمالاً ہے، لیکن ابن اسحاق نے تفصیل سے یہ تمام باتین گنائی ہین،

اس حالت کا گوارا کرنا گو صحابہ کی اطاعت شعاری کا سخت خطرناک امتحان تھا، ایک طرف (ظاہر مین) اسلام کی توہین ہے، حضرت ابوجندلؓ بیڑیان پہنے ہوا سوجان نثاران اسلام سے استغاثہ کرتے ہین، سب کے دل جوش سے لبریز ہین، اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرہ ایما ہو جائے تو تلوار فیصلہ قاطع کے لئے موجود ہے، دوسری طرف معاہدہ پر دستخط ہو چکے ہین، اور ایفاے عہد کی ذمہ داری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوجندلؓ کی طرف

دیکھا اور فرمایا:-

یا ابا جندل اصبر واحتسب فان اللہ	ابوجندل! صبر اور ضبط سے کام لو، خدا
جاعل لك ولمن معك من المستضعفین	تمہارے لئے اور مظلوموں کے لئے کوئی
فرجا ومخرجا انا قد عقدنا بیننا	راہ نکالے گا، صلح اب ہو چکی اور ہم
وبین القوم صلحا وانا لا نغدر بھم (ابن ہشام)	ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے،

غرض حضرت ابوجندلؓ کو اسی طرح پابہ زنجیر واپس جانا پڑا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگ یہین قربانی کرین لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا، یہان تک کہ جیسا کہ صحیح بخاری مین ہے[1]، تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہ ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر مین تشریف لے گئے اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی، انھون نے کہا آپ کسی سے کچھ نہ فرمائین، بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کرین اور احرام اتارنے کے لئے بال منڈوائین، آپ نے باہر آکر خود قربانی کی اور بال منڈوائے، اب جب لوگون کو یقین ہو گیا کہ اس فیصلہ مین تبدیلی نہین ہو سکتی تو سب نے قربانیان کین اور احرام اتارا،

صلح کے بعد تین دن تک آپ نے حدیبیہ مین قیام فرمایا پھر روانہ ہوئے تو راہ مین یہ سورہ اتری،

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا، (فتح - ۱) ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی،

---

[1] کتاب الشروط "س"

تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے، خدا نے اس کو فتح کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے، انھون نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہ فتح ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہان صحیح مسلم مین ہے کہ حضرت عمرؓ کو تسکین ہوگئی اور مطمئن ہو گئے، نتائج مابعد نے اس رازِ سربستہ کی عقدہ کشائی کی،

اب تک مسلمان اور کفار ملتے جلتے نہ تھے، اب صلح کی وجہ سے آمد و رفت شروع ہوئی، خاندان اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ مین آتے، مہینون قیام کرتے اور مسلمانون سے ملتے جلتے تھے، باتون باتون مین اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا تھا، اس کے ساتھ ہر مسلمان اخلاص، حسنِ عمل، نیکو کاری، پاکیزہ اخلاق کی ایک زندہ تصویر تھا، جو مسلمان مکہ جاتے تھے اُن کی صورتین بھی مناظر پیش کرتی تھین، اس سے خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھچے آتے تھے، مورخین کا بیان ہے کہ اس معاہدہ صلح سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ کبھی نہین لائے تھے، حضرت خالدؓ (فاتح شام) اور حضرت عمرو بن عاصؓ (فاتح مصر) کا اسلام بھی اسی زمانہ کی یادگار ہے،

معاہدۂ صلح مین یہ جو شرط تھی کہ جو مسلمان مکہ سے چلا آئے گا وہ پھر مکہ کو واپس کر دیا جائیگا" اس مین صرف مرد داخل تھے عورتین نہ تھین، عورتون کے متعلق خاص یہ آیت اتری،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مسلمانو! جب تمھارے پاس عورتین ہجرت

---

[1] صلح حدیبیہ کے واقعات صحیح بخاری مین نہایت تفصیل سے مذکور ہین لیکن اصل موقع یعنی غزوات کے ذکر مین نہین بلکہ کتاب الشروط مین، اس بنا پر ارباب سیر کی نگاہ سے یہ واقعات رہ گئے، غزوات مین جستہ جستہ واقعات ہین، ہم نے ان کو بھی لیا ہے، باقی جزئیات صحیح مسلم اور ابن ہشام سے ماخوذ ہین،

مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ

(ممتحنہ-۲)

کر کے آئیں تو اُن کو جانچ لو، خدا اُن کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے، اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہیں تو اُن کو کافروں کے ہاں واپس نہ بھیجو، نہ وہ عورتیں کافروں کے قابل ہیں اور نہ کافر اُن عورتوں کے قابل، ہیں اور ان عورتوں پر ان لوگوں نے جو خرچ کیا ہو وہ تم اُن کو دیدو، اور تم اُن سے شادی کر سکتے ہو بشرطیکہ اُن کے مہر ادا کردو اور کافرہ عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو

جو مسلمان مکہ میں مجبوری سے رہ گئے تھے، چونکہ کفار اُن کو سخت تکلیفیں دیتے تھے، اس لئے وہ بھاگ بھاگ کر مدینہ آتے تھے، سب سے پہلے حضرت عتبہ بن اُسید (ابو بصیر) بھاگ کر مدینہ آئے، قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخص بھیجے کہ ہمارا آدمی واپس کر دیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتبہ سے فرمایا کہ واپس جاؤ، عتبہ نے عرض کی کہ کیا آپ مجھ کو کافروں کے پاس بھیجتے ہیں کہ مجھ کو کفر پر مجبور کریں، آپ نے ارشاد فرمایا "خدا اس کی کوئی تدبیر نکالے گا" حضرت عتبہ مجبوراً دو کافروں کی حراست میں واپس گئے لیکن مقام ذوالحلیفہ پہنچکر انھوں نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، دوسرا شخص جو بچ رہا اس نے مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی ساتھ ہی ابو بصیر بھی پہنچے اور عرض کی کہ آپ نے عہد کے موافق اپنی طرف سے

مجھ کو واپس کر دیا، اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہین، یہ کہہ کر مدینہ سے چلے گئے اور مقام عیص مین جو سمندر کے کنارے ذو مروۃ کے پاس ہے رہنا اختیار کیا، مکہ کے بیکس اور ستم رسیدہ لوگون کو جب معلوم ہوا کہ جان بچانے کا ایک ٹھکانا پیدا ہو گیا ہے، تو چوری چھپے بھاگ بھاگ کر یہان آنے لگے، چند روز کے بعد اچھی خاصی جمعیت ہو گئی اور اب ان لوگون نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ قریش کا کاروان تجارت جو شام کو جایا کرتا تھا، اس کو روک لیتے تھے، ان حملون مین جو مال غنیمت مل جاتا تھا، وہ ان کی معاش کا سہارا تھا،

قریش نے مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ بھیجا کہ معاہدہ کی اس شرط سے ہم باز آتے ہین، اب جو مسلمان چاہے مدینہ جا کر آباد ہو سکتا ہے، ہم اس سے تعرض نہ کرین گے، آپ نے آوارہ وطن مسلمانون کو لکھ بھیجا کہ یہان چلے آؤ، چنانچہ ابو جندلؓ اور اُن کے ساتھی مدینہ مین آ کر آباد ہو گئے اور کاروان قریش کا راستہ[1] بدستور کھل گیا،

مستورات مین سے حضرت ام کلثومؓ جو رئیس مکہ (عقبہ بن ابی معیط) کی صاحبزادی تھین اور مسلمان ہو چکی تھین، مدینہ ہجرت کر کے آئین لیکن ان کے ساتھ اُن کے دونون بھائی عمارہ اور ولید بھی آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کو واپس دیدیجئے، آپ نے منظور نہین فرمایا، صحابہ مین سے جن لوگون کی ازواج مکہ مین رہ گئی تھین اور اب تک کافرہ تھین صحابہ نے ان کو طلاق دیدی،

---

[1] یہ تفصیل اکتفاء کلاعی سے خمیس نے نقل کی ہے،

سلاطین کو اسلام کی دعوت

(آخر) سنہ ۶ھ (یا شروع سنہ ۷ھ)

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ

حدیبیہ کی صلح سے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو وقت آیا کہ اسلام کا پیغام تمام دنیا کے کانوں میں پہنچا دیا جائے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن تمام صحابہؓ کو جمع کیا اور خطبہ دیا، "اَیُّھَا النَّاس! خدا نے مجھ کو تمام دنیا کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے دیکھو حواریین عیسیٰؑ کی طرح اختلاف نہ کرنا، جاؤ میری طرف سے پیغامِ حق ادا کرو"۔ اس کے بعد آپؐ نے) قیصر روم، شہنشاہِ عجم، عزیز مصر، اور رؤسائے عرب کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط ارسال فرمائے، جو لوگ خطوط لے کر گئے، اور جن کے نام لے کر گئے اُن کی تفصیل یہ ہے[1]:

(حضرت) دحیہؓ کلبی،	قیصر روم،
(حضرت) عبداللہؓ بن حذافہ سہمی،	خسرو پرویز کجکلاہِ ایران،
(حضرت) حاطبؓ بن (ابی) بلتعہ،	عزیز مصر،
(حضرت) عمروؓ بن امیہ	نجاشی بادشاہِ حبش،
(حضرت) سلیطؓ بن عمرو بن عبد شمس،	رؤسائے یمامہ،

[1] طبری (ج ۳ ص ۱۵۵۹) "س" اور ابن ہشام (باب خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الملوک) "س"

(حضرت) شجاعؓ بن وہب الاسدیؓ　　　　رئیس حدود شام، حارث غسانی،

ایرانیون نے چند برس پہلے بلادِ شام پر حملہ کرکے رومیون کو شکست دی تھی جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت غُلِبَتِ الرُّومُ مین ہے، ہرقل نے اُس کے انتقام کے لئے بڑے سر و سامان سے فوجین تیار کین اور ایرانیون پر حملہ کرکے اُن کو سخت شکست دی تھی اس کا شکرانہ ادا کرنے کے لئے وہ حمص سے بیت المقدس آیا تھا اور اس شان سے آیا تھا کہ جہان چلتا تھا زمین پر فرش اور فرش پر پھول بچھاتے جاتے تھے[1]،

شام مین عرب کا جو خاندان قیصر کے زیر حکومت رہا کرتا تھا وہ غسانی خاندان تھا اور اس کا پایۂ تخت بصریٰ تھا جو دمشق کے علاقہ مین ہے اور آجکل حوران کہلاتا ہے، اس زمانہ مین اس خاندان کا تخت نشین حارث غسانی تھا، دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک بصریٰ مین حارث غسانی کو لاکر دیا، اس نے قیصر کے پاس بیت المقدس مین بھیجدیا، قیصر کو خط ملا تو اُس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص مل سکے تو لاؤ، اتفاق یہ کہ ابوسفیان تجارِ عرب کے ساتھ غزہ مین مقیم تھے، قیصر کے آدمی ان کو غزہ سے جاکر لائے،

قیصر نے بڑے سامان سے دربار منعقد کیا، خود تاج شاہی پہنکر تخت پر بیٹھا تخت کے چارون طرف بطارقہ قسیس اور رہبان کی صفین قائم کین، اہل عرب کی طرف مخاطب ہوکے

---

[1] ہرقل کا پورا واقعہ فتح الباری (ج اوّل ص ۳۱ رتن) شرح صحیح بخاری سے لیا گیا ہے، اصل صحیح بخاری (بخاری کیف کان بدء الوحی وکتاب الجہاد باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الاسلام والنبوۃ) مین مجمل واقعہ ہے، زائد تفصیلن حافظ ابن حجر نے اور کتابون سے بڑھائی ہین،

کہا تم مین سے اس مدعیِ نبوت کا رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا مین پھر حسبِ ذیل گفتگو ہوئی،

قیصر	مدعیِ نبوت کا خاندان کیسا ہے؟
ابوسفیان	شریف ہے،
قیصر	اس خاندان مین کسی اور نے بھی نبوت کا دعوی کیا تھا؟
ابوسفیان	نہین،
قیصر	اس خاندان مین کوئی بادشاہ گذرا ہے؟
ابوسفیان	نہین،
قیصر	جن لوگون نے یہ مذہب قبول کیا ہے وہ کمزور لوگ ہین یا صاحبِ اثر؟
ابوسفیان	کمزور لوگ ہین،
قیصر	اس کے پیرو بڑھ رہے ہین یا گھٹتے جاتے ہین؟
ابوسفیان	بڑھتے جاتے ہین،
قیصر	کبھی تم لوگون کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہوا؟
ابوسفیان	نہین،
قیصر	وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟
ابوسفیان	ابھی تک تو نہین کی لیکن اب جو نیا معاہدۂ صلح ہے اس مین دیکھین وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا نہین؟

قیصر تم لوگون نے اس سے کبھی جنگ بھی کی ؟

ابوسفیان ہان ،

قیصر نتیجۂ جنگ کیا رہا ؟

ابوسفیان کبھی ہم غالب آئے، اور کبھی وہ ،

قیصر وہ کیا سکھاتا ہے ؟

ابوسفیان کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلۂ رحم کرو،

اس گفتگو کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے کہا کہ "تم نے اس کو شریف النسب بتایا، پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانوں سے پیدا ہوتے ہیں، تم نے کہا کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، اگر ایسا ہوتا تو مین سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے، تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان مین کوئی بادشاہ نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو مین سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے، تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہین کہا، جو شخص آدمیون سے جھوٹ نہین بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے، تم کہتے ہو کہ کمزورون نے پیروی کی ہے، پیغمبرون کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہین، تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے، سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے، تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہین کیا، پیغمبر کبھی فریب نہین کرتے، تم کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقویٰ وعفاف کی ہدایت کرتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو میری قدمگاہ تک اس کا قبضہ ہوجائے گا، مجھ کو یہ ضرور

خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا، میں اگر وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔"

اس گفتگو کے بعد حکم دیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خط پڑھا جائے، فرمانِ رسالت کے یہ الفاظ تھے:-

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ من محمّد	بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد کی طرف سے جو خدا کا
عبد الله ورسوله الى هِرَقْل	بندہ اور رسول ہے، یہ خط ہرقل کے نام ہے
عظیم الروم، سلامٌ علی من	جو روم کا رئیس اعظم ہے، اس کو سلامتی ہو
اتبع الهدى، امّا بعد فانّی	جو ہدایت کا پیرو ہے، اس کے بعد میں تجھکو
ادعوك بدعاية الاسلام	اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں، اسلام
اَسْلِمْ تَسْلَمْ یؤتك الله اجرك	لا تو سلامت رہیگا، خدا تجھ کو دگنا اجر دیگا
مرتين فان توليت فان عليك	اور اگر تونے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے
اثم الاريسيين وَیَا اَهْلَ	اوپر ہوگا، اے اہل کتاب! ایک ایسی بات
الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ	کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے
بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ	وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں
اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْئًا	اور ہم میں سے کوئی کسی کو (خدا کو چھوڑ کر)
وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا	خدا نہ بنائے، اور تم نہیں مانتے

۱؎ یہ پوری گفتگو صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں منقول ہے، ابتدائے کتاب میں بھی اور باب الجہاد میں بھی۔

مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ۝ تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں،

قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی اُس سے بطارقہ اور اہلِ دربار سخت برہم ہوچکے تھے، نامۂ مبارک کے پڑھے جانے پر اور بھی برہم ہوئے، یہ حالت دیکھ کر قیصر نے اہل عرب کو دربار سے اٹھا دیا، اور گو اس کے دل میں نورِ اسلام آچکا تھا، لیکن تاج و تخت کی تاریکی میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی،

خسرو پرویز (شہنشاہِ ایران) کے نام جو نامۂ مبارک حضرت عبداللہؓ بن حذافہ لے کے گئے تھے، یہ تھا:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد	خدائے رحمن رحیم کے نام سے، احمد پیغمبر کی طرف
رسول اللہ الی کسریٰ عظیم	سے کسریٰ (رئیسِ فارس) کے نام، سلام ہو
فارس سلام علی من اتبع الھدیٰ	اس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو، اور خدا اور

[1] مسند ابن حنبل صفحہ ۴، جلد ۴ میں ہے کہ حضرت دحیہؓ کے ساتھ قیصر نے اپنا ایک سفیر خط کا جواب دے کر خدمت نبویؐ میں بھیجا تھا، اور سفیر کو نبوت کے چند سوالات بتا دیئے تھے، اس نے سوالات پوچھے آپ نے جوابات دیئے اور آخر بغیر اسلام لائے وہ واپس گیا، لیکن یہ حدیث صحیح نہیں، اس میں ہو کہ قیصر کا خط پڑھنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کو بلایا اور انھوں نے پڑھ کر سنایا، حالانکہ وہ اس وقت اسلام بھی نہیں لائے تھے، (جامع کے نزدیک حسب تحقیق ابن حجر فتح الباری ج ۸ ص ۹ و زرقانی ج ۳ ص ۸۹ یہ واقعہ دوسرا ہے اور اسکے بعد کا ہو اور خود اس حدیث میں تصریح ہو کہ یہ تبوک کا واقعہ ہو، اور غزوہ تبوک فتح مکہ کے بعد رجب ۹ھ میں پیش آیا ہو، اور حضرت معاویہؓ اس سے ایک یا دو سال پہلے حدیبیہ یا فتح مکہ میں مسلمان ہو چکے تھے، مگر تبوک میں حضرت معاویہؓ کی شرکت کہیں مذکور نہیں، یہ روایت اسی سند کے ساتھ کتاب الاموال ابوعبید القاسم بن سلام صفحہ ۲۵۵ مصر میں بھی موجود ہے) "س"

وَاٰمَنَ باللّٰہ ورسولہ وشہد	پیغمبر خدا پر ایمان لائے اور یہ گواہی دے کہ
ان لَآ الٰہ الا اللّٰہ وانّی رسولُ اللّٰہ	خدا صرف ایک خدا ہے اور یہ کہ خدا نے مجھ کو تمام
الی النّاس کافۃً لینذر من	دنیا کا پیغمبر مقرر کر کے بھیجا ہے تاکہ وہ ہر زندہ
کان حیا اسلم تسلم فان ابیت	شخص کو خدا کا خوف دلائے تو اسلام قبول کر،
فعلیک اثم المجوس ،	تو سلامت رہیگا، ورنہ مجوسیوں کا وبال تیری گردن پر

خسرو پرویز بڑی شوکت وشان کا بادشاہ تھا، اس کی سلطنت مین دربار کو جو عظمت و جلال حاصل ہوا کبھی نہین ہوا تھا، عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھتے تھے ان مین عنوان پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا، نامۂ مبارک مین پہلے خدا کا نام اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام تھا، خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا اور بولا کہ "میرا غلام ہو کر مجھ کو یون لکھتا ہے"؛ پھر نامہ مبارک کو چاک کر ڈالا لیکن چند روز کے بعد خود سلطنت عجم کے پرزے اُڑ گئے،

نظامی نے شیرین خسرو مین یہ داستان مفصل لکھی ہے اور اسلامی جوش سے لکھی ہے، ہم اس کے چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین،

دران دوران کہ گیتی رام او بود	زمشرق تا بہ مغرب نام او بود
رسولِ ما بہ حجت ہاے قاہر	نبوت در جہان می کرد ظاہر
گہے با سنگ خارا راز می گفت	گہے ریگش حکایت باز می گفت

لہ اس سے خسرو مراد ہے،

خلائق را ز دعوت جام در داد ‏— به هر کشور صلاے عام در داد

بفرمود از عطا عطرے سرشتند ‏— به نام هر یکے سطرے نوشتند

چو از نام نجاشی باز پرداخت ‏— ز بهر نام خسرو نامه ساخت

چو قاصد عرضه کرد آن نامهٔ نو ‏— بجوشید از غضب اندام خسرو

ز تیزی گشت هر مویش سنانی ‏— ز گرمی هر رگش آتش فشانی

سوادے دید روشن هیبت انگیز ‏— نوشته از محمدؐ سوے پرویز

چو عنوان گاهِ عالم تاب را دید ‏— تو گفتی سگ گزیده آب را دید

غرور پادشاهی بردش از راه ‏— که گستاخی که یارد؟ با چو من شاه

کرا زهره که با این احترامم ‏— نویسد نام خود بالاے نامم

رخ از گرمی چو آتش گاهِ خود کرد ‏— بخود اندیشهٔ بد کرد، و بد کرد

درید آن نامهٔ گردن شکن را ‏— نه نامه بلکه نامِ خویشتن را

فرستاده چو دید آن خشم ناکی ‏— به رجعت پاے خود را کرد خاکی

ازان آتش که آن دودِ تهی داشت ‏— چراغِ آگهانؐ[1] را آگهی داشت

ز گرمی آن چراغِ گردن افراز ‏— دعا را داد چون پروانه پرواز

عجم را زان دعا کسریٰ در افتاد ‏— کلاه از تارکِ کسریٰ در افتاد

زهے شاهنشہے کز بیم و امید ‏— قلم رانده بر افریدون جمشید

[1] آگهان یعنی ارباب علم چراغ آگهان سے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں" آگہی داشت یعنی خبر کی

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نامۂ مبارک پہنچنے کے بعد خسرو پرویز نے گورنر یمن کو جس کا نام باذان تھا فرمان بھیجا کہ کسی شخص کو حجاز بھیجو کہ اس نئے مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے دربار مین لائے، باذان نے دو شخصون کو جن مین سے ایک کا نام بانویہ اور دوسرے کا خرخسرہ تھا، مدینہ منورہ روانہ کیا، ان دونون نے بارگاہِ رسالت مین آکر عرض کی کہ شاہنشاہِ عالم (کسریٰ) نے تم کو بلایا ہے، اگر تعمیلِ حکم نہ کروگے تو وہ تم کو اور تمہارے ملک کو برباد کردیگا، آپ نے فرمایا تم واپس جاؤ اور کہدینا کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایہ تخت تک پہنچے گی[1]، یہ لوگ پیغام پہنچا کر یمن مین آئے تو خبر آئی کہ شیرویہ (خسرو پرویز کا بیٹا) نے خسرو پرویز کو قتل کروا ڈالا،

نجاشی (بادشاہِ حبش) کو آپ نے دعوتِ اسلام کا جو خط بھیجا تھا اس کے جواب مین اس نے عریضہ بھیجا کہ "مین گواہی دیتا ہون کہ آپ خدا کے سچے پیغمبر ہین" حضرت جعفر طیارؓ جو ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے یہین موجود تھے، نجاشی نے ان کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی، ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ مصاحبون کے ساتھ بارگاہِ رسالت مین عرضِ نیاز کے لئے بھیجا، لیکن جہاز سمندر مین ڈوب گیا، اور یہ سفارت ہلاک ہو گئی[2]،

عام اربابِ سیر لکھتے ہین کہ نجاشی نے ۹ھ مین وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ مین تشریف رکھتے تھے، اور یہ خبر سن کر آپ نے غائبانہ اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی، لیکن یہ غلط ہے، صحیح مسلم مین تصریح کی ہے کہ جس نجاشی کی نمازِ جنازہ آپ نے

پڑھی وہ یہ نہ تھا، لیکن ابن قیم نے ارباب سیر کی روایت کی تائید کی ہے، اور مسلم کی روایت کے اس ٹکڑہ کو راوی کا وہم بتایا ہے۔

جو لوگ ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے، اُن میں حضرت اُم حبیبہؓ (حضرت امیر معاویہؓ کی بہن) بھی تھیں، اُن کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو لکھ بھیجا کہ ام حبیبہ کو شادی کا پیغام سنا دو، اور میرے پاس بھیج دو، نجاشی نے خالد بن سعیدؓ بن العاص کو مقرر کیا، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایجاب و قبول ادا کیا، نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مہر ادا کیا، جس کی تعداد چار سو اشرفیاں تھیں، نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوئیں، اور مدینہ کے بندرگاہ میں اتریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نجاشی کے حالات حضرت اُم حبیبہؓ سے پوچھا کرتے تھے،

عزیز مصر (مقوقس) کو آپؐ نے جو خط لکھا تھا اس کے جواب میں اس نے عربی زبان میں یہ خط لکھا :-

لمحمد بن عبد اللہ من المقوقس	محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس رئیس قبط کی طرف
عظیم القبط سلام علیک	سے سلام علیک کے بعد، میں نے آپ کا خط
اما بعد فقد قرأت کتابک	پڑھا اور اس کا مضمون اور مطلب سمجھا،
وفهمت ما ذکرت فیه وما	مجھ کو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والے
تدعوا الیه وقد علمت انّ	ہیں، لیکن میں یہ سمجھا تھا کہ وہ شام
نبیا بقی وکنت اظن ان یخرج	میں ظہور کریں گے، میں نے آپؐ کے

من الشاھد وقد اکرمت رسولک	قاصد کی عزت کی اور دو لڑکیاں[1] بھیجتا ہون
وبعثت الیک بجاریتین لھما مکان	جن کی قبطیون مین (مصر کی قوم) بہت
من القبط عظیم وکسوۃ واھدیت ایک	عزت کی جاتی ہے، اور مین آپ کے لئے
بغلۃ لترکبھا والسلام علیک	کپڑا اور سواری کا ایک خچر بھیجتا ہون

بااین ہمہ عزیز مصر اسلام نہین لایا، دو لڑکیان جو بھیجی تھین اُن مین ایک ماریہ قبطیہ تھین جو حرم نبویؐ مین داخل ہوئین، دوسری سیرین تھین جو حضرت حسانؓ کے ملک مین آئین، خچر کا نام دلدل تھا جس کا ذکر اکثر حدیث کی کتابون مین آتا ہے، جنگ حنین مین آپ اسی پر سوار تھے، طبری نے لکھا ہے کہ ماریہ اور سیرین حقیقی بہنین تھین، اور حضرت حاطبؓ ابن بلتعہ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس کے پاس خط دے کر بھیجا تھا ان کی تعلیم سے دونون خاتونین خدمت نبویؐ مین پہنچنے سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھین، اس واقعہ کو اس حیثیت سے دیکھنا چاہئے کہ یہ خاتونین لونڈیان نہ تھین اور اسلام قبول کر چکی تھین اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہؓ سے نکاح کیا ہوگا نہ کہ لونڈی کی حیثیت سے وہ آپ کے حرم مین آئین،

رؤسائے عرب کو جو خطوط لکھے گئے تھے ان کے بھی جواب مختلف آئے، ہوذہ ابن علی رئیس یمامہ نے لکھا، تم جو باتین کہتے ہو وہ نہایت اچھی ہین، اگر حکومت مین کچھ میرا بھی حصہ ہو تو مین تمہاری اقتدا کے لئے تیار ہون، اسلام ہوس ملک کے لئے نہین آیا تھا،

---

[1] ہم نے جاریہ کا ترجمہ لڑکی کیا ہے، عربی مین جاریہ لڑکی کو بھی کہتے ہین، اور لونڈی کو بھی، ارباب سیرت ماریہ قبطیہ کو لونڈی کہتے ہین، لیکن مقوقس نے جو لفظ ان کی نسبت لکھا ہے یعنی کہ مصریون مین بڑی عزت ہے یہ لونڈیون کی شان مین استعمال نہین کئے جاسکتے،

آپؐ نے فرمایا، زمین کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو میں نہ دوں گا۔"

حارث غسانی جو حدودِ شام کا رئیس تھا اور رومیوں کے ماتحت اطراف کے عربوں میں حکومت کرتا تھا خط پڑھ کر برہم ہوا اور فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ مسلمان اس جرم کی پاداش میں ہر وقت اس کے حملہ کے منتظر رہتے تھے، اور آخر موتہ اور تبوک وغیرہ کی لڑائیاں پیش آئیں)

واقعات متفرقہ ۷ھ
حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمروؓ بن العاص کا اسلام

(حدیبیہ کی صلح کو خدا نے فتح کہا ہے، لیکن اجسام کی نہیں قلوب کی، اسلام کو اپنی اشاعت کے لئے امن درکار تھا اور وہ اس صلح سے حاصل ہو گیا، اس صلح کو خود دشمن فتح سمجھتے تھے، قریش اور مسلمانوں میں اب تک جو معرکے ہوئے فوجی حیثیت سے قریش کی صف میں ہر جگہ خالد بن ولید کا نام ممتاز نظر آتا ہے، جاہلیت میں رسالہ کی افسری ان ہی کے سپرد تھی، اُحد میں قریش کے اکھڑے ہوئے پانوں ان ہی کی کوشش سے سنبھلے تھے، حدیبیہ کے موقع پر بھی قریش کا طلایہ ان ہی کی زیر افسری نظر آیا تھا، لیکن قریش کا یہ سپہ سالار اعظم بھی آخر اسلام کے حملہ کاری سے نہ بچ سکا۔

صلح حدیبیہ کے بعد حضرت خالدؓ نے مکہ سے نکل کر مدینہ کا رخ کیا، راستہ میں حضرت عمروؓ بن العاص ملے، پوچھا کدھر کا قصد ہے؟ بولے اسلام لانے جاتا ہوں، آخر کب تک، حضرت عمرو بن العاص نے کہا ہمارا بھی یہی ارادہ ہے، دونوں صاحب ایک ساتھ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے، اور اب وہ جو ہر جو اسلام کی مخالفت میں صرف

(ملہ، در جن رؤسائے قبائل اور امرائے عرب کو دعوتی خطوط لکھے گئے تھے، ان کی تفصیل دوسری جلد کے تبلیغی واقعات میں آئیگی) "س" ملہ ، ۱۵۱۸ ، ابن حجر بہ روایت ابن اسحاق (ج اول ص ۱۲۱۳) "س"

ہو رہا تھا، اسلام کی محبت میں صرف ہونے لگا،

فتح مکہ میں حضرت خالدؓ جب ایک مسلمان دستہ کے افسر بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گذرے تو آپؐ نے پوچھا کون ہے؟ لوگوں نے کہا خالدؓ ہیں، آپؐ نے فرمایا "خدا کی تلوار ہے"[1]

غزوۂ موتہ میں جب حضرت جعفرؓ زیدؓ بن حارثہ، اور عبداللہؓ بن رواحہ کے بعد حضرت خالدؓ نے علم اپنے ہاتھ میں لیا تو مسلمان خطرہ سے باہر تھے،

عہد خلافت میں ایک (خالدؓ) نے شام کا ملک قیصر سے چھین لیا اور دوسرا (عمرو بن العاصؓ) مصر کا فاتح ہوا)

---

[1] ترمذی، مناقب،

سنہ ۷ھ

خیبر

آخر سنہ ۶ھ یا اوائل سنہ ۷ھ

خیبر غالباً عبرانی لفظ ہے جس کے معنی قلعہ کے ہین، یہ مقام مدینہ منورہ سے آٹھ منزل پر ہے یورپین سیاحون مین ڈاوٹی کئی مہینہ تک یہان ۱۸۷۷ء مین مقیم رہا، اس نے مدینہ سے اس مقام کا فاصلہ ۱۰۰ میل لکھا ہے[۱]، وہ نخلستان جس کے کنارہ پر خیبر ہے، نہایت زرخیز ہے، یہان یہود نے نہایت مضبوط متعدد قلعے بنائے تھے، جن مین سے بعض کے آثار اب تک باقی ہین،

عرب مین یہودی قوت کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا، مدینہ سے جب رؤساے بنو نضیر جلاوطن ہوکر خیبر مین آباد ہوئے تو انھون نے تمام عرب کو اسلام کی مخالفت پر برانگیختہ کردیا، جس کا پہلا مظہر احزاب کا معرکہ تھا، ان رؤسا مین سے حیی بن اخطب جنگ قریظہ مین قتل ہوا، جس کے بعد ابورافع سلام بن ابی الحقیق اس کا جانشین ہوا، یہ بہت بڑا تاجر اور صاحب اثر تھا، قبیلۂ غطفان جو عرب کا بہت بڑا صاحب اثر قبیلہ تھا ان کی آبادی خیبر سے متصل تھی،[۲] اور ہمیشہ سے یہود خیبر کے حلیف اور ہم عہد تھے، سنہ ۵ھ مین سلام نے خود جاکر قبیلۂ غطفان اور ان کے آس پاس کے قبیلون کو اسلام کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا، یہان تک کہ ایک عظیم الشان

۱؎ مارگولیس صفحہ ۳۵۶ ۲؎ ابن خلدون جلد ۲ ذکر قبائل عرب (و تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۲ باب غزوۂ خیبر) منہ

فوج لے کر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں،[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں معلوم ہوئیں تو آپ کے ایما سے رمضان سنہ ۶ھ میں حضرت عبد اللہ بن عتیک ایک خزرجی انصاری کے ہاتھ سے اپنے قلعۂ خیبر میں سوتا ہوا مارا گیا) سلام کے بعد یہودیوں نے اُسیر بن رزام کو مسند ریاست پر بٹھایا، اس نے قبائل یہود کو جمع کر کے تقریر کی اور کہا کہ "میرے پیشروؤں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ میں جو تدبیریں اختیار کیں وہ غلط تھیں، صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دار الریاست پر حملہ کیا جائے، اور میں یہی طریقہ اختیار کروں گا۔"

اس غرض سے اسیر نے غطفان اور دیگر قبائل میں دورہ کیا اور ایک فوجِ گراں تیار کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں پہنچیں تو آپ نے اس افواہ پر اعتماد نہیں کیا، بلکہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ کو بھیجا کہ خود خیبر جا کر اصل واقعہ کی تحقیق کریں، چنانچہ وہ چند آدمیوں کو لے کر خیبر گئے اور چھپ کر خود اسیر کی زبانی اس کے مشورے اور تدبیریں سنیں، یہ حالات آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کئے، آپ نے حضرت عبد اللہ بن رواحہ کو ۳۰ آدمی دے کر خیبر کو روانہ کیا، ان لوگوں نے اُسیر سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس لئے بھیجا ہے کہ تم اگر حاضر ہو جاؤ تو خیبر کی حکومت تم کو دیدی جائے، چنانچہ وہ ۳۰ آدمی لے کر

---

[1] ابن سعد صفحہ ۶۶ - اصلی الفاظ یہ ہیں :-

کان ابو رافع بن ابی الحقیق قد اجلب فی غطفان ومن حوله من مشرکی العرب وجعل لھم الحفل العظیم لحرب رسول اللہ (ابو رافع نے غطفان اور آس پاس کے مشرکین عرب کو جنگ پر آمادہ کیا تھا اور ایک بہت بڑی جمعیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کیلئے جمع کی) صحیح بخاری باب قتل ابی رافع میں ہے وکان ابو رافع یوذی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویعین علیہ یعنی ابو رافع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچایا کرتا تھا اور آپ کے دشمنوں کو آپ کے مقابلہ میں مدد دیا کرتا تھا، اس امداد و اعانت کی تفصیل زرقانی و فتح الباری (ج ۷ ص ۲۴) میں مفصل مذکور ہے (شرح زرقانی علی المواہب ج ۲ ص ۱۹۶، مصر)" "س"

خیبر سے نکلا، اور احتیاط کی بنا پر یہ مخلوط قافلہ اس طرح چلا کہ دو دو شخص ہر رکاب چلتے تھے جن میں ایک یہودی دوسرا مسلمان ہوتا تھا، قرقرہ پہنچ کر اسیر کے دل میں بدگمانی پیدا ہوئی اس نے ہاتھ بڑھا کر حضرت عبداللہؓ بن انیس کی تلوار چھیننی چاہی، انھوں نے کہا او دشمن خدا! بدعہدی کرنی چاہتا ہے، یہ کہہ کر سواری بڑھائی اور جب اُسیر زد پر آگیا تو تلوار ماری کہ اس کی ران کٹ گئی وہ گھوڑے سے گرا، گرتے گرتے اس نے حضرت عبداللہؓ کو زخمی کیا، اب مسلمان پیش دستی کر کے یہود پر ٹوٹ پڑے، نتیجۂ جنگ یہ تھا کہ یہود میں ایک کے سوا کوئی نہیں بچا، یہ اخیر ۵ھ یا محرم ۶ھ کا واقعہ ہے،

خیبر اب اسلام کا سب سے بڑا حریف اور اسلام کے لئے سب سے زیادہ خطرناک تھا، ان لوگوں نے مکہ جا کر قریش کے ذریعہ سے تمام عرب میں بغاوت کی ایک عالمگیر جنبش پیدا کر دی جس نے واقعۂ احزاب میں مرکز اسلام (مدینہ منورہ) کو متزلزل کر دیا تھا، یہ کوشش اگرچہ ناکام رہی، لیکن جو دست و بازو کام کر رہے تھے اب بھی موجود تھے،

جن لوگوں نے جنگ احزاب برپا کرائی تھی ان میں زیادہ باثر ابن ابی الحقیق کا خاندان تھا، جو قبیلۂ بنی نضیر سے تھا اور مدینہ سے جلا وطن ہو کر آیا تھا، اس نے خیبر کے مشہور قلعہ قموص پر قبضہ کیا تھا، سلام بن ابی الحقیق جس کا ذکر ابھی اوپر گذر چکا ہے، اسی خاندان کا رئیس تھا، اس کے قتل کے بعد اس کا بھتیجا کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق خاندان کی ریاست پر ممتاز ہوا،

خیبر کے یہود ادھر تو غطفان سے اسلام کے مقابلہ کے لیے سازش کر رہے تھے، ادھر مدینہ کے منافقین ان کو مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے اور ان کو ہمت دلاتے تھے کہ مسلمان

تم سے سر بہنین ہو سکتے،

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چاہا کہ ان لوگون سے معاہدہ ہو جائے، اس بنا پر آپ نے حضرت عبد اللہ رضی بن رواحہ کو بھیجا تھا لیکن ادھر تو یہود خود سخت دل اور ایک بدگمان قوم تھی، ادھر منافقین اُن کو اُبھارتے تھے، اسی زمانہ مین راس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول نے اہل خیبر کے پاس کہلا بھیجا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم پر حملہ کرنا چاہتے ہین لیکن تم ان سے نہ ڈرنا اُن کی ہستی کیا ہے، مٹھی بھر آدمی ہین، جن کے پاس ہتھیار تک نہین یہود نے یہ سُن کر کنانہ اور ہودہ ابن قیس کو غطفان کے پاس بھیجا کہ ہمارے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرو تو ہم نخلستان کی نصف پیداوار تم کو دین گے، (ایک روایت مین ہے کہ) غطفان نے اس کو منظور کیا[1]،

غطفان کا ایک قوت ور قبیلہ بنو فزارہ تھا اُن کو جب یہ معلوم ہوا کہ خیبر والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنا چاہتے ہین تو وہ خود خیبر مین آئے کہ ہم تمہارے شریک ہو کر لڑین گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے بنو فزارہ کو خط لکھا کہ "تم خیبر والون کی مدد سے باز آؤ، خیبر فتح ہو جائے گا تو تم کو بھی حصہ دیا جائے گا، لیکن بنو فزارہ نے انکار کیا[2]،

---

[1] تاریخ خمیس (ج ۲ ص ۴۳) عام روایتون مین گو یہ ہے کہ غطفان نے مسلمانون کے خوف سے اس کو منظور نہین کیا، تاہم یہ ظاہر ہے کہ ان کی اس ناطرفداری پر بھروسہ نہین کیا جاسکتا تھا، "ص"

[2] یہ واقعہ معجم البلدان لفظ جنفا کے ذیل مین موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے بالفاظہا نقل کیا ہے، اصل الفاظ یہ ہین:-

روی موسیٰ بن عقبة عن ابن شہاب قال کانت بنو فزارة ممن قدم علی اہل خیبر لیعینو هم فراسلهم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا یعینوهم وساء لهم ان یخرجوا عنهم الخ

(ج ۳ ص ۱۵۲ مصر)

ذی قرد محرم سنہ ۶ھ | غطفان کی شرکت جنگ کا دیباچہ یہ تھا کہ ذی قرد کی چراگاہ پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں کا چراگاہ تھا (اس قبیلہ کے چند آدمیوں نے بسرداری عبدالرحمن ابن عیینہ) چھاپہ مارا، اور ۲۰ اونٹنیاں پکڑ کر لے گئے، حضرت ابوذر کے صاحبزادے کو جو اونٹنیوں کی حفاظت پر متعین تھے قتل کر دیا اور ان کی بیوی کو گرفتار کر کے لے گئے (مسلمانوں نے جب تعاقب کیا تو وہ درہ میں گھس گئے، وہاں) عیینہ بن حصن جو قبائل غطفان کا سپہ سالار تھا ان کی امداد کو موجود تھا) مسلمانوں میں حضرت سلمہ بن الاکوع ایک مشہور قدر انداز صحابی تھے سب سے پہلے ان کو اس غارتگری کی خبر معلوم ہوئی، انھوں نے واصباحاہ کا نعرہ مارا اور دوڑ کر حملہ آوروں کو جالیا وہ اونٹوں کو پانی پلا رہے تھے، سلمہؓ نے تیر برسانے شروع کئے، حملہ آور بھاگ نکلے انھوں نے تعاقب کیا اور لڑ بھڑ کر تمام اونٹنیاں چھڑا لائے، دربار نبوت میں آکر عرض کی کہ میں دشمنوں کو پیاسا چھوڑ آیا ہوں اگر سو آدمی مل جائیں تو ایک ایک کو گرفتار کر لاتا ہوں آپ نے رحمت عام کے لحاظ سے فرمایا[1]۔

ملکت فاسجح ، قابو پا جاؤ تو عفو سے کام لو،

اس واقعہ کے تین دن[2] بعد خیبر کی جنگ پیش آئی،

---

[1] یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی مذکور ہے لیکن زیادہ تفصیل ابن سعد و ابن اسحاق سے لی گئی ہے [2] ارباب سیر نے متفقاً اس واقعہ کو خیبر کے واقعہ سے ایک سال ماقبل بیان کیا ہے، لیکن طبری نے بروایت سلمہ جو اس غزوہ کے ہیرو تھے اور نیز امام بخاری نے صاف تصریح کی ہے کہ خیبر سے تین دن پہلے کا واقعہ ہے، حافظ ابن حجر نے ارباب سیر کا بیان لکھ کر لکھا ہے :-

فعلی ھذا ما فی الصحیح من التاریخ لغزوۃ ذی قرد اصح مما ذکرہ اھل السیر — تو اس بنا پر جو کچھ صحیح بخاری میں غزوہ ذی قرد کے متعلق مذکور ہے وہ ارباب سیر کی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔

خیبر کا آغاز اور غزوات کی بہ نسبت ایک امتیازِ خاص رکھتا ہے اور اگرچہ اربابِ سیر کی نظر اس نکتہ پر نہیں پڑی کہ اس امتیاز کے اسباب کیا تھے؟ تاہم واقعہ کی حیثیت سے امتیازی امور ان کی زبان سے بھی بلا قصد نکل گئے ہیں، سب سے مقدم یہ کہ جب آپ نے خیبر کا قصد کیا تو اعلانِ عام کر دیا کہ

لا یخرجن معنا الا راغب فی الجہاد (ابن سعد) — ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ آئیں جو طالبِ جہاد ہوں،

اب تک جو لڑائیاں وقوع میں آئیں محض دفاعی تھیں؛ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم رعایا بنائے گئے اور طرزِ حکومت کی بنیاد قائم ہوئی، اسلام کا اصلی مقصد تبلیغِ دعوت ہے، اب اگر کوئی قوم اس دعوت کی سدِّ راہ نہ ہو تو اسلام کو نہ تو اس سے جنگ ہے، نہ اُس کے رعایا بنانے کی ضرورت ہے، صرف معاہدۂ صلح کافی ہے، جس کی بہت سی مثالیں اسلام میں موجود ہیں لیکن جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اُس کو مٹا دینا چاہے تو اسلام کو مدافعت کے لئے تلوار ہاتھ میں لینا پڑتی ہے اور اُس کو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے، خیبر اس قاعدہ کے موافق اسلام کا پہلا مفتوحہ ملک تھا،

غزوات کے خاتمہ کے بعد یہ بحث بتفصیل آئے گی کہ ایک مدت تک لوگ[1] جہاد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۹) حافظ ابن حجر نے دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ عیینہ بن حصن نے ذو قرد پر دو دفعہ حملہ کیا تھا، عام اربابِ سیر جس کا ذکر کرتے ہیں وہ پہلا حملہ تھا اور یہ بالکل قرینِ قیاس ہے (فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۲ باب غزوۂ ذی قرد) (۲) عام اربابِ سیر کو غزوۂ خیبر (بلکہ تمام غزوات) کے متعلق چونکہ کسی سبب کی تلاش و جستجو نہیں اس لئے ان کو اس سے کچھ بحث نہیں کہ واقعات کا تسلسل اور غزوات کے اسباب کیا ہیں، لیکن زیادہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب واقعات ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، (۱) یہاں لوگ سے مراد منافقین ہیں، یہ لوگ غزوات میں محض غنیمت کے لالچ میں شریک ہوتے تھے، جہاں سخت مقابلہ پیش آنے اور مالِ غنیمت

کو عرب کے قدیم طریقہ کے موافق معاش کا ذریعہ سمجھتے رہے، اس لڑائی (خیبر) تک بھی یہ غلط فہمی تھی، یہ پہلا غزوہ ہے جس میں یہ پردہ اٹھا دیا گیا اور اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اس لڑائی میں صرف وہ لوگ شریک ہوں جن کا مقصد محض جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ ہو،

غرض آپ غطفان اور یہود کے حملہ کی مدافعت کے لئے مدینہ سے محرم سنہ ۷ھ میں حضرت سباع بن عرفطہ غفاریؓ کو مدینہ کا افسر مقرر کر کے مدینہ سے روانہ ہوئے ازواج مطہراتؓ میں سے حضرت ام سلمہؓ ساتھ تھیں، فوج کی تعداد ۱۶۰۰ تھی جن میں ۲۰۰ سوار اور باقی پیدل تھے، اس وقت تک لڑائیوں میں علم کا رواج نہ تھا، چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں ہوتی تھیں، یہ پہلا مرتبہ تھا کہ آپ نے تین علم تیار کرائے، دو حضرت حبابؓ بن منذر اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کو عنایت ہوئے اور خاص علم نبویؐ جس کا پھریرا حضرت عائشہؓ کی چادر سے تیار ہوا تھا، جناب امیرؓ کو مرحمت ہوا، فوج جب روانہ ہوئی تو حضرت عامرؓ ابن الاکوع (جو) مشہور شاعر تھے، یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے چلے،

اللّٰھم لولا انت ما اھتدینا	اے خدا! اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے
ولا تصدقنا ولا صلینا	نہ خیرات کرتے، نہ روزہ رکھتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ) نہ ملنے کا گمان ہوتا وہاں غزوات کی شرکت سے کتراتے تھے چنانچہ انہی وجوہ سے وہ حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے اور اس پر سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی ناراضی ظاہر فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ آئندہ غنیمت والے غزوہ میں بھی وہ شریک نہ کئے جائیں، اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اعلان فرمایا کہ اس غزوہ میں بھی وہی شرکت کا ارادہ کریں جن کی غرض محض جہاد و اعلاء کلمۃ اللہ ہو، دنیاوی مال و متاع نہ ہو، (زرقانی و ابن سعد باب غزوۂ خیبر) "س" (سلہ ابن سعد جزء مغازی صفحہ ۷۷، میں جمادی الاولیٰ سنہ ۷ھ ہے جو بہ تحقیق مذکورہ بالا صحیح نہیں) "س"

فاغفر فداء لك ما اتقينا — ہم تجھ پر فدا ہوں، ہم جو احکام نہیں بجا لائے
وانزلن سکینۃ علینا — ان کو معاف کردے اور ہم پر تسلی نازل کر
انا اذا صیح بنا اتینا — ہم جب فریاد میں پکارے جاتے ہیں تو پہنچ
وثبت الاقدام ان لاقینا — جاتے ہیں اور جب مڈبھیڑ ہو تو ہم کو ثابت قدم
وبالصیاح عولوا علینا — رکھ، لوگوں نے پکار کر ہم سے استغاثہ چاہا ہے

یہ اشعار صحیح (مسلم و) بخاری میں نقل کئے ہیں مسند ابن حنبل میں بعض اشعار[1] زیادہ ہیں (پہلے دو مصرع کسی قدر اختلاف کے ساتھ صحیح مسلم (خیبر) میں بھی ہیں،

ان الذین قد بغوا علینا — جن لوگوں نے ہم پر دست درازی کی ہے
اذا ارادوا فتنۃ ابینا — جب وہ کوئی فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں تو ہم ان سے
ونحن عن فضلك ما استغنینا — دیتے نہیں اور اے خدا ہم تیری عنایت سے بے نیاز نہیں

راہ میں ایک میدان آیا صحابہؓ نے تکبیر کے نعرے بلند کئے، چونکہ تعلیم و تلقین کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا اور بات بات میں نکات شریعت کی تعلیم ہوتی رہتی تھی ارشاد ہوا کہ آہستہ، کیونکہ کسی بہرے اور دور از نظر کو نہیں پکار رہے ہو، تم جس کو پکارتے ہو وہ تمہارے پاس ہی ہے[2]،

اس غزوہ میں چند خاتونیں بھی اپنی خواہش سے فوج کے ساتھ ہولی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ان اشعار میں صاف تصریح ہے کہ تعدی اور حملہ کی ابتدا دشمنوں کی طرف سے تھی، اشعار کے بعض بعض الفاظ میں روایات کا اختلاف ہے [2] صحیح بخاری غزوۂ خیبر،

کو معلوم ہوا تو آپؐ نے اُن کو بلا بھیجا اور غضب کے لہجہ میں فرمایا تم کس کے ساتھ آئیں اور کس کے حکم سے آئیں" بولیں کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اس لئے آئے ہیں کہ چرخہ کات کر کچھ پیدا کریں گے اور اس کام میں مدد دیں گے، ہمارے پاس زخمیوں کے لئے دوائیں بھی ہیں، اس کے علاوہ ہم تیر اٹھا کر لائیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے بعد جب مال غنیمت تقسیم کیا تو ان کا بھی حصہ لگایا، لیکن یہ حصہ کیا تھا؟ زر و جواہر نہ تھے، مال و اسباب نہ تھا، درہم و دینار نہ تھے، بلکہ صرف کھجوریں تھیں، تمام مجاہدین کو یہی ملا تھا، اور ان پردہ نشینوں نے بھی یہی پایا تھا،

یہ واقعہ ابو داؤد (باب فی المرأة والعبد یحذیان من الغنیمة) میں مذکور ہے، حدیث اور سیرت کی تمام کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر غزوات میں مستورات ساتھ ہوتی تھیں جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی اور پیاسوں کو پانی پلاتی تھیں، جنگ اُحد میں حضرت عائشہؓ کا مشک میں پانی بھر بھر کر لانا اور زخمیوں کو پلانا اوپر گذر چکا ہے، لیکن یہ امر کہ عورتیں میدان جنگ سے تیر اٹھا اٹھا کر بھی لاتی اور مجاہدین کو دیتی تھیں، صرف ابو داؤد نے ذکر کیا ہے، لیکن سند صحیح متصل سے ذکر کیا ہے اس لئے شک کی گنجائش نہیں، یوں بھی عرب کی مستورات سے کم سے کم یہی توقع کی جا سکتی ہے،

چونکہ معلوم تھا کہ غطفان اہل خیبر کی مدد کو آئیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام رجیع میں فوجیں اُتاریں جو غطفان اور خیبر کے بیچ میں ہے، اسباب بار برداری، خیمہ گاہ اور مستورات یہاں چھوڑ دی گئیں اور فوجیں خیبر کی طرف بڑھیں، غطفان یہ سنکر

کہ اسلامی فوجین خیبر کی طرف بڑھ رہی ہین، ہتھیار سج کر نکلے لیکن آگے بڑھ کر جب اُن کو معلوم ہوا کہ خود اُن کا گھر خطرہ مین ہے تو واپس چلے گئے،

خیبر مین چھ قلعے تھے، سالم، قموص، نطاۃ، قصارۃ، شق، مربطہ اور جیسا کہ یعقوبی نے تصریح کی ہے اُن مین بیس ہزار سپاہی موجود تھے ان سب مین قموص نہایت مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا، مرحب عرب کا مشہور پہلوان جو ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا اسی قلعہ کا رئیس تھا، ابن ابی الحقیق کا خاندان جس نے مدینہ سے جلاوطن ہوکر خیبر کی ریاست حاصل کرلی تھی یہین رہتا تھا،

لشکر اسلام جب خیبر کے قریب یعنی مقام صہبا مین پہنچا تو نمازِ عصر کا وقت آچکا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہان ٹھہر کر نمازِ عصر ادا کی، پھر کھانا طلب فرمایا، رسد کا ذخیرہ صرف ستو تھا وہی آپ نے بھی پانی مین گھول کر نوش فرمایا، رات ہوتے ہوتے فوج اسلام خیبر کے سواد مین پہنچ گئی عمارتین نظر آئین تو آپ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ ٹھہر جاؤ، پھر خدا کا نام لے کر یہ دعا مانگی،

اِنَّا نسئلك خير هذه القرية	اے خدا! ہم تجھ سے اس گانون کی اور گانون
وخير اهلها وخير ما فيها	والون کی اور گانون کی چیزون کی بھلائی
ونعوذ بك من شرها وشر اهلها	چاہتے ہین اور اُن سب کی برائیون سے

لہ طبری (ج ۳) صفحہ ۵، ۱۵، اصل عبارت یہ ہے، فبلغنی ان غطفان لما سمعت بمنزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر جمعوا لہ ثم خرجوا لیظاہروا یہود علیہ حتی اذا ساروا ... تاریخ یعقوبی (ج ۲ ص ۵۶) سہ صحیح بخاری،

وشرما فیہا۔ (ابن ہشام) | پناہ مانگتے ہیں،

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یہ آپ کا معمول عام تھا یعنی جب کسی مقام میں داخل ہوتے تھے، تو پہلے یہ دعا مانگ لیتے تھے، چونکہ سنتِ نبوی یہ تھی کہ رات کو کسی مقام پر حملہ نہیں کیا جاتا تھا اس لیے رات یہین بسر کی، صبح کو خیبر مین داخلہ ہوا، یہودیون نے مستورات کو ایک محفوظ مقام مین پہنچا دیا، رسد اور غلہ قلعۂ ناعم مین یکجا کیا اور فوجین قلعۂ نطاۃ اور قموص مین فراہم کین، سلام بن مشکم نضری بیمار تھا، تاہم اُس نے سب سے زیادہ حصہ لیا اور خود قلعۂ نطاۃ مین آکر فوج کی شرکت کی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود جنگ نہ تھا لیکن جب یہود نے بڑے سروسامان کے ساتھ جنگ کی تیاری کی تو آپ نے صحابہؓ کو مخاطب کرکے وعظ فرمایا اور جہاد کی ترغیب دی، تاریخ خمیس مین اس موقع پر لکھا ہے،

ولما تیقن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان	اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تقین
الیہود تحارب وعظ اصحابہ	ہو گیا کہ یہود لڑنے پر آمادہ ہین تو آپ
ونصحہم وحرضہم علی الجہاد،	نے صحابہ کو نصیحت کی اور جہاد کی ترغیب دی،

سب سے پہلے قلعۂ ناعم پر فوجین بڑھین، حضرت محمودؓ بن مسلمہ نے بڑی دلیری سے حملہ کیا اور دیر تک لڑتے رہے لیکن چونکہ سخت گرمی تھی تھک کر دم لینے کے لئے قلعہ کی دیوار کے سایہ مین بیٹھ گئے، کنانہ بن الربیع نے قلعہ کی فصیل سے چکی کا پاٹ اُن کے سر

لہ صحیح بخاری مین اصل عبارت یہ ہے:۔ اذا اتی قوما بلیل لم یغز بہم حتی یصبح (باب غزوۂ خیبر)

گرا یا جس کے صدمہ سے وفات پائی، لیکن قلعہ بہت جلد فتح ہوگیا،[1]

ناعم کے بعد اور قلعے بہ آسانی فتح ہوتے گئے لیکن قلعہ قموص مرحب کا تخت گاہ تھا، اس مہم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھیجا لیکن دونوں ناکام واپس آئے،

طبری میں روایت ہے کہ جب خیبری قلعہ سے نکلے تو حضرت عمرؓ کے پانوں نہ جم سکے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر شکایت کی کہ فوج نے نامردی کی، لیکن فوج نے اُن کی نسبت خود یہی شکایت کی،

اس روایت کو طبری نے جس سلسلہ سند سے نقل کیا ہے اُس کے راوی عوف ہیں، ان کو بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے لیکن بندار جب اُن کی روایت بیان کرتے تھے تو کہتے تھے کہ "وہ رافضی اور شیطان تھا" یہ لفظ بہت سخت ہے لیکن اُن کی شیعیت سب کو تسلیم ہے اور گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ جس روایت میں حضرت عمرؓ کے بھاگنے کا واقعہ بیان کیا جائے شیعہ کی زبان سے اس روایت کا ثبوت کیا رہ جاتا ہے، اس کے علاوہ اوپر کے راوی عبداللہ بن بریدہ ہیں جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں لیکن محدثین کو اس بات میں شبہہ ہے کہ اُن کی جو روایتیں باپ کے سلسلہ سے منقول ہیں صحیح بھی ہیں یا نہیں،

تاہم اس قدر ضرور صحیح ہے کہ اس مہم پر پہلے اور بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے تھے لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت میں تھا، جب مہم میں زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن شام کو

---

[1] ابن ہشام نے دو موقعوں پر اس واقعہ کا الگ الگ ٹکڑا لکھا ہے، یہ تفصیل خمیس سے لی گئی ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کل میں اس شخص کو علم دونگا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دیگا، اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے، اور خدا اور خدا کا رسول بھی اس کو چاہتے ہیں[1]، یہ رات نہایت امید اور انتظار کی رات تھی، صحابہؓ نے تمام رات اس بیقراری میں کاٹی کہ دیکھئے یہ تاج فخر کس کے ہاتھ آتا ہے، حضرت عمرؓ نے قناعت پسندی اور بلند نظری کی بنا پر کبھی حکومت اور سرداری کی تمنا نہیں کی لیکن جیسا کہ صحیح مسلم باب فضائل علیؓ میں مذکور ہے ان کو خود اعتراف ہے کہ اس موقع کی تمنا میں ان کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی،

صبح کو دفعۃً یہ آواز کانوں میں آئی کہ علیؓ کہاں ہیں؟ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا، اور سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں، غرض حسب طلب وہ حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی، جب ان کو علم عنایت ہوا تو انھوں نے عرض کی کہ "کیا یہود کو لڑکر مسلمان بنالیں"؟ ارشاد ہوا کہ "بہ نرمی ان پر اسلام کو پیش کرو، اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام لائے تو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے[2]"

لیکن یہود اسلام یا صلح کے قبول کرنے پر راضی نہیں ہوسکتے تھے، مرحب قلعہ سے یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا،

قد علمت خیبر انی مرحب	خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں،
شاکی السلاح بطل مجرب	دلیر ہوں، تجربہ کار ہوں، اسلاح پوش ہوں

[1] یہ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں [2] یہ واقعہ بتفصیل مذکور صحیح بخاری میں منقول ہے،

مرحب کے سر پر یمنی زرد رنگ کا مغفر اور اُس کے اوپر سنگی خود تھا، قدیم زمانہ مین گول پتھر بیچ سے خالی کر لیتے تھے یہی خود کہلاتا تھا،

مرحب کے جواب مین حضرت علیؓ نے یہ رجز پڑھا،

انا الذی سمتنی امی حیدرہ	مین وہ ہون کہ میری مان نے میرا نام شیر رکھا
کلیث غابات کریہ المنظرہ	مین شیر نیستان کی طرح مہیب و بدمنظر ہون،

مرحب بڑے طمطراق سے آیا لیکن حضرت علیؓ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتون تک اتر آئی، اور ضربت کی آواز فوج تک پہنچی، پہلوان کا مارا جانا عظیم الشان واقعہ تھا، اس لئے عجائب پسندی نے اس کے متعلق نہایت مبالغہ آمیز افواہین پھیلا دین، معالم التنزیل مین ہے کہ حضرت علیؓ نے جب تلوار ماری تو مرحب نے سپر پر روکا، لیکن ذوالفقار خود اور سر کو کاٹتی ہوئی دانتون تک اتر آئی، مرحب کے مارے جانے پر یہود نے جب عام حملہ کیا تو اتفاق سے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر پڑی آپ نے قلعہ کا در جو سرتاپا پارۂ سنگ تھا اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لیا، اس واقعہ کے بعد ابو رافع نے سات آدمیون کے ساتھ مل کر اس کو اٹھانا چاہا تو جگہ سے بھی نہ ہل سکا" یہ روایتین ابن اسحاق اور حاکم نے روایت کی ہین، لیکن بازاری قصے ہین، علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ مین تصریح کی ہے کہ

کلہا واھیۃ	سب لغو روایتین ہین،

لہ طبری صفحہ ۱۵۷۹ (یہ اشعار اور مختصر واقعات صحیح مسلم غزوۂ خیبر مین بھی ہین)

علامۂ ذہبی نے میزان الاعتدال مین علی بن احمد فروخ کے حال مین اس روایت کو نقل کرکے لکھا ہے کہ "یہ روایت منکر ہے" ابن ہشام نے جن سلسلون سے یہ روایتین نقل کی ہین ان مین سے ایک روایت مین تو بیچ کے ایک راوی کا نام سرے سے چھوڑ دیا ہے اور دوسرے مین اس مشترک نقص کے ساتھ بریدہ بن سفیان بھی ایک راوی ہین، جن کو امام بخاری اور ابوداؤد اور دارقطنی قابل اعتبار نہین سمجھتے[1]،

ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ نے مارا تھا، مسند ابن حنبل اور نووی شرح صحیح مسلم مین بھی ایک روایت ہے لیکن صحیح مسلم (اور حاکم ج ۲ ص ۳۹) مین حضرت علیؓ ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے اور یہی اصح الروایات ہے،

غرض یہ قلعہ (قموص) ۲۰ دن کے محاصرہ کے بعد فتح ہو گیا، ان معرکون مین ۹۳ یہود مارے گئے، جن مین حارث، مرحب، اسیر، یاسر، عامر زیادہ مشہور ہین، صحابہؓ مین سے ۱۵ بزرگون نے شہادت حاصل کی جن کے نام ابن سعد نے بتفصیل لکھے ہین،

فتح کے بعد زمین مفتوحہ پر قبضہ کر لیا گیا لیکن یہود نے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضے مین رہنے دی جائے ہم پیداوار کا نصف حصّہ ادا کرین گے، یہ درخواست منظور ہوئی، بٹائی کا وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن رواحہؓ کو بھیجتے تھے، وہ غلہ کو دو حصّون مین تقسیم کرکے یہود سے کہتے تھے، کہ اس مین سے جو حصّہ چاہو لے لو، یہود اس عدل

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ بریدہ بن سفیان،

متحیر ہو کر کہتے تھے کہ زمین اور آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں"۔ خیبر کی زمین تمام مجاہدین پر جو اس جنگ میں شریک تھے تقسیم کر دی گئی، اسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خمس بھی تھا۔

عام روایت ہے کہ مال غنیمت میں سے خمس کے علاوہ ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص طور پر کر لیا جاتا تھا جس کو صفی کہتے ہیں، اس بنا پر حضرت صفیہؓ (زوجہ کنانہ بن الربیع) کو آپ نے لے لیا، اور آزاد کر کے اُن سے نکاح کر لیا،

حضرت صفیہؓ کے واقعہ کی تحقیق

حضرت صفیہؓ کی نسبت بعض کتب حدیث و سیر میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ان کو دحیہ کلبیؓ کو دیا تھا، پھر کسی نے اُن کے حسن کی تعریف کی تو اُن سے مانگ لیا، اور اس کے معاوضہ میں ان کو سات لونڈیاں دیں، مخالفین نے اس روایت کو نہایت بدنما پیرایہ میں ادا کیا ہے، اور جب اصل روایت میں اتنی بات موجود ہے تو ظاہر ہے کہ مخالف اس سے کہاں تک کام لے سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت صفیہؓ کا یہ واقعہ حضرت انسؓ سے منقول ہے، لیکن خود حضرت انسؓ سے متعدد روایتیں ہیں اور وہ باہم مختلف ہیں، بخاری کی جو روایت غزوۂ خیبر کے ذکر میں ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ جب قلعۂ خیبر فتح ہوا تو لوگوں نے آپ کے سامنے حضرت صفیہؓ کے حسن کا ذکر کیا، آپ نے اُن کو اپنے لئے لے لیا، اصل الفاظ یہ ہیں:-

فلما فتح اللہ علیہ الحصن (جب خدا نے قلعہ فتح کرا دیا تو لوگوں نے

۱؎ فتوح البلدان بلاذری (ص ۲۱) فتح خیبر و طبری صفحہ ۱۵۸۹ (اصل روایت ابو داؤد باب المساقات میں موجود ہے)

ذکر لہ جمال صفیۃ بنت حیی	آپ سے صفیہ بنت حیی کے حسن وجمال کی
بن اخطب وقد قتل زوجھا	تعریف کی، اس کا شوہر اس جنگ میں
وکانت عروسا فاصطفاھا النبی	مارا گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو
صلی اللہ علیہ وسلم لنفسہ،	اپنے لئے پسند کرلیا)

لیکن بخاری کتاب الصلوٰۃ (باب ما یذکر فی الفخذ) (صحیح مسلم باب فضل عتق الامۃ) میں خود حضرت انسؓ کی یہی روایت اس طریقہ سے منقول ہے، کہ جب لڑائی کے بعد قیدی جمع کئے گئے تو حضرت دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی ان میں سے ایک لونڈی مجھ کو عنایت ہو، آپ نے اُن کو اختیار دیا کہ خود جا کر کوئی لونڈی لے لو، انھوں نے حضرت صفیہؓ کو انتخاب کیا لیکن لوگوں کو اعتراض ہوا، ایک شخص نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا،

یا نبی اللہ اعطیت دحیۃ صفیۃ	اے پیغمبر خدا! آپ نے صفیہ کو دحیہ کے
بنت حیی سیدۃ قریظۃ والنضیر	حوالہ کیا، وہ قریظہ اور نضیر کی رئیسہ ہے اُس
لا تصلح الا لک،	آپ کے سوا اور کوئی اس کے لائق نہیں

اس کے بعد آپ نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کرکے ان سے نکاح کرلیا، ابوداؤد[۲] میں

یہ دونوں روایتیں ہیں اور دونوں حضرت انسؓ سے مروی ہیں، ابوداؤد کی شرح میں مازری (مشہور محدث) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو

---

(۱) صحیح مسلم جلد اصفحہ ۴۶۰ (باب فضل عتق الامۃ ثم التزوج بہا) ۲ (ابوداؤد (باب ما جاء فی سہم الصفی)

اس لئے حضرت دحیہؓ سے لے کر ان سے عقد کیا کہ

لمافیہ من انتھا کھا مع مرتبتھا | چونکہ وہ عالی مرتبہ اور رئیس یہود کی صاحبزادی تھیں
وکونھا بنت سیدھم ، | اسلئے ان کا کسی اور کے پاس جانا ان کی توہین تھی

حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری مین اس کے قریب لکھا ہے ،

یہ ظاہر ہے کہ حضرت صفیہؓ خاندان کے تباہ ہونے کے بعد خاندان سے باہر بیوی یا کنیز بن کر رہتین، وہ رئیس خیبر کی بیٹی تھین، اُن کا شوہر بھی قبیلۂ نضیر کا رئیس تھا، باپ اور شوہر دونون قتل کئے جا چکے تھے، اس حالت مین اُن کی پاس خاطر، حفظ مراتب اور رفع غم کے لئے اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے عقد مین لے لین، وہ کنیز ہو کر بھی رہ سکتی تھین، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی خاندانی عزت کے لحاظ سے اُن کو آزاد کر دیا اور پھر نکاح پڑھایا (بلکہ مسند ابن حنبل مین ہے کہ آپؐ نے ان کو اختیار دیا کہ وہ آزاد ہو کر اپنے گھر چلی جائین یا آپؐ کے نکاح مین آنا قبول کرین، انھون نے دوسری صورت پسند کی یعنی یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح مین آجائین[1]) حسن خلق، رحم اور مصیبت زدہ کی چارہ نوازی کے علاوہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے بھی یہ کارروائی نہایت موزون اور بجا تھی اس قسم کے طرز عمل سے عرب کو اسلام کی طرف رغبت اور کشش ہوتی تھی کہ اسلام اپنے دشمنون کے ورثہ کے ساتھ بھی کس قسم کا محسنانہ اور ہمدردانہ سلوک کرتا ہے ،

غزوۂ بنی المصطلق مین حضرت جویریہؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اور اس سلوک کا

(۱) مسند ابن حنبل ج ۲ ص ۱۳۸ (مصر) "س"

جو اثر ہوا وہ اوپر گذر چکا ہے،

فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز خیبر مین قیام کیا، اگرچہ یہود کو کامل امن و امان دیا گیا اور ان کے ساتھ ہر طرح کی مراعات کی گئی تاہم ان کا طرز عمل مفسدانہ اور باغیانہ رہا، پہلا دیباچہ یہ تھا کہ ایک دن زینب نے جو سلام بن مشکم کی بیوی اور مرحب کی بھاوج تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند صحابہ کے ساتھ دعوت کی، آپ نے فرط کرم سے قبول فرمایا، زینب نے کھانے مین زہر ملا دیا تھا، آپ نے ایک لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا، لیکن حضرت بشر بن براء نے پیٹ بھر کر کھایا اور زہر کے اثر سے بالآخر ہلاک ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کو بلا کر پوچھا اس نے جرم کا اقبال کیا، یہود نے کہا "ہم نے اس لئے زہر دیا کہ اگر آپ پیغمبر ہین تو زہر خود اثر نہ کرے گا اور پیغمبر نہین ہین تو ہم کو آپ کے ہاتھ سے نجات مل جائے گی"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہین لیتے تھے، اس بنا پر آپ نے زینب سے تعرض نہین فرمایا، لیکن جب دو تین دن کے بعد حضرت بشرؓ زہر کے اثر سے انتقال کر گئے تو وہ قصاص مین قتل کر دی گئی،

ایک دفعہ صحابہ مین سے حضرت عبداللہؓ بن سہیل اور حضرت محیصہؓ قحط سالی کے زمانہ مین خیبر گئے، یہود نے حضرت عبداللہؓ کو دھوکے سے قتل کر کے ایک نہر مین ڈال دیا، حضرت محیصہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آکر واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیون نے قتل کیا ہے؟ عرض کیا کہ حضور! وہ تو پچاس مسلمانون کو قتل کر کے بھی چھوٹی

قسم کھالین گے، غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے تعرض نہین کیا، اور بیت المال سے مقتول کا خون بہا دلا دیا،

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت مین یہود نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو سوتے مین کوٹھے پر سے گرا دیا کہ ان کا ہاتھ اور پانون ٹوٹ گیا، اس طرح ہمیشہ فساد انگیزیان کرتے رہتے تھے، مجبور ہو کر حضرت عمرؓ نے اُن کو شام کے اضلاع مین جلاوطن کر دیا (یہ جملۂ معترضہ سلسلۂ کلام مین آگیا تھا)

خیبر کے واقعات مین ارباب سیر نے ایک سخت غلط روایت نقل کی ہے اور وہ اکثر کتابون مین منقول ہو کر متداول ہو گئی ہے یعنی یہ کہ اوّل آپؐ نے یہود کو اس شرط پر امن عام دیا تھا کہ کوئی چیز نہ چھپائین گے لیکن جب کنانہ بن الربیع نے خزانہ بتانے سے انکار کیا تو آپؐ نے حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ سختی کر کے اس سے خزانہ کا پتہ لگائین حضرت زبیرؓ چقماق جلا کر اس کے سینے کو داغتے تھے، یہان تک کہ اس کی جان نکلنے کے قریب ہو گئی بالآخر آپؐ نے کنانہ کو قتل کرا دیا اور تمام یہودی لونڈی غلام بنا لئے گئے[3]،

اس روایت کا اس قدر حصہ صحیح ہے کہ کنانہ قتل کر دیا گیا لیکن اس کی وجہ یہ نہین کہ وہ خزانہ بتانے سے انکار کرتا تھا، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کنانہ نے محمود بن مسلمہ کو قتل کیا تھا طبری مین تصریح ہے،

---

[1] فتوح البلدان، بلاذری (ص ۲۰) اور صحیح بخاری مطبوعہ مصطفائی جلد اول صفحہ ۳۰۲ (باب اذا اشترط فی المزارعۃ اذا شئت اخرجتک) [2] یہ پوری تفصیل تاریخ طبری مین مذکور ہے، ابن ہشام مین بھی اس کے قریب قریب ہے [3] فتوح البلدان بلاذری، (ص ۲۴)

ثم دفعه رسول اللّٰہ الی محمد	پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کو محمد بن مسلمہ
بن مسلمة فضرب عنقه باخیه	کے حوالہ کیا انھون نے اپنے بھائی محمود
محمود بن مسلمة، (صفحہ ۱۵۸۲)	ابن مسلمہ کے قصاص مین اس کو قتل کر دیا

باقی روایت کا یہ حال ہے کہ یہ روایت طبری اور ابن ہشام دونون نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے، لیکن ابن اسحاق نے اوپر کے کسی راوی کا نام نہین بتایا، محدثین نے رجال کی کتابون مین تصریح کی ہے کہ ابن اسحاق یہودیون سے مغازی نبوی کے واقعات روایت کرتے تھے، اس روایت کو بھی انہی روایتون مین سمجھنا چاہئے اور یہی وجہ ہے کہ ابن اسحاق ان راویون کا نام نہین لیتے،

کسی شخص پر خزانہ بتانے کے لئے اس قدر سختی کرنا کہ اس کے سینہ پر چقماق سے آگ جھاڑی جائے، رحمۃ للعالمین کی شان اس سے بہت ارفع ہے،

وہی شخص جو اپنے زہر دینے والے سے مطلق تعرض نہین کرتا، کیا چند سکون کے لئے کسی کو آگ سے جلانے کا حکم دے سکتا ہے؟

اصل واقعہ اس قدر تھا کہ کنانہ بن ابی الحقیق کو اس شرط پر امان دی گئی تھی کہ کسی قسم کی بدعہدی اور خلاف بیانی نہ کرے گا[1] (بلکہ ایک روایت مین ہے کہ) اس نے یہ بھی منظور کیا تھا کہ اگر اس کے خلاف اس نے کچھ کیا تو وہ قتل کا مستحق ہوگا[2]،

کنانہ نے بدعہدی کی اور جو امن اسکو دیا گیا تھا ٹوٹ گیا، کنانہ نے محمود بن مسلمہ کو

---

[1] ابو داؤد باب حکم ارض خیبر۔ [2] طبقات ابن سعد غزوۂ خیبر صفحہ ۷۱ سطر ۲۴،

قتل کیا تھا، اب اُس کے قصاص مین وہ قتل کردیا گیا، جیسا کہ ابھی ہم نے طبری کی روایت سے نقل کیا ہے؛

اب دیکھو اس روایت مین کیا کیا واقعات اضافہ ہوگئے،

(۱) قتل کا واقعہ کنانہ کے ساتھ خاص تھا، خزانہ کے چھپانے کا وہی مجرم تھا، محمود بن مسلمہ کو اُسی نے قتل کیا تھا۔ اس لئے وہی قتل بھی کیا جا سکتا تھا، اضافہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ ابن سعد نے بکر بن عبدالرحمن سے جو روایت متصل نقل کی ہے، اس مین کنانہ کے ساتھ اس کے بھائی کا بھی نام بڑھا دیا ہے یعنی دونون قتل کیے گئے،

فضرب اعنا قھما وسبیٰ اھلیھما[۱]، — تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونون کو قتل کرادیا، ان کی عورتون اور بچون کو لونڈی غلام بنایا،

(۲) یہان تک بھی خیریت تھی لیکن ابن سعد نے عفان بن مسلم سے جو روایت نقل کی ہے وہ اس سے بھی زیادہ وسیع ہوگئی ہے، یعنی دونون بھائیون کے ساتھ تمام یہودی گرفتار اور لونڈی غلام بنا لئے گئے،

فلما وجد المال الذی غیبوہ فی مسک الجمل سبیٰ نساءھم[۲] — تو جب وہ خزانہ مل گیا جس کو انھون نے اونٹ کی کھال مین چھپا رکھا تھا تو ان کی عورتین گرفتار کین اور لونڈیان بنالین،

لیکن جب یہ روایتین محدثانہ اصول تنقید سے جانچی جاتی ہین تو چھلکے اُترتے جاتے

---

[۱] طبقات ابن سعد غزوہ خیبر صفحہ ۸۱ سطر ۲ [۲] طبقات ابن سعد غزوۂ خیبر صفحہ ۸۰ ۔

ہیں اور اصل حقیقت رہ جاتی ہے یہود کا قتل اور زن و بچہ کا گرفتار ہونا، ایک طرف، خود صحیح بخاری سے ثابت ہو کہ کنانہ کا بھائی تک قتل نہیں کیا گیا اور حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت تک موجود تھا،

صحیح بخاری میں ہے،

فلما اجمع عمر علی ذلک اتاہ	پھر جب حضرت عمرؓ نے یہ ارادہ کر لیا تو
احد بنی ابی الحقیق فقال	ابو الحقیق کا ایک بیٹا ان کے پاس آیا اور کہا کہ
یا امیر المؤمنین اتخرجنا	امیر المؤمنین آپ ہم کو نکالتے ہیں حالانکہ
وقد اقرنا محمد وعاملنا علی	ہم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنے دیا تھا
الاموال[1]،	اور خراج پر معاملہ کیا تھا،

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ یہ وہی کنانہ بن ابی الحقیق کا بھائی تھا، حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں عام روایتوں کی وسعت کو گھٹا کر اس حد تک پہنچایا کہ

ولم یقتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کے بعد ابن
بعد الصلح الا ابنی ابی الحقیق	ابی الحقیق کے دونوں بیٹوں کے سوا اور
(ذکر غزوۂ خیبر)	کسی کو قتل نہیں کیا،

لیکن حافظ موصوف کو اگر صحیح بخاری کی عبارتِ مذکورۂ بالا پیشِ نظر ہوتی تو غالباً یہ تعداد اور بھی گھٹ جاتی،

[1] صحیح بخاری جلد اول مطبع مصطفائی صفحہ ۳۰۷، باب اذا اشترط فی المزارعۃ اذا شئت اخرجتک،

ابوداؤد مین جہان ارض خیبر کا عنوان باندھا ہے صرف ابن ابی الحقیق کا قتل کیا جانا لکھا ہے، یہ نکتہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ابوداؤد مین لکھا ہے. کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعیۃ (حیی بن اخطب کے چچا) سے پوچھا تھا کہ وہ خزانہ کیا ہوا؟ اس نے کہا لڑائیون مین صرف ہوگیا، باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف کنانہ کے قتل کا حکم دیا، یہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ کنانہ کا قتل محمود بن مسلمہ کے قصاص مین ہوا تھا، ورنہ اگر خزانہ کے چھپانے کا جرم قتل کا سبب ہوتا تو اس جرم کے مجرم اور بھی تھے،

مؤرخین نے پہلی غلطی یہ کی کہ کنانہ کے قتل کا سبب اخفاے خزانہ سمجھے اور چونکہ اس جرم مین اور لوگ بھی شریک تھے اس لئے یہ تعمیم خود بخود پیدا ہوگئی کہ کنانہ کا تمام خاندان قتل کر دیا گیا،

ایک اور نکتہ | اس قدر عموماً مسلّم ہے کہ خیبر کا واقعہ محرم مین پیش آیا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس ارادہ سے مدینہ سے نکلے تو محرم کی اخیر تاریخین تھین، محرم مین لڑائی شرعاً ممنوع ہی، اس لیے محدثین اور فقہا مین اس کی توجیہ کے متعلق اختلاف پیدا ہوا، بہت سے فقہا کا یہ مذہب ہے کہ اوائل مین البتہ ان مہینون مین لڑائی شرعاً ممنوع تھی لیکن پھر وہ حکم منسوخ ہوگیا، علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ حرمت کا پہلا حکم جو نازل ہوا تھا وہ اس آیت کے روسے تھا،

قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ	کہدو کہ اس مہینہ مین لڑنا بڑا گناہ ہی
عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ، (بقرہ - ۲۷)	اور خدا کی راہ سے روکنا ہے،

پھر سورۂ مائدہ مین یہ آیت اتری،

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللّٰهِ — مسلمانو! خدا کی حدبندیون کی اور ماہِ حرام

وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ، (مائدہ - ۱) — کی بے حرمتی نہ کرو،

یہ پچھلی آیت پہلی آیت کے آٹھ برس بعد نازل ہوئی، اس وسیع زمانہ تک تو حرمت کا حکم باقی رہا، اب وہ کونسی آیت یا حدیث ہے جس سے یہ حکم منسوخ ہوگیا،

وَلَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا سُنَّةِ — اور خدا کی کتاب اور حدیث مین ان آیتین

رَسُولِهِ نَاسِخٌ لِحُكْمِهَا، — کے حکم کا کوئی ناسخ نہین،

مجوزین نے یہ استدلال کیا ہے کہ فتحِ حرم، طائف کا محاصرہ، بیعتِ رضوان، یہ سب ماہِ حرام مین ہوئے تھے، اس لئے اگر ماہِ حرام مین لڑائی جائز نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کیونکر جائز رکھتے، حافظ ابن القیم نے جواب دیا ہے کہ ماہِ حرام مین ابتدائً جنگ کرنا حرام ہے، لیکن اگر دشمن کا مدافعہ مقصود ہے تو بالاتفاق جائز ہے، وہ سب واقعات دفاعی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش دستی نہین کی تھی، بلکہ دفاع کیا گیا تھا، بیعتِ رضوان اس لئے لی گئی تھی کہ یہ خبر مشہور ہوگئی تھی کہ کفار نے حضرت عثمانؓ کو (جو سفیر ہو کر گئے تھے) قتل کر دیا، طائف کا محاصرہ کوئی مستقل جنگ نہ تھی، بلکہ غزوۂ حنین کا بقیہ تھا جس مین خود کفار ہر طرف سے جمع ہو کر حملہ آور ہوئے تھے، فتحِ حرم کا واقعہ حدیبیہ کی شکست کا نتیجہ تھا جس کی ابتدا قریش نے کی تھی؛

حافظ ابن القیم نے نہایت صحیح جواب دیا لیکن خاص خیبر کے معاملہ مین وہ اس گرہ کو نہ کھول سکے اور بحث نا منفصل رہ گئی، حافظ ابن القیم کے اُستاد علامہ ابن تیمیہ کو بھی اس موقع

پر اشتباہ ہوا، انھون نے الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح مین لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر لڑائیان کین سب دفاعی تھین صرف بدر اور خیبر اس سے مستثنیٰ ہین، لیکن اگر علامۂ موصوف زیادہ استقصار کرتے تو ثابت ہوتا کہ بدر اور خیبر بھی مستثنیٰ نہین، بدر کا بیان اوپر گذر چکا ہے، خیبر کے ماسبق واقعات کو ترتیب دے کر دیکھو تو صاف نظر آئے گا کہ یہود اور غطفان مدینہ پر حملہ کی تیاریان کر چکے تھے،

تقسیم زمین | خیبر کی زمین دو برابر حصّون مین تقسیم کی گئی، نصف بیت المال، مہمانی اور سفارت وغیرہ کے مصارف کے لئے خاص کر لیا گیا، باقی نصف مجاہدین پر جو اس غزوہ مین شریک تھے، مساوی حصّون مین تقسیم کیا گیا، کل فوج کی تعداد چودہ سو تھی، دو سو سوار تھے، سوارون کو گھوڑون کے مصارف کے لئے پیدل سے دوگنا ملتا تھا، اس بنا پر یہ تعداد اٹھارہ سو کے برابر تھی، اس حساب سے کل جائداد کے اٹھارہ سو حصّے کئے گئے اور ہر مجاہد کے حصّہ مین ایک حصّہ آیا، جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عام مجاہدین کے برابر ایک ہی حصّہ ملا،[1]

ولرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل سھم واحد ھم — اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی عام لوگون کی طرح ایک حصّہ تھا،[2]

ملکی حالت اور احکام فقہی | خیبر کی فتح سے اسلام کی ملکی اور سیاسی حالت کا نیا دور شروع ہوتا ہے، اسلام کے حقیقی دشمن صرف دو تھے، مشرکین اور یہود، عیسائی اگرچہ عرب مین موجود تھے، لیکن وہ کچھ زور اور اثر نہین رکھتے تھے، مشرکین اور یہود اگرچہ مذہبًا باہم مختلف تھے

---

[1] فتوح البلدان بلاذری، ذکر غزوۂ خیبر[2] ابوداؤد حکم ارض خیبر مین ہے، النبی صلی اللہ علیہ وسلم معھم لہ سھم کسھم احدھم)" س"

لیکن سیاسی اسباب کی بنا پر اُن مین اتحاد پیدا ہو گیا تھا، مدینہ کے یہود عموماً انصار کے حلیف تھے اسی طرح خیبر کے یہود غطفان کے حلیف تھے، اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے مکہ اور مدینہ کے مشرکین اور منافقین سب مل کر کنفسٍ واحدۃٍ ہو گئے، خیبر کی فتح کے بعد یہود کی قوت بالکل ٹوٹ گئی اور مشرکین کا ایک بازو جاتا رہا،

اب تک اسلام چارون طرف سے نرغہ کی حالت مین تھا، اس بنا پر بجز عقائد اور ضروری عبادت کے شریعت کے اور احکام کی تاسیس و تعلیم کا موقع نہ تھا، شریعت کے احکام جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے حالات کے اقتضا سے بتدریج آئے ہین چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی خیبر کی فتح سے ادھر تو یہود کی فتنہ انگیزیون سے نجات ملی، اُدھر حدیبیہ کی صلح سے مشرکین کی طرف سے فی الجملہ اطمینان حاصل ہوا، اس بنا پر آب مسلمان جدید فقہی احکام کی تعمیل کے قابل ہو چکے تھے،

ارباب سیر نے غزوۂ خیبر کے تذکرہ مین عموماً ذکر کیا ہے کہ اس موقع پر متعدد جدید فقہی احکام نازل[1] ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تبلیغ کی، اُن کی تفصیل یہ ہے،

(۱) پنجہ دار پرند حرام ہو گئے،

(۲) درندہ جانور حرام کر دیئے گئے،

(۳) گدھا اور خچر حرام کر دیا گیا،

(۴) اب تک معمول تھا کہ لونڈیون سے فوراً تمتع جائز سمجھا جاتا تھا، اب استبراء کی

---

[1] یہان نزول سے وحی متلو یعنی قرآن مراد نہین ہے،

قید ہوگئی، یعنی اگر وہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک، ورنہ ایک مہینہ تک تمتع جائز نہیں۔

(۵) چاندی سونے کا بہ تفاضل خریدنا حرام ہوا،

(۶) بعض روایتوں میں ہے کہ متعہ بھی اسی غزوہ میں حرام ہوا،

وادی القرےٰ اور فدک تیما اور خیبر کے درمیان ایک وادی ہے جس میں بہت سی بستیاں آباد ہیں، اس کو وادی القریٰ کہتے ہیں، قدیم زمانہ میں عاد و ثمود یہاں آباد تھے، یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ عاد و ثمود کے آثارات اب بھی باقی ہیں، اسلام سے پہلے ان بستیوں میں یہود آکر آباد ہوئے اور زراعت اور آب رسانی کو بہت ترقی دی اور اب یہود کا مخصوص مرکز بن گیا تھا[۱]،

خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی القریٰ کا رخ کیا، لیکن لڑنا مقصود نہ تھا مگر یہود پہلے سے تیار تھے، انھوں نے فوراً تیراندازی شروع کر دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محمل آپؐ کے غلام (حضرت مدعمؓ) اتار رہے تھے، کہ ایک تیر آیا اور وہ جان بحق ہوئے عام مورخین نے یہود کی تیاری کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن امام بیہقی نے صاف تصریح کی ہے،

وقد استقبلتنا یھود بالرمی	یہود ہمارے مقابلہ کو تیر چلاتے ہوئے
ولم نکن علی تعبئۃ[۲]،	نکلے اور ہم تیار نہ تھے،

بہرحال جنگ شروع ہوگئی، لیکن تھوڑے سے مقابلہ کے بعد یہود نے سپر ڈال دی اور خیبر کے شرائط کے موافق صلح ہوگئی،

---

[۱] معجم البلدان لفظ قریٰ ج ۷، ص ۳۳، [۲] زرقانی بر موطا، بہ حوالہ بیہقی باب الجہاد ذکر غلول (صفحہ ۳۱۳) ج ۲

ادائے عمرہ | صلح حدیبیہ مین قریش سے معاہدہ ہوا تھا کہ اگلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مین آکر عمرہ ادا کرین گے اور تین دن قیام کرکے واپس چلے جائین گے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال عمرہ ادا کرنا چاہا، اور اعلان کرادیا کہ جو لوگ واقعہ حدیبیہ مین شریک تھے ان مین سے کوئی رہ نہ جائے، چنانچہ بجز ان لوگون کے جو اس اثنا مین مرچکے تھے، سب نے یہ سعادت حاصل کی،

معاہدہ مین شرط تھی کہ مسلمان مکہ مین آئین تو ہتھیار ساتھ نہ لائین، اس لئے اسلحۂ جنگ بطنِ یاجج مین جو مکہ سے آٹھ میل ادھر ہے چھوڑ دیئے گئے، اور دو سو سوارون کا ایک دستہ اسلحہ کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا گیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لبیک کہتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے، حضرت عبداللہ بن رواحہ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے یہ رجز پڑھتے جاتے تھے[1]،

خلوابنی الکفار عن سبیلہ	کافرو! سامنے سے ہٹ جاؤ،
الیوم نضربکم علی تنزیلہ	آج جو تم نے اترنے سے روکا تو ہم تلوار کا وار کرینگے
ضربا یزیل الھام عن مقیلہ	وہ وار جو سر کو خوابگاہ سر سے الگ کردے
ویذھل الخلیل عن خلیلہ	اور دوست کے دل سے دوست کی یاد بھلادے،

صحابہ کا جم غفیر ساتھ تھا، اور برسون کی دیرینہ تمنا، اور فرضِ مذہبی بڑے جوش کے ساتھ ادا کر رہا تھا، اہلِ مکہ کا خیال تھا کہ مسلمانون کو مدینہ کی آب و ہوا نے کمزور کر دیا ہے،

[1] یہ اشعار اور یہ واقعہ ترمذی نے شمائل مین نقل کیا ہے،

اس بنا پر آپؐ نے حکم دیا کہ لوگ طواف کے تین پہلے پھیروں مین اکڑتے ہوے چلین، عربی زبان مین اس کو "رمل" کہتے ہین، چنانچہ آج تک یہ سنت باقی ہے،

اہل مکہ نے اگرچہ چارناچار عمرہ کی اجازت دیدی تھی تاہم اُن کی آنکھین اس منظر کے دیکھنے کی تاب نہین لاسکتی تھین، روساے قریش نے عموماً شہر خالی کردیا، اور پہاڑون پر چلے گئے، تین دن کے بعد حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا "محمدؐ سے کہدو کہ شرط پوری ہوچکی اب مکہ سے نکل جائین" حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، آپؐ اسی وقت روانہ ہوگئے، چلتے وقت حضرت حمزہؓ کی صغیر السن صاحبزادی امامہ جو مکہ مین رہ گئی تھین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس "چچا چچا"[1] کہتی دوڑی آئین، حضرت علیؓ نے ہاتھون مین اٹھالیا، لیکن حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) اور زیدؓ بن حارثہ نے اپنے دعوے پیش کئے، حضرت جعفرؓ کہتے تھے کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے، زیدؓ کہتے تھے کہ حمزہؓ میرے مذہبی بھائی تھے، اس رشتہ سے یہ میری بھتیجی ہے، حضرت علیؓ کو دعویٰ تھا کہ میری ہمشیرہ بھی ہے اور پہلے میری ہی گود مین آئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے دعوے مساوی الدرجہ دیکھ کر ان کو اسماء کی گود مین دیا، وہ امامہ کی خالہ تھین، پھر فرمایا کہ "خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے"[2]

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رشتہ مین ان کے بھائی تھے لیکن انھون نے تعظیماً کہا، (یا اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت حمزہؓ دونون رضاعی بھائی تھے) [2] اس واقعہ کا بڑا حصہ صحیح بخاری سے ماخوذ ہے، بعض زائد تفصیلین زرقانی سے لی گئی ہین، جو کتب حدیث کے حوالہ سے زرقانی نے نقل کی ہین،

سنہ ۸ھ

غزوۂ مُوتہ

جمادی الاولیٰ سنہ ۸ھ

مُوتہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جو بلقاء سے اس طرف ہے، عرب میں جو مشرقی تلواریں مشہور ہیں وہ یہیں بنتی تھیں[1]، کُثیر مشہور شاعر کہتا ہے،

صَوَارِمُ یجلوھا بمُوتَۃَ صَیقلُ (وہ تلواریں جن کو موتہ میں صیقل گر جلا دیتا ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ بُصری یا قیصر روم کے نام ایک خط لکھا تھا، عرب اور شام کے سرحدی علاقوں میں جو عرب رؤسا حکمران تھے اُن میں ایک شُرَحبیل بن عمرو بھی تھا، جو اسی علاقہ بلقاء کا رئیس اور قیصر کا ماتحت تھا، یہ عربی خاندان ایک مدت سے عیسائی تھا اور شام کے سرحدی مقامات میں حکمران تھا، یہ خط حارث بن عُمیر لے کر گئے تھے، شُرَحبیل نے اُن کو قتل کر دیا، اس کے قصاص کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار فوج تیار کر کے شام کی طرف روانہ کی، زیدؓ بن حارثہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے سپہ سالاری ملی اور ارشاد ہوا کہ اگر ان کو دولت شہادت نصیب ہو تو جعفر طیارؓ اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں[2]، حضرت زیدؓ غلام تھے گو آزاد ہو چکے تھے، حضرت جعفر طیارؓ، حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] معجم البلدان لفظ موتہ (ج ۸، ص ۱۹۰) [2] صحیح بخاری غزوۂ موتہ۔

کے مقرب خاص تھے، حضرت عبداللہ بن رواحہ معزز انصاری اور مشہور شاعر تھے، اس بنا پر لوگوں کو تعجب ہوا کہ حضرت جعفرؓ و حضرت عبداللہ بن رواحہ کے ہوتے حضرت زیدؓ کو افسر کرنا کس بنا پر ہے، چنانچہ لوگوں میں چرچے ہوئے[1] لیکن اسلام جس مساواتِ عام کے قائم کرنے کے لئے آیا تھا اس کے لئے اسی قسم کا ایثار درکار تھا، حضرت اسامہؓ کی مہم میں جس میں تمام مہاجرین کو شرکت کا حکم ہوا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی زیدؓ کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ کو فوج کا افسر مقرر کیا تھا، اس وقت بھی لوگوں میں چرچے ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو خطبہ دیا اور فرمایا کہ "تم لوگوں نے اُن کے باپ کی افسری پر بھی اعتراض کیا تھا، حالانکہ یقیناً وہ افسری کے قابل تھے" چنانچہ صحیح بخاری بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسامة بن زید فی مرضہ الذی توفی فیہ (باب المغازی) میں بہ تفصیل یہ واقعہ منقول ہے،

گو یہ مہم قصاص لینے کی غرض سے تھی لیکن چونکہ تمام مہمات کا اصلی محور تبلیغ اسلام تھا، ارشاد ہوا کہ پہلے ان کو دعوتِ اسلام دی جائے، اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو جنگ کی ضرورت نہیں، یہ بھی حکم ہوا کہ اظہارِ ہمدردی کے لئے اس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیر نے ادائے فرض میں جان دی ہے، ثنیۃ الوداع تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فوج کی مشایعت کے لئے تشریف لے گئے، صحابہ نے پکار کر دعا کی کہ خدا سلامت اور کامیاب لائے،[2]

فوج مدینہ سے روانہ ہوئی تو جاسوسوں نے شرحبیل کو خبر دی جس نے مقابلہ کے لئے کم و بیش ایک لاکھ فوج تیار کی، ادھر خود قیصرِ روم (ہرقل) قبائلِ عرب کی بے شمار فوج

---

[1] فتح الباری ج ۷ ص ۳۹۳، [2] طبقات ابن سعد جزء مغازی ص ۹۳

نے کرآب میں خیمہ زن ہوا، جو بلقار کے اضلاع میں ہے، حضرت زیدؓ نے یہ حالات سن کر چاہا کہ ان واقعات سے دربارِ رسالت کو اطلاع دی جائے، اور حکم کا انتظار کیا جائے لیکن حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے کہا، ہمارا اصل مقصد فتح نہیں بلکہ دولتِ شہادت ہے جو ہر وقت حاصل ہوسکتی ہے، غرض یہ مختصر گروہ آگے بڑھا اور ایک لاکھ فوج پر حملہ آور ہوا، حضرت زیدؓ برچھیاں کھا کر شہید ہوئے، ان کے بعد حضرت جعفرؓ نے علم ہاتھ میں لیا، گھوڑے سے اتر کر پہلے خود اپنے گھوڑے کے پانون پر تلوار ماری کہ اس کی کونچین کٹ گئیں، پھر اس بے جگری سے لڑے کہ تلواروں سے چور ہو کر گر پڑے، حضرت عبداللہؓ بن عمر کا بیان ہو کہ مین نے ان کی لاش دیکھی تھی، تلواروں اور برچھیوں[1] کے ۹۰ زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے، پشت نے یہ داغ نہیں اٹھایا تھا، حضرت جعفرؓ کے بعد عبداللہؓ بن رواحہ نے علم ہاتھ میں لیا اور وہ بھی دادِ شجاعت دے کر شہید ہوئے، اب حضرت خالدؓ سردار بنے اور نہایت بہادری سے لڑے، صحیح بخاری میں ہے کہ آٹھ تلوارین ان کے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرین[2] لیکن ایک لاکھ سے تین ہزار کا کیا مقابلہ تھا، بڑی کامیابی یہی تھی کہ فوجوں کو دشمن کی زد سے بچا لائے، جب یہ شکست[3] خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہنچی اور اہلِ شہر ان کی مشایعت کو نکلے تو لوگ غمخواری کے بجائے ان کے چہروں پر خاک پھینکتے تھے کہ او فراریو! تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے،

---

[1] صحیح بخاری (۲) صحیح بخاری غزوۂ موتہ) (۳) مصنف نے یہاں ابن اسحاق کی روایت پر اعتماد کر کے اس فوج کو شکست خوردہ لکھا ہے، اور ان کی واپسی پر ان سب کو بلا امتیاز فراری ہونے کا مستحق ظاہر کیا ہے، لیکن جیسا کہ صحیح بخاری غزوۂ موتہ میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے از روے وحی فرمایا کہ پھر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا سخت صدمہ ہوا، حضرت جعفرؓ سے آپؐ کو خاص محبت تھی، ان کی شہادت کا نہایت قلق تھا، آپؐ مسجد مین جاکر غمزدہ بیٹھے، اسی حالت مین ایک شخص نے آکر کہا کہ جعفر کی مستورات رو رہی ہین اور ماتم کر رہی ہین، آپؐ نے منع کرا بھیجا، وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ مین نے منع کیا لیکن وہ باز نہین آتین، آپؐ نے دوبارہ بھیجا، وہ پھر گئے اور واپس آکر عرض کی کہ ہم لوگون کی نہین چلتی، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تو اُن کے منہ مین خاک بھر دو، یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری مین منقول ہے، صحیح بخاری مین یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس شخص سے کہا کہ خدا کی قسم! تم یہ نہ کروگے (منہ مین خاک ڈالنا) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سے نجات نہ ملے گی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۷) اللہ کی ایک تلوار یعنی خالد سیف اللہ نے مسلمانون کے علم کو اپنے ہاتھ مین لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانون کو اپنے دشمن پر غلبہ دیا (رحمۃ اللہ علیہم) ارباب سیر اور اہل روایت اور شراح حدیث اس غلبہ یا فتح کی تشریح مین مختلف ہین، ایک فریق کا بیان ہے کہ مسلمانون کو پوری فتح حاصل ہوئی، دوسرے کا خیال ہے کہ مسلمانون کا غلبہ اور فتح یہ ہے کہ مسلمان اس قلتِ تعداد اور کفار اپنی کثرت کے باوجود تھک کر غیر منفصل جنگ کی صورت مین ایک دوسرے کے مقابلہ سے ہٹ آئے، تیسرا فریق یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانون کو فتح کفار کے ایک خاص دستہ کے مقابلہ مین حاصل ہوئی، اور اس سے مال غنیمت بھی حاصل کیا، چوتھا بیان یہ ہے کہ مسلمانون کا غلبہ یہ ہے کہ حضرت خالدؓ کی قیادت مین اتنے بڑے لشکر کے حملون کو روک دیا اور بہ سلامت پیچھے ہٹ آئے، اس مقام پر فتح الباری، روض الانف سہیلی اور البدایہ ابن کثیر ملاحظہ کرنا چاہئے، اسی طرح مسلمانون کی جس فوج کو اپنے اوپر فراری ہونے کا گمان تھا یا مسلمانون نے ان کو فراری کہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی کہ نہین تم فراری نہین بلکہ پھر دوبارہ حملہ کرنے کی نیت سے پیچھے ہٹ آنے والے ہو، اس کی مخاطب پوری اسلامی فوج نہین بلکہ ان کی فوج کا ایک خاص دستہ تھا جو جلدی کرکے پہلے مدینہ چلا آیا تھا، تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری و روض الانف سہیلی والبدایہ ابن کثیر باب غزوۂ موتہ) "س"

فتح مکّہ

رمضان سنہ ۸ھ مطابق جنوری سنہ ۶۳۰ء

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا

جانشینِ ابراہیم (علیہما الصلوٰۃ والسّلام) کا سب سے مقدّم فرض، توحیدِ خالص کا احیا اور حرمِ کعبہ کا آلائش سے پاک کرنا تھا، لیکن قریش کے پے درپے حملون اور عرب کی مخالفتِ عام نے پورے اکیس (۲۱) برس تک اس فرض کو روک رکھا، صلحِ حدیبیہ کی بدولت اتنا ہوا کہ چند روز کے لئے امن وامان قائم ہو گیا اور دلدادگانِ حرم ایک دفعہ یادگارِ ابراہیمی کو غلط انداز نظر سے دیکھ آئے، لیکن معاہدہ حدیبیہ بھی قریش سے نہ نبھ سکا، حلم وعفو وتحمّل کی حد ہو چکی، اب وقت آگیا کہ آفتابِ حق حجابہائے حائل کو چاک کر کے باہر نکل آئے۔

صلحِ حدیبیہ کی بنا پر قبائلِ عرب مین خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف ہو گئے تھے اور ان کے حریف بنو بکر نے قریش سے محالفت کا معاہدہ کر لیا تھا، ان دونون حریفون مین مدّت سے لڑائیان چلی آتی تھین، اسلام کے ظہور نے عرب کو ادھر متوجہ کیا تو وہ لڑائیان رک گئین اور اب تک رکی رہین، کیونکہ قریش اور عرب کا سارا زور اسلام کے مقابلہ مین صرف ہو رہا تھا، صلحِ حدیبیہ نے لوگون کو مطمئن کیا تو بنو بکر سمجھے کہ اب انتقام کا وقت آگیا، دفعۃً خزاعہ پر حملہ آور ہوئے اور رؤسائے قریش نے علانیہ اُن کو مدد دی،

عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو، وغیرہ نے راتوں کو صورتیں بدل کر بنو بکر کے ساتھ تلواریں چلائیں، خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی، بنو بکر رک گئے کہ حرم کا احترام ضرور ہے، لیکن ان کے رئیس اعظم نوفل نے کہا یہ موقع پھر کبھی ہاتھ نہیں آسکتا، غرض عین حدود حرم میں خزاعہ کا خون بہایا گیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ دفعۃً یہ صدا بلند ہوئی،

لاھُمّ انی ناشدٌ محمّداً	اے خدا! میں محمدؐ کو وہ معاہدہ یاد دلاؤں گا
حِلف ابینا وابیہ الاتلدا	جو ہمارے اور ان کے قدیم خاندان میں ہوا ہے
فانصر رسول اللہ نصراً عتدا	اے پیغمبر خدا! ہماری اعانت کر، اور خدا
وادعُ عباد اللہ یاتوا مددا	کے بندوں کو بلا، سب اعانت کیلئے حاضر ہونگے

معلوم ہوا کہ خزاعہ کے چالیس ناقہ سوار جن کا پیشرو عمرو بن سالم ہے، فریاد لے کر آئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعات سنے تو آپؐ کو سخت رنج ہوا، تاہم آپؐ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی منظور کیجائے،

(۱) مقتولوں کا خونبہا دیا جائے،

(۲) قریش، بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں،

(۳) اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا،

لہ طبری ص ۱۶۲۰ (ج ۳) (ابن سعد جزء مغازی صفحہ ۹۷، میں کچھ اور نام بھی ہیں) "س" (لہ طبقات ابن سعد جزء مغازی ص۹۶) "س"

قرط بن عمر نے قریش کی زبان سے کہا کہ صرف تیسری شرط منظور ہے" لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی، انھون نے ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرا لائین، ابوسفیان نے مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین درخواست کی، بارگاہِ رسالت سے کچھ جواب نہ ملا، ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بیچ مین ڈالنا چاہا، لیکن سب نے کانون پر ہاتھ رکھا، ہر طرف سے مجبور ہو کر جناب فاطمہ زہراؓ کے پاس آیا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ پانچ برس کے بچے تھے، ابوسفیان نے ان کی طرف اشارہ کرکے کہا "اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہہ دے کہ مین نے دونون فریقون مین بیچ بچاؤ کرا دیا، تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائے گا" جناب سیدہؓ نے فرمایا "بچون کو ان معاملات مین کیا دخل" بالآخر ابوسفیان نے حضرت علیؓ کے ایما سے مسجدِ نبوی مین جاکر اعلان کر دیا کہ "مین نے معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کر دی"[1]

ابوسفیان نے مکہ مین جاکر لوگون سے یہ واقعہ بیان کیا تو سب نے کہا یہ نہ صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھ جائین، نہ جنگ ہے کہ لڑائی کا سامان کیا جائے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی تیاریان کین، اتحادی قبائل کے پاس قاصد بھیجے کہ تیار ہو کر آئین، احتیاط کی گئی کہ اہلِ مکہ کو خبر نہ ہونے پائے،

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ ایک معزز صحابی تھے، انھون نے قریش کو مخفی خط لکھ بھیجا

---

[1] زرقانی (ج ۲ ص ۳۴۰) نے یہ واقعہ مغازی ابن عائذ سے نقل کیا ہے، تعجب ہے کہ مؤرخین اور ارباب سیر ایسے ضروری واقعہ کو قلم انداز کر گئے" (زرقانی علی المواہب ج ۲ صفحہ ۳۴۰)

کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ کی تیاریاں کررہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی حضرت علیؓ (اور حضرت زبیرؓ حضرت مقدادؓ اور حضرت ابومرثد غنویؓ) کو[1] بھیجا کہ قاصد سے خط چھین لائیں، خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا، تو تمام لوگوں کو حاطب کے افشائے راز پر حیرت ہوئی حضرت عمرؓ بیتاب ہوگئے اور عرض کی کہ "حکم ہو تو ان کی گردن اڑادوں؟" لیکن جبین رحمت پر شکن نہ تھی، ارشاد ہوا، عمر! تم کو کیا معلوم ہے کہ خدا نے اہل بدر کو مخاطب کرکے کہدیا ہو کہ تم سے مواخذہ نہیں ہے،

حضرت حاطبؓ کے عزیز و اقارب اب تک مکہ میں تھے اور ان کا کوئی حامی نہ تھا اس لئے انھوں نے قریش پر احسان رکھنا چاہا کہ اس کے صلہ میں ان کے عزیزوں کو ضرر نہ پہنچائیں گے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہی عذر پیش کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا،

غرض، ۱۰ رمضان سنہ ۸ھ کو کوکبۂ نبوی نہایت عظمت و شان سے مکۂ معظمہ کی طرف بڑھا، دس ہزار آراستہ فوجیں رکاب میں تھیں، قبائل عرب راہ میں آکر ملتے جاتے تھے، مرالظہران پہنچکر لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور فوجیں دور دور تک پھیل گئیں، یہ مقام مکۂ معظمہ سے ایک منزل، یا اس سے بھی کم فاصلہ پر ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی جس سے تمام صحرا وادی ایمن بن گیا، فوج کی آمد کی بھنک قریش کے کانوں میں پڑچکی تھی تحقیق

---

[1] زرقانی علی المواہب ج ۲ صفحہ ۳۳۹ "س"

کے لئے انھون نے حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) ابوسفیان اور بدیل بن ورقا کو بھیجا!
خیمۂ نبوی کی دربانی پر جو دستہ متعین تھا اس نے ابوسفیان کو دیکھ لیا، حضرت عمرؓ جذبہ
انتقام کو ضبط نہ کرسکے، تیز قدمی سے آگے بڑھے اور بارگاہِ رسالت مین آکر عرض کی کہ کفر کے
استیصال کا وقت آگیا لیکن حضرت عباسؓ نے جان بخشی کی درخواست کی، حضرت عمرؓ
نے دوبارہ عرض کیا، حضرت عباسؓ نے کہا "عمر! اگر یہ شخص تمھارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم
اس قدر سخت دلی نہ کرتے" حضرت عمرؓ نے کہا آپ یہ نہ فرمائین آپ جس دن اسلام لائے
مجھ کو جو مسرت ہوئی تھی، خود میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھ کو اس قدر خوشی نہ ہوتی[1]

ابوسفیان کے تمام پچھلے کارنامے اب سب کے سامنے تھے اور ایک ایک چیز
اس کے قتل کی دعویدار تھی، اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال،
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خفیہ قتل کرانے کی سازش، ان مین سے ہر چیز اس کے خون کی
قیمت ہوسکتی تھی لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفو نبوی) تھی، اس نے ابوسفیان
کے کان مین آہستہ سے کہا کہ "خوف کا مقام نہین"۔

صحیح بخاری مین ہے کہ گرفتار ہونے کے ساتھ ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا لیکن
طبری وغیرہ مین اس اجمال کی تفصیل مین حسب ذیل مکالمہ لکھا ہے،

---

[1] اصل واقعہ صحیح بخاری مین کافی تفصیل کے ساتھ موجود ہے، لیکن مزید تفصیل اور جزئیات حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح مین موسیٰ بن عقبہ اور ابن عائذ وغیرہ سے نقل کئے ہین مین نے ان کو بھی لے لیا ہے، بعض واقعات طبری سے ماخوذ ہین (طبری ج ۳ ص ۱۶۳۲) "س"

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) — کیون ابوسفیان کیا اب بھی تم کو یقین نہین آیا کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہین ؟

ابوسفیان — کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا،

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) — کیا اس مین کچھ شک ہی کہ مین خدا کا پیغمبر ہون

ابوسفیان، — اس مین تو ذرا شبہہ ہے،

بہر حال ابوسفیان نے اسلام کا اظہار کیا اور اس وقت گو اُن کا ایمان متزلزل تھا لیکن مورخین لکھتے ہین کہ بالآخر وہ سچے مسلمان بن گئے، چنانچہ غزوہ طائف مین اُن کی ایک آنکھ زخمی ہوئی اور یرموک مین وہ بھی جاتی رہی،

لشکرِ اسلام جب مکہ کی طرف بڑھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو کہ افواج الٰہی کا جلال آنکھون سے دیکھین، کچھ دیر کے بعد دریائے اسلام مین تلاطم شروع ہوا، قبائل عرب کی موجین جوش مارتی ہوئی بڑھین سب سے پہلے غِفار کا پرچم نظر آیا، پھر جُہَینہ، (سَعد بن) ہُذَیم، سُلَیم، ہتھیارون مین ڈوبے ہوئے تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے نکل گئے، ابوسفیان ہر دفعہ مرعوب ہو جاتے تھے، سب کے بعد انصار کا قبیلہ اس سروسامان سے آیا کہ آنکھین خیرہ ہوگئین ابوسفیان نے متحیر ہو کر پوچھا یہ کون لشکر ہے ؟ حضرت عباسؓ نے نام بتایا، دفعۃً سردار فوج حضرت سعد بن عبادہؓ ہاتھ مین علم لئے ہوئے برابر سے گذرے اور ابوسفیان کو دیکھ کر پکار اُٹھے،

الیوم یوم الملحمۃ الیوم — آج گھمسان کا دن ہے، آج کعبہ حلال

تشغل الکعبۃ، کردیا جائے گا،

سب سے اخیر کوکبۂ نبوی نمایاں ہوا، جس کے پرتو سے سطح خاک پرنور کا فرش بچھتا جاتا تھا۔ حضرت زبیرؓ بن العوام علمبردار تھے، ابوسفیان کی نظر جمال مبارک پر پڑی تو پکار اٹھے کہ "حضورؐ نے سنا؟ عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے" ارشاد ہوا کہ "عبادہ نے غلط کہا آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے" یہ کہہ کر حکم دیا کہ فوج کا علم عبادہ سے لیکر اُن کے بیٹے کو دیدیا جائے،

مکہ پہنچ کر آپؐ نے حکم دیا کہ علم نبوی مقام حجون پر نصب کیا جائے، حضرت خالدؓ کو حکم ہوا کہ فوجوں کے ساتھ بالائی حصہ کی طرف آئیں [1]،

اعلان کردیا گیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا، یا ابوسفیان کے ہاں پناہ لے گا، یا دروازہ بند کرلے گا (یا خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا) اس کو امن دیا جائے گا، تاہم قریش کے ایک گروہ نے مقابلہ کا قصد کیا، اور خالدؓ کی فوج پر تیر برسائے، چنانچہ تین صاحب (یعنی حضرت کرزؓ بن جابر فہری، اور حضرت حبیشؓ بن اشعر اور حضرت سلمہؓ بن المیلاء) نے شہادت پائی [2] حضرت خالدؓ نے مجبور ہو کر حملہ کیا، یہ لوگ ۱۳ لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلواروں کا چمکنا دیکھا تو حضرت خالدؓ سے بازپرس کی لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ ابتدا مخالفین نے کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "قضائے الٰہی یہی تھی"

---

[1] یہ خاص صحیح بخاری کی روایت ہے (سلہ مصنف نے یہاں حضرت عروہؓ کی روایت لی ہے جو گو صحیح بخاری میں ہے مگر مرسل ہے، صحیح و مرفوع روایات جو صحیح بخاری میں ہیں ان کے مطابق صورت حال یہ ہے کہ حضرت خالدؓ مکہ کے زیریں حصہ سے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بالائی حصہ سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے، فتح الباری ج ۸ صفحہ ۸) "س"

[2] ان کی شہادت کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ہے،

لوگون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضورؐ قیام کہان فرمائین گے؟ کیا اپنے قدیم مکان مین؟ شریعت مین مسلمان کافر کا وارث نہین ہوسکتا، ابوطالب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم) نے جب انتقال کیا تھا تو اُن کے صاحبزادے عقیل اُس وقت کافر تھے اس لئے وہی وارث ہوئے، انھون نے یہ مکانات ابوسفیان کے ہاتھ بیچ ڈالے تھے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عقیل نے گھر کہان چھوڑا کہ اس مین اترون[1] اس لئے مقام خیف مین ٹھہرون گا" جہان قریش نے (ہمارے خلاف کفر کی تائید پر باہم عہد وپیمان کیا تھا)

خدا کی شان حرم محترم، جو خلیل بت شکن کی یادگار تھا اُس کے آغوش مین ۳۶۰ بت جاگزین تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک کو لکڑی کی نوک سے ٹھوکے دیتے جاتے اور یہ پڑھتے جاتے تھے،

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ	حق آگیا اور باطل مٹ گیا، اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی،

إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا[2]

---

(1) صحیح بخاری فتح مکہ مین حضرت اسامہؓ بن زید سے جو روایت ہے اس مین تصریح ہے کہ حضورؐ نے یہ ارشاد فتح مکہ کے موقع پر کیا لیکن اس مین خیف کے قیام کا ذکر نہین لیکن جو روایت حضرت ابوہریرہؓ سے ہے اس مین یہ تصریح ہے کہ یہ حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا اور اس مین خیف کی تصریح ہے، ابن حجر نے یہ تطبیق کی ہے کہ ممکن ہے کہ دونون موقعون پر لوگون کے سوال پر یہ ارشاد فرمایا ہو (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۱۳ وجلد ۲ صفحہ ۳۶۰) "س" (2) اس موقع پر اس پوری آیت پاک کے پڑھنے کا ذکر ابن سعد فتح مکہ مین ہے، صحیح بخاری فتح مکہ مین الفاظ آئے ہین جاء الحق وزھق الباطل وما یبدی الباطل وما یعید یعنی حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور اب باطل پھر نہ آئے گا) "س"

عین کعبہ کے اندر بہت سے بت تھے جن کو قریش خدا مانتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں داخل ہونے سے پہلے حکم دیا کہ سب نکلوا دیئے جائیں، حضرت عمرؓ نے اندر جا کر جس قدر تصویریں تھیں وہ بھی مٹا دیں، حرم ان آلایشوں سے پاک ہو چکا تو آپ نے عثمان بن طلحہ سے جو کعبہ کے کلید بردار تھے، کنجی طلب کی اور دروازہ کھلوایا، آپ حضرت بلالؓ اور طلحہؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز ادا کی، بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کعبہ کے اندر تکبیریں کہیں لیکن نماز نہیں ادا کی،

خطبۂ فتح شاہنشاہی اسلام کا یہ پہلا دربار عام تھا، خطبۂ سلطنت یعنی بارگاہِ احدیت کی تقریر خلافتِ الٰہی کے منصب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی جس کا خطاب صرف اہل مکہ سے نہیں، بلکہ تمام عالم سے تھا،

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک	ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے اس کا
لہٗ صدق وعدہٗ ونصر عبدہٗ	کوئی شریک نہیں ہے اس نے اپنا وعدہ سچا کیا،
وھزم الاحزاب وحدہٗ الا کل	اس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھوں کو
ماثرۃ اودم اومال یدعیٰ	تنہا توڑ دیا، ہاں تمام مفاخر، تمام انتقامات
فھو تحت قدمی ھاتین الا	خونبہائے قدیم تمام خونبہا سب میرے قدموں کے
سدانۃ البیت وسقایۃ	نیچے ہیں، صرف حرم کعبہ کی تولیت اور
الحاج،	حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں

لہ صحیح بخاری فتح مکہ،

یا معشر قریش اِنّ اللّٰہ قد اَذھب	اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور
عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا	نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا، تمام لوگ
بالاٰباء، الناس من اٰدم واٰدم	آدم کی نسل سے ہیں، اور آدم مٹی سے
من تراب،	بنے ہیں،

پھر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے،

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ	لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے
ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا	پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان
وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ (حجرات)	بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے
عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ	پہچان لیے جاؤ لیکن خدا کے نزدیک شریف
عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (ابن ہشام "مختصراً")	وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو، خدا دانا اور واقف کار ہے
اِنَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ حَرَّمَ بَیْعَ الْخَمْرِ (بخاری)	خدا نے شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی

تمام عقائد اور اعمال کا اصل الاصول اور دعوت اسلام کا اصلی پیغام توحید ہے اس لئے سب سے پہلے اسی سے ابتدا کی گئی،

خطبہ کے اصولی مطالب

عرب میں دستور تھا، کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا تھا تو اس کے خون کا انتقام لینا خاندانی فرض قرار پا جاتا تھا، یعنی اگر اس وقت قاتل نہ ہاتھ آسکا تو خاندانی دفتر میں مقتول کا نام لکھ جاتا اور سیکڑوں برس گذرنے کے بعد بھی انتقام کا فرض ادا کیا جاتا تھا، قاتل اگر مر چکا ہے تو اس کے خاندان یا قبیلے کے آدمی کو قتل کرتے تھے،

اسی طرح خونبہا کا مطالبہ بھی اباً عن جدٍّ چلا آتا تھا، یہ خون کا انتقام عرب مین سب سے بڑے فخر کی بات تھی، اس طرح اور اور بہت سی لغو باتین مفاخر قومی مین داخل ہو گئی تھین، اسلام ان سب کے مٹانے کے لئے آیا تھا، اور اس بنا پر آپ نے (اس طریق) انتقام، اور خونبہا اور نیز اور تمام غلط مفاخر کی نسبت فرمایا کہ "مین نے ان کو پانون سے کچل دیا"۔

عرب اور تمام دنیا مین نسل اور قوم و خاندان کے امتیاز کی بنا پر ہر قوم مین فرقِ مراتب قائم کئے گئے تھے، جس طرح ہندوؤن نے چار ذاتین قائم کین، اور شودر کو وہ درجہ دیا جو جانورون کا درجہ ہے، اور اس کے ساتھ یہ بندش کردی کہ وہ کبھی اپنے رتبہ سے ایک قدم آگے نہ بڑھنے پائے،

اسلام کا سب سے بڑا احسان، جو اُس نے تمام دنیا پر کیا، مساواتِ عام قائم کرنا تھا، یعنی عرب و عجم، شریف و رذیل، شاہ و گدا سب برابر ہین، ہر شخص ترقی کرکے ہر انتہائی درجہ پر پہنچ سکتا ہے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی آیت پڑھی اور پھر توضیح فرمائی کہ "تم سب اولادِ آدم ہو، اور آدم مٹی سے بنے تھے"۔

خطبہ کے بعد آپ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جبارانِ قریش سامنے تھے، ان مین وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے مین سب سے پیش رو تھے، وہ بھی تھے جن کی زبانین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گالیون کے بادل برسایا کرتی تھین، وہ بھی تھے جن کی تیغ و سنان نے پیکر قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخیان کی تھین، وہ بھی تھے جنھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ مین کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی ایڑیوں کو لہو لہان کر دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خونِ نبوت کے سوا، کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی، وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آآکر ٹکراتا تھا، وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریگ پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشین مہریں لگایا کرتے تھے،

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا "تم کو کچھ معلوم ہے؟ میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟"

یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے، لیکن مزاج شناس تھے، پکار اُٹھے کہ

اَخٌ کَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ　　تو شریف بھائی ہے، اور شریف برادر زادہ"

ارشاد ہوا،

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ　　تم پر کچھ الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو،

کفارِ مکہ نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا، اب وہ وقت تھا کہ ان کو ان کے حقوق دلائے جاتے، لیکن آپ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی مملوکات سے دست بردار ہو جائیں،

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بامِ کعبہ پر چڑھ کر اذان دی، وہی سرکش جو ابھی رام ہو چکے تھے، اُن کی آتشِ غیرت پھر مشتعل تھی، عتاب بن اسید نے کہا "خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے اس کو دنیا سے اٹھا لیا"[1]

[1] ابن ہشام (حضرت عتاب بعد کو مسلمان ہوئے) "س"

ایک اور سردار قریش نے کہا "اب جینا بے کار ہے"[1]

مقام صفا میں آپؐ ایک بلند مقام پر بیٹھے، جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے تھے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے، مردوں کی باری ہو چکی تو مستورات آئیں، عورتوں سے بیعت لینے کا یہ طریقہ تھا کہ اُن سے ارکان اسلام اور محاسن اخلاق کا اقرار لیا جاتا تھا، پھر پانی کے ایک لبریز پیالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک ڈبو کر نکال لیتے تھے[2] آپؐ کے بعد عورتیں اسی پیالہ میں ہاتھ ڈالتی تھیں اور بیعت کا معاہدہ پختہ ہو جاتا تھا۔

ان مستورات میں ہند بھی آئی، یہ وہی ہند ہے جو رئیس العرب عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہؓ کی ماں تھی، حضرت حمزہؓ کو اسی نے قتل کرایا تھا، اور ان کا سینہ چاک کر کے کلیجہ چبا گئی تھی، وہ نقاب پہن کر آئی، شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں لیکن اس وقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی اس کو پہچاننے نہ پائے، بیعت کے وقت اُس نے (نہایت دلیری بلکہ گستاخی سے) باتیں کیں جو حسب ذیل ہیں[3]

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)	خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا،
ہند	یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا لیکن بہرحال ہم کو منظور ہے،
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)	چوری نہ کرنا،
ہند	میں نے اپنے شوہر (ابوسفیان) کے

[1] اصابہ تذکرہ عتاب بن اسید (ج ۲ ص ۱۵۴) س [2] طبری ج ۳ ص ۱۶۴۲ س [3] طبری ج ۳ ص ۱۶۴۳ مختصراً س

	مال مین سے دو چار آنے کبھی لے لیا کرتی ہون معلوم نہین یہ بھی جائز ہے یا نہین
رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم)	اولاد کو قتل نہ کرنا۔
ہند	رَبَّیْنَاھُمْ صِغَاراً وَّ قَتَلْتَھُمْ کِبَاراً فَاَنْتَ وَھُمْ اَعْلَمُ ہم نے تو اپنے بچون کو پالا تھا بڑے ہوئے تو جنگ بدر مین آپنے اُن کو مار ڈالا، اب آپ اور وہ باہم سمجھ لین۔[1]

رؤساے عرب مین دس شخص تھے جو قریش کے سرتاج تھے، ان مین صفوان بن امیہ جدہ بھاگ گئے، عمیر بن وہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آکر عرض کی کہ رئیس عرب مکہ سے جلاوطن ہوا جاتا ہے، آپ نے علامت امان کے طور پر اپنا عمامہ عنایت کیا، عمیر جدہ پہنچ کر ان کو واپس لائے، حنین کے معرکہ تک یہ اسلام نہین لائے (بعد کو مسلمان ہوگئے)

عبداللہ بن زبعری عرب کے مشہور شاعر (پہلے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو مین کہا کرتے تھے اور قرآن مجید پر نکتہ چینیان کرتے تھے، نجران بھاگ گئے، لیکن پھر آکر اسلام لائے

ابوجہل کے بیٹے عکرمہ یمن چلے گئے، لیکن ان کی حرم (ام حکیم) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امان لی، اور جاکر یمن سے لائین، یہ واقعہ ابوجہل سے کہنے کے قابل نہین کہ اس کا جگرگوشہ

---

[1] جنگ بدر مین ہند کے لڑکے کافرون کے ساتھ شریک ہوکر لڑے تھے، اور لڑکر مارے گئے تھے [2] طبری ج ۳ ص ۱۶۴۲ [3] اصابہ ذکر صفوان بن امیہ (ج ۲ ص ۱۸۷) [4] ابن ہشام [5] طبری ج ۳ ص ۱۶۴۲

کفر کی گود سے نکل کر اسلام کے آغوش میں آگیا، اور اب ہم اس کو حضرت عکرمہؓ کہتے ہیں

اشتہاریان قتل ارباب سیر کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گو اہل مکہ کو امن عطا کیا تھا، تاہم دس شخصوں[1] کی نسبت حکم دیا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں، ان میں سے بعض مثلاً عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ، خونی مجرم تھے اور قصاص میں قتل کئے گئے لیکن متعدد ایسے تھے کہ اُن کا صرف یہ جرم تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں ستایا کرتے تھے، یا آپؐ کی ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے، ان میں سے ایک عورت اس جرم پر قتل کی گئی کہ وہ آپؐ کے ہجویہ اشعار گایا کرتی تھی،

---

(1) حافظ مغلطائی نے پندرہ نام مختلف حوالوں سے جمع کئے ہیں، جو خود محدثین کے نزدیک غیر محتاط ہیں، عام ارباب سیرت نے دس شخصوں کے نام لیے ہیں، ابن اسحاق نے آٹھ نام گنائے ہیں، ابو داؤد اور دارقطنی کی روایت میں صرف چھ ہیں، بخاری میں صرف ابن خطل کا واقعہ مذکور ہے، اس سے ظاہر ہوگا کہ تحقیق کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا جاتا ہے اسی قدر تعداد کم ہوتی جاتی ہے،

عام روایت کے رو سے جن دس شخصوں کی سزائے موت کا اعلان کیا گیا تھا ان کا حال یہ ہے کہ وہ شدید مجرم تھے تاہم سات اشخاص خلوص سے ایمان لائے اور اُن کو معافی دے دی گئی، صرف چار شخص قتل ہوئے، تین مرد اور ایک عورت، عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ، حویرث بن نقید اور ابن خطل کی لونڈی قریبہ، ابن خطل اور ابن صبابہ دونوں خونی مجرم تھے، ابن خطل نے جو اسلام لا چکا تھا اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کر کے مرتد ہوگیا تھا، مقیس بن صبابہ کا واقعہ یہ ہے کہ اس کا ایک بھائی ایک انصاری کے ہاتھ سے غلطی سے مارا گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت ادا کر دی تھی، تاہم مقیس منافقانہ اسلام لا کر اور غدر سے اس انصاری کو قتل کر دیا، اور حویرث نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے ساتھ جب وہ ہجرت کر رہی تھیں شرارت کی تھی اور ان دونوں کو اونٹوں سے گرا دینا چاہا تھا حضرت علی بن ابی طالب نے اس کو قتل کر دیا،

قریبہ جو ابن خطل کی لونڈی تھی، مکہ کی ایک مغنیہ تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں گیت گایا کرتی تھی)

لیکن محدثانہ تنقید کی روسے یہ بیان صحیح نہیں، اس جرم کا مجرم تو سارا مکہ تھا، کفارِ قریش مین سے (بجز دو چار کے) کون تھا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت سے سخت ایذائین نہین دین؟ باایں ہمہ انہی لوگون کو یہ مژدہ سنایا گیا کہ انتم الطلقاء، جن لوگون کا قتل بیان کیا جاتا ہے وہ تو نسبتہً کم درجہ کے مجرم تھے، حضرت عائشہ صدیقہ کی یہ روایت صحاح ستہ مین موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے ذاتی انتقام نہین لیا، خیبر مین جس یہودی عورت نے آپؐ کو زہر دیا اس کی نسبت لوگون نے دریافت بھی کیا کہ اُس کے قتل کا حکم ہوگا، ارشاد ہوا کہ نہین، خیبر کے کفرستان مین ایک یہودیہ زہر دے کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے جانبر ہو سکتی ہے تو حرم مین اس سے کم درجہ کے مجرم عفو نبوی سے کیونکر محروم رہ سکتے ہین،

اگر درایت پر قناعت نہ کی جائے تو روایت کے لحاظ سے بھی یہ واقعہ بالکل ناقابلِ اعتبار رہ جاتا ہے، صحیح بخاری مین صرف ابن خطل کا قتل مذکور ہے[1] اور یہ عموماً مسلّم ہے کہ وہ قصاص مین قتل کیا گیا، مقیس کا قتل بھی شرعی قصاص تھا، باقی جن لوگون کی نسبت حکم قتل کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ کسی زمانہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا کرتے تھے، وہ روایتین صرف ابن اسحاق تک پہنچکر ختم ہو جاتی ہین یعنی اصولِ حدیث کی رو سے وہ روایت منقطع ہے جو قابلِ اعتبار نہین، ابن اسحاق کا فی نفسہٖ جو درجہ ہے اوہ ہم کتاب کے دیباچہ مین لکھ آئے ہین،

---

[1] بخاری فتح مکہ ص ۔

سب سے زیادہ معتبر روایت جو اس بارہ مین پیش کی جاسکتی ہو وہ ابوداؤد[1] کی روایت ہو، جس مین مذکور ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ چار شخصون کو کہین امن نہین دیا جاسکتا لیکن ابوداؤد نے اس حدیث کو نقل کرکے لکھا ہے کہ اس روایت کی سند جیسی چاہیے مجھ کو نہین ملی، پھر اس کے بعد ابن خطل کی روایت نقل کی ہے (اور شروع مین جو روایت ہے) اس کا ایک راوی احمد بن المفضل ہے جس کو ازدی نے منکر الحدیث لکھا ہے اور ایک راوی اسباط بن نصر ہے جس کی نسبت نسائی کا قول ہو کہ "قوی نہین ہے"! اگرچہ صرف اس قدر جرح کسی روایت کے نامعتبر ہونے کے لئے کافی نہین، لیکن واقعہ جس درجہ اہم ہے اس کے لحاظ سے راوی کی اس قدر جرح بھی روایت کے مشکوک ہونے کے لیے کافی ہے،

---

[1] ابوداؤد باب قتل الاسیر [2] ابوداؤد نے باب قتل الاسیر مین اس معنی کی تین روایتین درج کی ہین، پہلی وہ روایت ہو جس کا ذکر مصنف نے اخیر مین کیا ہے، یہ روایت احمد بن المفضل، اسباط بن نصر، سدی کبیر، مصعب بن سعد اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ہو، اس مین چار مرد اور دو عورتون کے قتل کا حکم مذکور ہے، جن مین سے ایک ابن ابی سرح ہے جس کو حضرت عثمان رض نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے بغیر آپ کی خدمت مین لاکر پیش کیا، اور اس کو کچھ دیر کے تامل کے بعد پناہ دی اور وہ مسلمان ہوا، اس روایت مین احمد بن مفضل اور اسباط بن نصر اور سدی کبیر تینون پر علماے رجال نے جرحین کی ہین، اور خصوصًا اسباط بن نصر پر اور زیادہ جرحین ہین، یہ روایت اسی سلسلہ سے نسائی نے باب قتل المرتدین اور حاکم نے مستدرک کتاب المغازی مین اس کو نقل کیا ہے، اس سلسلہ کے یہ تینون راوی شیعہ ہین، اور حاکم نے مستدرک مین اس پہلو سے اپنا اظہار خیال کردیا ہے، ابوداؤد کی دوسری روایت عمرو بن عثمان بن عبدالرحمان بن سعید مخزومی سے ہے کہ انھون نے اپنے دادا سے اور انھون نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مردون اور دو عورتون کے بارہ مین فرمایا کہ ان کو پناہ نہین دی جاسکتی، ان دو عورتون مین سے جو دونون مغنیہ لونڈیان تھین ایک مسلمان ہوگئی، اور ایک قتل کی گئی، اس روایت کے متعلق ابوداؤد نے

اس مین شبہہ نہین کہ بعض سرداران قریش جو مخالفین اسلام کے پیشرو تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر سنکر مکہ سے بھاگ گئے، لیکن یہ صرف ابن اسحاق کا قیاس ہے کہ وہ اس وجہ سے بھاگے تھے کہ اُن کے قتل کا حکم دیا گیا تھا، ان اشتہاری مفرورین مین ابن اسحاق نے عکرمہ کو بھی شمار کیا ہے، جو ابو جہل کے فرزند تھے لیکن موطاے امام مالک مین جس کی نسبت امام شافعی کا قول ہے کہ آسمان کے نیچے (قرآن کے علاوہ) کوئی کتاب اس سے زیادہ صحیح نہین، یہ واقعہ جس طرح منقول ہے اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:

"حارث بن ہشام کی صاحبزادی، ام حکیم، عکرمہ بن ابی جہل کی زوجہ تھین، وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائین، لیکن اُن کے شوہر عکرمہ بن ابو جہل اسلام سے بھاگ کر یمن چلے گئے، ام حکیم یمن گئین اور اُن کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئے اور مکہ مین آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو دیکھا تو فرطِ مسرت سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی، پھر اُن سے بیعت لی" (موطا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲۵) لکھا ہے کہ مین نے اپنے شیخ ابو العلاء سے اس کی سند اچھی طرح سمجھی نہین یہی روایت اسی سلسلہ سے دارقطنی اواخر کتاب الحج مین ہے، اس مین سند کے آخر مین یون ہے، عمرو بن عثمان نے اپنے باپ سے اور انھون نے اپنے دادا سے یہ روایت سنی، اس سے ظاہر ہے کہ سند کے اسی حصہ مین ابو داؤد کو شک ہے، ابو داؤد کی تیسری روایت مین صرف ابن خطل کے قتل کا ذکر ہے جو صحیح بخاری وغیرہ کی روایت سے بھی ثابت ہے، بیہقی نے حکم بن عبد الملک، قتادہ اور حضرت انس بن مالک سے ایک روایت کی ہے جس مین تین مرد اور ایک عورت یعنی چار شخصون کے قتل کا حکم ہے، تین مرد یہ ہین، ابن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح اور عورت کا نام ام سارہ تھا، عبد اللہ بن سعد کے قتل کی ایک انصاری نے نذر مانی تھی مگر حضرت عثمانؓ کی سفارش سے ان کی جان بخشی ہوئی، اور ام سارہ وہی عورت ہے جو فتح مکہ سے پہلے مسلمانون کے مکہ پر حملہ کرنے کا خط خفیہ لے چلی تھی، (ابن ہشام)

یہ بات بھی اس موقع پر خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے، کہ جن لوگون کو امن دیا جاتا تھا وہ اسلام پر مجبور نہین کئے جاتے تھے، تمام مورخین اور ارباب سیر نے تصریح کی ہو کہ حنین کی لڑائی مین جو فتح مکہ کے بعد پیش آئی، لشکر اسلام مین مکہ کے بہت سے کفار بھی شامل تھے، جو اس وقت تک کافر تھے، اور شکست بھی زیادہ تر اسی وجہ سے ہوئی کہ پہلے حملہ مین انہی کافرون کے قدم اکھڑے اور اس ابتری کی وجہ سے مسلمانون کے قدم بھی نہ ٹھہر سکے

خزائن حرم | حرم مین نذور اور ہدایا کا خزانہ ایک مدت سے جمع ہوتا چلا آتا تھا وہ محفوظ رکھا گیا، لیکن مجسمہ جات اور تصویرین برباد کردی گئین، ان مین حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے مجسمے بھی تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بھی تھی، جس سے لوگون نے قیاس کیا کہ کسی زمانہ مین عیسائیت کا اثر زیادہ غالب ہوگیا تھا، رنگین تصویرین جو دیوارون پر تھین مٹانے پر بھی ان کے دھندلے نشان رہ گئے تھے، اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر تک باقی تھے[1]،

مکہ معظمہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام پندرہ دن تک رہا، جب یہان سے روانہ ہوئے تو حضرت معاذ بن جبل کو اس خدمت پر مقرر کرتے گئے، کہ لوگون کو اسلام کے مسائل اور احکام سکھائین،

فتح مکہ اور بت شکنی | فتح مکہ کا اصلی مقصد اشاعت توحید اور اعلاء کلمۃ اللہ تھا، کعبہ مین سیکڑون بت تھے، جن مین ہبل بھی تھا، جو بت پرستون کا خدائے اعظم تھا، یہ انسان کی صورت

---

[1] فتح الباری ذکر فتح مکہ ۵۲ فتح الباری ذکر فتح مکہ (اخبار مکہ ازرقی مین بتفصیل یہ واقعات مذکور ہین)

کا تھا، اور یاقوت احمر سے بنا تھا، سب سے پہلے جس نے اس کو کعبہ مین لاکر رکھا تھا خزیمہ بن مدرکہ تھا جو مضر کا پوتا، اور عدنان کا پرپوتا تھا، ہبل کے سامنے سات تیر رہتے تھے جن پر "لا" و "نعم" لکھا ہوا تھا، عرب جب کوئی کام کرنا چاہتے تھے تو ان تیرون پر قرعہ ڈالتے اور ہان یا "نان" جو کچھ نکلتا اُس پر عمل کرتے،[1] جنگ اُحد مین ابوسفیان نے اسی ہبل کی جے پکاری تھی، وہ عین کعبہ کے اندر تھا، چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ مین داخل ہوئے تو اور بتون کے ساتھ وہ بھی برباد کر دیا گیا،

مکہ کے اطراف مین اور بہت سے بڑے بڑے بت تھے جن کے لیے حج کی رسمین ادا کی جاتی تھین، ان مین سب سے بڑے لات، مناۃ اور عزّیٰ تھے، عزّیٰ قریش کا اور لات اہل طائف کا معبود تھا، مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر نخلہ ایک مقام ہے، عزّیٰ یہین منصوب تھا، بنو شیبان اس کے متولی تھے، اہل عرب کا اعتقاد تھا کہ خدا جاڑون مین "لات" کے ہان اور گرمیون مین "عزّیٰ" کے ہان بسر کرتا ہے، عزّیٰ کے سامنے عرب وہ تمام مناسک اور رسوم بجا لاتے تھے جو کعبہ مین بجا لاتے تھے، اس کا طواف کرتے اور اس پر قربانیان چڑھاتے،[2]

مناۃ کا تخت گاہ مشلل تھا، جو قدید کے پاس مدینہ منورہ سے سات میل ادھر ہے، وہ ایک بن گھڑا پتھر تھا، ازد، غسان، اوس اور خزرج اُس کا حج کرتے تھے، عمرو بن لحی نے جو اصنام قائم کئے تھے یہ اُن سب مین بالاتر تھا، اوس اور خزرج جب

---

[1] معجم البلدان ذکر ہبل بحوالۂ ہشام بن محمد کلبی [2] یہ تمام تفصیل زرقانی جلد دوم صفحہ ۳۰۰ مین ہے،

کعبہ کو حج کرتے تو احرام اتارنے کی رسم (بال منڈانا) اسی کے پاس آکر ادا کرتے تھے؎

قبیلۂ ہذیل کا بت سُواع تھا جو ینبع کے اطراف رہاط میں تھا، یہ ایک پتھر تھا، اس کے متولی بنو لحیان تھے،

بت پرستی کے یہ وہ طلسم تھے جن میں سارا عرب گرفتار تھا، اب ان کی بربادی کا وقت آچکا تھا، اور دفعۃً ہر جگہ خاک اڑنے لگی،

لہ معجم البلدان، ذکر مناۃ،
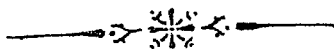
ہوازن وثقیف

غزوۂ حُنین، واوطاس، وطائف

شوال سنہ ۸ھ

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

حنین حُنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے، ذوالمجاز عرب کا مشہور بازار اور عرفہ سے تین میل[1] ہے، یہ اس کے دامن میں ہے، اس مقام کو اوطاس بھی کہتے ہیں[2]، ہوازن ایک بڑے قبیلہ کا نام ہے جس کی بہت سی شاخیں ہیں،

اسلام کی فتوحات کا دائرہ گو وسیع ہوتا جاتا تھا لیکن اہل عرب یہ دیکھ رہے تھے کہ اُن کا قبلۂ اعظم یعنی مکہ اب تک محفوظ ہے، ان کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر قریش پر غالب آگئے اور مکہ فتح ہوگیا، تو بے شبہہ وہ سچے پیغمبر ہیں، مکہ جب فتح ہوا تو تمام قبائل نے خود پیشقدمی کی اور اسلام قبول کرنا شروع کیا[3]، لیکن ہوازن اور ثقیف پر اس کا الٹا اثر پڑا، یہ قبیلے نہایت جنگجو اور فنون جنگ سے واقف تھے، اسلام کو جس قدر

---

(۱) یہاں مصنف کی عبارت میں کچھ اغلاق ہے، مطلب یہ ہے کہ حنین زرقانی کی تصریح کے مطابق مکہ اور طائف کے درمیان عرب کے مشہور بازار ذوالمجاز کے پاس ہے جو عرفہ سے تین میل ہے، ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ یہ مکہ سے تین دن کے سفر کی مسافت پر واقع ہے (س) (۲) قاضی عیاض کی یہی رائے ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن اسحاق کی تصریح کے مطابق یہ حنین کے علاوہ دیار ہوازن میں دوسری وادی کا نام ہے، فتح الباری و زرقانی ذکر غزوۂ ہوازن و اوطاس (س) (۳) صحیح بخاری ذکر فتح مکہ (بعد) باب مقام النبی بمکہ،

غلبہ ہوتا جاتا تھا، یہ زیادہ مضطر ہوتے تھے[1]، کہ ان کی ریاست اور امتیاز کا خاتمہ ہوا جاتا ہے، اس بنا پر فتح مکہ (کے بعد) ہوازن (اور ثقیف) کے رؤسا نے یہ سمجھ لیا کہ اب اُن کی باری ہے، اس لئے انھون نے ایک دوسرے سے مل کر مشورہ کیا اور (آپس مین) قرارداد ہوگئی کہ (مسلمانون کے خلاف جو اس وقت مکہ مین جمع ہین) ایک عام حملہ کر دیا جائے،

(اس قرارداد کے مطابق یہ قبائل) بڑے زور شور کے ساتھ خود حملہ کے لئے بڑھے جوش کا یہ عالم تھا کہ ہر قبیلہ اپنا تمام اہل و عیال لے کر آیا تھا کہ بچے اور عورتین ساتھ ہون گی تو ان کی حفاظت کی غرض سے لوگ جانین دیدینگے،

اس معرکہ مین اگرچہ ثقیف اور ہوازن کی تمام شاخین شریک تھین، تاہم کعب اور کلاب الگ رہے، فوج کی سرداری کے لئے انتخاب (تو) مالک بن عوف[2] (کیا گیا جو) قبیلۂ ہوازن کا رئیسِ اعظم تھا لیکن مشیر کی حیثیت سے) دُرَید بن الصمّہ (کو بھی ساتھ لے لیا گیا جو) عرب کا مشہور شاعر اور قبیلۂ جُشَم کا سردار تھا، اس کی شاعری اور بہادری کے معرکے اب تک عرب کی تاریخ مین یادگار رہین، لیکن اس کی عمر سنو برس سے زیادہ ہو چکی تھی اور صرف ہڈیون کا ڈھانچہ رہ گیا تھا، تاہم چونکہ عرب اس کو مانتا تھا اور اس کی رائے و تدبیر پر تمام ملک کو اعتماد تھا، خود مالک بن عوف نے اس سے

---

[1] مارگولیوس صاحب لکھتے ہین "حکومت اسلامی کی وسعت اور استحکام سے بدوی قبائل جن کو ریگستان کی آزادی بہت عزیز تھی نہایت خائف تھے" [2] مالکؓ بن عوف غزوۂ طائف کے بعد مسلمان ہوگئے تھے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ مین جنگِ قادسیہ مین شریک اور دمشق کے حاکم ہوئے، زرقانی ج ۳ ص۶) س

شرکت کی درخواست کی پلنگ پر اٹھا کر اس کو میدانِ جنگ مین لائے، اس نے پوچھا کہ یہ کونسا مقام ہے، لوگون نے کہا "اوطاس" بولا کہ "ہان یہ مقام جنگ کے لئے موزون ہے، اس کی زمین نہ بہت سخت ہے نہ اس قدر نرم کہ پانون دھنس جائین" پھر پوچھا کہ "یہ بچون کے رونے کی آوازین کیسی آرہی ہین" لوگون نے کہا کہ بچے اور عورتین ساتھ آئی ہین، کہ کوئی شخص پانون پیچھے نہ ہٹائے" بولا کہ "جب پانون اکھڑ جاتے ہین تو کوئی چیز روک نہین سکتی، میدانِ جنگ مین صرف تلوار کام دیتی ہے، بدقسمتی سے اگر شکست ہوئی تو عورتون کی وجہ سے اور بھی ذلت ہوگی"

پھر پوچھا کہ "کعب اور کلاب بھی شریک ہین یا نہین" اور جب یہ معلوم ہوا کہ ان معزز قبیلون کا ایک شخص بھی میدانِ جنگ مین نہین تو کہا "اگر آج کا دن عزت و شرف کا دن ہوتا تو کعب و کلاب غیر حاضر نہ ہوتے" اس کی راے تھی کہ میدان سے ہٹ کر کسی محفوظ مقام مین فوجین جمع کی جائین اور وہین اعلانِ جنگ کیا جائے لیکن مالک بن عوف نے جو تیس سالہ نوجوان تھا، جوشِ شباب مین اس راے کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ خرف ہو چکے، آپ کی عقل بے کار ہو چکی[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (مکہ مین) ان واقعات کی خبر پہنچی تو آپ نے تصدیق کے لئے حضرت عبداللہ رض بن ابی حدرد کو بھیجا، وہ جاسوس بن کر حنین مین آئے اور کئی دن تک فوج مین رہ کر تمام حالات تحقیق کیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبوراً مقابلہ کی

---

[1] یہ تمام تفصیل طبری مین ہے، (ج ۳ ص ۱۶۵۵ تا ۱۶۵۷) " س

تیاریاں کیں، رسد اور سامانِ جنگ کے لئے قرض کی ضرورت پیش آئی، عبداللہ بن ربیعہ جو ابوجہل کے بے مات بھائی تھے، نہایت دولت مند تھے، ان سے تیس ہزار درہم قرض لئے[1] صفوان بن امیہ جو مکہ کا رئیس اعظم اور مہمان نوازی میں مشہور تھا، لیکن اب تک اسلام نہیں لایا تھا، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحہ جنگ مستعار مانگے، اس نے سو زرہیں اور ان کے لوازمات پیش[2] کئے،

شوال ۸ھ مطابق جنوری و فروری ۶۳۰ء میں اسلامی فوجیں جن کی تعداد بارہ ہزار تھی اس سروسامان سے حنین پر بڑھیں کہ (بعض) صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گیا، کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے لیکن بارگاہِ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ تھی،

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ	اور حنین کا دن یاد کرو، جب تم اپنی کثرت
فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ	پر نازاں تھے، لیکن وہ کچھ کام نہ آئی،
عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ	اور زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے لگی،
ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ○	پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے، پھر اللہ نے
ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ	اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل
رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ	کی اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تم نے

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۶، اصابہ میں امام بخاری سے بھی یہ روایت نقل کی ہے، لیکن اس میں دس ہزار کی تعداد ہے، [2] موطا میں ہے کہ جب آپ نے اس سے ہتھیار مانگے تو اس نے کہا جبراً یا طوعاً (یعنی جبراً مانگتے ہو تو میں نہیں دیتا) آپ نے فرمایا جبراً نہیں طوعاً (ابوداؤد باب الضمانۃ میں بھی اسی قسم کی روایت ہے)

جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ نہین دیکھین، اور کافرون کو عذاب دیا

وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ (توبہ) اور کافرون کی یہی سزا ہے۔

فتح کے بجائے دہلۂ اوّل مین مطلع صاف تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر دیکھا تو رفقاے خاص مین سے بھی کوئی پہلو مین نہ تھا[1] حضرت ابو قتادہؓ جو شریک جنگ تھے،

---

[1] لیکن اور روایتون مین چند اصحاب کا ثابت قدم رہنا مذکور ہے ان دونون روایتون کی تطبیق یہ ہے کہ یہ دو مختلف وقتون کے حالات ہین، راوی نے اپنا مشاہدہ لکھا ہے تفصیل آگے آئے گی، (مصنف نے آیندہ تفصیل کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا نہین ہو سکا ہے، اس لیے تفصیل کی ضرورت ہے، چنانچہ اس سلسلہ مین چند باتین قابل تشریح ہین،

(۱) پہلی یہ کہ مصنف نے اوّل وہلہ مین مسلمانون کی شکست تسلیم کی ہے، یہ ابن اسحاق وغیرہ اہل سیر کی رائے ہے، لیکن حدیث صحیح کا بیان ہے کہ مسلمانون کو پہلے کامیابی ہوئی لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے، دشمن کے تیر اندازون نے موقع پاکر تیر اندازی شروع کر دی جس سے مسلمانون کی صفون مین بے ترتیبی، انتشار اور پراگندگی پیدا ہو گئی، بخاری مین حضرت براءؓ کے الفاظ یہ ہین:-

وانا لما حملنا علیھم انکشفوا	اور ہم نے جب ان پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا کر
فاکببنا علی الغنائم فاستقبلنا	پیچھے ہٹ گئے تو ہم لوگ مال غنیمت پر ٹوٹ
بالسھام (بخاری غزوۂ حنین)	پڑے تو انھون نے ہم کو تیرون پر دھر لیا،

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ شکست کے ظاہری اسباب مین سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس جنگ مین کچھ لوگ محض اس غرض سے شریک ہی ہوئے تھے، کہ مسلمانون کو عین جنگ مین دغا دین، چنانچہ صحیح مسلم مین ہے کہ حضرت ام سلیمؓ نے جو اس جنگ مین شریک تھین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ان طلقاء کو قتل کر دیجئے، انہی کی وجہ سے شکست ہوئی ہے، الفاظ یہ ہین،

اقتل من بعدنا من الطلقاء	ہمارے سوا ان طلقاء کو قتل کر دیجئے انہی نے
انھزموا بك (غزوۂ النساء مع الرجال)	آپ کو شکست دلوائی۔

ان کا بیان ہے کہ جب لوگ بھاگ نکلے تو مین نے ایک کافر کو دیکھا کہ ایک مسلمان کے سینہ پر سوار ہے، مین نے عقب سے اس کے شانہ پر تلوار ماری جو زرہ کو کاٹ کر اندر اُتر گئی، اس نے مڑ کر مجھ کو اس زور سے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی، لیکن پھر وہ ٹھنڈا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲۴) امام نووی اس کی شرح مین لکھتے ہین :-

لم يحصل الفرار من جميعهم وانما فتحه عليهم من في قلبه مرض من مسلمة اهل مكة المؤلفة ومشركيها الذين لم يكونوا اسلموا وانما كانت هزيمتهم فجأة لانصبابهم عليهم دفعة واحدة ورشقهم بالسهام ولاختلاط اهل مكة معهم ممن لم يستقر الايمان في قلبه وممن يتربص بالمسلمين الدوائر وفيهم نساء وصبيان خرجوا للغنيمة، (غزوۂ حنین)

سب لوگ نہین بھاگے تھے بلکہ مکہ کے مؤلفۃ القلوب مین جو منافق تھے اور مکہ کے مشرکین (جو اس جنگ مین شریک ہوگئے تھے اور جو اب تک مسلمان نہین ہوئے تھے) انھون نے بھاگنا شروع کیا تھا، اور یہ ناگہانی ہزیمت اس وجہ سے ہوئی کہ دشمنون نے ایک ساتھ تیرون کی بارش شروع کردی تھی اور فوج مین ایسے اہل مکہ بھی تھے جن کے دلون مین ایمان راسخ نہین ہوا تھا اور مسلمانون پر مصائب کے منتظر تھے، اس مین عورتین اور بچے بھی تھے جو غنیمت کے لئے آئے تھے

مورخ طبری نے اس موقع پر مکہ کے ان طلقاء کی زبان سے جو فقرے نقل کئے ہین وہ بھی اسی راز کی پردہ کشائی کرتے ہین کہ اہل مکہ اس جنگ مین مسلمانون کے ساتھ دل سے نہ تھے، (ج ۳ غزوۂ حنین ۱۶۶۱ لائیڈن)

متقدم مفسرون مین سے ابن جریر طبری نے لکھا ہے ان الطلقاء انجفلوا يومئذ بالناس وجلوا عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم، (ابن جریر طبری جلد ۱۰ ص ۲۷)

عہد متوسط کے مفسرین مین سے ابوحیان اندلسی کے الفاظ یہ ہین :-

يقال ان الطلقاء من اهل مكة فروا وقصدوا القاء الهزيمة في المسلمين (بحر المحیط ج ۵ ص ۲۴)

کہا جاتا ہے کہ مکہ کے طلقاء بھاگے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانون کو شکست ہوجائے،

ہوکر گر پڑا، اسی اثنا مین مین نے حضرت عمرؓ کو دیکھا، پوچھا کہ مسلمانون کا کیا حال ہے، بولے کہ قضاے الٰہی یہی تھی[1]،

شکست کے مختلف اسباب تھے، مقدمۃ الجیش مین جو حضرت خالدؓ کی افسری مین تھا، زیادہ تر فتح مکہ کے جدید الاسلام نوجوان تھے، وہ جوانی کے غرور مین اسلحۂ جنگ پہن کر بھی نہین آئے تھے، فوج مین دو ہزار طلقاء یعنی وہ لوگ تھے، جو اب تک اسلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۵) متاخر مفسرون مین سے صاحب روح المعانی نے تفسیر سورۂ توبہ مین یہ الفاظ لکھے ہین:۔

وکان اول من انھزم الطلقاء مکراً	سب سے پہلے طلقاء مکر و فریب سے شکست کھا کر
منھم وکان ذلک سببا لوقوع	پیچھے ہٹ گئے، اس سے مسلمانون مین بے ترتیبی
الخلل وھزیمۃ غیرھم (ج ۱۰ صفحہ ۷۲)	اور پسپائی کی صورت پیدا ہوئی،

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ پسپائی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانون کی ایک جماعت ثابت قدم رہی، اس سلسلہ مین بناے اشتباہ بخاری کی حضرت انسؓ والی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہین:۔ فادبروا عنہ حتی بقی وحدہ (لوگ پیچھے ہٹ گئے یہان تک کہ آپ تنہا رہ گئے) مصنف نے ان الفاظ کو اپنے پیش نظر رکھا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، وہان کوئی نہ تھا، اسی لئے اسی روایت مین حضرت انسؓ ارشاد فرماتے ہین کہ جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو آواز دی تو انصار نے یہ الفاظ کہے، لبیک یا رسول اللہ ابشر نحن معک (ہم حاضر ہین یا رسول اللہ آپ خوش ہین کہ ہم آپ کے پاس ہین) اسی باب مین حضرت انسؓ کی ایک روایت اس سے پہلے ہے جس مین انصار کے الفاظ یہ ہین:۔ لبیک یا رسول اللہ وسعدیک نحن بین یدیک (بخاری غزوۂ طائف) (ہم حاضر ہین یا رسول اللہ ہم آپ کے سامنے ہین)

حافظ ابن حجر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہائی اور رفقاے خاص کے پاس رہنے کی تطبیق ان الفاظ مین کی ہے:

وجمع بین قولہ حتی بقی وحدہ	اور اس قول مین کہ حضورؐ تنہا رہ گئے، اور ان
وبین الاخبار الدالۃ علی انہ	واقعات مین جو اس پر دال ہین کہ حضورؐ کے ساتھ

[1] صحیح بخاری غزوۂ حنین ج ۲ صفحہ ۶۱۸ و ۶۱۹ صحیح بخاری باب الجہاد (باب من صف اصحابہ عند الہزیمۃ ونزل عن دابتہ) کر

نہین لائے تھے[1]، ہوازن قدر اندازی مین تمام عرب مین اپنا جواب نہین رکھتے تھے، میدان جنگ مین ان کا ایک تیر بھی خالی نہین جاتا تھا، کفار نے معرکہ گاہ مین پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا اور تیر اندازون کے دستے پہاڑ کی گھاٹیون، کھوون اور درون مین جابجا جما دیئے تھے، فوج اسلام نے صبح کے وقت جب خوب اُجالا بھی نہین ہوا تھا حملہ کیا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۶)

بقی معہ جماعۃ بان المراد بقی	صحابہ کی ایک جماعت تھی تطبیق یہ ہے
وحدہ متقدما علی العدو	کہ حضورؐ دشمن کے سامنے سب سے
والذین ثبتوا معہ کانوا وراءہ	آگے مقام مین تھے اور جو آپؐ کے ساتھ
(ج ۸ ص ۲۳ مصر)	ثابت قدم تھے وہ آپؐ کے پیچھے تھے،

دوسرے یہ کہ بخاری ہی مین حضرت براءؓ کی جو روایت ہے، اس مین حضرت براءؓ تصریح کرتے ہین کہ ابوسفیان بن حارث اس وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے، اور آپؐ کی سواری کی لگام تھامے تھے، (غزوۂ حنین بخاری)

مسلم مین حضرت عباسؓ کے پُرزور الفاظ یہ ہین کہ مین نے اور ابوسفیان بن حارث نے حضورؐ سے علیحدگی اختیار نہین کی،

فلزمت انا وابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم نفارقہ (مسلم غزوۂ حنین) صحیحین کی ان روایات کے سوا روایات ذیل بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے،

(۱) ابن ابی شیبہ کی ایک مرسل روایت مین جو حکم بن عُتَیبہ سے مروی ہے چار آدمیون کا حضورؐ کی خدمت مین باقی رہنا بتایا گیا ہے، (فتح الباری ج ۸ ص ۲۳)

(۲) ترمذی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سو آدمی نہین باقی رہ گئے تھے، (ترمذی ابواب الجہاد باب ما جاء فی الثبات عند القتال)

(حاشیہ ص ۵۳۷)

[1] مصنف کا یہ فقرہ واضح نہین ہے، مقصود یہ ہے کہ گو وہ کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو چکے تھے، جیسا کہ عمدۃ القاری ج ہشتم ص ۲۵۹ مصر اور شرح مسلم نووی غزوۃ النساء مع الرجال مین ہے لیکن ہنوز وہ تازہ مسلمان تھے راسخ الاسلام نہیں ہوئے تھے، اس لئے مہاجرین و انصار جیسا استقلال و ثبات ان مین اس وقت پیدا نہین ہوا تھا" س"

میدانِ جنگ اس قدر نشیب میں تھا کہ پاؤں جم نہیں سکتے تھے، حملہ آوروں کا بڑھنا تھا کہ سامنے سے ہزاروں فوجیں ٹوٹ پڑیں، ادھر کمینگاہوں سے قدر اندازوں کے دستے نکل آئے اور تیروں کا مینھ برسا دیا، مقدمۃ الجیش ابتری کے ساتھ بے قابو ہو کر پیچھے ہٹا اور پھر تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے، صحیح بخاری میں ہے فادبروا عنہ حتی بقی وحدہ، یعنی سب لوگ ٹل گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے،

تیروں کا مینھ برس رہا تھا، بارہ[12] ہزار فوجیں ہوا ہو گئی تھیں، لیکن ایک پیکرِ مقدس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۷) (۳) مسند احمد (ج اوّل ص ۴۵۳) وحاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اسی آدمی باقی رہ گئے تھے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۳)
(۴) بیہقی نے حارثہ بن نعمان سے روایت کیا ہے کہ سو آدمی باقی رہ گئے تھے، (زرقانی ج ۳ ص ۲۲)
ابو نعیم نے دلائل میں سو کی تفصیل بتلائی ہے کہ تیس سے کچھ زائد مہاجرین تھے، بقیہ انصار تھے (فتح الباری ج ۸ ص ۲۳)
(۵) ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت مہاجرین، انصار اور اہلِ بیت میں سے حسب ذیل اصحاب موجود تھے،
حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب، حضرت ابوسفیانؓ بن حارث، جعفرؓ بن ابی سفیان بن حارث، حضرت فضلؓ بن عباس، حضرت ربیعہؓ بن حارث، حضرت اسامہؓ بن زید، حضرت ایمنؓ بن ام ایمنؓ
اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ حضرت انسؓ کے الفاظ "بقی وحدہ" اپنے ظاہری معنی پر باقی نہیں رہ سکتے، حافظ ابن حجر نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ آگے اور بقیہ لوگ پیچھے تھے، لیکن اس کی صاف توجیہ یہ ہے کہ ان الفاظ سے ثابت قدم رہنے والوں کی کمی کا ظاہر کرنا مقصود ہے، ورنہ حقیقت یہ نہ تھی،
دوسری روایات میں ثابت قدم رہنے والوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس کی مختلف توجیہیں کی گئی ہیں، (ملاحظہ ہو زرقانی ج ۳ ص ۲۴) لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اور تھوڑی تھوڑی تعداد میں حضورؐ کے پاس پہنچنے لگے، یہاں تک کہ خاصی جماعت حضورؐ کے گرد جمع ہو گئی، اسی وجہ سے مختلف لوگوں نے مختلف تعداد بتلائی ہے) "س" (سلہ بخاری غزوۂ طائف)

پا بہ جا تھا جو تنہا ایک فوج، ایک ملک، ایک اقلیم، ایک عالم، بلکہ مجموعۂ کائنات تھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا یا معشر الانصار، آواز کے ساتھ صدا آئی "ہم حاضر ہیں" پھر آپؐ نے بائیں جانب مڑ کر پکارا، اب بھی وہی آواز آئی، آپؐ سواری سے اتر پڑے اور جلال نبوت کے لہجہ میں فرمایا "میں خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں[1]"

بخاری کی دوسری روایت میں ہے،

انا النبی لا کذب	میں پیغمبر ہوں، یہ جھوٹ نہیں ہے،
انا ابن عبد المطلب	میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں،

حضرت عباسؓ نہایت بلند آواز تھے، آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو، انھوں نے نعرہ مارا،

یا معشر الانصار	او گروہ انصار،
یا اصحاب الشجرۃ	او اصحاب الشجرۃ (بیعت رضوان والے)

اس پر اثر آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج دفعۃً پلٹ پڑی، جن لوگوں کے گھوڑے کشمکش اور گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے انھوں نے زرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے دفعۃً لڑائی کا رنگ بدل گیا، کفار بھاگ نکلے اور جو رہ گئے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں، بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ تھی) جم کر لڑے لیکن ان کے ستر آدمی مارے گئے

[1] صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۲۱ غزوۂ (طائف)

اور جب اُن کا علم بردار عثمان بن عبداللہ مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے،

شکست خوردہ فوج ٹوٹ پھوٹ کر (کچھ اوطاس میں جمع ہوئی اور کچھ) طائف

میں جا کر پناہ گزین ہوئی جس کے ساتھ سپہ سالار لشکر (مالک بن عوف) بھی تھا،

اوطاس | درید بن الصمۃ کئی ہزار کی جمعیت لے کر اوطاس میں آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے (حضرت ابو عامر اشعری کے ماتحت) تھوڑی سی فوج اس کے استیصال کے لئے بھیج دی،

(حضرت ابو عامرؓ درید کے بیٹے کے ہاتھ سے مارے گئے، اور علم اسلام اس کے ہاتھ میں تھا،

یہ حالت دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے آگے بڑھ کر حملہ کیا، دشمن کو قتل کر کے علم اُس کے

ہاتھ سے چھین لیا) درید ایک شتر پر ہودج میں سوار تھا، ربیعہ بن رفیع نے اس پر تلوار کا

وار کیا، لیکن اچٹ کر رہ گئی، اس نے کہا تیری ماں نے تجھ کو اچھے ہتھیار نہیں دیئے، پھر

کہا کہ "میرے محل میں تلوار ہے نکال لو، اور جب اپنی ماں کے پاس واپس جانا تو کہنا کہ میں نے

درید کو قتل کر دیا،" ربیعہ نے جا کر ماں کو اس کے قتل کی خبر دی تو اس نے کہا "خدا کی قسم

درید نے تیری تین ماؤں کو آزاد کرایا تھا"[1]

اسیران جنگ کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی، ان میں حضرت شیماؓ بھی تھیں، جو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن تھیں، لوگوں نے جب اُن کو گرفتار کیا تو انھوں نے

کہا "میں تمھارے پیغمبر کی بہن ہوں" لوگ تصدیق کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

لائے، انھوں نے پیٹھ کھول کر دکھائی کہ ایک دفعہ بچپن میں آپ نے دانت سے کاٹا تھا

---

(۱) مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۹۹) (۲) طبری (ج ۳) صفحہ ۱۶۶۲ مطبوعہ یورپ،

یہ اس کا نشان ہے"؛ فرطِ محبت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، ان کے بیٹھنے کے لئے خود ردائے مبارک بچھائی، محبت کی باتیں کیں، چند شتر اور بکریاں عنایت فرمائیں، اور ارشاد کیا کہ جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو، اور گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے[1]

انھوں نے خاندان کی محبت سے وطن جانا چاہا، چنانچہ عزت و احترام کے ساتھ پہنچا دی گئیں،

محاصرۂ طائف حنین کی بقیہ شکست خوردہ فوج طائف میں جا کر پناہ گزین ہوئی اور جنگ کی تیاریاں شروع کیں، طائف نہایت محفوظ مقام تھا، طائف اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے گرد شہر پناہ کے طور پر چار دیواری تھی، یہاں ثقیف کا جو قبیلہ آباد تھا نہایت شجاع، تمام عرب میں ممتاز اور قریش کا گویا ہمسر تھا، عروہ بن مسعود جو یہاں کا رئیس تھا، ابو سفیان (حضرت امیر معاویہ کے باپ) کی لڑکی اس کو بیاہی تھی، کفارِ مکہ کہتے تھے کہ قرآن اگر اترتا تو مکہ یا طائف کے رؤسا پر اترتا، یہاں کے لوگ فن جنگ سے بھی واقف تھے، طبری اور ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ نے جُرَش (یمن کا ایک ضلع) میں جا کر قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ، ضبور، اور منجنیق کے بنانے اور استعمال کرنے کا فن سیکھا تھا[2]

یہاں ایک محفوظ قلعہ تھا، اہل شہر اور حنین کی شکست خوردہ فوج نے اس کی مرمت کی، سال بھر کا رسد کا سامان جمع کیا، چاروں طرف منجنیقیں اور جا بجا قدر انداز متعین کئے[3]

---

[1] طبقات ابن سعد و اصابہ و طبری (ج ۳ ص ۱۶۶۸) [2] طبری (ج ۳) ص ۱۶۶۹ مطبوعہ یورپ [3] تاریخ خمیس جلد دوم صفحہ ۱۲۲ و ابن سعد،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے مالِ غنیمت اور اسیرانِ جنگ کے متعلق حکم دیا کہ جعرانہ میں محفوظ رکھے جائیں، اور خود طائف کا عزم کیا، حضرت خالدؓ مقدمۃ الجیش کے طور پر پہلے روانہ کردیئے گئے تھے، غرض محاصرہ ہوا، اور اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ اور منجنیق استعمال کئے گئے، دبابہ پر اہلِ قلعہ نے لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں، اور اس شدت کی تیر باری کی کہ حملہ آوروں کو ہٹنا پڑا، بہت سے لوگ زخمی ہوئے، بیس دن تک محاصرہ رہا، لیکن شہر فتح نہ ہوسکا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل ابن معاویہ کو بلاکر پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا، لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے اگر کوشش جاری رہی تو پکڑلی جائے گی، لیکن چھوڑ دی جائے تب بھی کچھ اندیشہ نہیں، چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ محاصرہ اٹھالیا جائے، صحابہؓ نے عرض کی آپ ان کو بد دعا دیں، آپ نے یہ دعا دی،[1]

اللّٰھُمَّ اھدِ ثقیفاً وائت بھم،	اے خدا ثقیف کو ہدایت کر اور توفیق دے کہ میرے پاس حاضر ہو جائیں؛

تقسیم غنائم محاصرہ چھوڑ کر آپ جعرانہ تشریف لائے، غنیمت کا بیشمار ذخیرہ تھا، چھ ہزار اسیرانِ جنگ، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار (سے زیادہ) بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی، اسیرانِ جنگ کے متعلق آپ نے انتظار کیا اُن کے عزیز و اقارب آئیں تو اُن سے گفتگو کی جائے، لیکن کئی دن گذرنے پر کوئی نہ آیا، مالِ غنیمت کے پانچ حصے

---

[1] ابن سعد (جزء مغازی ص ۱۱۵) [2] طبقات ابن سعد (جزء مغازی ص ۱۱۰)

کئے گئے، چار حصے حسبِ قاعدہ اہلِ فوج کو تقسیم کئے گئے، خمس بیت المال، ور غربا و مساکین کے لئے رکھا گیا،

مکہ کے اکثر رؤسا جنھوں نے حال مین اسلام قبول کیا تھا، ابھی تک مذبذب الاعتقاد تھے، انہی کو قرآن مجید مین مولفۃ القلوب کہا ہے، قرآن مجید مین جہان زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے ہین، ان لوگون کا نام بھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگون کو نہایت فیاضانہ انعامات دیئے جن کی تفصیل یہ ہے،

ابوسفیان، مع اولاد،	۳۰۰ اونٹ اور ۱۲۰۔ اوقیہ چاندی
حکیم بن حزام،	۲۰۰ اونٹ،
نُضَیر بن حارث بن کلدہ ثقفی،	۱۰۰ اونٹ،
صفوان بن امیہ،	۱۰۰ اونٹ،
قیس بن عدی،	۱۰۰ اونٹ،
سہیل بن عمرو،	۱۰۰ اونٹ،
حویطب بن عبدالعزیٰ،	۱۰۰ اونٹ،

(ان کے علاوہ تین غیر ملکی نومسلم رئیس بھی ان انعامات کے مستحق ٹھہرے)

اُقرع بن حابس (تمیمی)	۱۰۰ اونٹ
عیینہ بن حصن (فزاری)	۱۰۰ اونٹ
مالک بن عوف (نصری)	۱۰۰ اونٹ

ان کے سوا بہت سے لوگون کو پچاس پچاس اونٹ عطا فرمائے، عام تقسیم کی رو سے فوج کے حصہ مین جو آیا وہ فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریان تھین لیکن چونکہ سوارون کو تگنا حصہ ملتا تھا اس لئے ہر سوار کے حصہ مین بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریان آئین[1]

جن لوگون پر انعام کی بارش ہوئی عموماً اہل مکہ اور اکثر جدید الاسلام تھے، اس پر انصار کو رنج ہوا بعضون نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا حالانکہ ہماری تلوارون سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہین[2]، بعض بولے کہ مشکلات مین ہماری یاد ہوتی ہے، اور غنیمت اورون کو ملتی ہے[3]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چرچے سنے تو انصار کو طلب فرمایا، ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا جس مین لوگ جمع ہوئے، آپ نے انصار کی طرف خطاب کیا کہ تم نے ایسا کہا؟ لوگون نے عرض کی کہ "حضور! ہمارے سربرآوردہ لوگون مین سے کسی نے یہ نہین کہا البتہ نوجوانون نے یہ فقرے کہے تھے"[4] صحیح بخاری باب مناقب الانصار مین حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے تو چونکہ انصار جھوٹ نہین بولتے تھے، انھون نے کہا "آپ نے جو سنا صحیح ہے"

آپ نے ایک خطبہ دیا جس کی نظیر فن بلاغت مین نہین مل سکتی، انصار کی طرف

(۱) طبقات ابن سعد جزء مغازی ص ۱۰۱ اور زرقانی علی المواہب ج ۳ ص ۴۲ (۲) ص ۵ صحیح بخاری غزوۂ طائف (۳) صحیح بخاری مطبوعہ مطبع نظامی صفحہ ۶۲۱ (۴) صحیح بخاری صفحہ ۶۲۰ (باب غزوۂ طائف) ص

خطاب فرما کر کہا:-

"کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو ہدایت کی، تم منتشر اور پراگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم مین اتفاق پیدا کیا، تم مفلس تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولتمند کیا"

آپؐ یہ فرماتے جاتے تھے اور ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے کہ "خدا اور رسولؐ کا احسان سب سے بڑھ کر ہے"

آپؐ نے فرمایا نہین تم یہ جواب دو کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ کو جب لوگون نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی، تجھ کو جب لوگون نے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی، تو مفلس آیا تھا ہم نے ہر طرح کی مدد کی،

یہ کہہ کر آپؐ نے فرمایا کہ "تم یہ جواب دیتے جاؤ اور مین یہ کہتا جاؤن گا کہ تم سچ کہتے ہو، لیکن اے انصار! کیا تم کو یہ پسند نہین کہ لوگ اونٹ اور بکریان لے کر جائین، اور تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لے کر اپنے گھر آؤ"

انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ "ہم کو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم درکار ہین" اکثرون کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے داڑھیان تر ہو گئین، آپؐ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہین مین نے ان کو جو کچھ دیا حق کی بنا پر نہین بلکہ تالیفِ قلب کے لئے دیا،

حنین کے اسیرانِ جنگ اب تک جعرانہ مین محفوظ تھے، ایک معزز سفارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئی کہ اسیرانِ جنگ رہا کر دیئے جائین، یہ وہ قبیلہ تھا کہ آپؐ کی

رضاعی والدہ حضرت حلیمہ اسی قبیلہ کی تھین، رئیس قبیلہ (زہیر بن صُرد) نے کھڑے ہوکر تقریر کی،
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہوکر کہا "جو عورتین چھپرون مین محبوس ہین، انھی مین
تیری پھوپھیان اور تیری خالائین ہین، خدا کی قسم اگر سلاطین عرب مین سے کسی نے ہمارے
خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو اُن سے بہت کچھ امیدین ہوتین، اور تجھ سے تو اور بھی زیادہ توقعات
ہین" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خاندانِ عبدالمطلب کا جس قدر حصہ ہے وہ تمہارا ہے لیکن
عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد جب مجمع ہو تو سب کے سامنے یہ درخواست پیش کرو"
نماز ظہر کے بعد ان لوگون نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی، آپ نے فرمایا "مجھ کو
صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے، لیکن مین تمام مسلمانان سے اُن کے لئے سفارش کرتا ہون"
مہاجرین اور انصار بول اٹھے، ہمارا حصہ بھی حاضر ہے، اس طرح چھ ہزار دفعۃً آزاد تھے[1]

واقعات متفرقہ

(حضرت ماریہؓ کے بطن سے اسی سال ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم رکھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بچہ سے نہایت محبت تھی،
ڈیڑھ سال (۱۷، یا اٹھارہ مہینے) زندہ رہا، جس دن ابراہیم نے وفات پائی سورج گرہن
ہوا، عرب کا عقیدہ تھا کہ سورج گرہن کسی عظیم الشان انسان کی موت کی علامت ہے،
لوگون نے سمجھا کہ یہ ابراہیم کی موت کا نتیجہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگون کو جمع
کرکے خطبہ دیا کہ "سورج اور چاند خدا کی قدرت ہین کسی کے مرنے اور جینے سے اُن مین
گرہن نہین لگتا" اس کے بعد آپ نے کسوف کی نماز باجماعت ادا فرمائی[2]
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا بھی اسی سال انتقال ہوا)

سنہ ۹ھ

واقعۂ ایلاء وتخییر وغزوۂ تبوک

ایلاء اور تخییر سنہ ۹ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زاہدانہ اور تمام زخارف دنیوی سے بیگانہ زندگی بسر کرتے تھے، دو دو مہینے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے، مدۃ العمر دو وقت برابر سیر ہو کر کھانا نصیب نہیں ہوا،

ازواج مطہراتؓ اس جنس لطیف میں شامل تھیں جن کی مرغوب ترین چیز عموماً زیب وزینت اور ناز ونعمت ہے، اور گو شرف صحبت نے ان کو تمام ابنائے جنس سے ممتاز کر دیا تھا، تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی، خصوصاً وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے کہ اس کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی راحت وآرام کے لئے کافی ہو سکتا ہے، ان واقعات کا اقتضا تھا کہ ان کے صبر وقناعت کا جام لبریز ہو جاتا تھا،

---

(۱) بعض محدثین کی رائے ہے کہ یہ ذوالحجہ سنہ ۵ھ کا واقعہ ہے، اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ بعض روایتوں میں یہ مذکور ہوا ہے کہ یہ نزول حجاب سے پہلے کا واقعہ ہے لیکن آگے چل کر حضرت عمرؓ کی روایت میں مذکور ہے کہ جب اس حادثہ کی مبہم خبر سے مسلمانوں میں اضطراب دیکھا تو سمجھے کہ غسان کا بادشاہ حملہ آور ہوا جس کی اطلاع پہلے ۔۔۔ ہو چکی تھی، غسان کا حملہ سنہ ۹ھ میں ہونے والا تھا، حافظ ابن حجر اور محدث دمیاطی نے بہ دلائل ثابت کیا ہے کہ یہ اوائل سنہ ۹ھ کا واقعہ ہے، (دیکھو فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۵۰) "س"

ازواج مطہراتؓ مین بڑے بڑے گھرانون کی خاتونین تھین، حضرت ام حبیبہؓ تھین جو رئیس قریش کی صاحبزادی تھین، حضرت جویریہؓ تھین جو قبیلۂ بنی المصطلق کے رئیس کی بیٹی تھین، حضرت صفیہؓ تھین جن کا باپ خیبر کا رئیس اعظم تھا، حضرت عائشہؓ تھین جو حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھین، حضرت حفصہؓ تھین جن کے والد فاروق اعظمؓ تھے، بشریت کے اقتضا سے اُن مین منافست بھی تھی اور حریف کے مقابلہ مین اپنے رتبہ اور شان کا خیال رہتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر ایک کو جو شدید محبت تھی وہ ع باسایہ ترا نمی پسندم کی حد تک تھی۔

ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینبؓ کے پاس کہین سے شہد آگیا تھا انھون نے آپؐ کے سامنے پیش کیا، آپؐ کو شہد بہت مرغوب تھا، آپؐ نے نوش فرمایا، اس مین وقت مقررہ سے دیر ہوگئی، حضرت عائشہؓ کو رشک ہوا، حضرت حفصہؓ سے کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمارے یا تمہارے گھر مین آئین تو کہنا چاہئے کہ آپؐ کے منھ سے مغافیر کی بو آتی ہے، (مغافیر کے پھولون سے شہد کی مکھیان رس چوستی ہین) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ مین شہد نہ کھاؤن گا، اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اُتری،

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ (تحریم-۱)	اے پیغمبر! اپنی بیویون کی خوشی کے لئے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیون کرتے ہو

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ تحریم، اس واقعہ کو بخاری کتاب الطلاق مین زیادہ تفصیل سے لکھا ہے جس مین یہ بھی ہے کہ مسند دیر مین لگی

علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے،

فان قلت کیف جاز لعائشۃ	اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت
وحفصۃ الکذب والمواطأۃ	حفصہؓ کو جھوٹ بولنا اور آنحضرت صلی اللہ
التی فیہا ایذاء رسول اللہ	علیہ وسلم کے خلاف سازش کرنا کیونکر جائز
صلی اللہ علیہ وسلم قلت کانت عائشۃ	تھا تو جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ
صغیرۃ مع انہا وقعت منہا	کمسن تھیں اس کے علاوہ ان کا مقصود
من غیر قصد الایذاء بل	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینا نہیں تھا
علی ما ھو من جبلۃ النساء	بلکہ جیسا کہ عورتیں اپنی سوکنوں کے مقابلہ
فی الغیرۃ علی الضرائر	میں رشک سے تدبیریں اختیار کرتی ہیں
(تفسیر سورۃ تحریم)	اس طرح کی ایک تدبیر تھی،

لیکن علامہ موصوف کا جواب تسلیم کرنا مشکل ہے، اوّل تو یہ واقعہ ایلاء کے واقعہ کے سلسلہ میں ہے جو ۹ھ میں واقع ہوا تھا، اس وقت حضرت عائشہؓ سترہ برس کی ہو چکی تھیں، دوسرے حضرت عائشہؓ کمسن تھیں لیکن اور ازواج مطہرات جو اس میں شریک ہوئیں وہ تو پوری عمر کی تھیں، خود حضرت حفصہؓ کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے وقت ۳۵ برس کی تھی،

ہمارے نزدیک مغافیر کی بو کا اظہار کرنا، کوئی جھوٹ بات نہ تھی، تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لطیف المزاج تھے اور رائحہ کی ذراسی ناگواری کو

برداشت نہین فرما سکتے تھے[1]، منافیر کے پھولون مین اگر کسی قسم کی کرختگی ہو تو تعجب کی بات نہین، البتہ ازواج مطہراتؓ کا ایکا کرنا بظاہر محلِ اعتراض ہو سکتا ہے لیکن یہ کسی کا اعتقاد نہین کہ ازواجِ مطہرات معصوم تھین یا اپنے انجاحِ مقصد کے لئے جائز وسائل نہین اختیار کرتی تھین، اسی زمانہ مین یہ واقعہ پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہؓ سے فرمائی اور تاکید کردی کہ کسی سے نہ کہنا لیکن انھون نے حضرت عائشہؓ سے کہدیا[2]، اس پر یہ آیت اتری،

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ	اور جب کہ پیغمبر نے اپنی بعض بیویون سے
حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ	راز کی بات کہی اور انھون نے فاش کردی
اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ	اور خدا نے پیغمبر کو اس کی خبر کردی تو پیغمبر نے
عَن بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ	اس کا کچھ حصہ اُن سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا
قَالَتْ مَنْ أَنبَأَكَ هَٰذَا قَالَ	پھر جب اُن سے کہا تو انھون نے کہا
نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ	آپ کو کس نے خبر دی پیغمبر نے کہا مجھ کو
(تحریم-۱)	خدائے عالم خبیر نے خبر دی،

شکر رنجیان بڑھتی گئین اور حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ نے باہم مظاہرہ کیا یعنی دونون نے اس پر اتفاق کیا کہ دونون مل کر زور ڈالین، اس پر حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ کی شان مین یہ آیتین اترین،

(۱؎ مسند احمد ج ۶ ص ۲۴۹) "س" (۲؎ عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۲۶) "س"

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ	اگر تم دونون خدا کی طرف رجوع کرو تو تمہارے
قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ	دل مائل ہو چکے ہین اور اگر ان کے یعنی
فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ	رسول اللہ کے مقابلہ مین ایکا کرو تو خدا
وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ	اور جبریلؑ اور نیک مسلمان اور سب کے
بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ (سورۂ تحریم-۱)	بعد فرشتے رسول اللہ کے مددگار ہین،

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے جن معاملات کی وجہ سے ایکا کیا تھا وہ خاص تھے لیکن توسیع نفقہ کے تقاضے مین تمام ازواجِ مطہراتؓ شریک تھین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سکونِ خاطر مین یہ تنگ طلبی اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواجِ مطہراتؓ سے نہ ملین گے، اتفاق یہ کہ اسی زمانہ مین آپ گھوڑے سے گر پڑے اور ساقِ مبارک پر زخم آیا، آپ نے بالاخانہ[1] پر تنہانشینی اختیار کی، واقعات کے قرینہ سے لوگون نے خیال کیا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دی، اس کے بعد جو واقعات پیش آئے اُن کو ہم حضرت عمرؓ کی زبان سے نقل کرتے ہین، کہ انھون نے دلچسپ اور پُراثر

(۱) بالاخانہ کے لئے احادیث مین مشربہ کا لفظ آیا ہے، مشربہ کے نام سے زیادہ تر مشربۂ ام ابراہیم (ماریہ) مشہور ہے، اسی لئے بعض لوگون کو یہ شبہہ ہوا ہے کہ یہ وہی بالاخانہ تھا لیکن یہ قطعاً غلط ہے، مشربۂ ام ابراہیم مدینہ سے باہر واقع تھا، حضرت عمرؓ کی جو روایت تمام صحاح مین موجود ہے اور جس کو مصنف نے آگے نقل کیا ہے اس سے بھی متبادر ہوتا ہے کہ یہ وہ مقام تھا جو حضرت حفصہؓ کے گھر اور مسجد نبویؐ سے بالکل متصل تھا کہ حضرت عمرؓ دوڑ دوڑ کر جلدی جلدی کبھی ادھر کبھی ادھر جاتے تھے، ابوداؤد مین تصریح ہے کہ یہ مشربہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کا بالاخانہ تھا جو مسجد نبویؐ ہی سے متصل دیگر ازواجِ مطہرات کے حجرون کے برابر تھا، (ابوداؤد باب الامام یصلی من قعود) س،

تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کیا ہے اس بیان مین کچھ ابتدائی واقعات بھی آگئے ہین جن سے اصل معاملہ پر زیادہ روشنی پڑتی ہے،[1]

حضرت عمرؓ فرماتے ہین کہ مین اور ایک انصاری (اوس بن خولی یا عتبان بن مالک) ہمسایہ تھے، اور معمول تھا کہ باری باری سے ایک دن بیچ دے کر ہم دونون خدمتِ اقدس مین حاضر ہوا کرتے تھے،

قریش کے لوگ عورتون پر قابو رکھتے تھے، اور اُن پر غالب رہتے تھے لیکن جب مدینہ مین آئے تو یہان انصار کی عورتین مردون پر غالب تھین، ان کا انداز دیکھ کر ہماری عورتون نے بھی ان کی تقلید شروع کی، ایک دن مین نے کسی بات پر اپنی بیوی کو ڈانٹا انھون نے الٹ کر جواب دیا، مین نے کہا تم میری بات کا جواب دیتی ہو، بولین تم کیا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویان اُن کو برابر کا جواب دیتی ہین، یہان تک کہ دن بھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روٹھی رہتی ہین، مین نے دل مین کہا غضب ہو گیا، اُٹھ کر حفصہ (حضرت عمرؓ کی صاحبزادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ) کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا تو واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رات بھر روٹھی رہتی ہے، حفصہ نے اقرار کیا، مین نے کہا تجھ کو یہ خیال نہین کہ رسولؐ کی ناراضی خدا کی ناراضی ہے، بخدا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا خیال فرماتے ہین ورنہ تجھ کو طلاق دے چکے ہوتے، پھر حضرت ام سلمہ

---

[1] یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب یعنی کتاب النکاح، طلاق، کتاب العلم مین باختلاف عبارت منقول ہے صحیح مسلم باب النکاح مین بھی کئی طریق سے مذکور ہے، ان روایتون مین باہم جزئیات مین اختلافات ہم نے امکان سب روایتون کو جمع کیا ہے،

کے پاس گیا اور اُن سے بھی یہی شکایت کی، بولین کہ عمر! تم ہر معاملہ مین دخل دینے لگے، یہان تک کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ازواج کے معاملات مین بھی دخل دیتے ہو، مین چپ رہ گیا اور اٹھ کر چلا آیا۔

"کچھ رات گئی، میرے ہمسایہ انصاری باہر سے آئے، اور بڑے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا، مین گھبرا کر اٹھا اور دروازہ کھول کر پوچھا خیر ہے؟ انھون نے کہا غضب ہو گیا، مین نے کہا کیا غسانی[1] مدینہ پر چڑھ آئے، بولے کہ نہین اس سے بھی بڑھ کر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی، مین صبح کو مدینہ آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز فجر ادا کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر بالاخانہ مین تنہا جا کر بیٹھ گئے، مین حفصہ کے پاس آیا تو دیکھا وہ بیٹھی رو رہی ہے، مین نے کہا "مین نے تجھ سے پہلے ہی کہا تھا، حفصہ کے پاس سے اٹھ کر مسجد نبوی مین آیا، دیکھا تو صحابہ منبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہین، مین ان کے پاس بیٹھ گیا لیکن طبیعت کو سکون نہین ہوتا تھا، اٹھ کر بالاخانہ کے پاس آیا اور رباح (خادم خاص) سے کہا اطلاع کرو، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہین دیا، مین اٹھ کر پھر مسجد مین چلا آیا، اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بیتاب ہو کر بالاخانہ کے نیچے آیا اور دربان سے دوبارہ اذن طلبی کی درخواست کی، جب کچھ جواب نہین ملا تو مین نے پکار کر کہا رباح! میرے لئے اذن مانگ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہے

[1] غسانی عرب کا ایک خاندان تھا جو شام مین رومیون کے ماتحت بادشاہی کرتا تھا، وہ رومیون کی تحریک سے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریان کر رہا تھا،

مین حفصہ کی سفارش کرنے آیا ہون، خدا کی قسم، رسول اللہؐ فرمائین تو حفصہ کی گردن اڑا دون،
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی، اندر گیا تو دیکھا کہ آپؐ کھری چارپائی پر لیٹے ہین اور
جسم مبارک پر بانون کے نشان پڑ گئے ہین ادھر اُدھر نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک طرف مٹھی بھر
جو رکھے ہوے تھے، ایک کونے مین کسی جانور کی کھال کھونٹی پر لٹک رہی تھی، میری
آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب پوچھا، مین نے عرض
کی اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا، قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے
ہین، اور آپ پیغمبر ہو کر آپؐ کی یہ حالت ہے، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "تم اس پر راضی
نہین کہ قیصر و کسریٰ دنیا لین اور ہم آخرت؟"

مین نے عرض کی کیا آپؐ نے ازواج کو طلاق دیدی؟ آپؐ نے فرمایا "نہین"
مین اللہ اکبر پکار اٹھا، پھر عرض کی کہ مسجد مین تمام صحابہ مغموم بیٹھے ہین اجازت ہو تو جا کر
خبر کر دون کہ واقعہ غلط ہے، چونکہ ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گذر چکا تھا، آپؐ
بالاخانہ سے اُتر آئے[2] اور عام باریابی کی اجازت ہو گئی، اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی

(۱) بعض روایتون مین حصیر (چٹائی) کا لفظ آیا ہے اور بعض مین سریر (چارپائی) ابن حجر نے یہ تطبیق دی ہے کہ وہ تھی چارپائی لیکن چٹائی جس سے بُنی جاتی ہے اس سے بُنی ہوئی تھی (فتح الباری جلد ۹ ص ۲۵)
(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق ۲۹ روز بالاخانہ پر تشریف فرما رہے، حضرت عمرؓ کا یہ مکالمہ پہلے روز کا واقعہ ہے یا آخر روز کا اس روایت کے جتنے طرق ہین ان کا ابتدائی ٹکڑا ظاہر کرتا ہے کہ یہ پہلے ہی دن کا واقعہ ہے اور آخر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انتیسوین روز کا واقعہ ہے، مصنف مرحوم نے آخری فقرون کا لحاظ کیا ہے، اور بظاہر اس کو انتیسوین روز کا واقعہ سمجھا ہے، لیکن اس بنا پر لازم آتا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۔ (احزاب)

(اے پیغمبر اپنی بیویوں سے کہدے کہ اگر تم کو دنیا کی زندگی اور دنیا کا زیب و زینت آرا مطلوب ہے تو آؤ مین تم کو رخصتی جوڑے دے کر بہ طریق احسن رخصت کردون اور اگر خدا، خدا کا رسول اور آخرت مطلوب ہے تو خدا نے تم مین سے نیکوکارون کے لیے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے)

اس آیت کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ازواج مطہرات کو مطلع فرمادین کہ دو چیزین تمہارے سامنے ہین، دنیا اور آخرت، اگر تم چاہتی ہو تو آؤ مین تم کو رخصتی جوڑے دے کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کردون، اور اگر تم خدا اور رسول اور زندگانی ابدی کی طلبگار ہو تو خدا نے نکوکارون کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے، مہینہ ختم ہوچکا تھا، آپ بالاخانہ سے اترے، اور چونکہ ان تمام معاملات مین حضرت عائشہ پیش پیش تھین اُن کے پاس تشریف لے گئے اور مطلع فرمایا، انھون نے کہا

(بقیہ حاشیہ صفحۂ ۵۵۴) کہ ۲۰ دن تک گویا حضرت عمرؓ اور صحابہ کو واقعۂ ایلاء کی اطلاع ہی نہ تھی، حالانکہ اس کو کوئی تسلیم نہین کرسکتا، اس بنا پر محدثین نے یہ تاویل کی ہے کہ اس مکالمہ کا اکثر حصہ پہلے روز کا واقعہ ہے، لیکن صرف اترنے کا بیان آخر روز کا واقعہ ہے، راوی نے بیچ کا سلسلہ چھوڑ دیا، بخاری کی اس روایت سے جو کتاب النکاح باب موعظۃ الرجل ابنتہ لحال زوجھا اور کتاب اللباس باب ماکان یتجوز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اللباس مین مذکور ہے یہ صاف تصریح موجود ہے اس بنا پر اس فقرہ کو یون پڑھنا چاہئے جب ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گذر چکا) "س"

سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول کو لیتی ہوں، تمام اور ازواج مطہراتؓ نے بھی یہی جواب دیا'

ایلاء، تخییر، مظاہرۂ حفصہ وعائشہ، یہ واقعات عام طور پر اس طرح بیان کئے گئے ہیں

کہ گویا مختلف زمانوں کے واقعات ہیں، اور اُن سے ایک ظاہر بین یہ دعوی کر سکتا ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہراتؓ کے ساتھ ہمیشہ ناگواری کے ساتھ بسر کرتے

تھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تینوں واقعے ہم زمان، اور ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں'

صحیح بخاری باب النکاح (باب موعظۃ الرجل ابنتہ) میں حضرت ابن عباسؓ کی زبانی

جو نہایت تفصیلی روایت ہے اس میں صاف تصریح ہے کہ مظاہرۂ ازواج مطہراتؓ

سے انعزال، افشاے راز، آیت تخییر کا نزول سب ایک ہی سلسلہ کے واقعات ہیں'

حافظ ابن حجر انعزال کے متعدد اسباب لکھ کر لکھتے ہیں :-

وھذا ھو اللائق بمکارم	(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق
اخلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم وسعۃ	کشادہ دلی اور کثرت عفو کے یہی مناسب
صدرہ وکثرۃ صفحہ وان	ہے اور آپ نے اُس وقت تک ایسا
ذلک لم یقع منہ حتی تکرر	نہیں کیا ہوگا جب تک اُن سے
موجبہ منھن (فتح الباری جلد ۹ ص ۲۵۲)	اس قسم کی حرکتیں متعدد بار ظہور پذیر نہ ہوئی ہوں)

مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی اس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت

بڑی ضرر رساں سازش تھی جس کا اثر بہت پُر خطر تھا، آیت مذکورہ یہ ہے ؛

وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ	اور اگر تم دونوں (حضرت عائشہؓ و

هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ، (تحریم-۱)

وحضرت حفصہؓ) رسولؐ کے برخلاف ایکا کرو تو خدا اس کا مولا ہے اور جبریلؑ اور نیک مسلمان اور ان سب کے ساتھ فرشتے بھی مددگار ہیں

اس آیت میں تصریح ہے کہ اگر ان دونوں کا ایکا قائم رہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کو خدا، اور جبریلؑ اور نیک مسلمان موجود ہیں، اور اسی پر بس نہیں بلکہ فرشتے بھی اعانت کے لئے تیار ہیں،

روایتوں سے مظاہرہ کا جو سبب معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہی کہ اس کے ذریعہ سے وہ نفقہ کی توسیع چاہتی تھیں اور اگر ماریہ قبطیہ کی روایت تسلیم کرلی جائے تو صرف یہ کہ وہ الگ کردی جائیں، لیکن یہ ایسی کیا اہم باتیں ہیں اور حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ کی کسی قسم کی سازش ایسی کیا پُرخطر ہوسکتی ہے، جس کی مدافعت کے لئے ملاءِ اعلیٰ کی اعانت کی ضرورت ہو،

اس بناپر بعضوں نے قیاس کیا ہے کہ یہ مظاہرہ کوئی معمولی معاملہ نہ تھا، مدینہ منورہ میں منافقین کا ایک گروہ کثیر موجود تھا جن کی تعداد (۴۰۰) تک بیان کی گئی ہے، یہ شریرالنفس ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ کسی تدبیر سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور رفقاے خاص میں پھوٹ ڈلوادیں (ابن حجر نے اصابہ میں ام جلدح کے حال میں لکھا ہے وکانت تحرش بین ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وہ ازواج مطہرات کو باہم بھڑکایا کرتی تھیں) افک کے واقعہ میں ان کو کامیابی کی جھلک نظر آچکی تھی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ دن تک حضرت عائشہؓ سے کبیدہ خاطر رہے، حضرت حسانؓ افک مین شریک ہو گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی حمنہ جو حضرت زینبؓ کی بہن تھین سازش مین آگئی تھین، چنانچہ اس روایت کو علانیہ شہرت دیتی تھین حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ایک قریبی عزیز (مسطح) کو جو شریک تہمت تھے، مالی اعانت سے محروم کر دیا تھا، غرض اگر حضرت عائشہؓ کی برات پر وحی نہ آجاتی تو ایک فتنۂ عظیم برپا ہو چکا تھا،

معلوم ہوتا ہے کہ جب ازواجِ مطہراتؓ کی کششِ خاطر اور کبیدگی اور تنگ طلبی کا حال منافقون کو معلوم ہوا تو ان بدنفسون نے اشتعال دے کر بھڑکانا چاہا ہوگا، چونکہ مظاہرہ کے ارکانِ اعظم حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ تھین، ان کو خیال ہوا ہوگا کہ اُن کے ذریعہ سے اُن کے والدین (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) کو اس سازش مین شریک کر لینا ممکن ہے، لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو رسول کی خاک پر قربان کر سکتے تھے، چنانچہ جب حضرت عمرؓ کو اذن نہ ملا تو انھون نے پکار کر کہا کہ ارشاد ہو تو حفصہ کا سر لے کر آؤن،

آیت مین روے سخن منافقین کی طرف ہے یعنی اگر عائشہ و حفصہ سازش بھی کرینگی، اور منافقین اس سے کام لین گے تو خدا پیغمبر کی اعانت کے لئے موجود ہے، اور خدا کے ساتھ جبریلؑ و ملائکہ بلکہ تمام عالم ہے،

روایاتِ کاذبہ | ان واقعات مین کذابین رواۃ نے اس قدر تلبیسات، اور خداعیان

کی ہین کہ بڑے بڑے مورخین وارباب سیر نے یہ روایتین اپنی تصانیف مین اسناداً درج کردین، اس لیے ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل سے لکھنا چاہتے ہین،

اس قدر عموماً مسلّم ہے اور خود قرآن مجید مین مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کی خاطر سے کوئی چیز اپنے اوپر حرام کرلی تھی، اختلاف اس مین ہے کہ وہ کیا چیز تھی؟ بہت سی روایتون مین ہے کہ وہ ماریہ قبطیہ ایک کنیز تھین جن کو عزیز مصر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین تحفۃً بھیجا تھا، ماریہ قبطیہ کی روایت تفصیل کیساتھ مختلف طریقون سے بیان کی گئی ہے، جن مین یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا راز جو حضرت حفصہ ؓ نے فاش کردیا تھا، ان ہی ماریہ قبطیہ کا راز تھا،

اگرچہ یہ روایتین بالکل موضوع اور ناقابلِ ذکر ہین، لیکن چونکہ یورپ کے اکثر مورخون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معیار اخلاق پر جو حرف گیریان کی ہین، ان کا کل سرسبد یہی ہین، اس لئے اُن سے تعرض کرنا ضروری ہے،

ان روایتون مین واقعہ کی تفصیل کے متعلق اگرچہ نہایت اختلاف ہے، لیکن اس قدر سب کا قدر مشترک ہے کہ ماریہ قبطیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موطوءۃ کنیزون مین تھین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ ؓ کی ناراضی کی وجہ سے اُن کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا،

حافظ ابن حجر شرح صحیح بخاری تفسیر سورۂ تحریم مین لکھتے ہین:-

وقع عند سعید بن منصور	اور سعید بن منصور نے سند صحیح کیساتھ

باسناد صحیح الی مسروق قال حلف	جو مسروق تک منتہی ہوتی ہے، یہ روایت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحفصۃ	کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
لا یقرب امتہ الخ (ص ۵ ج ۰)	حفصہؓ کے سامنے قسم کھائی کہ اپنی کنیز سے [illegible]

اس کے بعد حافظ موصوف نے مسند (ہیثم بن کلیب) اور طبرانی سے متعدد روایتین نقل کی ہین، جن مین سے ایک یہ ہے،

وللطبرانی من طریق الضحاک	اور طبرانی نے ضحاک کے سلسلہ مین حضرت
عن ابن عباس قال دخلت	ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت حفصہؓ
حفصۃ بیتہا فوجدتہ یطاء	اپنے گھر مین گئین تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
ماریۃ فعاتبتہ۔ (فتح الباری	حضرت ماریہؓ کے ساتھ ہمبستر دیکھا، اس پر
مطبوعہ مصر جلد ۸ صفحہ ۵۰۳)	انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معاتب کیا،

ابن سعد اور واقدی نے اس روایت کو زیادہ بدنما پیرایون مین نقل کیا ہے، ہم ان کو قلم انداز کرتے ہین، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام روایتین محض افترا اور بہتان ہین،

علامہ عینی شرح صحیح بخاری باب النکاح جلد ۹ صفحہ ۴۸۰ مین لکھتے ہین:-

والصحیح فی سبب نزول الآیۃ	اور آیت کی شان نزول کے باب مین
انہ فی قصۃ العسل لا فی قصۃ	صحیح روایت یہ ہے کہ وہ شہد کے واقعہ
ماریۃ المروی فی غیر الصحیحین	مین ہے، ماریہؓ کے قصہ کے باب مین
وقال النووی ولم تات قصۃ	نہین ہے جو صحیحین کے سوا اور کتابون مین

مارية من طريق صحيح،	مذکور ہی نووی نے کہا ہی کہ ماریہ کو واقعہ کسی صحیح طریقہ سے مروی نہین ہی،

یہ حدیث تفسیر ابن جریر، طبرانی، مسند ہیثم مین مختلف طریقون سے مروی ہی، ان کتابون مین عموماً جس قسم کی رطب یابس روایتین مذکور ہین اُس کے لحاظ سے جب تک ان کی صحت کے متعلق کوئی خاص تصریح نہ ہو لائق التفات نہین، حافظ ابن حجر نے ان مین ایک طریقہ کی توثیق کی ہے یعنی وہ روایت جس کے راوی اخیر مسروق ہین[1]

لیکن اوّلاً تو اس روایت مین ماریہ قبطیہ کا نام مطلق نہین صرف اس قدر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کے سامنے قسم کھائی تھی کہ مین اپنی کنیز کے پاس نہ جاؤن گا اور وہ مجھ پر حرام ہے، اس کے علاوہ مسروق تابعی ہین یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہین دیکھا تھا اس لئے یہ روایت اصولِ حدیث کی رو سے منقطع ہے یعنی اس کا سلسلۂ سند صحابی تک نہین پہنچتا،

اس حدیث کے ایک اور طریقہ کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر مین صحیح کہا ہی لیکن اس طریقہ کے ایک اور راوی عبد الملک رقاشی ہین جن کی نسبت دارقطنی نے لکھا ہی،

كثير الخطاء فی الاسانید و المتون يحدث عن حفظه	سندون مین اور اصل الفاظ حدیث مین بہت خطا کرتے ہین،

یہ امر مسلّم ہے کہ ماریہ کی روایت صحاح ستہ کی کتاب مین مذکور نہین ہے ایسی[2]

---

[1] فتح الباری تفسیر سورۂ تحریم [2] یعنی ماریہ کے نام سے اور مشہور لغو واقعات کے شمول کے ساتھ

تسلیم ہے کہ سورۂ تحریم کا شان نزول جو صحیح بخاری اور مسلم مین مذکور ہے، (یعنی شہد کا واقعہ)
قطعی طریقہ سے ثابت ہے، امام نووی نے جو ائمہ محدثین مین سے ہین صاف تصریح کی
ہے، کہ ماریہ کے باب مین کوئی صحیح روایت موجود نہین، حافظ ابن حجر اور ابن کثیر نے جن
طریقون کو صحیح کہا اُن مین سے ایک منقطع، اور دوسرے کا راوی کثیر الخطاء ہے، ان واقعات
کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ یہ روایت استناد کے قابل ہے،

یہ بحث اصولِ روایت کی بنا پر تھی، درایت کا لحاظ کیا جائے تو مطلق کدوکاوش
کی حاجت نہین، جو رکیک واقعہ ان روایتون مین بیان کیا گیا ہے اور خصوصاً طبری وغیرہ
مین جو جزئیات مذکور ہین وہ ایک معمولی آدمی کی طرف منسوب نہین کئے جاسکتے،
نہ کہ اُس ذاتِ پاک کی طرف جو تقدس و نزاہت کا پیکر تھا، صلی اللہ علیہ وسلم،

——— ٭٭٭ ———

غزوۂ تبوک

رجب ۹ھ مطابق نومبر ۶۳۵ء

تبوک ایک مشہور مقام ہے، جو مدینہ اور دمشق کے وسط مین نصف راہ پر مدینہ سے چودہ[1] منزل ہے،

جنگ مُوتہ کے بعد سے رومی سلطنت نے عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، غسّانی خاندان جو شام مین رومیون کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا، مذہبًا عیسائی تھا اس لئے قیصر روم نے اسی کو اس مہم پر متعین کیا، مدینہ مین یہ خبرین اکثر مشہور ہوتی رہتی تھین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلاء کے واقعہ مین حضرت عمرؓ سے جب عتبان بن مالک نے دفعۃً آکر یہ کہا کہ "غضب ہوگیا" تو انھون نے کہا کیون خیر ہے؟ کیا غسانی آگئے[1] شام کے نبطی سوداگر مدینہ مین روغنِ زیتون بیچنے آیا کرتے تھے، انھون نے خبر دی[2] کہ رومیون نے شام مین لشکرِ گران جمع کیا ہے، اور فوج کو سال بھر کی تنخواہین تقسیم کر دی ہین، اس فوج مین لخم، جذام اور غسان کے تمام عرب شامل ہین، اور مقدمۃ الجیش بلقا تک آگیا ہے، مواہب لدنیہ مین طبرانی سے روایت نقل کی ہے کہ عرب کے عیسائیون نے ہرقل کو لکھ بھیجا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انتقال کیا اور عرب سخت قحط کی وجہ سے

---

[1] بخاری ذکر واقعۂ ایلاء) [2] مواہب لدنیہ (مع زرقانی ج ۳ ص ۷۲)

بھوکون مر رہے ہین" اس بنا پر ہرقل نے چالیس ہزار فوجین روانہ کین،

بہرحال یہ خبرین تمام عرب مین پھیل گئین اور قرائن اس قدر قوی تھے کہ غلط ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کی تیاری کا حکم دیا، سوء اتفاق یہ کہ سخت قحط اور شدت کی گرمیان تھین، ان اسباب سے لوگون کو گھر سے نکلنا نہایت شاق تھا[۱]، منافقین جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اُن کا پردہ فاش ہو چلا، وہ خود بھی جی چراتے تھے[۲] اور دوسرون کو بھی منع کرتے تھے کہ

لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ، گرمی مین نہ نکلو،

سویلم ایک یہودی تھا اُس کے گھر پر منافقین جمع ہوتے اور لوگون کو لڑائی پر جانے سے روکتے، چونکہ ملک پر رومیون کے حملہ کا اندیشہ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قبائل عرب سے فوجین اور مالی اعانت طلب کی[۳]، صحابہ مین سے حضرت عثمانؓ نے دو سو اوقیہ چاندی اور دو سو اونٹ پیش کئے[۴]، اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمین لا کر حاضر کین، تاہم بہت سے مسلمان اس بنا پر جانے سے رہ گئے کہ سفر کا سامان نہین رکھتے تھے، یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آئے اور اس درد سے روئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن پر رحم آیا، تاہم اُن کے چلنے کا کچھ سامان نہ ہو سکا

---

[۱] مارگولیس صاحب فرماتے ہین کہ "چونکہ حنین مین انصار مال غنیمت سے محروم رہے تھے اس لئے وہ بے دل ہو گئے تھے کہ ہم کیا لڑین، جب فوائد جنگ دوسرون کو حاصل ہون گے" لیکن یہ مارگولیس صاحب کا حسن ظن ہے، (قرآن نے خود بتا دیا ہے تو قیاس کی کیا حاجت ہے) "س" [۲] ابن ہشام، [۳] ابن سعد جزء المغازی ص ۱۱۹) "س" [۴] زرقانی ج ۳ ص ۶۲) "س"

انہی کی شان مین سورۂ توبہ کی یہ آیتین اتری ہین،

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ	اور نہ ان لوگون پر کچھ اعتراض ہے کہ جب
لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا	تمہارے پاس آئے کہ ہم کو سواری دیجئے
أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ	اور تم نے کہا کہ میرے پاس سواری کہان
تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا	ہے جس پر تم کو سوار کر سکون تو وہ واپس گئے
يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ۝ (توبہ ۱۲)	اور اُن کی آنکھون سے آنسو جاری تھے کہ افسوس ہے ہم کو خرچ میسر نہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا جب آپ مدینہ سے تشریف لے جاتے تو کسی کو شہر کا حاکم مقرر فرما کر جاتے، چونکہ اس غزوہ مین مخلاف اور معرکون کے ازواج مطہرات ساتھ نہین گئی تھین، اہل حرم کی حفاظت کے لئے کسی عزیز خاص کا رہنا ضرور تھا، اس لئے اب کی یہ منصب جناب امیرؓ کو ملا، لیکن انھون نے شکایت کی کہ "آپ مجھکو بچون اور عورتون مین چھوڑے جاتے ہین"۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "تم اس پر راضی نہین ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی[1]"۔

غرض آپ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے، جس مین دس ہزار گھوڑے[2] تھے، راہ مین وہ عبرتناک مقامات تھے جن کا ذکر قرآن مجید مین آیا ہے یعنی قوم ثمود کے مکانات جو پہاڑون مین تراش کر بنائے گئے تھے، چونکہ اس مقام پر عذاب الٰہی نازل ہو چکا تھا، آپ نے حکم دیا کہ کوئی شخص یہان قیام نہ کرے، نہ پانی پیئے اور نہ کسی

---

[1] صحیح بخاری غزوہ تبوک [2] طبقات ابن سعد (جزء مغازی ص ۱۱۹) "س"

کام مین لائے،

تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی لیکن اصلیت سے بالکل خالی بھی نہ تھی،

غسانی رئیس عرب مین ریشہ دوانیان کر رہا تھا، صحیح بخاری (غزوۂ تبوک) مین جہان

حضرت کعبؓ بن مالک کا واقعہ مذکور ہی، لکھاہے کہ شام سے ایک قاصد آیا اور حضرت

کعبؓ بن مالک کو رئیس غسان کا ایک خط دیا جس مین لکھا تھا کہ "مین نے سنا ہے

کہ محمدؐ نے تمہاری قدر نہ کی، اس لئے تم میرے پاس چلے آؤ، مین تمہاری شان کے

موافق تم سے برتاؤ کرون گا" حضرت کعبؓ گو معتوب نبوی تھے، لیکن انھون نے

اس خط کو تنور مین ڈال دیا،

تبوک پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن تک قیام کیا، ایلہ[1] کا سردار جس کا

نام یوحنا تھا، حاضر خدمت ہو کر جزیہ دینا منظور کیا، ایک سفید خچر بھی نذر مین پیش کیا،

جس کے صلہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ردائے مبارک عنایت فرمائی، جربا

اور اذرح کے عیسائی بھی حاضر ہوئے اور جزیہ پر رضامندی ظاہر کی، دومۃ الجندل جو دمشق

سے پانچ منزل پر ہے وہان ایک عربی سردار جس کا نام اُکیدر تھا قیصر کے زیر اثر تھا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو چار سو (۴۰۰) سوارون[2] کی جمعیت کے ساتھ اس کے

مقابلہ کے لئے بھیجا، حضرت خالدؓ نے اس کو گرفتار کیا اور اس شرط پر رہائی دی کہ خود

دربار رسالت مین حاضر ہو کر شرائط صلح پیش کرے، چنانچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ

[1] یہ مقام خلیج عقبہ کے پاس ہے (مارگولیس) [2] زرقانی بحوالہ ابن ابی شیبہ (ج ۳ ص ۸۶) "س"

مین آیا، آپ نے اس کو امان دی،

تبوک سے جب آپ واپس پھرے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو لوگ عالم شوق مین استقبال کو نکلے، یہان تک کہ پردہ نشینان حرم بھی جوش مین گھرون سے نکل پڑین اور لڑکیان یہ اشعار گاتی نکلین[1]،

طلع البدر علینا　　من ثنیات الوداع

وداع کی گھاٹیون سے ہم پر چاند طلوع ہوا

وجب الشکر علینا　　ما دعا للہ داع

جب تک خدا کا پکارنے والا دنیا مین کوئی باقی ہے، ہم پر خدا کا شکر فرض ہو

مسجد ضرار

منافقین ہمیشہ اس فکر مین رہتے تھے کہ مسلمانون مین کسی طرح پھوٹ ڈالدین ایک مدت سے وہ اس خیال مین تھے کہ مسجد قبا کے توڑ پر وہین ایک اور مسجد اس حیلہ سے بنائین کہ جو لوگ ضعف یا کسی اور وجہ سے مسجد نبوی مین نہ پہنچ سکین یہان آکر نماز ادا کر لیا کرین، ابو عامر جو انصار مین سے عیسائی ہو گیا تھا، اُس نے منافقین سے کہا کہ تم سامان کرو مین قیصر کے پاس جا کر وہان سے فوجین لاتا ہون کہ اس ملک کو اسلام سے پاک کردون[2]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک تشریف لے جانے لگے تو منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آکر عرض کی کہ ہم نے بیمارون اور معذورون کے لئے

---

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۹۲ "س" (۲) زرقانی بحوالۂ ابن جریر (ج ۳ ص ۹۱) "س"

ایک مسجد تیار کی ہے آپ چل کر اس مین ایک دفعہ نماز پڑھا دین تو مقبول ہو جائے،
آپ نے فرمایا اس وقت مین مہم پر جا رہا ہون جب تبوک سے واپس پھرے تو مالک
اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ جا کر مسجد مین آگ لگا دین، اسی مسجد کی شان مین یہ آیتین اتری

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۝ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝

(توبہ-۱۳)

اور وہ لوگ جنھون نے ایک مسجد ضرر اور جھوٹ ڈالنے اور کفر کی غرض سے تیار کی اور اس غرض سے کہ جو لوگ پہلے خدا اور رسول سے لڑتے ہین اُن کو ایک کمین گاہ ہاتھ آئے، اور وہ قسم کھاتے ہین کہ ہم نے صرف بھلائی کے لحاظ سے ایسا کیا، اور خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹ کہتے ہین، محمدؐ تو کبھی اس مسجد مین جا کر نہ کھڑا ہو، وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تو اس مین نماز پڑھے اس مین ایسے لوگ ہین جو پاک صاف رہنے کو دوست رکھتے ہین اور خدا پاک صاف رہنے والون کو دوست رکھتا ہے۔

حج اسلام اور اعلان برأت

(مکہ سنہ ۸ھ مین فتح ہوا لیکن چونکہ ابھی تک ملک مین اچھی طرح امن و امان نہین قائم ہوا تھا اس لئے اس سال مشرکین ہی کے اہتمام سے

ارکانِ حج انجام پائے، مسلمانون نے حضرت عتابؓ بن اسید کے ساتھ جو مکہ کے امیر مقرر ہوئے تھے، فریضۂ حج ادا کیا، اب ۹ھ پہلا موقع ہے کہ کعبہ کفر و شرک کی ظلمت سے پاک ہو کر عبادتِ ابراہیمی کا مرکز قرار پاتا ہے، غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ یا ذوالحجہ ۹ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو مسلمانون کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لئے روانہ فرمایا، ان مین حضرت ابوبکرؓ قافلہ سالار، حضرت علیؓ نقیبِ اسلام، اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت جابرؓ حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ معلم تھے[1] قربانی کے لئے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) بیس اونٹ ساتھ تھے،

قرآن نے اس حج کو حجِ اکبر[2] کہا ہے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ رسمِ حج اصل ابراہیمی سنت مین جلوہ گر ہوئی، اس حج کا مقصد یہ تھا کہ خانۂ خلیل مین عہدِ جاہلیت کے اختتام اور حکومتِ اسلام کی ابتدا کا اعلان کیا جائے، مناسک و رسومِ حج کی عام طور سے تعلیم دیجائے زمانۂ جاہلیت کے رسوم و عادات کا ابطال کیا جائے،

حضرت ابوبکرؓ نے مناسکِ حج کی لوگون کو تعلیم دی، یوم النحر مین خطبہ دیا، جس مین حج کے مسائل بیان کئے، اس کے بعد حضرت علیؓ کھڑے ہوئے سورۂ برأت کی چالیس

---

(۱) بخاری کتاب المناسک باب لایطوف عریان و باب حج ابی بکرؓ بالناس و تفسیر سورۃ البرأۃ،

(۲) سورۂ توبہ مین ہے، یوم الحج الاکبر، مصنف نے اس حج کو حجِ اکبر کہنے کی جو توجیہ لکھی ہے، اس کو بھی گو بعض علماء نے اختیار کیا ہے، لیکن عام خیال یہ ہے کہ خاص اسی سال کے حج کو حجِ اکبر نہین کہا گیا ہے، بلکہ ہر حج عمرہ کے مقابلہ مین حجِ اکبر ہے، اور عمرہ حجِ اصغر ہے، ملاحظہ ہو روح المعانی ج ۱۰ صفحہ ۴۴ "س")

آیتین پڑھ کر سنائین، اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ مین نہ داخل ہو سکے گا

نہ کوئی برہنہ اب حج کرنے پائے گا، اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے تھے اُن کے

نقض عہد کے سبب سے آج سے چار مہینے کے بعد ٹوٹ جائین گے، حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ

نے اس اعلان کی اس زور زور سے منادی کی کہ گلا پڑ گیا،[1]

سورۂ برأت کی ابتدائی آیتین جس مین خدا نے اس اعلان کا حکم فرمایا[2]، یہ ہین:-

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى	اے مسلمانو! جن مشرکین سے تم نے معاہدہ
الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ	کیا تھا (اور انھون نے اپنا معاہدہ توڑ دیا)
فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ	ان کی خدا اور خدا کے رسول کی طرف
وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ	سے کوئی ذمہ داری نہین ہے، اب
وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ وَ	(اے معاہدہ شکن مشرکو!) چار مہینے
اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ	کی تم کو مہلت ہے، اس مین تم ملک مین
اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ	چلو پھرو، اور جان لو کہ تم خدا کو عاجز

[1] ابن حنبل صفحہ ۲۹۹ جلد ۲۔ عام تفصیل زرقانی ج ۳ ص ۱۰۲ وغیرہ مین موجود ہے (ن س) [2] ان آیات مین یہ بیان ہے کہ مسجد حرام کے پاس (صلح حدیبیہ مین) جو معاہدے ہوئے تھے وہ ٹوٹ گئے، لیکن وہ معاہدے تو فتح مکہ سے پہلے ہی ٹوٹ گئے تھے، اور اس کے بعد کفار سے کوئی معاہدہ نہین ہوا، مصنف نے اس بنا پر اپنے ایک مکتوب ۴۰-۲-۷ مین یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ آیتین سنہ ۸ھ مین فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی ہون گی، اور شاید اسی لئے مصنف نے یہ واقعات قلم انداز کر دیئے ہین، لیکن خاکسار جامع کا خیال یہ ہے کہ ممکن ہے کہ معاہدہ کے متعلق یہ آیتین گزشتہ مین نازل ہوئی ہون لیکن ان کا عام اعلان مع دیگر ضروری احکام کے جیسا کہ

أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ فَإِن تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ، (ع-۱)

نہ کرسکوگے، حج اکبر کے دن لوگون کو اعلان عام ہے کہ خدا اور اس کا رسول ان مشرکین کا اب ذمہ دار نہین اگر (تم نے اسے مشرکین) توبہ کرلی تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر اب بھی پھرے رہو تو یقین کرو کہ تم خدا کو ہرا نہ سکوگے، اے پیغمبر تو کافرون کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دے، لیکن وہ مشرکین جن سے تم نے معاہدہ کیا اور انھون نے اس کے ایفا مین تمہارے ساتھ کچھ کمی کی اور نہ تمہارے مقابلہ مین انھون نے تمہارے دشمنون کی مدد کی تو زمانہ معاہدہ کو تم پورا کرو، خدا پرہیزگارون کو دوست رکھتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا

اے مسلمانو! مشرکین تو ناپاک ہین، اب وہ اس سال کے بعد کعبہ کے قریب نہ آئین،

طبری نے بواسطہ سدی روایت کی ہے کہ اس اعلان کے بعد کفار عام طور سے

مسلمان ہو گئے[1]

واقعاتِ متفرقہ | ۹ سال کے بعد اب ملک مین امن وامان کا دور شروع ہوا، اب حصولِ دولت کے مواقع حاصل تھے، اس بنا پر زکوٰۃ کا حکم اس سال نازل ہوا، اور تحصیلِ زکوٰۃ کے لئے عمال قبائل مین مقرر ہوئے تھے،

اسلام کے سایہ مین بعض غیر مسلم قومین بھی داخل ہو چکی تھین، ان کے لئے جزیہ کی یہ آیت اتری،

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (توبہ) تا آنکہ چھوٹے بن کر وہ جزیہ ادا کرین

سود کی تحریم بھی اسی سال نازل ہوئی اور اس کے ایک سال بعد سنہ ۱۰ھ مین حجۃ الوداع مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعلانِ عام فرمایا،

نجاشی جس کے ظلِ حمایت مین مسلمانون نے چند سال حبشہ مین بسر کئے اس نے اسال انتقال کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وفات کا خود اعلان فرمایا کہ مسلمانو! آج تمہارے برادر صالح اصحمہ نے وفات پائی، اس کے لئے دعاے مغفرت مانگو! اس کے بعد نجاشی کے لئے غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی[2]

---

(1) ج ۴ ص ۱۷۲۱ "س" (2) طبری ج ۴ ص ۱۷۲۲ "س"

غزوات پر دوبارہ نظر

کتاب کا یہ حصّہ سادہ سوانحِ زندگی پر محدود ہے، بحث و تدقیقات اور رفعِ شکوک کے لئے دوسرے حصّے ہین، اس بنا پر مناسب یہ تھا کہ غزوات کے متعلق جو مباحث ہین انہی حصّون مین لکھے جاتے، لیکن کتبِ سیر مین کثرت اور اہمیت دونون حیثیتون سے جو واقعات زیادہ ترنمایان ہین، صرف غزوات ہین، اگر صرف تصانیفِ سیَر کو پیشِ نظر رکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمامتر سوانح عمری غزوات ہی کا نام ہے، چنانچہ پہلے سیرت پر جو کتابین لکھی گئین وہ سیرت نہین بلکہ مغازی ہی کے نام سے مشہور ہین، مثلاً مغازی ابن عقبہ، مغازی ابن اسحاق، مغازی واقدی، یہ اندازِ تحریر آج تک چلا آیا، اس لیے اگر یہ طرز بالکل بدل دیا جائے تو جو شخص کوئی قدیم تصنیف پہلے پڑھ چکا ہوگا وہ اس جدید تصنیف کو پڑھ کر سمجھے گا کہ سیرت کے بجائے کوئی اور چیز پڑھ رہا ہے،

ان اسباب سے ہم کو بھی غزوات کو تفصیل سے لکھنا پڑا، لیکن غزوات کو پڑھ کر جو سوالات دلون مین پیدا ہو جاتے ہین ان کو دوسرے موقع کے لئے اٹھا رکھنا ناظرین کے اضطراب کا باعث ہوگا،

غیر مذہب والون نے غزوات کے مقاصد اور اسباب کے سمجھنے مین سخت غلطیان کی ہین، نہ صرف بدنیتون نے، بلکہ نیک دلون نے بھی لیکن یہ تعجب کی

بات نہین، اسباب ایسے جمع ہین کہ اس قسم کی غلطیون پر نہ صرف دوستون کو بلکہ دشمنون کو بھی معذور رکھ سکتے ہین،

عرب اور جنگ و غارتگری اس باب مین سب سے مقدم اور سب سے اہم اس حقیقت کا معلوم کرنا ہے کہ عرب کی قومیّت کو "جنگ و غارتگری" سے کیا تعلق ہے؟ ہر قوم کے اخلاق وعادات، رسوم ومعاملات، محاسن واوصاف، معائب ومثالب، غرض اُس کی کل قومی زندگی کا ایک خاص اساس الامر ہوتا ہے کہ سب چیزین اُسی سے بنتی اور اُسی سے نشو ونما پاتی ہین، عرب مین یہ چیز جنگ وغارتگری تھی، اس کی ابتدا یون ہوئی کہ عرب ایک ویران ملک تھا کسی قسم کی پیدا وار وہان نہین ہوتی تھی، لوگ اَن پڑھ اور جاہل تھے، خورش اور پوشش کا قدرتی سامان صرف بھیڑ بکریان اور اونٹ تھے کہ اُن کا دودھ اور گوشت کھاتے، اور بالون کو بن کر کمل بناتے تھے لیکن یہ بھی ہر شخص کو نصیب نہ تھی، یا تھی تو بقدر ضرورت نہ تھی، اس لئے حملہ اور غارتگری شروع ہوئی اور معاش کا سب سے بڑا بلکہ تنہا ذریعہ غارتگری قرار پایا، ابو علی قالی نے کتاب الامالی مین لکھا ہے،

(وذلك انهم كانوا يكرهون	(یہ اس لیے کہ وہ ناپسند کرتے تھے کہ اُن پر
ان تتوالى عليهم ثلاثة اشهر	تین ماہ متواتر اس طرح گذر جائین کہ ان
لا تمكنهم الاغارة فيها	وہ غارتگری نہ کرسکین کیونکہ ان کی معاش
لان معاشهم كان من الاغارة[1]	کا ذریعہ یہی تھا)

چونکہ لوٹ مین زیادہ تر بکریاں ہاتھ آتی تھین، اور بکری کو عربی مین "غنم" کہتے ہین اس لئے لوٹ کے مال کو عربی مین "غنیمت" کہنے لگے[1] اس لفظ نے پھر یہ وسعت حاصل کی کہ قیصر وکسریٰ کا تاج وتخت لٹ کر آیا تو اسی نام سے پکارا گیا،

رفتہ رفتہ یہی لفظ عربی قوم، عربی زبان، عربی تاریخ کا سب سے زیادہ محبوب سب سے زیادہ نمایان، سب سے زیادہ وسیع الاثر لفظ بن گیا، آج بھی ایک سلطان، ایک رئیس، ایک شیخ القبائل اپنے عزیز واقارب کو سفر کے وقت رخصت کرتا ہے تو کہتا ہے، سالمًا غانمًا یعنی "سلامت آنا اور لوٹ کر لانا" ہماری زبان مین سب سے عزیز چیز کو جو "غنیمت" کہتے ہین، (مثلاً آپ کا تشریف لانا نہایت غنیمت ہے) یہ وہی لفظ ہے اور عربی زبان سے آیا ہے،

ضرورت معاش کی وجہ سے تمام عرب مین غارتگری اور جنگ عام ہو گئی تھی، تمام قبائل ایک دوسرے پر ڈاکہ ڈالتے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے، صرف حج کے زمانہ مین مذہبی خیال سے چار مہینے مخصوص کر دیئے تھے، جن کو "اشہر حرم" کہتے تھے ان مہینون مین لڑائیان بند ہو جاتی تھین لیکن متصل تین تین مہینہ تک معاش کا معطل رہنا سخت گران تھا، اس لیے نسئی ایک رسم ایجاد کر لی تھی یعنی ان مہینون کو حسب ضرورت دوسرے مہینون سے بدل لیتے تھے،

حافظ ابن حجر، صحیح بخاری کی شرح (تفسیر سورۂ توبہ) مین لکھتے ہین :-

---

[1] یہ مصنف کی ذاتی تحقیق ہے جس کی تائید کتب لغت سے ہاتھ نہین آئی "س"

کانوا یجعلون المحرم صفرًا و یجعلون صفرًا المحرم لئلا یتوالی علیھم ثلاثۃ اشھر (زرقانی علی المواہب) [illegible]

وہ محرم کو صفر اور صفر کو محرم کر دیا کرتے تھے تاکہ پے در پے تین ۳ مہینے تک لڑائی سے محروم نہ ہو جائیں،

ثار کا عقیدہ لڑائی کا اصلی ابتدائی سبب یہ تھا لیکن جب یہ سلسلہ چھڑا تو اور اور اسباب بھی پیدا ہو گئے اور یہ اسباب اہمیت اور وسعت کے لحاظ سے اصلی سبب سے کم نہ تھے، ان میں سب سے مقدم اور شدید الاثر ثار کا قانون تھا یعنی جب کسی قبیلہ کا کوئی شخص کسی موقع پر قتل ہو جاتا تھا تو مقتول کے قبیلہ کو اس کا انتقام لینا فرض ہو جاتا تھا گو سینکڑوں برس گذر جاتے تھے اور قاتل بلکہ اس کے خاندان کا نام و نشان مٹ جاتا تھا، تاہم جب تک قاتل کے قبیلے کے ایک آدمی کو قتل نہیں کر لیتا تھا قومی فرض سے ادا نہیں ہو سکتا تھا، اسی کو ثار کہتے ہیں، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک معمولی قتل پر سیکڑوں بلکہ ہزاروں برس تک مسلسل لڑائیاں قائم ہو جاتی تھیں اسی طریقہ کے ابطال کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اعلان کیا تھا اور اپنے قبیلہ کے قاتلوں کا خون معاف کر دیا تھا لیکن صحرا نشین عربوں میں آج تک یہ طریقہ قائم اور ان کے قومی خصائص کا جزو اعظم ہے،

ثار کے متعلق عجیب عجیب قسم کے معتقدات پیدا ہو گئے تھے، مثلاً یہ کہ مقتول جب مر جاتا ہے تو اس کی روح پرند بنجاتی ہے اور جب تک اس کا انتقام نہیں لیا جاتا مقام قتل پر شور کرتی رہتی ہے کہ "مجھ کو پلاؤ میں پیاسی ہوں" اس پرند کو صدی

یا ہامہ کہتے تھے،

ابو دواد ایادی کہتا ہے،

سلط الموت والمنون علیہم　　　فلھم فی صدی المقابر ہام

ان پر موت مسلط ہو گئی اور مقبروں کے صدیٰ میں ان کے لئے "ہام" ہے

ذوالاصبع العدوانی کا شعر ہے :-

یا عمرو ان لا تدع شتمی و منقصتی　　　اضربک حیث تقول الہامۃ اسقونی

اے عمرو اگر تو مجھ کو گالی دینا اور میری تحقیر کرنا نہ چھوڑیگا، تو میں تجھ کو اس طرح مارونگا کہ ہامہ کہیگی کہ مجھکو سیراب کرو

ایک یہ خیال تھا کہ جس مقتول کا انتقام نہیں لیا جاتا اس کی قبر میں ہمیشہ اندھیرا

رہتا ہے، عمرو بن معدی کرب کی بہن مقتول کی زبان سے کہتی ہے،

واترک فی قبر بصعدۃ مظلم　　　خون بہا لو گے تو میں اندھیری قبر میں پڑا رہونگا

اسی بنا پر خون بہا لینے کو عیب سمجھتے تھے، اسی شاعرہ کا مصرع ہے،

ومشوا باذان النعام المصلم　　　اور خون بہا لینا ہو تو بوچے شتر مرغ کا کان کاٹ کر پہن کر چلو

غیرت اور حمیت کی بنا پر اس بات کو عیب سمجھتے تھے کہ مقتول پر نوحہ کیا جائے

ولا تراھم وان جلت مصیبتھم　　　مع البکاۃ علی من مات یبکونا

گو کتنی ہی بڑی مصیبت ہو لیکن ان کو مرنے والے پر روتا ہوا نہ دیکھو گے

عمرو بن کلثوم

معاذ الالہ ان بنوح نساءنا　　　علی ھالک اوان نضج من القتل

خدا نہ کرے کہ ہماری عورتیں مقتول پر نوحہ کریں یا ہم قتل سے گھبرائیں،
مقتول پر نوحہ کرتے تھے تو اس وقت کرتے تھے جب خون کا انتقام لے لیتے تھے

من کان مسرورا بمقتل مالک ... فلیات نسوتنا بوجہ نہار
جو شخص مالک کے قتل سے خوش تھا ... وہ دن کو ہماری عورتوں کے پاس آئے

یجد النساء حواسرا یندبنہ ... یلطمن اوجھن بالاسحار
وہ دیکھے گا کہ عورتیں ننگے سر نوحہ کر رہی ہیں ... اور صبح کو اپنے چہروں پر دوہتڑ مار رہی ہیں

ایک خیال یہ تھا کہ جو شخص زخم کھا کر مرتا ہے اس کی روح زخم کی راہ سے نکلتی ہے، ورنہ ناک کی راہ سے نکلتی ہے، اور یہ نہایت عیب سمجھا جاتا تھا، اسی بنا پر بیمار ہی سے مرنے کو "حتف انف" کہتے تھے، یعنی "ناک کی موت" اور ایسے مرنے کو نہایت عار سمجھتے تھے،

وما مات منا سید حتف انفہ ... ولا طل منا حیث کان قتیل
ہمارا کوئی سردار ناک کی راہ سے نہیں مرا ... اور نہ ہمارے کسی مقتول کا خون ہدر ہوا

رفتہ رفتہ عرب کے تمام قومی مفاخر اور اخلاق وعادات کا اصلی محور جنگ بن گیا تھا، یعنی اُن کے اوصاف و اخلاق میں جس چیز کا اصلی سبب تلاش کیا جائے یہی چیز نکلتی تھی، یہی چیز تھی جس نے ایک مدت تک قبائل عرب کو اسلام لانے سے باز رکھا، حضرت عمرو بن مالک جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام لا کر اپنے قبیلہ میں واپس گئے اور اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے کہا بنو عقیل پر

ہمارا تار باقی ہے وہ لے لین تو اسلام لائین"۔ چنانچہ اسی وقت بنو عقیل پر جو اسلام
لاچکے تھے حملہ آور ہوئے، اور خود حضرت عمرو بن مالک نے اس مین شرکت کی،
گو پھر انکو بہت ندامت ہوئی کہ ان کے ہاتھ سے ایک مسلمان مارا گیا،

لوٹ کا مال۔ چونکہ، جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین لڑائیون کی اصل بنیاد ضرورت معاش
سے شروع ہوئی تھی، اس لئے عرب کے نزدیک مال غنیمت سے زیادہ کوئی شے
محبوب نہ تھی اور ذرائع معاش مین سب سے زیادہ حلال وطیب اسی کو سمجھتے تھے، یہ
خیال اس قدر دلون مین راسخ اور رگ وپے مین سرایت کرگیا تھا کہ اسلام کے بعد
بھی ایک مدت تک قائم رہا اور جس طرح شارع نے ممنوعات شرعیہ کو بتدریج
حرام اور ممنوع کیا تھا، غنیمت کے متعلق نہایت تدریج اور آہستگی سے کام لینا پڑا،

شراب کو جب شارع نے حرام کرنا چاہا تو پہلے یہ آیت اتری،

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ — لوگ تجھ سے شراب اور قمار کی بابت پوچھتے
قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ (بقرہ-۲۷) — ہین، کہدے کہ دونون مین بڑا گناہ ہے،

اس پر حضرت عمرؓ نے کہا،

اَللّٰهُمَّ بين لنا فی الخمر بیانا شافیا — اے خدا شراب کے متعلق ہم کو صاف احکام بتا،

پھر یہ آیت اتری،

لہ اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر عمروؓ بن مالک (ج ۳ ص ۱۳) "ش"

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى (نساء ۷) نشہ کی حالت مین نماز نہ پڑھو،

چنانچہ نماز کا وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک شخص منادی پکارتا کہ کوئی شخص نشہ مین نماز کو نہ آئے پھر یہ آیت اتری،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ	مسلمانو! شراب، جوا، انصاب، فال
وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ	کے تیر، یہ سب ناپاک اور شیطان کے
رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ	کام ہین، تو ان سے بچو کہ غالبًا تم
فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ	فلاح پاؤگے، شیطان تو صرف یہ
اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ	چاہتا ہے کہ شراب اور قمار کے ذریعہ
بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ	سے تم لوگون مین عداوت اور بغض
فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ	ڈالے اور تم کو خدا کی یاد سے اور
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (مائدہ)	نماز سے روکے، تو تم باز آؤگے؟

باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی حرمت کے متعلق اس قدر تاکید و تصریح کی ضرورت خیال کی کہ جس قسم کے برتنون مین شراب پیتے تھے تڑوا دیئے، لوگون نے عرض کی کہ شراب کا سرکہ بنالین، اس سے بھی منع فرمایا، ان سب باتون پر بھی حضرت عمرؓ کے زمانہ مین بعض لوگون نے شراب پی، اور جب اُن سے بازپرس کی گئی تو انھون نے نیک نیتی سے کہا کہ نیک اور اچھے آدمیون کے لئے شراب کہان حرام ہے؟ قرآن مجید مین خود شراب کی حرمت کے بعد یہ تصریح موجود ہے،

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا (مائدہ-۱۲) — جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے انھون نے جو کچھ کھایا (یعنی شراب پی) اُن پر کچھ الزام نہین

اس موقع پر بہت سے صحابہ موجود تھے، حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف دیکھا کہ اس آیت سے کیا مراد ہے، انھون نے کہا کہ یہ اُن صحابہ کی نسبت ہے جو شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے مر گئے، حضرت عمرؓ نے تصدیق کی، اور اُن لوگون کو سزا دی، چنانچہ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ تاریخ طبری مین مذکور ہے،

اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ جب کوئی چیز زمانۂ دراز سے رسم و عادت مین داخل ہو جاتی ہے تو اس کے آثار اور مخفی نتائج مدتون تک قائم رہتے ہین، اور غنیمت کا بھی یہی حال ہے،

سب سے پہلے جنگ بدر مین قبل اس کے کہ مال غنیمت یکجا جمع کیا جاتا، لوگ غنیمت مین مصروف ہو گئے، اس پر یہ آیت اتری،

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ — اگر خدا کی طرف سے پہلے سے حکم نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ لیا اس پر تم کو عذاب ہوتا،

چنانچہ صحیح ترمذی تفسیر انفال مین یہ واقعہ بہ تصریح مذکور ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ جو شخص کسی کافر کو قتل کرے گا اس کا مال و اسباب قاتل کو ملیگا، اس بنا پر لوگون نے مسلوبہ مال کا دعویٰ کیا، جو صحابہ خود لڑے نہ تھے بلکہ علم اور رایت کے محافظ تھے اُن کا دعویٰ تھا کہ اس مین ہمارا بھی حق ہے، اس پر یہ آیت اُتری،

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ — لوگ تجھ سے مال غنیمت کے متعلق پوچھتے ہین کہہ غنیمت خدا اور رسول کی ہے (انفال-۱)

(۱) اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ مجاہدین مال غنیمت کا خود دعویٰ نہیں کر سکتے، اسکی تقسیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہے جس طرح آپ چاہیں تقسیم فرمائیں اس سے اتنا ہوا کہ لڑائیوں میں ہر شخص خود لوٹ کر جو چیز چاہتا تھا لیتا تھا، بند ہو گیا لیکن میدان جنگ کے علاوہ اور موقعوں پر لوٹنا دفعتاً موقوف نہیں ہوا، سنن ابی داؤد میں ایک انصاری سے روایت ہے کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں شریک تھے، بھوک کی سخت تکلیف ہوئی، اتفاقاً سامنے بکریاں نظر پڑیں، اُن کو لوٹ لائے اور ذبح کر کے ہانڈیاں چڑھا دیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ تشریف لائے اور کمان جو ہاتھ میں تھی اس سے دیگچیاں الٹ دیں اور فرمایا کہ لوٹ کی چیز مردہ سے بڑھ کر حلال نہیں ہے۔

خیبر کی لڑائی ۷ھ میں ہوئی اس وقت تک یہ حال تھا کہ اس کے بعد لوگوں نے یہودیوں کے جانور اور پھل لوٹ لیے، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت غصہ آیا، آپ نے تمام صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا،

ان اللہ تعالیٰ لم یحل لکم ان	خدا نے تم لوگوں کے لئے یہ نہیں جائز کیا
تدخلوا بیوت اھل الکتاب	کہ اہل کتاب کے گھروں میں گھس جاؤ مگر
الا باذن ولا ضرب نسائھم	(بہ اجازت) اور نہ یہ کہ ان کی عورتوں کو مارو
ولا اکل ثمارھم اذا اعطوکم	نہ یہ کہ ان کے پھل کھا جاؤ، جب کہ وہ تم کو
الذی علیھم (سنن ابی داؤد باب فی تعشیر اہل الذمۃ اذا اختلفوا بالتجارۃ)	وہ ادا کریں جو ان پر فرض ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ غنیمت کے ساتھ لوگوں کا جو شغف ہے کم ہو جائے۔ لیکن مدت تک غنیمت کی محبت اور وارفتگی نہ گئی، غزوہ احد میں صرف اس وجہ سے شکست ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ تیراندازوں کو سخت تاکید فرمادی تھی کہ گو لڑائی کی کچھ حالت ہو تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، تاہم جب فتح ہوئی تو لوگ بے اختیار لوٹ میں مصروف ہو گئے ان کا ہٹنا تھا کہ دشمن نے موقع پا کر پشت کی طرف سے حملہ کر دیا، حنین میں بھی شکست کی اصلی وجہ یہی تھی کہ قبل از وقت لوگوں نے غنیمت لوٹنی شروع کر دی تھی۔

"غنیمت" اس قدر محبوب تھی کہ بعض صاحبوں کو کسی کافر کے مسلمان ہونے پر اس بنا پر رنج ہوا کہ اسلام لانے کی وجہ سے اس کا مال نہ مل سکا، سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک صحابی نے ایک سریہ میں حملہ کرنا چاہا، قبیلہ والے روتے ہوئے آئے، انھوں نے کہا لا الہ الا اللہ کہو تو تمہاری جان اور مال بچ جائے گا، انھوں نے لا الہ الا اللہ کہا اور ان کو امن دیدیا گیا، جب یہ اپنے ساتھیوں میں آئے تو لوگوں نے ان کو ملامت کی کہ

احرمتنا الغنیمۃ — تم نے ہم کو غنیمت سے محروم کر دیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب یہ لوگ گئے تو آپ نے ان صحابی کی تحسین کی اور فرمایا کہ تم کو ایک ایک آدمی کے بدلے (جس کو تم نے چھوڑ دیا) اس اس قدر ثواب ملے گا۔"

سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ تھی کہ مدت تک لوگ یہ سمجھا کیے کہ غنیمت حاصل کرنا ثواب کا کام ہے، سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "یا رسول اللہ! ایک شخص جہاد پر جانا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ کچھ مال ہاتھ آئے" آپ نے فرمایا کہ اُس کو کچھ ثواب نہیں ملیگا۔ یہ جواب انھون نے اگر لوگون سے بیان کیا تو لوگون کو بہت تعجب ہوا، اور اُن سے کہا کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب نہین سمجھا، پھر جا کر پوچھو، انھون نے دوبارہ پوچھا اور وہی جواب ملا، لوگون نے پھر ان کو بھیجا، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ اس کو کچھ ثواب نہین ملیگا[1]

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہین،

وحشیانہ افعال عرب مین لڑائیون کی شدت اور وسعت نے نہایت وحشیانہ رسمین قائم کر دی تھین، جن مین سے چند کی تفصیل یہ ہے،

(۱) اسیرانِ جنگ کو جب قتل کرتے تھے تو چیر ڈالتے، چھوٹے بچون اور عورتون کو بھی قتل کرتے تھے بلکہ آگ مین جلا دیتے تھے[2]،

(۲) غفلت یا نیند کی حالت مین دفعۃً دشمن پر جا پڑتے تھے اور قتل و غارتگری شروع کر دیتے تھے، یہ طریقہ عام اور کثرت سے رائج تھا، بہت سے بہادر اس خاص طریقہ مین زیادہ ممتاز تھے، اور ان کو فاتک یا فتاک کہتے تھے، تابطا شرا، سلیک ابن السلکہ اسی قسم کے لوگ تھے،

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی من یغزو و یلتمس الدنیا [2] مجمع الامثال کرمانی مطبوعہ ایران صفحہ ۲۸۴

(۳) زندون کو آگ مین جلا دیتے تھے، عمرو بن ہند (عرب کا ایک بادشاہ تھا) کے بھائی کو جب بنو تمیم نے قتل کر دیا تو اس نے منت مانی کہ ایک کے بدلے سو آدمیون کو قتل کرون گا، چنانچہ بنو تمیم پر حملہ کیا، وہ لوگ بھاگ گئے، صرف ایک بڑھیا رہ گئی تھی، جس کا نام حمراء تھا، اس کو گرفتار کر کے زندہ آگ مین ڈال دیا، اتفاق یہ کہ ایک سوار جس کا نام عمار تھا آنکلا، عمرو نے پوچھا تو کیون آیا، اُس نے کہا مین کئی دن کا بھوکا تھا، دھوان اٹھتے دیکھا تو سمجھا کھانا ہوگا، عمرو نے حکم دیا کہ وہ بھی آگ مین ڈال دیا جائے چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی، جریر نے اپنے شعر مین اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے،

واخزاكم عمرو كما قد خزيتهم   وادرك عمارًا شقيّ البراجم

(۴) بچون کو نشانہ بنا کر تیرون سے مارتے تھے، داحس اور غبراء کی لڑائیون مین قیس نے بنو ذبیان کے پاس اپنے بچے ضمانت کے طور پر رکھے تھے، حذیفہ نے جو بنو ذبیان کا رئیس تھا، ان بچون کو لے جا کر ایک وادی مین کھڑا کیا، اور اُن کو نشانہ بنا کر تیر اندازی کرتا تھا، اتفاق سے کوئی لڑکا نہ مرا تو دوسرے دن پر اٹھا رکھا جاتا تھا، چنانچہ دوسرے دن یہ تفریح انگیز چاند ماری پھر شروع ہوتی تھی اور لوگ یہ تماشا دیکھتے تھے،

(۵) قتل کا ایک یہ طریقہ تھا کہ ہاتھ پانون اور دیگر اعضا کاٹ کر چھوڑ دیتے تھے کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا، غطفان اور عامر کی لڑائی مین اسی خوف سے حکم بن الطفیل نے اپنے آپ کو خود گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا، جیسا کہ عقد الفرید مین یہ تفصیل مذکور ہے،

عرینہ کے لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بظاہر اسلام لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کو پکڑ لے گئے تو ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے پھر ان کی آنکھوں اور زبان میں کانٹے چبھوئے یہاں تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر گئے[1]

(۶) مرنے کے بعد بھی انتقام کا جوش طرح طرح کی نفرت انگیز صورتوں میں ظاہر ہوتا تھا، مُردوں کے ہاتھ، پاؤں، کان، ناک وغیرہ کاٹ لیتے تھے، ہند نے جنگ اُحد میں اسی رسم کے موافق حضرت حمزہؓ اور دیگر شہداء کے اعضا کاٹ کر ہار بنایا اور گلے میں پہنا تھا،

(۷) منت مانتے تھے کہ دشمن پر قابو ہاتھ آئے گا تو اس کی کھوپڑی میں شراب پئیں گے، سلافہ کے دو بیٹے جنگ اُحد میں عاصم کے ہاتھ سے مارے گئے تھے، اس بنا پر سلافہ نے منت مانی کہ عاصم کی کھوپڑی میں شراب ڈال کر پئے گی،[2] یہ بھی معمول تھا کہ مقتول کا کلیجہ نکال کر کھا جاتے تھے، ہند نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ جو نکال کر چبایا تھا اس کا حال اوپر گذر چکا ہے،

(۸) حاملہ عورتوں کا پیٹ چاک کر ڈالتے اور اس پر فخر کرتے تھے، عامر بن طفیل عرب کا مشہور بہادر اور رئیس ہوازن کہتا ہے،

یبقرنا الحبالی من شنوءة بعدما   خیطن بقیت الرمح بعد اذ خثما

---

[1] یہ واقعہ تمام کتب حدیث میں مذکور ہے لیکن یہ تفصیل طبقات ابن سعد (ج ۲ قسم اول) صفحہ ۶ سے ماخوذ ہے، مسلم میں صرف آنکھوں کا اندھا کرنا مذکور ہے۔ [2] طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۲۴ سریہ مرثد بن ابی مرثد ؓ "

غزوات نبوی کے اسباب[1] اور انواع

تفصیلِ مذکورۂ بالا کے بعد اب ہم اس واقعہ کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ غزواتِ نبوی کن اسباب سے وجود میں آئے اور شارع علیہ السّلام نے طریقۂ قدیم میں کیا اصلاحیں فرمائیں،

مورخین نے "غزوہ" کے لفظ کو اس قدر وسعت دی ہے کہ امن وامان قائم رکھنے کے لئے دو چار آدمی بھی کہیں بھیج دیئے گئے تو اس کو بھی انھوں نے غزوہ میں شمار کرلیا، غزوہ کے علاوہ ایک اور لفظ ہے، یعنی "سریہ" غزوہ اور سریہ میں لوگوں کے نزدیک یہ فرق ہے کہ غزوہ میں کم سے کم آدمیوں کی ایک خاص تعداد ضروری ہے سریہ میں کوئی قید نہیں، ایک آدمی بھی کہیں لڑائی کی دیکھ بھال کو بھیجدیا گیا تو یہ بھی سریہ ہے، بعضوں کے نزدیک غزوہ کے لئے یہ شرط ہے کہ آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے بنفسِ نفیس اس میں شرکت کی ہو،

حقیقت یہ ہے کہ جن واقعات کو مورخین سریہ کہتے ہیں وہ چند قسموں پر منقسم ہیں

(۱) محکمہ تفتیش یعنی دشمنوں کی نقل وحرکت کی خبررسانی،

(۲) دشمنوں کے حملہ کی خبر سُن کر مدافعت کے لئے پیشقدمی کرنا،

(۳) قریش کی تجارت کی روک ٹوک تاکہ وہ مجبور ہوکر مسلمانوں کو حج وعمرہ کی اجازت دیں،

---

[1] یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ یہ بحث تمامتر تاریخی حیثیت سے ہے، جہاد کی اصل حقیقت پر بحث کتاب کی دوسری جلدوں میں آئے گی،

طرف بھیجا اور ایک سربمہر تحریر دی کہ دو دن کے بعد اس خط کو کھولنا، دو دن کے بعد انھون نے کھولا تو اس مین یہ الفاظ تھے

فسر حتی تنزل نخلة بین مکة	برابر چلے جاؤ یہان تک کہ نخلہ مین جاکر
والطائف فترصد بها قریشا	ٹھہرو جو مکہ اور طائف کے بیچ مین ہے
وتعلم لنا من اخبارھم،	اور قریش کی دیکھ بھال کرتے رہو اور
(طبری صفحہ ۱۲۷۴)	ان کی خبرین دریافت کرو،

مدافعت | اس انتظام کا نتیجہ تھا کہ جب کوئی مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتا تو فوراً خبر ہو جاتی اور پیش دستی کر کے فوجین بھیجدی جاتین، اکثر سرایا اسی قسم کے تھے اور چونکہ ہم سرایا کا ذکر زیادہ تر قلم انداز کر آئے ہین، اس لئے مثال کے طور پر چند سرایا کا ذکر کرتے ہین، اور قدماے اہل سیر کی تصریحات سے ثابت کرتے ہین کہ یہ مہین مدافعت کی غرض سے تھین،

سریۂ غطفان ۳ھ،

وذلك انه بلغ رسول الله	اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم ان جمعا من بنی	صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ قبیلۂ بنو ثعلبہ
ثعلبة ومحارب بذی امر	اور محارب کی ایک فوج ذوامر مین
قد تجمعوا یریدون ان یصیبوا	اس غرض سے جمع ہوئی ہو کہ آنحضرت
من اطراف رسول اللہ صلی اللہ علیہ	صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حملہ کرے، اس فوج

جمعهم رجل منهم یقال لہ دعثور بن الحارث، الخ (طبقات صفحہ ۲۳)

کو ایک شخص نے فراہم کیا، جس کا نام دعثور ہے،

سریۃ ابو سلمہ ۴ھ

وذلک انہ بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان طلیحۃ وسلمۃ ابنی خویلد قد سارا فی قومہما ومن اطاعہما یدعوانہم الی حرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ (ابن سعد صفحہ ۳۵)

اس سریہ کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر لگی کہ طلیحہ اور سلمہ (پسران خویلد) دونوں اپنی قوم اور اپنے پیرؤں کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لیے روانہ ہوئے ہیں،

سریۂ عبداللہ بن انیس بہ غرض قتل سفیان بن خالد ۴ھ

وذلک انہ بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سفیان بن خالد الہذلی ثم اللحیانی وکان ینزل عرنۃ وما والاہا فی ناس من قومہ وغیرہم قد جمع الجموع لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ابن انیس اس لیے بھیجے گئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر لگی کہ سفیان بن خالد اپنے قبیلہ کو اور باہر کے لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لیے جمع کر رہا ہے،

غزوۂ ذات الرقاع ۵ھ،

فاخبر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان انمار او ثعلبۃ قد جمعوا

ایک جاسوس نے آکر صحابہ کو اطلاع کی کہ انمار اور ثعلبہ وغیرہ مسلمانوں سے

لہم المجموع .... فمضیٰ)	لڑنے کیلئے فوجیں جمع کر رہی ہیں آپ چل کھڑے ہوئے،

غزوۂ دومۃ الجندل ۵ھ،

قالوا بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رواۃ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ان بدومۃ الجندل جمعًا	کو خبر لگی کہ دومۃ الجندل میں ایک گروہ
کثیرا ... وانھم یریدون ان	کثیر جمع ہے اور مدینہ پر بڑھنا چاہتا
یدنوا من المدینۃ (ابن سعد صفحہ ۴۴)	ہے،

غزوۂ مریسیع ۵ھ،

ان بلمصطلق من خزاعۃ وھم	قبیلۂ بنو مصطلق خزاعہ کی شاخ ہے اور
من حلفاء بنی مدلج وکان	یہ لوگ بنو مدلج کے حلیف ہیں اور ان کا
راسھم وسیدھم الحارث	سردار حارث بن ابی ضرار تھا، وہ اپنی
بن ابی ضرار فسار فی قومہ و	قوم کو اور نیز اور لوگوں کو جو اس کے
من قدر علیہ من العرب	قابو میں تھے، لے کر چلا، اور لوگوں
فدعاھم الی حرب رسول اللہ	کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
صلی اللہ علیہ وسلم فاجابوہ - (ابن	لڑنے کی دعوت دی اور لوگوں نے
سعد صفحہ ۴۵)	منظور کی،

سریۂ علی بن ابی طالب، بہ طرف فدک ۶ھ،

بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بصعد	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ

جمعاً یریدون ان یمدّوا یہود خیبر — بنو سعد فدک مین یہود خیبر کی کمک کیلئے فوج جمع کر رہے تھے

سریۂ بشیر بن سعد شوال ۷ھ

بلغ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ غطفان
ان جمعاً من غطفان بالجناب	کا ایک گروہ مقام جناب مین جمع ہے
قد واعدھم عُیینۃ بن حصن	اور ان سے عیینہ بن حصن نے وعدہ
لیکون معھم لیزحفوا الی رسول اللہ	کیا ہے کہ ان کے ساتھ مل کر رسول اللہ
صلّی اللہ علیہ وسلم،	صلّی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوگا،

سریۂ عمرو بن العاص، ذات سلاسل ۸ھ، یہ مقام مدینہ سے ۱۰ منزل ہے،

بلغ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ قضاعہ
ان جمعاً من قضاعۃ قد	کا ایک گروہ جمع ہوا ہے کہ آنحضرت
تجمعوا یریدون ان یدنوا	(صلّی اللہ علیہ وسلم) کی طرف بڑھے

قریش کی تجارت کی روک ٹوک

بخاری کے حوالہ سے ہم اوپر نقل کر آئے ہین کہ (قریش اور مسلمانون مین جنگ چھڑنے سے پہلے) ابوجہل نے حضرت معاذ انصاریؓ سے کعبہ مین یہ کہا تھا کہ اگر تم لوگ محمدؐ کو نکال نہ دوگے تو تم کعبہ کا طواف نہین کر سکتے؛ انھون نے جواب دیا تھا کہ تم نے اگر ہم کو کعبہ مین آنے سے روکا تو ہم تمھاری شام کی تجارت روک دین گے؛ (مکہ سے شام کو جو قافلہ جاتا تھا، مدینہ اس کی راہ مین پڑتا تھا) کعبہ مسلمانون کی خاص چیز تھی (کیونکہ کعبہ جس نے تعمیر کیا تھا مسلمان اُسی کے دین

(ابراہیمی) کے پیرو تھے، باوجود اس کے قریش نے مسلمانون کو عموماً حج اور عمرہ سے روک دیا اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا کاروان تجارت روک دیا جائے کہ وہ مجبور ہو کر مسلمانون کو کعبہ کے اندر جانے کی اجازت دے دین،

سرایا کے ذکر مین اکثر جگہ اہل سیر لکھتے ہین کہ "یتعرض لعیر قریش" یعنی اس لئے فوجین بھیجی گئین، یا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے کہ کاروان قریش کی روک ٹوک کی جائے" یہ تمام مہمات اسی غرض کے لئے تھین، لیکن چونکہ قریش تجارت کیلئے بھی ہتھیار بند ہو کر نکلتے تھے اور کم از کم سو دو سو کی جمعیت ساتھ لے کر جاتے تھے اس لئے روک ٹوک مین کبھی کبھی مقابلہ پیش آجاتا تھا، اور جب قریش شکست کھا کر بھاگ جاتے تھے تو مال تجارت غنیمت مین ہاتھ آتا تھا، اہل سیر غلطی سے ان واقعات کو اس پیرایہ مین لکھتے ہین کہ قافلہ کا لوٹنا ہی اصلی مقصد تھا،

یہی روک ٹوک تھی جس کی بنا پر قریش نے بالآخر حدیبیہ کی صلح کر لی جس کے رو سے مسلمانون کو چند خاص پابندیون کے ساتھ حج کی اجازت مل گئی، قریش پر کاروان تجارت کی روک ٹوک کا اس قدر اثر پڑتا تھا کہ (حضرت ابوذر غفاریؓ نے مکہ مین جب اپنے اسلام کا اعلان کیا اور قریش نے اس جرم مین ان کو مارنا پیٹنا شروع کیا اور حضرت عباسؓ نے کہا کہ غفار کا قبیلہ تمھارے کاروان تجارت کے سر راہ واقع ہے، تمھاری اس حرکت سے برہم ہو کر وہ راستہ نہ روک دے، تو یہ تدبیر پوری کارگر ہوئی اور انھون نے ڈر کر حضرت ابوذر کو چھوڑ دیا) صلح حدیبیہ کے بعد قریش کی خواہش

کے مطابق جب یہ طے ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے نومسلمون کو واپس دیدین گے، اوران نومسلمون نے مکہ سے بھاگ کر شام کی راہ مین اپنا ایک مستقر قائم کرلیا (اور قریش کی تجارت کی راہ کو غیر مامون کردیا) تو قریش نے بالآخر اجازت دیدی، کہ جو مسلمان چاہے مکہ سے مدینہ چلا جائے، ان کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہ ہوگی (پھر آیندہ سال انھون نے مسلمانون کو حج وعمرہ کی بھی اجازت دیدی، اس کے بعد پھر کبھی مسلمانون نے قریش کے کاروانِ تجارت سے تعرض نہین کیا، بلکہ خود اس کی حفاظت کے لئے فوج بھیجتے تھے)

امن وامان قائم کرنا — اوپر گذر چکا ہے کہ عرب مین اس سرے سے اُس سرے تک مطلق امن وامان نہ تھا، تمام قبائل باہم لڑتے رہتے تھے، یہان تک کہ محترم مہینون مین بھی بہانے نکال کر مہینون کے نام بدل دیتے تھے اور لڑتے تھے، تجارت بالکل غیر محفوظ تھی، قافلون کا لوٹ لینا عام بات تھی، جیسا کہ بدقسمتی سے آج بھی بدو قافلون کو لوٹتے رہتے ہین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے اس لئے بھیجا تھا کہ نہ صرف وعظ وپند بلکہ دست وبازو سے بھی تمام عرب بلکہ تمام دنیا مین امن وامان قائم کرین، کیونکہ خونریزی اور قتل سے زیادہ کوئی چیز خدا کو ناپسند نہین،

مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیۡ	اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کو لکھدیا تھا
اِسْرَآئِیْلَ اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا	کہ جس شخص نے ایک جان کو بغیر معاوضہ
بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ	(یا زمین مین فساد) کے قتل کردیا،

فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا، (مائدہ ٥) اس نے تمام عالم کو قتل کر دیا،

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (بقرہ ٢٥)

اور جب وہ پھر کر جاتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین مین فساد برپا کرے، اور کھیتی اور نسل کو برباد کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا،

اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْا اَوْ يُصَلَّبُوْا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (مائدہ ٥)

جو لوگ خدا اور رسول سے لڑتے ہین اور زمین مین فساد مچاتے ہین اُن کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائین یا پھانسی دیئے جائین، یا ان کا ایک ہاتھ اور دوسرے طرف کا پانون کاٹا جائے یا جلاوطن کر دیے جائین۔

احادیث مین ہے کہ جب حضرت عدیؓ (حاتم طائی کے بیٹے) اسلام لائے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے ارشاد فرمایا کہ "خدا اس کام کو اس طرح پورا کرے گا کہ ایک شتر سوار صنعا سے لے کر حضر موت تک سفر کرے گا، اور اس کو خدا کے سوا یا بھیڑیئے کے سوا (کہ اس کی بکریان نہ اٹھا لے جائے) اور کسی کا ڈر نہ ہوگا" یہ ابوداؤد کے الفاظ ہین، صحیح بخاری مین[1] ہے کہ "خدا اس کام کو اس طرح پورا کرے گا کہ ایک عورت حیرہ سے چلے گی اور آ کر کعبہ کی زیارت کرے گی، اور اُس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا" حضرت عدیؓ کہتے ہین کہ مین نے اپنی آنکھون سے دیکھ لیا کہ ایک عورت

(1) صحیح بخاری باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین بمکۃ" ص" (2) باب علامات النبوۃ،

حیرہ سے سفر کر کے حرم تک آتی ہے اور اس کو کسی کا ڈر نہین ہوتا،

بہت سے واقعات ہین جن کو اہلِ سیر سرایا مین شمار کرتے ہین، وہ محض تجارت کی آزادی اور عام امن و امان قائم کرنے کی غرض سے تھے، دو تین مثالین ہم درج کرتے ہین

سنہ ۶ھ مین حضرت زیدؓ مالِ تجارت لے کر شام گئے، واپس آتے ہوئے جب وادیِ قریٰ کے قریب پہنچے تو بنو فزارہ کے لوگون نے آکر اُن کو مارا پیٹا اور تمام مال و اسباب چھین لے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے تدارک کے لئے تھوڑی سی فوج بھیجی، جس نے ان لوگون کو سزا دی۔[1]

اسی سنہ مین اس سے پہلے حضرت دحیہ کلبیؓ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خط دے کر قیصر کے پاس بھیجا تھا، شام سے واپس آرہے تھے، جب حِسمٰی پہنچے تو ہُنید نے چند آدمیون کے ساتھ اُن پر ڈاکہ ڈالا اور جو کچھ اُن کے پاس تھا سب چھین لیا صرف بدن کے کپڑے (وہ بھی جو پرانے اور پھٹے تھے) چھوڑ دیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تدارک کے لئے حضرت زیدؓ کو بھیجا،[2]

سنہ ۵ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر لگی کہ دُومۃ الجندل مین جو مدینہ منورہ سے شام کی جانب پندرہ منزل پر ہے، ایک بڑا گروہ جمع ہوگیا ہے جو تاجرون کو ستاتا ہے، اس کے تدارک کے لئے آپ خود تشریف لے گئے، مجمع منتشر ہوچکا تھا، لیکن آپ نے چند روز تک وہان قیام کیا اور انتظام کے لئے تمام اطراف مین فوج کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیان بھیجین[3]

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۶۵، جلد غزوات [2] ابن سعد صفحہ ۶۳ [3] ایضاً ص ۴۴ جلد غزوات۔

(یہ حالت کچھ مسلمان تاجرون کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ صلح حدیبیہ کے بعد کفار قریش کے کاروان تجارت کی بھی اسی طرح حفاظت کی جاتی تھی، سنہ ۸ھ مین قریش کا کاروانِ تجارت شام سے واپس آرہا تھا، قبیلہ جہینہ کی طرف سے اطمینان نہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح کی سرداری مین تین سو مسلمانون کی جمعیت جس مین حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی داخل تھے، مدینہ سے ۵ دن کی مسافت پر روانہ فرمایا، مسلمانون نے اس فرض کو اس طرح انجام دیا کہ کھانے کو کچھ نہ رہا تو ایک ایک چھوہارے پر دن بھر گذارا کیا[1]، صحیح مسلم[2] مین یہ واقعہ مفصل مذکور ہے، لیکن اس سریہ کی غرض مختلف راویون نے مختلف بیان کی ہے، اصل راوی حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہین جو اس واقعہ مین شریک تھے، ایک روایت مین ہے کہ جہینہ سے لڑنے کو یہ مہم بھیجی گئی تھی، کتب مغازی مین بھی یہی مذکور ہے، دوسری روایتون کے الفاظ یہ ہین،

(۱) نتلقی عیر قریش - قافلۂ قریش سے ملنے کیلئے (۲) نرصد عیر قریش - قافلۂ قریش کی دیکھ بھال کیلئے

اس سے مقصود عام طور سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ قافلۂ قریش کے لوٹنے کے لئے،

لیکن یہ صریح غلطی ہے، کیونکہ یہ زمانہ تو صلح حدیبیہ کا تھا، اس بنا پر ان الفاظ کے صاف معنی یہ ہین کہ یہ مہم قافلۂ قریش کی حفاظت اور جہینہ کو روکنے کے لئے بھیجی گئی تھی، حافظ ابن حجر کی بھی یہی تحقیق ہے[3])

---

(۱) ابن سعد جزء مغازی سریۂ خبط (۲) صحیح مسلم باب اصابۃ میتۃ البحر، صحیح بخاری باب غزوۂ سیف البحر مین بھی یہ روایتین ہین) (۳) فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۶۱ و ۶۲،

عرب کی جسارت اور رہزنی کی عادت کا یہ حال تھا کہ اگرچہ ہر دفعہ ان کو سخت سے سخت سزائیں ملتی تھیں تاہم وہ کسی طرح جرائم سے باز نہیں آتے تھے، یہاں تک کہ غابہ پر جو مدینہ کا چراگاہ تھا ڈاکے ڈالتے تھے، ۵ھ میں قبیلہ فزارہ کی آبادی میں قحط پڑا، عیینہ بن حصن جو یہاں کا رئیس تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرط کرم سے اس کو اجازت دی کہ اسلامی حدود میں جو سیراب تھے مویشی چرائے، لیکن ۶ھ میں اسی عیینہ نے غابہ پر جو مدینہ کا چراگاہ تھا حملہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس اونٹنیاں لوٹ لیں، حضرت ابوذرؓ کے بیٹے جو چراگاہ کے محافظ تھے ان کو قتل کر دیا، چنانچہ ارباب سیر اس واقعہ کو غزوہ غابہ سے تعبیر کرتے ہیں،

عرب کا تمام ملک جو اسلام کا دشمن ہو گیا اور اخیر فتح مکہ تک کفار سے جو لڑائیاں جاری رہیں اس کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ عرب کی معاش کا بڑا ذریعہ رہزنی، قطاع الطریقی اور قتل و تاراج تھا، اسلام ان چیزوں کو مٹاتا تھا، اس لئے عرب اسلام سے بڑھ کر کسی کو اپنا دشمن نہیں سمجھ سکتے تھے،

بے خبری میں حملہ کرنے کا سبب عرب کے قبائل دو قسم کے تھے، ایک وہ جو کسی خاص مقام پر مستقل سکونت رکھتے تھے، دوسرے وہ جو خیمہ نشین اور بادیہ گرد تھے، ان کا کوئی خاص مستقر نہ تھا، جہاں چشمہ یا سبزہ زار دیکھا، خیمے ڈال دیئے، جب وہاں بھی پانی نہ رہا تو خبر رساں کسی اور مقام کی خبر لائے اور وہاں چلے گئے، ان قبائل کو عربی میں اصحاب الوبر کہتے ہیں، زیادہ تر جو قبائل ڈاکے ڈالا کرتے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے، اسی قسم کے

قبائل تھے، ان کا انتظام اور اُن کی روک ٹوک سخت مشکل تھی، ان کی تعزیر کے لئے فوجین جاتی تھین، تو یہ پہاڑون پر بھاگ جاتے تھے اور قابو مین نہین آتے تھے اس لئے مجبورًا جو فوجین اُن پر بھیجی جاتی تھین غفلت مین بھیجی جاتی تھین کہ وہ بھاگ نہ جانے پائین اکثر سرایا کے بیان مین اہلِ سیر نے لکھا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فوجین بھیجین جو راتون کو چلتی تھین اور بے خبری کی حالت مین موقع پر پہنچکر حملہ کرتی تھین اور قبائل کو لوٹ لیتی تھین، اس قسم کے واقعات تمام کتابون مین کثرت سے منقول ہین؛ اور انہی واقعات سے یورپ کے لوگون نے یہ خیال قائم کیا ہے کہ اسلام نے دشمن پر ڈاکہ ڈالنا اور لوٹ مار کرنا جائز رکھا ہے، اسی بنا پہ مارگولیوس نے یہ استدلال کیا ہے، کہ "چونکہ بہت دنون تک مسلمانون کے پاس معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ قبائل پر بے خبری مین حملہ کرکے مال و اسباب لوٹ لایا کرتے تھے"

لیکن جب زیادہ تفحص اور استقرار اور کدوکاوش سے تمام واقعات بہم پہنچائے جائین تو ثابت ہوگا کہ اچانک حملہ انہی قومون پر کیا جاتا تھا جن کی نسبت یہ احتمال ہوتا تھا کہ اُن کو خبر ہوگی تو پہاڑون کی چوٹیون پر یا کسی اور مقام پر بھاگ جائین گے؛ چنانچہ اکثر ایسا ہوا کہ ان لوگون کو خبر ہوئی اور وہ کسی طرف چل دیئے، اس قسم کے چند واقعات ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین، ان مین سے بعض مین آپ خود تشریف لے گئے اور بعض مین کچھ دستے بھیجدیئے،

غزوۂ بنو سُلَیم ۳ھ (ابن سعد صفحہ ۲۴)

واغذّ السیر۔۔۔ فوجدھم قد	اور بہت تیزی سے بگ ٹٹ گئے لیکن وہ
تفرّقوا فی میاھھم فرجع،	لوگ اپنے چشموں کی طرف چل دیتے تھے

غزوۂ ذات الرقاع ۵ھ

وھربت الاعراب الی رؤس	اور اعراب پہاڑوں کی چوٹیوں پر
الجبال،	بھاگ گئے،

سریۂ عکاشہ ۶ھ،

وجّہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم	آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عکاشہ بن محصن
عکاشۃ بن محصن الی الغمر فی اربعین	کو ۴۰ آدمیوں کے ساتھ بھیجا، وہ بگ ٹٹ
رجلا فخرج سریعا یغذّ السیر	گئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن وہ
۔ ۔ ۔ ۔ فھربوا، (ص ۶)	لوگ بھاگ گئے،

سریۂ علیؓ بن ابی طالب، الی بنی سعد ۶ھ،

فبعث الیھم علیّ ابن ابی طالب	آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علیؓ
فی مائۃ رجل فسار اللیل	کو سو آدمیوں کے ساتھ بھیجا، وہ رات
وکمن النھار حتی انتھی الی	کو چلتے تھے اور دن کو چھپ رہتے تھے
الھمج فاغاروا علیھم فاخذوا	یہاں تک کہ مقام ہمج پہنچ گئے، پھر ان
خمس مائۃ بعیر والفی شاۃ	لوگوں پر حملہ کیا اور پانچسو اونٹ اور

وھربت بنو سعد بالظعن، (ص ۶۵)	دو ہزار بکریاں لوٹیں اور بنو سعد مستورات کو لے کر بھاگ گئے،

(غزوۂ بنو لحیان ۶ھ،

فسمعت بھم بنو لحیان فھربوا فی رؤس الجبال،	بنو لحیان نے اُن کی آمد سُنی تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھاگ گئے،

سریۂ عمرؓ بن خطاب بہ طرف تربہ، ۷ھ،

فکان یسیر اللیل ویکمن النھار فاتی الخبر ھوازن فھربوا وجاء عمر بن الخطاب محالھم فلم یلق منھم احدا)	راتوں کو چلتے تھے اور دن کو چھپ جاتے تھے، ہوازن کو خبر لگ گئی تو وہ فرار ہو گئے، حضرت عمرؓ ان کے پڑاؤ پر پہنچے تو کسی کو نہ پایا)

سریۂ کعب بن عُمیر، ربیع الاوّل ۸ھ،

اس سریہ کا یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پندرہ شخصوں کو شام کی طرف بھیجا، ذات اطلاح پہنچ کر ان لوگوں کو ایک بڑی جماعت نظر آئی، ان لوگوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی، انھوں نے انکار کیا اور ان پر تیر اندازی شروع کی، مجبور ہو کر یہ لوگ بھی لڑے، اور بالآخر سب شہید ہوے، صرف ایک صاحب بچے، انھوں نے آکر خبر کی، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن سے انتقام لینا چاہا، لیکن وہ لوگ یہ مقام چھوڑ کہیں اور چلے گئے، ابن سعد میں یہ الفاظ ہیں:-

وهمّ بان یبعث الیهم فبلغه انہم قد ساروا الی موضع آخر،

ان پر فوج بھیجنے کا ارادہ کیا، پھر معلوم ہوا کہ وہ اور کہین چلے گئے،

اشاعتِ اسلام ان اغراض کے علاوہ اور جو سرایا بھیجے گئے ان کی غرض اشاعتِ اسلام ہوتی تھی، لیکن چونکہ ملک مین امن و امان نہ تھا اور نیز دشمنون نے اس سرے سے اُس سرے تک آگ لگا رکھی تھی، لیکن دعوتِ اسلام کے لئے جو سرایا جاتے تھے ان کی زندگی ہمیشہ معرضِ خطر مین رہتی تھی،

صفر ۴ھ مین ستر داعیانِ اسلام کی جماعت قبیلۂ کلاب مین رئیس قبیلہ کی دعوت پر اشاعتِ اسلام کی غرض سے بھیجی گئی، لیکن بیرِ معونہ کے قریب قبائل رعل و ذکوان کے ہاتھ سے کل کی کل شہید ہوئی، صرف ایک صاحب بچ گئے تھے جنھون نے مدینہ آکر خبر کی،

اسی زمانہ مین یعنی صفر ۳ھ مین قبیلۂ عضل و قارہ نے تعلیم و ارشاد کے لئے دعاۃِ اسلام کے بھیجنے کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عاصمؓ، حضرت خبیبؓ، حضرت مرثدؓ بن ابی مرثد وغیرہ دس صاحبون کو اس غرض کے لئے روانہ فرمایا، مقام رجیع مین پہنچکر بنو لحیان نے اُن پر حملہ کیا، اور ایک کے سوا کل صاحب شہید کر دیئے گئے (۶ھ مین بنو لحیان کی تعزیر کے لئے مہم گئی لیکن کامیابی نہ ہوئی، وہ سُن گن پا کر بھاگ گئے تھے)

۷ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داعیون کی ایک جماعت جس مین پچاس آدمی شامل تھے، قبیلۂ بنی سلیم کے پاس بھیجی، اس گروہ کے سردار ابن ابی العوجاؓ تھے، انھون نے بنو سلیم کو دعوت دی، لیکن ان لوگون نے انکار کیا، اور تیر اندازی شروع کی،

یہ لوگ بھی لڑے لیکن پچاس آدمی قبیلہ کے قبیلہ کا کیا مقابلہ کر سکتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ رئیس فوج یعنی ابنؓ ابی العوجار کے سوا سب شہید ہوئے،

ربیع الاول ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعبؓ بن عمیر غفاری کو پندرہ آدمیون کی جمعیت کے ساتھ دعوتِ اسلام کے لئے ذات اطلاح کی طرف روانہ کیا، یہ مقام شام کے حدود مین وادی القریٰ سے اس طرف ہے، ان لوگون نے اسلام کی تبلیغ کی لیکن جواب وہی تیغ وسنان تھا، یہان تک کہ یہ جماعت بھی کل کی کل شہید ہوئی، صرف ایک صاحب بچ گئے جنھون نے آکر مدینہ مین خبر کی،

(اس بنا پر اکثر دعوتِ اسلام کے لئے جو سرایا بھیجے جاتے تھے اُن کے ساتھ حفاظت کی غرض سے کچھ فوج بھی ساتھ کر دی جاتی تھی لیکن اس صورت مین بہ تصریح افسرون کو کہدیا جاتا تھا کہ صرف اشاعتِ اسلام مقصود ہے، لڑائی بھڑائی کی اجازت نہین، مثلاً فتحِ مکہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بنؓ ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا اور ۳۰۰ آدمیون کی جمعیت) ساتھ کر دی تو صاف فرما دیا کہ صرف دعوتِ اسلام مقصود ہے، لڑائی مقصود نہین، چنانچہ ابن سعد لکھتے ہین:-

بعثه الی بنی جذیمة داعیا الی الاسلام ولم يبعثه مقاتلا (صفحہ ۱۰۶)	آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خالد کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، دعوت اسلام کے لئے، نہ جنگ کے لئے

علامہ طبری اس موقع پر لکھتے ہین:-

قد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ کے اطراف

بعث فیما حول مکۃ السرایا تدعوا	مین سرایا بھیجے، دعوت اسلام کے لئے اور
الی اللہ عزوجل ولم یامرھم بقتال	ان کو لڑائی کا حکم نہین دیا،

باوجود اس کے بھی حضرت خالدؓ نے تلوار سے کام لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو آپؐ کھڑے ہوگئے اور قبلہ رو ہوکر کہا "اے خدا خالد نے جو کچھ کیا مین اس سے بری ہون" تین دفعہ اسی طرح یہ الفاظ فرمائے، پھر حضرت علیؓ کو بھیجا، جنھون نے ایک ایک بچہ کا یہان تک کہ کتون کا خون بہا ادا کیا اور اس پر مزید رقم دی، یہ واقعہ باختلاف الفاظ حدیث کی کتابون مین بھی مذکور ہے،

اسی طرح سنہ ۸ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو جب ۳۰۰ سوارون کے ساتھ یمن بھیجا تو آپؐ نے فرمایا،

فاذا نزلت بساحتھم فلا تقاتلھم	جب تم وہان پہنچ جاؤ تو جب تک تم پر
حتی یقاتلوک (ابن سعد مغازی ص۱۲۲)	کوئی حملہ نہ کرے تم نہ لڑنا،

اسی سلسلہ مین وہ سرایا بھی داخل ہین جو فتح مکہ کے بعد بت شکنی کے لئے اطراف ملک مین روانہ کئے گئے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام عرب مین مختلف قبیلون کے الگ الگ بتخانے تھے، فتح مکہ کے بعد جب عام طور سے قبائل نے اسلام قبول کر لیا تو بتون کی عظمت اور جباری کا جاہلانہ اور وہم پرستانہ تخیل بعض قبائل سے دفعۃً نہ مٹ سکا، اب گو وہ ان کو لائق پرستش نہین سمجھتے تھے، تاہم ان کے دلون پر ان اصنام کی دیرینہ ایک مدت سے جو ہیبت بیٹھی ہوئی تھی اس سے یہ ہمت نہین پڑتی تھی

کہ ان باطل پرستیون کے مرکز کو خود اپنے ہاتھ سے مٹا دین، جاہلون کو یقین تھا کہ ان مقدس پتھرون کا ایک ریزہ بھی اپنی جگہ سے ہٹا تو آسمان ٹوٹ پڑے گا، زمین پھٹ جائے گی، مصائب اور بلاؤن کا ایک طوفان برپا ہو جائے گا،

اہلِ طائف نے بیعت کرتے ہوئے شرط پیش کی تھی کہ ان کا بتخانہ ایک سال تک ڈھایا نہ جائے، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظور نہ فرمایا تو دوسری شرط یہ پیش کی کہ ہم ان کو اپنے ہاتھ سے نہ توڑین گے، بعض اور نومسلم قبائل بھی اس اداے فرض مین جھجکتے تھے، اس بنا پر ان مقامات مین چند راسخ العقیدہ اور صحیح الفہم مسلمان بھیجے گئے، کہ وہ ان کی طرف سے اس فرض کو انجام دین، چنانچہ سریۂ خالد بن ولید، بتخانۂ عزیٰ، سریۂ عمروؓ بن العاص بتخانۂ سواع، سریۂ سعد بن زید اشہلی، بتخانۂ مناۃ، سریۂ ابوسفیان ومغیرہ بن شیبہ بتخانۂ لات، سریۂ جریر بتخانۂ ذی الخلصہ سریۂ طفیل بن عمرو دوسی بتخانۂ ذی الکفین، اور سریۂ علیؓ بن ابی طالب بتخانۂ فلس کے توڑنے کو روانہ کئے گئے[2]

جنگی اصلاحات

جنگ افعالِ انسانی کا بدترین منظر ہے، عرب کی جنگ تو ظلم، توحش، قساوت، سفاکی، بے دردی اور درندہ پن کا تماشاگاہ تھی، لیکن اعجاز نبوت سے یہی چیز تمام نقائص سے پاک ہو کر ایک مقدس فرض انسانی بن گئی،

کسی ملک مین جب ہزارون برس سے ظلم وغارتگری متوارث چلی آتی ہو تو

---

(۱) صحیح بخاری غزوۂ ذی الخلصہ (۲) اس باب مین تمام تر واقعات ابن سعد جزء مغازی سے ماخوذ مین،

شروع شروع مین مہذب سے مہذب حکومت کو بھی چند روز قدیم اصول اور طرز عمل کو اختیار کرنا پڑتا ہے جس کو طبی اصطلاح مین علاج بالمثل کہہ سکتے ہین، آغاز اسلام مین حملہ آور جنگ کے متعلق بعض واقعات اس قسم کے ملتے ہین جو پہلے سے رائج تھے، مثلاً جاہلیت مین دستور تھا کہ دشمن پر بے خبری کی حالت مین جا پڑتے تھے، اور قتل و قید کرتے تھے، اسلام نے اس طریقہ کو مٹایا لیکن ابتدا ہی مین اگر اس پر عمل کیا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ دشمن ہمیشہ دفعۃً حملہ آور ہو کر مسلمانون کو قتل کیا کرتے اور مسلمان اس کے مقابلہ مین کچھ نہ کر سکتے، یا کرتے تو پہلے ان کو خبر کرتے جس کے بعد وہ کہین ٹل جاتے، یا اپنی حفاظت کا سامان کر لیتے، لیکن جس قدر اسلام کو زور و قوت حاصل ہوتی گئی اسی قدر وہ قدیم طریقے مٹتے گئے، یہان تک کہ ایک ایک کر کے سب کا خاتمہ ہو گیا،

اسلام سے پہلے جنگ کا جو طریقہ تھا اور جس قسم کے وحشیانہ افعال عمل مین آتے تھے اُن کو ہم تفصیل سے اوپر لکھ آئے ہین، ان صفحات کو دوبارہ سامنے رکھ لو اور اس کے مقابلہ مین دیکھو اسلام نے کیا کیا اصلاحین کین ؟

اس بات کو قطعاً روک دیا کہ عورتین، بوڑھے، بچے، صغیر السن، نوکر، خادم، لڑائی مین قتل کئے جائین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کسی مہم پر فوج بھیجی جاتی تو سردار فوج کو چند احکام دیئے جاتے، اُن مین ایک یہ لازمی حکم بھی ہوتا، ابوداؤد مین یہ حکم ان الفاظ مین مذکور ہے،

لَا تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا طِفْلًا   کسی کہن سال کو، بچے کو، کمسن کو، عورت
وَلَا صَغِيرًا وَلَا امْرَأَةً،[1]   کو قتل نہ کرو،

غزوات مین کبھی کسی عورت کی لاش آپؐ کی نظر سے گذرتی تو آپؐ نہایت سختی سے منع فرماتے، صحیح مسلم مین متعدد حدیثین اس کے متعلق مذکور ہین،

اسلام سے پہلے معمول تھا کہ دشمن کو گرفتار کر لیتے تو کسی چیز سے باندھ کر اس کو تیرون کا نشانہ بناتے یا تلوار سے قتل کرتے، عربی مین اس طریقہ کو صبر کہتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی سے اس کو روک دیا،

ایک دفعہ حضرت خالدؓ کے صاحبزادے (عبدالرحمٰن) نے ایک لڑائی مین چند آدمیون کو گرفتار کرکے اسی طرح قتل کرایا تھا، حضرت ابوایوب انصاریؓ نے سنا تو کہا مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا وہ اس سے منع فرماتے تھے، خدا کی قسم مین مرغ کو بھی اس طرح مارنا جائز نہین رکھتا، عبدالرحمٰن نے اسی وقت کفارۂ گناہ کے طور پر چار غلام آزاد کئے،[2]

لڑائیون مین عہد کی کچھ پابندی نہ تھی، جنگ معونہ وغیرہ مین کفار نے مسلمانون کے ساتھ یہی معاملہ کیا، یعنی قول وقسم لے کر مسلمانون کو ساتھ لوا گئے اور گھیرے جاکر قتل کر ڈالا قرآن مجید مین انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے،

لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً   کسی مسلمان کے متعلق وہ نہ قسم کا لحاظ رکھتے ہین نہ ذمہ داری کا

---

(1) کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین ابوداؤد مین یہ باب کتاب الجہاد مین مکرر ہے، یہان پہلا باب مراد ہے (2) ص؛

اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ، (توبہ-۲،) اُن کی قسم قسم نہین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت تاکید کی کہ جو عہد کیا جاے، ہر حال مین اس کی پابندی کی جاے، قرآن مجید مین اس کے متعلق جابجا تاکیدی اور صاف احکام ہین، عہد نبوت اور خلفاے راشدینؓ کے زمانہ مین پابندیِ عہد کی حیرت انگیز مثالین ملتی ہین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے مدینہ چلے آئے تھے تو بہت سے صحابہ مجبوریون کی وجہ سے مکہ ہی مین رہ گئے تھے، ان مین حضرت حذیفہؓ بن یمان اور اُن کے والد بھی تھے، جنگِ بدر کے موقعہ پر حضرت حذیفہؓ بن یمان اور اُن کے والد کہین سے آرہے تھے، کفّار نے ان کو پکڑ لیا کہ تم مدینہ جاکر پھر ہمارے مقابلہ کو آؤ گے، انھون نے کہا ہمارا مقصد صرف مدینہ جانا ہے، کفار نے اُن سے عہد لے کر چھوڑ دیا، یہ لوگ مقامِ بدر مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین پہنچے اور یہ دیکھ کر کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار سے مصروفِ جنگ ہین، خود بھی اس سعادت کی آرزو کی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو باز رکھا کہ تم معاہدہ کرچکے ہو،

ابو رافعؓ کو قریش نے قاصد بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین بھیجا تھا، بارگاہ نبوت مین آکر اُن پر یہ اثر ہوا کہ مسلمان ہوگئے اور عرض کی اب مین کافرون مین واپس نہ جاؤن گا، آپؐ نے فرمایا تم قاصد ہو، اور قاصد کو روک لینا عہد کے خلاف ہے، اس وقت واپس جاؤ، پھر آجانا،[1]

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳۰ (باب فی الامام یستجنّ بہ فی العہود) "س"

صلح حدیبیہ میں جب حضرت ابو جندلؓ پا بہ زنجیر آئے اور بدن کے داغ دکھائے کہ قریش مجھ کو قید کر کے اس طرح ستاتے ہیں، آپؐ نے فرمایا ہاں لیکن قریش سے معاہدہ ہو چکا ہے کہ کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ آئے گا تو ہم قریش کے پاس بھیجدیں گے، اس پر حضرت ابو جندلؓ نے رو کر تمام مسلمانوں کو مخاطب کیا، لوگ جوش رقت سے بے قرار ہو گئے اور قریب تھا کہ قابو سے باہر ہو جائیں، حضرت عمرؓ بیتاب ہو گئے، حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بار بار جاتے تھے، یہ سب کچھ تھا، لیکن پابندیٔ عہد کی قیمت ان سب خطرات سے زیادہ تھی حضرت ابو جندلؓ کو پا بہ زنجیر واپس جانا پڑا،

اسلام سے پہلے قاصدوں کا قتل کر دینا ممنوع نہ تھا، صلح حدیبیہ سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے پاس جو قاصد بھیجا تھا، قریش نے اس کی سواری کے اونٹ کو مار ڈالا اور قاصد کو بھی قتل کر دینا چاہا لیکن باہر والوں نے بچا لیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قاصد کبھی قتل نہ کئے جائیں، مسیلمہ نے جب قاصد بھیجا اور اُس نے گستاخانہ گفتگو کی تو آپؐ نے فرمایا کہ "قاصد کا قتل کرنا دستور نہیں ورنہ تو قتل کر دیا جاتا،" مورخین اس واقعہ کو لکھ کر لکھتے ہیں کہ اس دن سے یہ ایک قاعدہ بن گیا کہ قاصد قتل نہیں کئے جاتے تھے،

اسیران جنگ کے ساتھ عرب نہایت برا سلوک کرتے تھے اور تمام قوموں میں بھی یہی طریقہ جاری تھا، جنگ صلیبی میں یورپ میں سلطنتیں جب مسلمانوں کو لڑائیوں میں گرفتار کرتی تھیں تو اُن سے جانوروں کی طرح کام لیتی تھیں،

علامہ ابن جبیر جب حروب صلیبیہ کے زمانہ میں سسلی میں گذرے ہیں، تو یہ حالت دیکھ کر تڑپ گئے، چنانچہ لکھتے ہیں :-

ومن الفجائع التی یعاینہا من	اور منجملہ ان دردانگیز حالات کے جوان شہروں
حل بلادھم اسری المسلمین	میں نظر آتے ہیں اسیران اسلام ہیں جو
یرسفون فی القیود ویصرفون	بیڑیاں پہنے نظر آتے ہیں اور جن سے سخت
فی الخدمة الشاقة والاسیرات	محنت شاقہ لی جاتی ہے، اور اسی طرح
المسلمات کذلک فی اسوقھن	مسلمان عورتیں پنڈلیوں میں لوہے
خلاخیل الحدید فتنفطر	کڑے پہنے سخت محنت شاقہ سے کام
لہم الافئدة	کرتی ہیں جن کو دیکھ کر دل پھٹا جاتا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران جنگ کی نسبت تاکید کی کہ ان کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنے پائے، اسیران بدر کو جب آپ نے صحابہ کے حوالہ کیا تو تاکید کی کہ کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے، چنانچہ صحابہ خود کھجور وغیرہ کھا کر بسر کر لیتے تھے اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے، غزوۂ حنین میں چھ ہزار اسیر تھے، سب چھوڑ دیئے گئے اور آپ نے ان کے پہننے کے لئے چھ ہزار جوڑے (مصر کے کپڑے کے) عنایت فرمائے، چنانچہ ابن سعد نے اس واقعہ کی تصریح کی ہے،

حاتم طائی کی بیٹی جب گرفتار ہو کر آئی تو آپ نے عزت وحرمت سے مسجد کے ایک گوشہ میں اس کو مقیم کیا اور فرمایا کہ کوئی تمہارے شہر کا آجائے تو میں اس کے ساتھ

تم کو رخصت کر دون، چنانچہ چند روز کے بعد سفر کا سامان کر کے ایک شخص کے ساتھ ان بھجوا دیا،

قرآن مجید مین جہان خدا نے بندگان خاص کے اوصاف بتائے ہین، وہان فرمایا ہی

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ	اور یہ لوگ خدا کی محبت مین مسکین کو، یتیم
مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا، (دہر-۱)	کو اور قیدیون کو کھانا کھلاتے ہین،

معمول تھا کہ جب کسی قوم پر حملہ ہوتا تو اہل فوج چارون طرف دُور دُور پھیل جاتے جس سے راستے بند ہو جاتے، گھرون مین آنا جانا مشکل ہو جاتا، راہ گیرون کا مال و متاع لٹ جاتا، یہ طریقہ ایک مدت سے چلا آتا تھا، ایک لڑائی مین قدیم دستور کے مطابق یہی حرکتین لوگون سے سرزد ہوئین، آپ نے منادی کرا دی کہ جو شخص ایسا کرے گا اس کا جہاد جہاد نہین،

ابو داؤد مین (حضرت معاذ بن انس) سے روایت ہے،

غزوت مع نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مین فلان غزوہ مین آپ کے ساتھ تھا،
غزوۃ کذا وکذا فضیّق الناس	لوگون نے دوسرون کے پڑاؤ پر جا کر ان کو
المنازل وقطعوا الطریق فبعث	تنگ کیا، لوٹا مارا، آپ نے ایک شخص کو بھیجا
النبی صلی اللہ علیہ وسلم منادیاً ینادی	جس نے منادی کی کہ جو دوسرون کو گھرون
فی الناس انّ من ضیّق منزلا	مین تنگ کرے یا لوٹے مارے اس کا
وقطع طریقا فلا جہاد لہ[1]	جہاد قبول نہین،

[1] ابو داؤد کتاب الجہاد جلد اوّل صفحہ ۳۰۳ (باب ما یُؤمر من انضمام العسکر) "س"

ابوداؤد مین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ حکم دیا کہ لوگ ادھر ادھر پھیل نہ جایا کرین تو لوگ اس طرح سمٹ کر پڑاؤ ڈالتے تھے کہ ایک چادر تان دی جاتی تو سب اس کے نیچے آجاتے[1]

سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مال غنیمت کے ساتھ لوگون کو اس قدر شغف تھا کہ لڑائیون کا بہت بڑا سبب یہی ہوتا تھا، اس کی اصلاح مین نہایت تدریج سے کام لینا پڑا، جاہلیت مین تو غنیمت محبوب ترین چیز تھی، تعجب یہ ہے کہ اسلام مین بھی ایک مدت تک اس کو ثواب کی چیز سمجھتے تھے، ابوداؤد مین ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا،

رجل یرید الجہاد فی سبیل اللہ	ایک شخص خدا کی راہ مین جہاد کرنا چاہتا
وھو یبتغی عرضا من عرض الدنیا	ہے لیکن کچھ دنیاوی فائدہ بھی چاہتا
فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا اجر	ہے آپؐ نے فرمایا اس کو کچھ ثواب
لہ فاعظم ذلک الناس و	نہین ملے گا، یہ امر لوگون کو بہت
قالوا للرجل عد لرسول اللہ	عجیب معلوم ہوا، اور لوگون نے اس
صلی اللہ علیہ وسلم فلعلک لم تفہمہ	شخص سے کہا کہ پھر جا کر پوچھو، غالباً
(ابوداؤد جلد ا صفحہ ۳۴۳ (باب من یغزو یلتمس الدنیا))	تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب نہین سمجھا

بار بار لوگ دوبارہ دریافت کرنے کے لئے بھیجتے تھے اور ان کو یقین نہین آتا تھا

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد (باب مایؤمر من انضمام العسکر) "ش"

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہوگا، بالآخر جب آپؐ نے تیسری دفعہ بھی یہی فرمایا کہ لا اجرلہٗ یعنی اس کو کچھ ثواب نہین ملے گا، تب لوگون کو یقین آیا،

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو ایک قبیلہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا، ان مین سے ایک صاحب صف سے آگے نکل گئے، قبیلہ والے روتے ہوئے آئے، انھون نے کہا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو تو بچ جاؤ گے، لوگون نے اسلام قبول کر لیا اور حملہ سے بچ گئے، اس پر ساتھیون نے ان کو ملامت کی کہ تم نے ہم لوگون کو غنیمت سے محروم کردیا، ابوداؤد مین صحابی کا قول ان الفاظ مین مذکور ہے،

فلامنی اصحابی وقالوا احرمتنا الغنیمة، (ابوداؤد باب یقول ...)	مجھ کو میرے ساتھیون نے ملامت کی، تم نے ہم لوگون کو غنیمت سے محروم کردیا،

جب لوگون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر ان کی شکایت کی تو آپؐ نے ان کی تحسین کی اور فرمایا کہ تم ایک ایک آدمی (جو چھوڑ دیئے گئے) کے بدلے اتنا اتنا ثواب ملے گا، (ابوداؤد)

قرآن مجید مین غنیمت کی نسبت "متاع دنیوی" کا لفظ آتا تھا اور اس کی طرف انہماک اور وارفتگی پر ملامت کی جاتی تھی، جنگِ اُحد مین جب اس بنا پر شکست ہوئی کہ کچھ لوگ کفار کا مقابلہ چھوڑ کر غنیمت مین مصروف ہوگئے تو یہ آیت اُتری،

مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ ، (آل عمران-۱۶۰)	تم مین سے کچھ لوگ دنیا کے طلبگار تھے اور کچھ آخرت کے،

جنگ بدر میں لوگوں نے جب اجازت سے پہلے غنیمت لوٹنی شروع کردی (یا) بقول بعض مفسرین فدیہ کی خواہش سے لوگوں کو گرفتار کیا تو یہ آیت اتری،

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ	تم لوگ دنیا کی پونجی چاہتے ہو اور خدا
يُرِيدُ الْاٰخِرَةَ، (انفال - ۹)	آخرت چاہتا ہے،

باوجود ان تمام تصریحات اور بار بار کی تاکید کے غزوۂ حنین میں جو شکست واقع ہوا تھا، اس وجہ سے شکست ہوئی کہ لوگ غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہو گئے صحیح بخاری غزوۂ حنین کے ذکر میں ہے،

فاقبل المسلمون علی الغنائم	تو مسلمان غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور
واستقبلونا بالسهام،	کافروں نے ہم کو تیروں پر رکھ لیا،

اس بنا پر موقع بہ موقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلہ کو زیادہ تر تصریح سے بیان فرماتے تھے، ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "کوئی شخص غنیمت کے لئے کوئی نام کے لئے، کوئی اظہار شجاعت کے لئے جہاد کرتا ہے، کس کا جہاد خدا کی راہ میں سمجھا جائے گا؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

من قاتل لتکون کلمة اللّٰه	جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ خدا کا
هی العلیا،[1]	بول بالا ہو،

بالآخر آپ نے یہ فرمادیا کہ گو جہاد کسی نیت سے کیا جائے لیکن اگر مجاہد مال غنیمت

(1) بخاری کتاب الجہاد باب من قاتل لتکون کلمة اللّٰه هی العلیا وصحیح مسلم کتاب الامارة "س"

قبول کرتا ہے تو دو تہائی ثواب کم ہو جاتا ہے، پورا ثواب اُسی وقت ملتا ہے جب غنیمت کو مطلق ہات نہ لگائے، صحیح مسلم مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص الفاظ یہ ہین،

ما من غازیۃ تغزو فی سبیل اللہ	جو غازی خدا کی راہ مین لڑتا ہے، اور
فیصیبون الغنیمۃ الا تعجلوا	مال غنیمت لیتا ہے وہ آخرت کے ثواب
ثلثی اجرھم من الاخرۃ ویبقی	کا دو ثلث یہین سے لیتا ہے اور آخرت مین
لھم الثلث وان لم یصیبوا	اس کا حصہ صرف ایک تہائی رہ جاتا ہے
غنیمۃ تم لھم اجرھم[1]	البتہ اگر غنیمت مطلق نہ لے تو اس کو تمام ثواب ملتا ہے

ان تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ غنیمت جو سب سے محبوب چیز تھی دلون سے اُتر گئی، اور جہاد سے صرف اعلاے کلمۃ اللہ مقصود رہ گیا، واقعہ ذیل سے اس کا اندازہ ہو سکے گا،

حضرت واثلہ بن الاسقع ایک صحابی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک کی مہم پر روانہ ہوے تو اُن کے پاس سامان نہ تھا، مدینہ مین آواز دیتے پھرے کہ کوئی ہے جو ایسے شخص کو سواری دے کہ جو کچھ مال غنیمت ہاتھ آئے گا اس مین وہ برابر کا شریک ہوگا، ایک انصاری نے سواری اور خوراک سب اپنے ذمہ لی، اس مہم مین کئی اونٹ ہاتھ آئے، حضرت واثلہؓ واپس آکر انصاری کے پاس سب اونٹ لے گئے اور کہا "یہ وہ اونٹ ہین جن کی نسبت مین نے شرط کی تھی کہ آپ بھی اس مین حصہ دار ہون گے" انھون نے کہا "ان کو تم ہی لو، میرا شرکت سے کچھ اور ارادہ تھا" (یعنی اونٹ مین نہین، بلکہ جہاد کے

(۱) صحیح مسلم کتاب الامارہ باب بیان ثواب من غزا فغنم و ابوداود باب فی السریۃ "س"

ثواب میں شرکت مقصود تھی[1])

دورانِ جنگ میں دشمن کے مال اور جائداد کا لوٹنا بھی عام رواج تھا خصوصاً جب کہ رسد ٹھہر جاتی تھی اور کھانے پینے کا انتظام نہیں ہوسکتا تھا تو ہر حال میں یہ فعل جائز سمجھا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت کی اور سرے سے اس طریقہ کو روک دیا۔ ابو داؤد میں ایک انصاری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ ایک مہم پہ گئے اور نہایت تنگ حالی اور مصیبت پیش آئی، اتفاق سے بکریوں کا ریوڑ نظر آیا، سب لوٹ پڑے اور بکریاں لوٹ لیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، آپ موقع پر تشریف لائے تو گوشت پک رہا تھا اور ہانڈیاں اُبال کھا رہی تھیں آپ کے ہاتھ میں کمان تھی، آپ نے اس سے ہانڈیاں اُلٹ دیں اور سارا گوشت خاک میں مل گیا، پھر فرمایا "لوٹ کا مال مردار گوشت کے برابر ہے"[2]

لڑائی عبادت بن گئی اسلام نے جہاد کو جو بظاہر ایک ظالمانہ کام ہے اس قدر پاک اور منزہ کر دیا کہ وہ افضل ترین عبادت بن گئی، جہاد کا مقصد یہ قرار دیا کہ مظلوموں کو ظلم سے بچائے، جابر اور ظالم کمزور آدمیوں پر دستِ ستم دراز نہ کرنے پائیں،

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ

جن لوگوں سے لوگ لڑائی کرتے ہیں اُن کو اس بنا پر لڑنے کی اجازت دی گئی

[1] ابو داؤد، کتاب الجہاد جلد ثانی، (باب الرجل یکری دابتہ علی النصف او السہم) "س" [2] ابو داؤد کتاب الجہاد جلد ثانی، (باب فی النہی عن النہبیٰ اذا کان فی الطعام قلۃ) "س"

لَقَدِیْرٌۨ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۔ (حج - ۶)

کہ اُن پر ظلم کیا گیا، اور خدا ان کی مدد پر قادر ہے، وہ لوگ جو اپنے گھروں سے صرف اس بنا پر نکال دیئے گئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا خدا ہے،

ملک میں جو ہمیشہ فتنہ و فساد برپا رہتا تھا اور لوگ امن و امان سے بسر نہیں کر سکتے تھے، جہاد اس غرض سے تھا کہ فساد کو مٹا دے اور امن قائم کر دے،

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (انفال) اور ان سے لڑو تاکہ فتنہ نہ رہے،

جو لوگ خدا پر اور جزا و سزا پر اعتقاد نہیں رکھتے اور اس وجہ سے اُن کے نزدیک ہر قسم کے ظلم و ستم جائز تھے اور ان کو جائز و ناجائز کی کچھ تمیز نہ تھی، جہاد سے ان کا زیر کرنا اور ان لوگوں کو اُن کے ظلم سے بچانا مقصود قرار دیا گیا،

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ، (توبہ - ۴)

ان لوگوں سے لڑو جو نہ خدا پر اعتقاد رکھتے ہیں نہ قیامت پر، اور جن کاموں کو خدا اور رسول نے حرام قرار دیا ہے اس کو حرام نہیں سمجھتے،

جہاد میں فتح پانے اور زمین پر قبضہ حاصل کرنے کا مقصد یہ نہیں قرار دیا گیا کہ فاتح دولت و مال اور حکومت کا لطف اٹھائیں، بلکہ یہ غرض قرار دی گئی کہ لوگوں کو عبادت و ریاضت اور فقرا کی دستگیری کی تلقین کریں اور اچھی باتیں پھیلائیں اور برے کاموں سے لوگوں کو روک دیں،

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ	وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین پر قبضہ دین
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ	تو وہ نماز کے پابند ہون گے، زکوٰۃ ادا
اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ	کرین گے، اچھی باتون کا حکم دین گے،
الْمُنْكَرِ، (حج-۶)	اور بری باتون سے روکین گے،

کسی ملک کی فتح سے جو دولت ومال ہاتھ آتا تھا وہ فاتح کا خاص حصہ ہوتا تھا جس کو وہ اپنے مصارفِ عیش مین استعمال کرتا تھا اور دربار کے امراء درجہ بدرجہ اس سے مستفید ہوتے تھے لیکن اس کا مصرف یہ قرار دیا،

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ	اور جان لو کہ تم کو جو کچھ مالِ غنیمت ملے
فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ	تو اس کا پانچوان[1] حصہ خدا کا ہے اور
وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى	رسول کا اور رشتہ دارون کا اور
وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ، (انفال-۵)	یتیمون کا اور غریبون کا اور مسافرون کا

جہاد نہ صرف حقیقت کے لحاظ سے بلکہ صورۃً بھی عبادت بنا دیا گیا، مجاہدین کو تاکید تھی کہ میں جنگ کے وقت بھی خدا کا نام لیتے رہین،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ	مسلمانو! جب کسی گروہ سے مٹ بھیڑ
فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ	ہو جائے تو ثابت قدم رہو، اور بار بار
كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، (انفال)	خدا کا نام لیتے جاؤ تم کامیاب ہوگے،

[1] اس پانچوین حصہ کے سوا، باقی تمام مالِ غنیمت مجاہدین کا حق ہے،

نماز مین جس طرح اٹھتے بیٹھتے تکبیر و تسبیح یعنی اللہ اکبر اور سبحان ربی الاعلیٰ کہتے ہین جہاد مین بھی یہی حکم تھا، حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہین کہ ہم جب کسی بلندی پر چڑھتے تھے تو اللہ اکبر کہتے تھے اور جب نیچے اُترتے تو سبحان اللہ کہتے تھے، بخاری مین روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد مین جب کسی ٹیکرے پر چڑھتے تھے تو تین دفعہ اللہ اکبر کہتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد پر جا رہے تھے صحابہ زور زور سے تہلیل و تکبیر کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس قدر شور سے نہین کہنا چاہیے، کیونکہ خدا جس کو تم پکارتے ہو وہ بہرا نہین ہے" بعینہٖ اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو نماز مین پکار کر قرآن پڑھنے سے منع فرمایا تھا،

نکتہ، ابوداؤد مین حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جہاد[2] مین دستور تھا کہ چڑھائیاں آتی تھین تو تکبیر کہتے تھے اور اُتار آتا تھا تو تسبیح پڑھتے تھے، نماز بھی اسی اصول پر قائم کی گئی، یعنی سر اٹھاتے ہین تو اللہ اکبر اور سجدہ مین جاتے ہین تو سبحان اللہ کہتے ہین اس روایت مین ادائے مطالب مین ذرا فرق آگیا ہے، جہاد کے اصول پر نماز نہین قائم کی گئی، بلکہ جہاد مین نماز کا طریقہ ملحوظ رکھا گیا ہے، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ نماز ابتدائے اسلام سے وجود مین آئی اور جہاد کی تاریخ ہجرت کے بعد سے شروع ہوتی ہے، بہرحال اس روایت سے اس قدر قطعی ثابت ہوتا ہے کہ نماز اور جہاد دونون مین ایسی مشابہت تھی کہ

---

[1] کتاب الجہاد باب التکبیر عند الحرب [2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یقول اذا سافر، جلد اول ص۲۵ مطبوعہ مجتبائی اصل عبارت یہ ہے۔ (وکان) النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجیوشہ اذا علوا الثنایا کبروا واذا ہبطوا سبحوا فوضعت الصلوٰۃ علی ذلک

ایک کو اصل اور دوسرے کو اس کی نقل سمجھتے تھے،

غرض یہی جنگ جو ہر طرح کے ظلم و ستم اور جہالت و وحشت کا مجموعہ تھی اسلام کی تعلیم ربانی نے اس کو اعلاے کلمۃ اللہ، قیام امن، رفع مفاسد، نصرت مظلوم اور تسبیح و تہلیل کی صورت مین بدل دیا،

فاتح اور پیغمبر کا امتیاز | جہاد کے معرکون مین آپکے ہاتھ مین گو تیغ و سپر اور جسم مبارک پر خود و مغفر ہوتا تھا، لیکن اُس وقت بھی پیغمبر اور سپہ سالار کا فرق صاف نظر آتا تھا،

عین اُس وقت جب کہ معرکۂ کارزار گرم ہے تیرون کا مینھ برس رہا ہے تمام میدان لالہ زار بن گیا ہے ہاتھ اور پانون اس طرح کٹ کٹ کر گر رہے ہین جس طرح موسم خزان مین پتے جھڑتے ہین، دشمن کی فوجین سیلاب کی طرح بڑھتی آ رہی ہین عین اس حالت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست دعا آسمان کی طرف بلند ہے، جنگ آور باہم نبرد آزما ہین اور سر مبارک سجدۂ نیاز مین ہے، معرکۂ بدر مین حضرت علیؓ عین شدت جنگ مین تین بار خبر لینے آئے اور ہر دفعہ دیکھا کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہے، فوجین تیرون کا مینھ برسا رہی ہین اور لڑائی کا فیصلہ نہین ہوتا، فاتح بے سلاح زمین سے مٹھی بھر خاک اٹھا لیتا ہے، اور دشمن کی طرف پھینکتا ہے، دفعۃً فوجون کا بادل پھٹ کر مطلع صاف ہو جاتا ہے،

حنین مین دشمن نے دفعۃً اس زور سے حملہ کیا کہ تمام فوج کے پانون اکھڑ گئے ۱۲۰۰۰ ہزار آدمیون مین سے ایک بھی پہلو مین نہین، سامنے سے دس ہزار قدر انداز تیر برساتے آ رہے ہین، لیکن مرکز حق اپنی جگہ پر قائم ہے، اور ایک پُر جلال آواز آ رہی ہے،

انا النبی لا کذب ۔ مین پیغمبر ہون، اور جھوٹا پیغمبر نہین ہون،

عین اُس وقت جب کہ صفین باہم معرکہ آرا ہین ہر طرف تلوارین برس رہی ہین، ہاتھ پانون

کٹ کٹ کر زمین پر بچھے جاتے ہین، موت کی تصویرین ہر طرف نظر آرہی ہین، اتفاق سے نماز کا وقت آجاتا ہے، دفعۃً نماز کی صفین قائم ہو جاتی ہین، سپہ سالار امامِ نماز ہے، فوجین صفوفِ نماز ہین، رجز کے بجائے اللہ اکبر کی صدائین بلند ہین، جوش و خروش، تہور و جانبازی، غیظ و غضب اب عجز و نیاز، تضرع و زاری اور خضوع و خشوع بن جاتا ہے، صفین دو دو رکعتین ادا کر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی جاتی ہین ان کے بجائے لڑنے والے نماز مین شامل ہو جاتے ہین، یہ دو رکعتین ادا کر کے پھر اپنی پہلی خدمت پر واپس چلے جاتے ہین، اور مشغولینِ جنگ اگر بقیہ نماز مین پوری کر لیتے ہین، لیکن یہ تبدیلیان فوجون مین ہوتی ہین، امام (رسولؐ) اوّل سے آخر تک عبادتِ الٰہی مین مصروف ہے۔

تعلیم و ارشاد، ہدایت و تلقین، تہذیب و تزکیہ کا کام ہر وقت جاری ہے، عین فتح کے وقت جب کہ مجاہدین فتح کے نشہ مین چور ہین، مالِ غنیمت فروخت ہو رہا ہے، ایک ایک کو ہزارون کی رقمین وصول ہو رہی ہین، ایک صحابی خوش خوش آتے ہین اور جوشِ مسرت مین کہتے ہین "یا رسولؐ اللہ! آج مین نے مالِ غنیمت سے جس قدر نفع اٹھایا کبھی نہین اٹھایا تھا، پورے تین سَو اوقیہ ہاتھ آئے" (اوقیہ دس روپیہ کے برابر ہوتا ہے) آپؐ فرماتے ہین کہ "مین اس سے بھی زیادہ نفع بتاؤن"؟ وہ بڑے شوق سے پوچھتے ہین کیا؟ ارشاد ہوتا ہے "نمازِ فرض کے بعد دو رکعتین[1]"

تمّ المجلد الاوّل من السیرۃ النبویّۃ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ

---

[1] ابو داؤد باب التجارۃ فی الغزو،